جلد دوم

پارہ ۶ تا ۱۰

جسمیں قرآن کی آیات کی تشریح وتفسیر کے ذیل میں توحید، رسالت اور اقوام وملل کے واقعات واحوال....... وغیرہ کو عصر حاضر کے تناظر میں ایک خاص انداز میں رقم کیا گیا ہے۔

تفسیر وتشریح

مورخ اسلام حضرت مولانا قاضی اطہر صاحب مبارکپوری

ترتیب وتحقیق

مولانا مفتی محمد صادق صاحب مبارکپوری

صدر المدرسین جامعہ نور الاسلام ولید پور ضلع مئو

ناشر

قاضی اطہر اکیڈمی

مبارکپور، ضلع اعظم گڑھ، یوپی

# جواہر القرآن

## حصہ دوم
(پارہ ۶ تا ۱۰)

جس میں قرآن کی آیات کی تشریح وتفسیر کے ذیل میں توحید، رسالت اور اَقوام ومِلل کے واقعات واَحوال...... وغیرہ کو عصرِ حاضر کے تناظر میں ایک خاص انداز میں رقم کیا گیا ہے۔

تفسیر وتشریح

مؤرخِ اسلام حضرت مولانا قاضی اطہر صاحب مبارک پوریؒ

ترتیب وتحقیق

مولانا مفتی محمد صادق صاحب مبارک پوری

صدر المدرسین جامعہ نور الاسلام ولید پور ضلع مئو، یوپی

ناشر

قاضی اطہر اکیڈمی مبارک پور ضلع اعظم گڑھ، یوپی

# تفصیلات کتاب


نام کتاب: جواہر القرآن حصہ دوم (پارہ ٦ تا ١٠)

تفسیر وتشریح: مورخ اسلام حضرت مولانا قاضی اطہر صاحب مبارک پوریؒ

ترتیب وتحقیق : مولانا مفتی محمد صادق صاحب مبارک پوری

صفحات: ۷۴۴

سنِ اشاعت نومبر ۲۰۲۴ء مطابق جمادی الاولیٰ ۱۴۴۶ھ

کمپوزنگ: قاری عثمان غنی عادلؔ جہانا گنجی

ناشر: قاضی اطہر اکیڈمی، مبارک پور ضلع اعظم گڑھ


ملنے کا پتہ

# شجرۂ نسب خانوادۂ قاضیان

مبارک پور ضلع اعظم گڑھ اتر پردیش انڈیا

# فہرست آیات

## پارہ (۷)

| نمبر | آیت | صفحہ |
|---|---|---|
| ۱۱۶ | وَ اِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ تَعَالَوۡا اِلٰى مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ وَ اِلَى الرَّسُوۡلِ ....... | ۱۶۹ |
| ۱۱۷ | وَ اِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ تَعَالَوۡا اِلٰى مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ وَ اِلَى الرَّسُوۡلِ ....... | ۱۷۰ |
| ۱۱۸ | وَ اِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ تَعَالَوۡا اِلٰى مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ وَ اِلَى الرَّسُوۡلِ ....... | ۱۷۱ |
| ۱۱۹ | وَ اِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ تَعَالَوۡا اِلٰى مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ وَ اِلَى الرَّسُوۡلِ ....... | ۱۷۲ |
| ۱۲۰ | وَ اِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ تَعَالَوۡا اِلٰى مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ وَ اِلَى الرَّسُوۡلِ ....... | ۱۷۳ |
| ۱۲۱ | وَ اِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ تَعَالَوۡا اِلٰى مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ وَ اِلَى الرَّسُوۡلِ ....... | ۱۷۴ |
| ۱۲۲ | يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا عَلَيۡكُمۡ اَنۡفُسَكُمۡ‌ ۚ لَا يَضُرُّكُمۡ مَّنۡ ضَلَّ اِذَا اهۡتَدَيۡتُمۡ‌ ؕ | ۱۷۶ |
| ۱۲۳ | يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا عَلَيۡكُمۡ اَنۡفُسَكُمۡ‌ ۚ لَا يَضُرُّكُمۡ مَّنۡ ضَلَّ اِذَا اهۡتَدَيۡتُمۡ‌ ؕ | ۱۷۶ |
| ۱۲۴ | يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا عَلَيۡكُمۡ اَنۡفُسَكُمۡ‌ ۚ لَا يَضُرُّكُمۡ ....... | ۱۷۷ |
| ۱۲۵ | اِلَى اللّٰهِ مَرۡجِعُكُمۡ جَمِيۡعًا فَيُنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۰۵﴾ | ۱۷۸ |
| ۱۲۶ | يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا عَلَيۡكُمۡ اَنۡفُسَكُمۡ‌ ۚ لَا يَضُرُّكُمۡ مَّنۡ ضَلَّ اِذَا اهۡتَدَيۡتُمۡ‌ ؕ | ۱۷۹ |
| ۱۲۷ | يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا عَلَيۡكُمۡ اَنۡفُسَكُمۡ‌ ۚ لَا يَضُرُّكُمۡ مَّنۡ ضَلَّ اِذَا اهۡتَدَيۡتُمۡ‌ ؕ | ۱۸۰ |
| ۱۲۸ | يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا عَلَيۡكُمۡ اَنۡفُسَكُمۡ‌ ۚ لَا يَضُرُّكُمۡ مَّنۡ ضَلَّ اِذَا اهۡتَدَيۡتُمۡ‌ ؕ | ۱۸۱ |
| ۱۲۹ | يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا عَلَيۡكُمۡ اَنۡفُسَكُمۡ‌ ۚ لَا يَضُرُّكُمۡ ....... | ۱۸۲ |
| ۱۳۰ | قَالَ عِيۡسَى ابۡنُ مَرۡيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَاۤ اَنۡزِلۡ عَلَيۡنَا مَآئِدَةً ........... | ۱۸۳ |
| ۱۳۱ | قَالَ عِيۡسَى ابۡنُ مَرۡيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَاۤ اَنۡزِلۡ عَلَيۡنَا مَآئِدَةً ....... | ۱۸۴ |
| ۱۳۲ | قَالَ اللّٰهُ اِنِّىۡ مُنَزِّلُهَا عَلَيۡكُمۡ‌ ۚ فَمَنۡ يَّكۡفُرۡ بَعۡدُ مِنۡكُمۡ ....... | ۱۸۵ |
| ۱۳۳ | وَمَا تَاۡتِيۡهِمۡ مِّنۡ اٰيَةٍ مِّنۡ اٰيٰتِ رَبِّهِمۡ اِلَّا كَانُوۡا عَنۡهَا مُعۡرِضِيۡنَ ﴿۴﴾ | ۱۸۶ |
| ۱۳۴ | اَلَمۡ يَرَوۡا كَمۡ اَهۡلَكۡنَا مِنۡ قَبۡلِهِمۡ مِّنۡ قَرۡنٍ مَّكَّنّٰهُمۡ فِى الۡاَرۡضِ .... | ۱۸۸ |
| ۱۳۵ | اَلَمۡ يَرَوۡا كَمۡ اَهۡلَكۡنَا مِنۡ قَبۡلِهِمۡ مِّنۡ قَرۡنٍ مَّكَّنّٰهُمۡ فِى الۡاَرۡضِ .... | ۱۸۹ |

| | | |
|---|---|---|
| ۳۱۲ | وَ لَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا............... | ۳۸۶ |
| ۳۱۳ | اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ ﴿۹۷﴾ط ... | ۳۸۷ |
| ۳۱۴ | اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ ﴿۹۷﴾ط ... | ۳۸۹ |
| ۳۱۵ | اَوَ اَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿۹۸﴾ | ۳۸۸ |
| | اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ ﴿۹۷﴾ط ... | ۳۸۹ |
| ۳۱۶ | اَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ............... | ۳۹۰ |
| ۳۱۷ | قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ج ............... | ۳۹۱ |
| ۳۱۸ | قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ج ............... | ۳۹۲ |
| ۳۱۹ | قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ج ............... | ۳۹۳ |
| ۳۲۰ | قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ج ............... | ۳۹۴ |
| ۳۲۱ | قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ج | ۳۹۶ |
| ۳۲۲ | وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ط ............ | ۳۹۷ |
| ۳۲۳ | وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ............... | ۳۹۸ |
| ۳۲۴ | وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ............... | ۳۹۹ |
| ۳۲۵ | قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ج ............... | ۴۰۱ |
| ۳۲۶ | قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ج ............... | ۴۰۲ |
| ۳۲۷ | قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ج ............... | ۴۰۳ |
| ۳۲۸ | قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ج ............... | ۴۰۴ |
| ۳۲۹ | قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ج ............... | ۴۰۵ |

| | | |
|---|---|---|
| ۵۵۷ | إِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ ........... | ۶۵۵ |
| ۵۵۸ | قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ إِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰنَا ۚ ........... | ۶۵۶ |
| ۵۵۹ | قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ إِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰنَا ۚ ........... | ۶۵۷ |
| ۵۶۰ | قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ إِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰنَا ۚ ........... | ۶۵۹ |
| ۵۶۱ | إِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ وَإِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ.......... | ۶۶۰ |
| ۵۶۲ | قُلْ أَنْفِقُوْا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ۭ ............. | ۶۶۱ |
| ۵۶۳ | قُلْ أَنْفِقُوْا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ۭ ............. | ۶۶۲ |
| ۵۶۴ | فَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَلَآ أَوْلَادُهُمْ ۭ .............. | ۶۶۳ |
| ۵۶۵ | فَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَلَآ أَوْلَادُهُمْ ۭ .............. | ۶۶۳ |
| ۵۶۶ | فَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَلَآ أَوْلَادُهُمْ ۭ .............. | ۶۶۴ |
| ۵۶۷ | وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ ﴿۶۱﴾ | ۶۶۵ |
| ۵۶۸ | وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ ﴿۶۱﴾ | ۶۶۶ |
| ۵۶۹ | يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۚ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ....... | ۶۶۷ |
| ۵۷۰ | يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۚ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ....... | ۶۶۹ |
| ۵۷۱ | يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۚ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ....... | ۶۷۰ |
| ۵۷۲ | يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۚ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ....... | ۶۷۱ |
| ۵۷۳ | يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۚ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ....... | ۶۷۲ |
| ۵۷۴ | يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۚ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ....... | ۶۷۳ |
| ۵۷۵ | يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۚ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ....... | ۶۷۵ |

# تقریظ

حضرت مؤرخ اسلام مولانا قاضی اطہر صاحب مبارک پوری نوراللہ مرقدہ کی عبقری اور عالمی شخصیت محتاجِ تعارف نہیں ہے، اسلامی علوم وفنون میں ان کا قلم رواں دواں تھا، اور اس کے مختلف شعبوں میں تصنیفی سلسلہ جاری تھا، اگر چہ ان کی تصنیفات وتحریرات کا خصوصی موضوع علم تاریخ اور سوانح تھا مگر قاضی صاحب مرحوم علمائے کرام اور عوام الناس سبھی کے استفادہ کے لیے ”جواہر القرآن“ کے عنوان سے بمبئی کے مشہور اخبار ”انقلاب“ میں قرآن عزیز کی تعلیمات کو عام کرنے کے لیے ایک ایک آیت پر روزانہ حالات وزمانہ کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے تذکیری تحریر رقم فرماتے تھے، جونہایت متداول ہوتی تھیں اور انقلاب کے قارئین کے لیے دلچسپی کا سامان ہوتی تھیں اور اس کا انتظار وشوق ہوتا تھا۔

سالوں سے اس کی تمنا اور خواہش تھی اور قارئین کرام کا اصرار تھا کہ تیسوں سالوں تک رقم کیے گئے ان جواہر پاروں کو کتاب کی شکل میں منظر عام پر لایا جائے، ۳؍سال پہلے جمع ہوکر اس کی پہلی جلد ۱؍تا ۵؍ پاروں پر مشتمل ہے اور خوشی ومسرت کا مقام ہے کہ اس کی دوسری جلد (۶؍تا ۱۰؍ پر مشتمل ہے) قارئین کے سامنے پیش کرنے کی سعادت حاصل ہورہی ہے۔ اور شکریہ کے مستحق ہیں برادرزادہ فوزان طارق سلمہ اور برادر عزیز قاضی حسان احمد صاحب حفظہما اللہ تعالیٰ اور برادرزادہ مولانا قاضی عدنان سلمہ جنھوں نے اخباری تراشے کو جمع کیا اور نگرانی کی اور سب سے بڑھ کر حوصلہ افزائی کی۔

اور اللہ تعالیٰ بہت بہت جزائے خیر دے حضرت قاضی صاحب مرحوم کے کاموں

اور خدمات کو منظر عام پر لانے والوں میں حضرت مولانا مفتی محمد صادق صاحب مبارک پوری (صدر المدرسین جامعہ نور الاسلام ولید پور ضلع مئو) کو جنھوں نے جواہر القرآن جیسے بحرِ بیکراں کے ایک ایک قطرہ کو جمع کرنے، مرتب کرنے اور سجانے کی فکر کی اور ان کی انتھک کوشش و محنت سے قارئین کے سامنے پیش کرنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔

اور جملہ معاونین کرام کا بھی ممنون و مشکور ہوں، جنھوں نے کسی بھی قسم کا اس راہ میں تعاون کیا ہے۔

خصوصاً میرے برادر کبیر مولانا قاضی خالد کمال صاحب مبارک پوریؒ اور ان کی اہلیہ محترمہ مرحومہ کے لیے ایصالِ ثواب کا سامان ہو۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو اہلِ علم، عوام الناس، طلبائے عزیز سبھی کے لیے مفید اور نفع بخش بنائے، اور لوگوں کے لیے ہدایت کا سامان ہو، اور ہم سب کے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ (آمین یارب العالمین)

طالبِ دعا

قاضی سلمان مبشر مبارک پوری

مدیر قاضی اطہر اکیڈمی مبارک پور

ضلع اعظم گڑھ، اتر پردیش، الہند

۲۰ر جمادی الاولیٰ ۱۴۴۶ھ

مطابق ۲۳ر نومبر ۲۰۲۴ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# پیشِ لفظ

مؤرخِ اسلام حضرت مولانا قاضی اطہر صاحب مبارک پوری نوراللہ مرقدہٗ ایک عالمی شخصیت کے مالک تھے، تفسیر وحدیث، تاریخ واَدب، سیرت وسوانح کے محقق ومصنف اوراعلیٰ صحافی ومدیر تھے، ان کے علمی، دینی، تحقیق، اصلاحی کارنامے درخشاں ستارے کے مانندایک عالم کوروشن ومنور کیے ہوئے ہیں۔

قاضی صاحب کا اصل میدان تاریخ وسیرت تھا، مگر ہروادی میں ان کا قلم چلتا رہا، ایک طویل عرصہ تک بمبئی سے شائع ہونے والے مشہوراخبار انقلاب میں جواہر القرآن کے عنوان سے کلامِ الٰہی کی تفسیر وتشریح عصر حاضر کے تناظر میں رقم فرماتے رہے، انھیں جواہر پاروں پر مشتمل یہ عالی وقار کتاب ہے۔

دوتین سال پہلے پارہ نمبر 1 تا 5 حصہ اول کے نام سے شائع ہوئی تھی، ہاتھوں ہاتھ لی گئی، اسی وقت سے اَحباب کا تقاضا تھا کہ حصہ دوم بھی ترتیب کے ساتھ منظر عام پر آجائے۔

الحمدللہ ثم الحمدللہ شبانہ روز کی عرق ریزی کے بعد یہ کتاب منظر عام پر آرہی ہے، یہ وضاحت ضروری ہے کہ اس میں حضرت قاضی صاحب کے نبیرانِ گرامی جناب فوزان طارق بن مولانا قاضی خالدکمال صاحب مبارک پوری رحمۃ اللہ علیہ (مقیم حال نیوزی لینڈ) اور مولوی محمد عدنان بن جناب قاضی محمد حسان صاحب کی کوششوں کا بڑا دخل ہے۔

اول الذکر صاحب مالی تعاون کے ساتھ مسلسل یاددہانی کراتے رہے، جس کی برکت سے قلیل وقت میں ترتیب وتحقیق کا کام پایۂ تکمیل کو پہونچ گیا۔

اللہ تعالیٰ اس کتاب کو شرفِ قبولیت سے نوازیں، اور عوام وخواص سبھی قارئین کے حق میں نافع ومفید بنائیں، اور معاونین کو ان کی مساعی جمیلہ کے اجر وثواب سے نوازیں، مرتب اور اس کے والدین کے لیے صدقۂ جاریہ کا ذریعہ بنائیں۔

محمد صادق مبارک پوری

صدر المدرسین ومفتی جامعہ نور الاسلام ولید پور ضلع مئو

15 شوال المکرم 1445ھ 25 اپریل 2024ء

# پارہ (٦)

# سورۃ النساء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۔

اِنۡ تُبۡدُوۡا خَیۡرًا اَوۡ تُخۡفُوۡہُ اَوۡ تَعۡفُوۡا عَنۡ سُوۡٓءٍ فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَفُوًّا قَدِیۡرًا ﴿۱۴۹﴾

اگر تم لوگ بھلائی کو ظاہر کرو، یا اسے چھپاؤ گے یا برائی سے درگزر کرو گے تو اللہ معاف کرنے والا قدرت رکھنے والا ہے۔ (پ۶ ع۱، سورۂ نساء آیت:۱۴۹)

نیکی اور اچھائی کے کام اپنی ذات سے زیادہ دوسروں کے کام آتے ہیں، اور ان کا فائدہ دوسروں کو زیادہ ہوتا ہے، اس لیے ایسے کاموں کو خواہ مخواہ ظاہر کرنے اور لوگوں پر احسان رکھنے کا کوئی فائدہ نہیں، بل کہ اپنے اندر غرور کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، اگر عوام پر اسے ظاہر کرتا ہے تو بہت جلد اس کا ظہور ہو جائے گا، اور اگر اللہ کو دکھانا ہے، تو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے، اسے بتانے اور دکھانے کی ضرورت نہیں ہے، اس لیے اگر تم کوئی نیک کام کرو تو اسے ظاہر کرو یا چھپاؤ، یا کسی نے تمہارے برائی کی تھی اور تم نے اسے معاف کر دیا تو ہر حال میں اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم کو اس کی جزا دینے والا ہے، اس لیے جب کوئی نیک کام کرو تو اسے ظاہر کرنے کے چکر میں مت پڑو، اور اگر کسی سے غلطی ہو جائے تو اسے معاف کر دو تا کہ اللہ تعالیٰ تم کو اس سے بہتر بدلہ دیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِاللّٰہِ وَ رُسُلِہٖ وَ لَمۡ یُفَرِّقُوۡا بَیۡنَ اَحَدٍ مِّنۡہُمۡ اُولٰٓئِکَ سَوۡفَ یُؤۡتِیۡہِمۡ اُجُوۡرَہُمۡ ؕ وَ کَانَ اللّٰہُ غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًا ﴿۱۵۲﴾

جو لوگ اللہ اور اس کے تمام رسولوں پر ایمان لے آئے، اور انھوں نے ان میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کیا تو ایسے لوگوں کو اللہ عنقریب ان کا اجر دے گا، اور اللہ غفور رحیم ہے۔ (پ۶ ع۱، سورۂ نساء آیت:۱۵۲)

اسلام اور دوسرے مذاہب میں منجملہ دیگر بنیادی امتیازات کے ایک بہت ہی نمایاں

بات یہ ہے کہ وہ دنیا بھر کے تمام اگلے پچھلے ہادیوں، رہبروں، مصلحوں، نبیوں اور پیغمبروں کو برحق تسلیم کرتا ہے، اسلامی دعوت کا سب سے بڑا جزیہ ہے کہ وہ دنیا کے تمام سچوں کی سچائیاں تسلیم کر کے ان کی عظمت کو بحال رکھے، بل کہ اسلام بغیر اس کے مکمل نہیں ہوسکتا ہے، اور کوئی شخص اس کے بغیر مسلمان نہیں ہوسکتا کہ وہ گزشتہ تمام سچوں اور ان کی سچائی پر ایمان لائے۔

دنیا کے دوسرے مذاہب میں یہ حوصلہ اور وسعت ظرفی مفقود ہے کہ وہ دنیا بھر کے مصلحوں کو اپنا امام تسلیم کریں، بل کہ ان کے یہاں روحانیت اور امانت کا مفہوم علاقائی، نسلی اور جغرافیائی ہے، ان کے پیشوا خاص نسل اور خاندان کے لوگ ہوتے ہیں، ان کی تحریک کی آب وہوا خاص ہوتی ہے، وہ ایک ماحول ومعاشرہ کی پیداوار ہوتے ہیں، اور اسی کے مطابق کچھ روحانی اصول بنا کر ان کو ابدی اور دائمی سمجھتے ہیں، اس کے مقابلہ میں دوسرے تمام اصولوں اور سچائیوں کو جھوٹا ثابت کرتے ہیں، اور ان کی تکذیب کرتے ہیں۔

مگر اسلام ایک آفاقی دین ہے، وہ عالم گیر تعلیمات رکھتا ہے، اور اس کی دعوت ساری کائنات کے لیے ہے، اس لیے اسے بنیادی طور پر سب سے پہلے اسی کو تسلیم کرنا اور تسلیم کرانا ہوتا ہے کہ سچائی کسی زمین اور نسل کی پیداوار نہیں ہے کہ وہ خاندانی اور جغرافیائی حدود میں گھر کر رہ جائے، بل کہ خدا کے ہادی ہر جگہ، ہر زمانے اور ہر قوم میں آئے، ان کی باتیں برحق ہیں، اس لحاظ سے اسلام نے جس وسعت ظرفی اور آفاقیت کا ثبوت دیا ہے، اسے کوئی مذہب پیش نہیں کرسکتا، مگر اسلام ساتھ ہی آج کے وحدتِ ادیان کے گورکھ دھندے سے بہت دور ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِاللّٰہِ وَ رُسُلِہٖ وَ لَمۡ یُفَرِّقُوۡا بَیۡنَ اَحَدٍ مِّنۡہُمۡ اُولٰٓئِکَ سَوۡفَ یُؤۡتِیۡہِمۡ اُجُوۡرَہُمۡ ؕ وَ کَانَ اللّٰہُ غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًا ﴿۱۵۲﴾

جو لوگ اللہ اور اس کے تمام رسولوں پر ایمان لے آئے، اور انھوں نے ان میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کیا تو ایسے لوگوں کو اللہ عنقریب ان کا اجر دے گا، اور اللہ غفور رحیم ہے۔ (پ ٦ ع ١، سورۂ نساء آیت: ١٥٢)

یہودی وہ ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکذیب کرے، نصرانی وہ ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکذیب کرے، دوسرے فرقے وہ ہیں جو سلسلہ نبوت اور رسالت ہی کا سرے سے انکار کریں، مگر مسلمان وہ ہے جو سلسلۂ نبوت اور رسالت کے ایک ایک نبی اور رسول کی تصدیق کرے، اگر کسی نبی پر ایمان نہ لائے تو وہ مسلمان ہی نہیں ہوسکتا۔

بات یہ ہے کہ مسلمان دنیا کی ہر سچائی کا معترف اور محافظ ہے، وہ اپنے اسلام اور ایمان کو اس وقت تک مکمل نہیں کرسکتا جب تک کہ دنیا کی ایک ایک سچائی کا جو اسے معلوم ہے اقرار واعتراف نہ کرلے، وہ اقرار کرتا ہے کہ جتنے نبی آئے سب برحق ہیں، انسان جوں جوں ذہن وفکر اور عمل وکردار کی قوت میں آگے بڑھتا گیا توں توں خدا کے احکام واَوامر بدلتے گئے، پس جو احکام پہلے آئے وہ بھی وقت اور ماحول کے لیے برحق تھے، اور جو بعد میں آئے وہ بھی برحق اور صحیح ہیں۔

غرض کہ مسلمان تمام اگلے پچھلے احکام وحقائق کو مان کر ایک ایسے نظام پر چلتا ہے جس میں تمام اگلی پچھلی سچائیوں کی روح موجود ہے، اسی نظام کا نام مسلمان کی اصطلاح میں "اسلام" ہے۔

پس جو لوگ اس وسعت ظرفی اور حقیقت نوازی کا ثبوت دیں گے، اور تمام پیغمبروں کو مان کر ان کی تعلیمات پر ایمان لائیں گے، ان کی کشادہ قلبی اور وسعت نظری خداوند کی نوازش وکرم کی مستحق ہے، ان کو قانونِ خداوندی نوازے گا، وہ لوگ کامیاب لوگوں میں ہوں گے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِیْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَیْهِمْ طَیِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَ بِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ كَثِیْرًا ﴿۱۶۰﴾ وَّ اَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَ قَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَ اَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ط

یہودیوں کی طرف سے ظلم کی وجہ سے ہم نے ان پر ان پاکیزہ چیزوں کو حرام کردیا جوان کے لیے حلال کی گئی تھیں، اوران کے اللہ کی راہ سے بہت زیادہ روکنے سے اوران کے سود لینے سے حالاں کہ ان کواس سے منع کیا گیا تھا، اوران کے لوگوں کے اموال کو باطل طریقہ پر کھانے کی وجہ سے یہ بات ہوئی۔ (پ۶ ع ۲، سورۂ نساء آیت: ۱۶۰، ۱۶۱)

ظلم وستم، شرک وکفر، حرام خوری، اورلوٹ وگھسوٹ ایسی مہلک بیماریاں ہیں کہ کسی قوم میں ان کے پیدا ہوجانے کے بعد اسے امن وسکون سے دووقت حلال وطیب غذا بھی نصیب نہیں ہوتی ہے، اور زندگی کی سب سے اہم ضرورت میں خطرناک قسم کا رخنہ پیدا ہوجاتا ہے، یہودی قوم سود خوری، سرمایہ پرستی، لوٹ گھسوٹ میں پہلے زمانے سے بدنام قوم ہے، اللہ تعالیٰ نے اس لت کی وجہ سے اس قوم سے خوش گوار غذاؤں اچھے کھانوں اور پاکیزہ ماکولات کوروک دیا۔

مگر یہ قوم اپنی عادت بد سے باز نہ آئی، اور آج بھی دنیامیں اس کی یہ بری خصوصیات ہرجگہ پائی جاتی ہیں۔

مسلمانوں کوایسی برائی سے بچ کر یہودیت کے انجام سے بچنا چاہیے، بل کہ اللہ توفیق دے تو ہر قوم کوان جرائم سے دوررہ کرکم ازکم غذائی حالات کوخوش گوارواستوار رکھنا چاہیے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

رُسُلًا مُّبَشِّرِیْنَ وَ مُنْذِرِیْنَ لِئَلَّا یَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ط

ان سب کوخوش خبری سنانے والے اورخوف دلانے والے بنا کر بھیجا، تاکہ لوگوں کو

اللہ کے سامنے رسولوں کے بعد کوئی عذر باقی نہ رہے۔ (پ ۶ ع ۳، سورۂ نساء آیت: ۱۶۵)

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لیے اپنے پیغمبروں اور ہادیوں کو بھیجا، اور ان کو بشیر ونذیر بنایا، یعنی ان کی تبلیغ وہدایت اور تعلیم وارشاد کے دو رخ بتائے، ایک یہ کہ خوش خبری اور بشارت کا پہلو جن میں انسانوں کو اللہ تعالیٰ کے رحم وکرم اور نیک کام کی اچھی جزا کی خوش خبری سنائی جاتی ہے، اور مخاطب لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ تم ہماری بتائی ہوئی راہ پر اس لیے چلو کہ تمہارا اس میں بھلا ہے، سراسر مسرت وخوشی اور فائدہ ونفع کی بات ہے، اور دوسرا خوف دلانے کا پہلو جس میں حضرات انبیاء ورسل اپنے مخاطب لوگوں کو گمراہی اختیار کرنے اور بری زندگی پر جمے رہنے سے اللہ تعالیٰ کے عقاب سے ڈراتے ہیں، اور برے کاموں کی بری جزا سے باخبر کر کے ان کو انجام کی تباہی کی خبر دیتے ہیں۔

بعثتِ انبیاء اور ان کی تبشیر وانذار کا مقصد یہ ہے کہ انسانوں کو اچھی سے اچھی اور کامیاب زندگی ملے، اور کل وہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں یہ نہ کہہ سکیں کہ اے اللہ! ہمارے پاس کوئی راہ دکھانے والا نہیں آیا تھا، ہم تو بات ماننے کے لیے تیار تھے، کوئی بات سنانے والا نہیں تھا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ صَدُّوۡا عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ قَدۡ ضَلُّوۡا ضَلٰلًۢا بَعِیۡدًا ﴿۱۶۷﴾

بے شک جنھوں نے کفر کیا، اللہ کی راہ سے روکا، وہ بہت ہی دوررس گمراہی میں پہونچ گئے ہیں۔ (پ ۶ ع ۳، سورۂ نساء آیت ۱۶۷)

جو لوگ خود بے عملی، بے عقیدگی، اور بد اعمالی کی گمراہی میں پھنسے ہوئے ہیں، وہ بجائے خود سب سے زیادہ گمراہ اور قابل سزا ہوتے ہیں، پھر ان لوگوں کی گمراہی اور بے راہ روی کا کیا کہنا جو خود گمراہ ہیں، دوسروں کو گمراہ کرتے ہیں، دین کی راہ سے روکتے ہیں، نیکی کے کاموں سے دور رکھتے ہیں، اور ایسے حالات پیدا کرتے ہیں کہ دوسرا آدمی بھی ان کی

طرح کوئی اچھا کام نہ کر سکے۔

ایسے بدعقل لوگوں کی گمراہی بہت ہی دوررس اور بھیانک نتائج کی حامل ہوتی ہے، اور اپنی طرح دوسروں کو بھی بے عقل اور بدعقیدہ اور بدکار بنانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں، ان کی گردنوں پر اپنی گنہ گاری کے بوجھ کی طرح دوسروں کے گناہ کا بوجھ بھی ہوتا ہے، اور بہت سے گمراہوں کے ذمہ دار کی حیثیت سے ماخوذ ہوتے ہیں۔

دین وایمان کی راہ اللہ کی راہ ہے جس پر چل کر انسان سچائی، محبت، ہمدردی، خدا پرستی سے سرفراز ہوتا ہے، اس راہ سے جو لوگ دوسروں کو روکتے ہیں اور ان کو بہکا کر جہل ونادانی اور فسق وفجور کی طرف لے جاتے ہیں وہ ہر طرح قابل لعنت وملامت ہیں، ان کو سوسائٹی میں جگہ نہیں دینی چاہیے، ورنہ جراثیم پوری بستی کو اپنی بیماری کی لپیٹ میں لے لیں گی اور دو چار کی وجہ سے ساری آبادی عذاب اور سزا سے دو چار ہوگی۔

قرآن حکیم ایسے لوگوں سے دور رکھنے کی بہت کوشش کرتا ہے، اور جگہ جگہ ان کی نشان دہی کر کے مسلمانوں کو خبر کرتا ہے کہ ان سے بچتے رہنا، اور اپنے بال بچوں کو اور نوجوانوں کو بھی ان سے بچانا، ورنہ یہ خود گمراہ ہو کر ان کو بھی گمراہ کر دیں گے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ ظَلَمُوۡا لَمۡ یَکُنِ اللّٰہُ لِیَغۡفِرَ لَہُمۡ وَ لَا لِیَہۡدِیَہُمۡ طَرِیۡقًا ﴿۱۶۸﴾

بلاشبہ جن لوگوں نے کفر کیا اور ظلم کیا، اللہ ان کو نہیں بخشے گا، اور نہ ان کو جہنم کی راہ کے سوا کوئی راہ دکھائے گا، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ (پ ۶ ع ۳، سورۂ نساء آیت: ۱۶۸)

حضرات انبیائے کرام کی تبلیغ وہدایت کے بعد جن انسانوں نے اپنی زندگی غلط رکھی، اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ بتوں اور انسانوں کو شریک کر کے دوسری طاقتوں کی غلامی کی، اور شرک وکفر اور جرائم کی وجہ سے اپنے اوپر ظلم وزیادتی کی، اور اس زمین میں فتنہ وفساد کا

بازارگرم کیا، ان پر خدا کی حجت پوری ہوگئی، اور اب ان کے پاس کوئی عذر نہیں رہ گیا، جس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے عذر و معذرت کر سکیں۔

اب ایسے گمراہوں کے لیے جہنم کی راہ کے سوا کوئی دوسری راہ نہیں رہ گئی ہے، اور اب وہ اسی کے سزاوار ہیں کہ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے، اور خوب خوب گمراہی میں جرائم کرنے کی آزادی دے دی جائے، تاکہ جی بھر کر جو چاہیں کرلیں۔

اللہ تعالیٰ کے قانون فطرت کی وجہ سے انسانوں کے سنبھلنے کا موقع دے دیا جائے اور اپنے رسولوں کی بعثت کر دی۔

اب انسانوں کا کام ہے کہ وہ ان کی بتائی ہوئی راہ پر چل کر اپنے کو کامیاب کریں، اگر وہ اپنے انجام کی برائی سے اس قدر غافل ہیں تو اس کے سوا کیا چارہ ہے کہ ان کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ ظَلَمُوْا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَ لَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا ﴿۱۶۸﴾

بلاشبہ جن لوگوں نے کفر کیا اور ظلم کیا، اللہ ان کو نہیں بخشے گا، اور نہ ان کو جہنم کی راہ کے سوا کوئی راہ دکھائے گا، وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ (پ ۶ ع ۳، سورۂ نساء آیت: ۱۶۸)

اللہ تعالیٰ کا دین واضح ہے، اس کے حقائق سب پر کھلے ہوئے ہیں، اس میں کسی نسل، کسی قوم، کسی جماعت اور کسی دور کے لیے نہ کوئی ممانعت ہے، اور نہ کسی کا اس پر ذاتی قبضہ ہے، بل کہ ہر انسان اس سے اخذِ فیضان کر سکتا ہے، اور اللہ کی دی ہوئی عقل و بصیرت اور آنکھ کان سے کام لے کر اپنا حصہ اللہ کے دین سے حاصل کر سکتا ہے۔

اس حقیقت کے مقابلہ میں جو لوگ اِباء و انکار اور خمود و جمود کا رویہ اختیار کریں گے، اور دین کی ہر بات کا انکار کر کے اندھے بہرے بنیں گے، ان کے گلے میں دین کا نوالہ نہیں

ٹھوسا جائے گا، اوران کی گردن میں تعویذ بنا کر دین کونہیں لٹکایا جائے گا، ایسے لوگ اللہ کی دی ہوئی قوتوں کوشل کر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے اوامر ونواہی کو نہ صرف یہ کہ اپناتے ہیں بل کہ ان کے مقابلہ میں استہزا اور مذاق کا رویہ اختیار کرتے ہیں۔

ان لوگوں کی کام یابی کے لیے قانون قدرت میں کوئی گنجائش نہیں ہے، اوراپنی زندگی کو ناکامی کی، جس وادی میں چاہیں لے جائیں، اور اللہ تعالیٰ ایسے بدبختوں کے لیے رشد وہدایت کی اس راہ کے علاوہ کوئی نئی راہ نہیں پیدا فرمائے گا، جو دنیا جہان کے لیے جاری ہے، اور جس سے اربابِ عقل وہوش تسلیم ورضا کی روش اختیار کر کے اپنے کو دونوں جہان میں کام کرتے ہیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَیْرًا لَّكُمْ ؕ وَ اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَكِیْمًا ﴿۱۷۰﴾

اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے رسول حق کو لے کر آ گیا ہے، پس تم ایمان لاؤ، یہ تمہارے لیے بہتر ہے اور اگر کفر کرو گے تو اللہ کے لیے زمین وآسمان کی ہر چیز ہے اور اللہ علیم حکیم ہے۔ (پ۶ ع ۳، سورۂ نساء: ۱۷۰)

اللہ تعالیٰ انسانوں کی عبادت وبندگی سے بے نیاز ہے، اور انسان کی عبادت کرنے سے نہ اس کا کوئی فائدہ ہے اور نہ کفر وعصیان کرنے سے اس کا کوئی نقصان ہے، بل کہ اس کی ذات انسان کے ان دونوں کاموں سے بے نیاز ہے، البتہ انسانوں کا اس میں سراسر فائدہ ہے کہ وہ اس کی اطاعت وفرماں برداری کر کے اپنے کو بہتر سے بہتر بنائیں اور اس میں ان کا نقصان ہے کہ اس کے احکام سے انحراف کر کے اپنے کو ناکام کریں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے انسانو! اللہ کی طرف سے تمہاری فلاح ونجاح کے لیے

اس کا رسول آ گیا ہے، اب تم کو ایمان لانا چاہیے تا کہ تمہاری زندگی اچھے اصولوں پر بسر ہو سکے اور تم ابدی خوش بختی کے مستحق ٹھہرو۔

خوب سمجھ لو کہ اس میں تمہارا ہی فائدہ ہے، اللہ تعالیٰ کو تمہاری عبادت کی ضرورت نہیں ہے، اس کے قبضہ میں زمین و آسمان کی ایک ایک چیز ہے، اور اس کا حکم ساری کائنات پر چلتا ہے، جس میں تم بھی شامل ہو، تم اچھی راہ پر چلو، یا بری راہ اختیار کرو، بہر حال تم اس کے قبضہ وقدرت سے باہر نہیں ہو سکتے ہو، اس لیے تمہیں رام کرنا اس کا مقصود نہیں ہے، بل کہ تمہیں ہر طرح کامیاب بنانا بعثتِ رسول کی غرض ہے۔

یہ بات ہر انسان کو اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ اگر وہ ایمان و اسلام کی زندگی اختیار کرے گا تو اپنے لیے، اور اگر کفر والحاد کی زندگی اختیار کرے گا تو اپنے لیے، یہ تو اللہ تعالیٰ کی غایت نوازش ہے کہ وہ انسانوں کی ہدایت کے لیے اپنے رسولوں کو مبعوث فرماتا ہے، اور اتمامِ حجت کر کے ان کو اچھا بننے کی راہ پیدا فرماتا ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

يَآَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ط

اے اہل کتاب! تم لوگ اپنے دین میں غلو مت کرو، اور اللہ کے بارے میں حق بات کے علاوہ نہ کہو۔ (پ ٦ ع ٣، سورہ نساء آیت: ١٧١)

یہاں اہل کتاب کو حکم دیا جا رہا ہے کہ تم لوگ اپنے دین میں مبالغہ آرائی سے کام نہ لو، اور جتنا تم کو حکم دیا گیا ہے اتنا ہی کرو اور گمراہی میں مبتلا ہو کر اللہ تعالیٰ پر اتہام والزام نہ لگاؤ کہ خدا نے ہمیں یہ حکم دیا ہے اور ایسا فرمایا ہے، حضرت عیسیٰؑ کو اپنا بیٹا گردانا ہے اور مریم، خدا اور عیسیٰ تینوں میں رشتہ داری ہے وغیرہ وغیرہ۔

یہ جو تم توحید و رسالت اور انسانیت کو ایک کر رہے ہو اچھی بات نہیں ہے، خدا نے

اس کا حکم نہیں دیا ہے اور نہ خدا اس سے راضی ہوگا، بلکہ خدا نے جو حکم دیا ہے تم اسی پر عمل کرو، اور حد سے تجاوز نہ کرو، تو یہ اہل کتاب یعنی یہود ونصاریٰ کو صاف صاف سنایا گیا، اور اسی ضمن میں مسلمانوں کو بتا دیا گیا کہ تم لوگ بھی ان گمراہوں کہ طرح اپنے رسولوں، ولیوں اور بزرگوں کو اللہ کے برابر نہ بنانا، نہ ذات میں، نہ صفات میں، اور تم بھی یہود ونصاریٰ کی طرح توحید ورسالت اور انسانیت تینوں کو ایک نہ کر دینا، کیوں کہ اگر تم نے بھی یہود ونصاریٰ کا رنگ اختیار کیا، تو تمہارا کام بھی انھیں کی طرح ہو جائے گا اور تم بھی دین کی روح سے محروم ہو کر کفر وشرک کی الجھنوں میں پھنس جاؤ گے۔ اور محبت کے نام پر گمراہی اختیار کرو گے، جس طرح کہ یہود ونصاریٰ نے اپنے رسولوں اور بزرگوں کی محبت میں پڑ کر ان کو خدا کا ہم پلہ بنا دیا، اور اسی کو معیارِ دین وایمان سمجھ لیا۔

مسلمان قوم کو یہود ونصاریٰ کی اس روش سے سبق لینا چاہیے، اور غلو فی الدین سے بچنا چاہیے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

يَاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ

اے اہل کتاب! تم لوگ اپنے دین میں غلو مت کرو، اور اللہ کے بارے میں حق بات کے علاوہ نہ کہو۔ (پ ٦ ع ٣، سورۂ نساء آیت: ١٧١)

اسلام سے پہلے اہل کتاب میں دو گروہ کے لوگ موجود تھے: ایک یہود یعنی پیروان حضرت موسیٰؑ اور دوسرے نصاریٰ یعنی پیروانِ حضرت عیسیٰؑ مسیح۔

ان دونوں گروہوں نے دین میں اپنی طرف سے طرح طرح کی زیادتی کی اور مقام توحید اور مقامِ رسالت کی درمیانی حد کو توڑ کر خدا اور رسول کا امتیاز ختم کر دیا، یہود حضرت عزیزؑ کو ابن اللہ کہتے تھے، نصاریٰ حضرت عیسیٰؑ کو ابن اللہ سمجھتے تھے، اس مشرکانہ تصور کے نتیجہ

میں دونوں گروہوں نے دین کے نام پر وہ وہ خرابیاں پیدا کیں کہ خدا کی پناہ!

قرآن حکیم اپنے مخاطب یعنی اہل کتاب سے مطالبہ کر رہا ہے کہ تم دین میں زیادتی سے باز آجاؤ اور مسلمانوں کو بتا رہا ہے کہ تم بھی اس حرکت میں مبتلا مت ہونا۔

امت مسلمہ جو توحید و رسالت کے بارے میں دنیا کی امام تھی، آخر کار انھیں اہل کتاب کی راہ پر چل پڑی، اور اسلام کے عقیدۂ توحید و رسالت میں اتنا تغیر پیدا کر دیا کہ حقیقت دب گئی، خدا کی تمام صفات انسانوں کو دے کر انسان پرستی شروع کر دی، اور رسول کی تمام صفات کو غیر رسول میں سمجھ کر اپنے اپنے بڑوں کو سب کچھ سمجھ لیا۔

مسلمان ذرا اپنے دماغ پر بھی زور دیں اور ان حقیقتوں کو سوچیں کہ یہ کیا ہو رہا ہے، آخر ان کا بھی تو کچھ فرض ہے؟ اور خدا نے ان کو بھی تو عقل دی ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِكُمْ وَ لَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ

اے اہل کتاب! تم لوگ اپنے دین کے معاملہ میں غلو نہ کرو، اور اللہ کے بارے میں حق بات کے علاوہ نہ کہو۔ (پ ۶ ع ۳، سورہ نساء آیت: ۱۷۱)

دین انسانیت کی فلاح و نجاح کے لیے ایک ایسا خدائی قانون ہوتا ہے جس میں اعتدال اور میانہ روی ہوتی ہے، نہ اتنی آسانی ہوتی ہے کہ انسان جو چاہے کرے، اگر وہ چند حقائق و مسلمات کو تسلیم کر لے تو اس کے لیے نجات ہی نجات ہے، اور نہ اتنی شدت اور سختی ہوتی ہے کہ انسان اس کے ساتھ چل ہی نہیں سکتا، بل کہ دین اعتدال کی اس راہ کا دوسرا نام ہے، جس پر چل کر انسان دنیا اور آخرت کی زندگی کو کامیابی اور کامرانی سے مالا مال کر لیتا ہے۔

کامل و مکمل دین وہی ہے جس میں اتنی لچک موجود ہو کہ ہر قوم و نسل کے افراد ہر ملک اور وطن کے باشندے اور ہر آب و ہوا کے خوگر اس پر عمل کر سکیں، اگر کوئی دین ایسی لچک

نہیں رکھتا تو اس کی سچائی عالم گیر اور بین الاقوامی نہیں ہے، بل کہ وہ ایک نسل، وطن یا ملکی حقیقت ہے جسے جغرافیائی اور روایتی حد بندیوں نے گھیر رکھا ہے۔

اسلام چوں کہ ایک عالم گیر سچائی پیش کرتا ہے، اور اپنے اندر وسعت رکھتا ہے کہ اس کے دامن میں مشرق و مغرب کی پوری انسانیت سما جائے، اور وہ تمام انسانوں کو اپنی طرف دعوت بھی دیتا ہے، اس لیے اس کے اندر حوصلہ مندی، وسعت ظرفی، کشادہ دلی، لچک بلا کی رکھی ہوئی ہے، اسلام اپنی اسی خصوصیت کی بنا پر اہل کتاب یعنی یہود نصاریٰ اور دوسرے پیروانِ کتب سماویہ سے کہتا ہے کہ تم لوگ دین کے بارے میں ایسی راہ اختیار نہ کرو، جس میں سراسر غلو اور زیادتی ہو، جس کی شدت سے انسانیت اکتا جائے، جو کچھ تمہارے دین میں صحیح تعلیمات ہیں، ان کو اجاگر کرو اور ان ہی پر عمل کرو۔

یہاں پر بعض مسلمانوں کو خوب غور کرنا چاہیے، جو دین کے بارے میں ایسی سختی چاہتے ہیں جو الدین یسر (دین آسان ہے) والی حدیث کے بالکل خلاف ہے، اس قسم کا غلو کرنے والے لوگ دین کی حقیقتوں کو صرف اپنے خیال و اعمال تک محدود کرنا چاہتے ہیں، اور اسلام کی اس وسعت سے قطعاً دور ہیں جو اسلام کے "کلمہ جامعہ" کے اندر موجود ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

يَٰٓأَهۡلَ ٱلۡكِتَٰبِ لَا تَغۡلُواْ فِي دِينِكُمۡ وَلَا تَقُولُواْ عَلَى ٱللَّهِ إِلَّا ٱلۡحَقَّۚ إِنَّمَا ٱلۡمَسِيحُ عِيسَى ٱبۡنُ مَرۡيَمَ رَسُولُ ٱللَّهِ وَكَلِمَتُهُۥٓ أَلۡقَىٰهَآ إِلَىٰ مَرۡيَمَ وَرُوحٞ مِّنۡهُۖ فَـَٔامِنُواْ بِٱللَّهِ وَرُسُلِهِۦۖ وَلَا تَقُولُواْ ثَلَٰثَةٌۚ ٱنتَهُواْ خَيۡرٗا لَّكُمۡۚ إِنَّمَا ٱللَّهُ إِلَٰهٞ وَٰحِدٞۖ سُبۡحَٰنَهُۥٓ أَن يَكُونَ لَهُۥ وَلَدٞۘ لَّهُۥ مَا فِي ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَمَا فِي ٱلۡأَرۡضِۗ

اے اہل کتاب! تم اپنے دین میں غلو نہ کرو، اور اللہ کے بارے میں حق کے علاوہ کچھ نہ کہو، مسیح بن مریم تو صرف اللہ کے رسول اور اس کے کلمہ ہیں، جسے اللہ نے مریم کی طرف

ڈال دیا تھا، اور مسیح اللہ کی طرف سے روح ہیں۔

پس تم لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ، اور تین خدا مت کہو، اس سے رک جاؤ، یہ تمہارے لیے بہتر ہے، اللہ تو ایک ہی ہے، وہ اس سے پاک ہے کہ اس کے لیے لڑکا ہو، اس کے لیے تو جو کچھ آسمانوں وزمینوں میں ہے سب ہے۔

(پ٦ ع ٣، سورۂ نساء آیت: ۱۷۱)

یہاں پر عیسائیوں کو بتایا جا رہا ہے کہ بڑے دین دار مت بنو اور اپنے دین کے بارے میں لمبی چوڑی باتیں نہ کرو، اللہ پر ایمان رکھتے ہو تو اس کی توحید کے مناسب بات کرو، اور توحید کے دعوے دار بن کر مشرکانہ عقیدہ نہ رکھو۔

حضرت عیسیٰؑ کو تم نے خدا کا بیٹا مانا ہے، ان کی ماں حضرت مریم کو اور خود اللہ کو بھی خدا مانا ہے، اس طرح تم ایک خدا کو تین افراد میں تقسیم کرتے ہو، اور پھر ان تینوں کو ایک خدا بناتے ہو، یہ تمہارا کیا حساب ہے؟

یہ توحیدی حساب نہیں ہے، بل کہ تثلیثی حساب و کتاب کا جھنجھٹ ہے، تمہارے لیے بہتر ہے کہ اس قسم کی ایک تین اور تین ایک کی ریاضی سے باز آ کر ایک خدا کو مانو، اس کے رسولوں پر ایمان لا کر حضرت عیسیٰؑ کو بھی خدا کا رسول اور پیغمبر مانو، جس خدا کے قبضہ و قدرت میں زمینوں و آسمانوں کی تمام چیزیں ہوں، اسے تم صرف ایک بیٹے کا باپ بتاتے ہو، یہ تمہاری انتہائی نادانی ہے۔

خدا کی شان کہ آج پوری عیسائی دنیا علم وفن اور ذہن ومزاج میں انتہائی بلندی کی دعویدار بن کر بھی ایک تین اور ایک تین کے چکر سے نہیں نکل سکی اور اس کی عقل وشعور کی تمام تگ ودو یہاں آ کر ختم ہو جاتی ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

لَنۡ یَّسۡتَنۡکِفَ الۡمَسِیۡحُ اَنۡ یَّکُوۡنَ عَبۡدًا لِّلّٰہِ وَ لَا الۡمَلٰٓئِکَۃُ الۡمُقَرَّبُوۡنَ ؕ وَ مَنۡ یَّسۡتَنۡکِفۡ عَنۡ عِبَادَتِہٖ وَ یَسۡتَکۡبِرۡ فَسَیَحۡشُرُہُمۡ اِلَیۡہِ جَمِیۡعًا ﴿۱۷۲﴾

مسیح ہرگز انکار نہیں کر سکتے، اور نہ ہی ملائکہ مقربین اس بات سے کہ اللہ کے بندے بنیں، اور جو اس کی عبادت و بندگی سے انکار کرے گا، اور اپنی بڑائی ظاہر کرے گا، تو ان سب کو اللہ اپنی طرف حاضر کرے گا۔ (پ۶ ع ۴، سورۂ نساء آیت: ۱۷۲)

حضرت عیسیٰؑ ہوں یا کوئی اور بڑا سے بڑا نبی و رسول یا بڑے سے بڑا فرشتہ، ولی، قطب، غوث، ابدال، پیر فقیر، کوئی اس بات سے انکار نہیں سکتا کہ وہ اللہ کا بندہ ہے، خدا کے سامنے اس کی حیثیت صرف ایک بندہ کی ہے اور بس، نہ وہ خدائی میں شریک ہے، نہ خدا کا مشاور ہے، نہ اللہ کے معاملات و امور میں دخیل ہے، عیسائیوں نے حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا بنایا، یہودیوں نے حضرت عزیر کو اللہ کا بیٹا گردانا، اور ان کے بعد لوگوں نے اپنے پیروں، بزرگوں اور اولیاء کو تصرفات الٰہی میں شریک و سہیم قرار دیا، اور ان کو خدائی کا حصہ دار سمجھ کر نہایت غلط قسم کی حرکت کی۔

حالاں کہ یہ تمام حضرات خدا کی بندگی کو سب کچھ قرار دیتے ہیں، اور اسی کو اپنا اصلی مقام سمجھتے ہیں، دنیا کو اسی کی دعوت دیتے ہیں، اور ان کی حیات و موت صرف اسی کے لیے ہوئی ہے۔

یہ بات بہت حیرت و افسوس کی ہے کہ حضرات انبیاء و اولیاء نے اپنی زندگی عبادتِ الٰہی اور اللہ کی عبدیت کی دعوت میں بسر کی، مگر بعد میں ان کا نام لینے والوں نے ان کو خدا کا سہیم و شریک بنایا، اور بڑی جرأت مندی اور سینہ زوری سے اسی کو بزرگوں کا امتیاز قرار دیا۔

اسلام نے توحید، رسالت، ولایت، امامت اور بزرگی کے فروق کو باقی رکھتے ہوئے ایک دوسرے سے ممتاز رکھا اور جس کا جو مقام و مرتبہ ہے، اس پر رکھ کر فرق مراتب کو قائم رکھا ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ

پس جو لوگ ایمان لے آئے، اور انھوں نے نیک کام کیے، تو اللہ ان کے اجر کو پورا پورا دے گا اور اپنے فضل سے ان کو زیادہ بھی دے گا۔ (پ ۶ ع ۴، سورۂ نساء آیت: ۱۷۳)

ایمان اور عمل صالح کی زندگی بڑی کام یاب اور بابرکت زندگی ہوتی ہے، اور ہر اعتبار سے غنیمت ہوتی ہے، اس کے حق میں قدم قدم پر خیر و برکت ہے، اور نیکیوں کے لیے استحقاق و لیاقت اس میں پورے طور سے موجود ہوتی ہے، اس لیے جو لوگ ایمان اور عمل صالح کی زندگی پاتے ہیں، وہ بہت ہی منافع میں رہتے ہیں۔

ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا قانون مجازات اپنے اندر بڑی لچک رکھتا ہے اور پورا پورا بدلہ دینے کے بعد مزید انعام دیتا ہے اور کام یابی کی ہر چیز سے نوازتا ہے، یعنی ایمان و عمل کی زندگی رضائے الٰہی کی زندگی ہے، اور اس زندگی کے لیے قانون قدرت میں بڑی وسعت پیدا ہو جاتی ہے، اور ایسی زندگی والے افضال خداوندی کے مستحق قرار پاتے ہیں۔

ہم اس حقیقت کا مشاہدہ دنیا میں بھی کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ جو لوگ دین و ایمان کی زندگی بسر کرتے ہیں وہ ہر اعتبار سے امن و امان میں رہتے ہیں، دنیا کی وقتی الجھنیں، ہنگامی پریشانیاں، مقامی نزاکتیں، اور ظروف و احوال کے مسائل ان کو پریشان نہیں کرتے، بل کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہر حال میں امن و شکر کی زندگی بسر کرتے ہیں، یہ دوسری بات ہے کہ ان کو دنیا میں وہ زندگی نہیں ملتی جو ان کو شریر اور شیطان بنا دے اور وہ اس سے بھی پناہ مانگتے ہیں۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ ۙ وَّ يَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿١٧٥﴾ ؕ

پس جولوگ خدا پر ایمان لاتے ہیں، اور اس پر مضبوطی کے ساتھ جم جاتے ہیں، تو ہم ان کو عنقریب اپنی رحمت میں جگہ دیں گے، اور ان پر ہمارا فضل ہوگا، اور انھیں راہ راست کی ہدایت کی جائے گی۔ (پ ٦ ع ۴، سورۂ نساء آیت: ۱۷۵)

خدا پر ایمان لانے کے معنیٰ یہ نہیں کہ انسان زبان سے اقرار کر لے، بل کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ایمان انسان کے کردار سے بھی ظاہر ہو، اس کردار سے ایمان کی مضبوطی کا پتہ چل سکتا ہے، اور جو شخص ایمان پر مضبوطی سے جم جائے گا، یعنی اسے اس بات کا یقین ہوگا کہ وہ ایک مشن لے کر آیا ہے اور دنیا میں اسے اپنا پارٹ (حصہ) ادا کرنا ہے تو وہ یقیناً اپنے مقصد میں کام یاب ہوگا، یہی معنیٰ ہیں خدا کی رحمت میں جگہ پانے کے، یعنی پھر خدا کے قانون ایسے شخص کا ساتھ دیں گے، اور خدا بھی ان کی امداد کرے گا، اور ان کے لیے کام یابی کے اسباب پیدا کر دے گا اور بالآخر وہ کام یاب ہوں گے۔

ایسے لوگوں کو راہ راست کی ہدایت کی جائے گی، یعنی ان کا دماغ منور ہوگا، اور انھیں عقل وفہم سے وافر حصہ دیا جائے گا تا کہ اس کے وہ اپنے نفع ونقصان کو پہچان سکیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ اعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَ فَضْلٍ ۙ وَّ يَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ؕ﴿۱۷۵﴾

پس جولوگ اللہ پر ایمان لائے، اور اس کو مضبوط پکڑا، تو اللہ ان کو اپنی رحمت اور اپنے فضل میں داخل کرلے گا، اور ان کو اپنی طرف سیدھی راہ کی ہدایت کرے گا۔

(پ ٦ ع ۴، سورۂ نساء آیت: ۱۷۵)

امن وامان اور صلاح وفلاح کی زندگی ان کے لیے مقدر ہے جو اپنے کو اس کا اہل ثابت کرتے ہیں اور اس کے لیے یہ کام کرتے ہیں۔

قرآن حکیم نے جگہ جگہ امن وسلامتی اور کام یاب زندگی کے لیے صاف طریقہ پر ہدایت فرمائی ہے، یہاں بھی قرآن حکیم فرماتا ہے کہ جولوگ اللہ کے احکام پر ایمان لاکر اسی ذات کو اپنا سب کچھ تسلیم کرلیں گے، اور ہر معاملہ میں اس کی راہ پر چلیں گے، ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت اور فضل دونوں انعامات ہیں۔

رحمت تو ان کی صاف ستھری اور پاکیزہ زندگی کے نتیجے میں حاصل ہوگی، اور فضل خداوندی مزید انعام واکرام کے طور پر ہوگا، ایسے لوگ رحمت وفضل خداوندی کی پناہ میں ہوں گے اوران کو اللہ تعالیٰ اپنے حصارِ رحمت میں لے لے گا، ان کی ماضی کی خوبیوں سے مستقبل کی بھی راہ ہموار اور سیدھی بنا کر اس پر گامزن ہونے کی توفیق بخشے گا، اور وہ زندگی کے کسی موڑ پر گمراہی کی طرف نہیں جائیں گے اوران کی زندگی میں ناکامی وخسران کا نام ونشان نہ ہوگا۔

مسلمان قوم اگر امن ونجات کی زندگی کی خواہاں ہے، تو اس کے لیے یہ نسخۂ کیمیا موجود ہے، وہ خدا پر ایمان لائے اور اسے مضبوطی سے پکڑ لے، پھر دیکھے کہ آج کی پریشان حال اور تباہ حال دنیا میں اسے کیسے آرام وسکون ملتا ہے، اور دنیا اس سے امن وسلامتی اور خوش گواری کی بھیک کس طرح مانگنے آتی ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى ۪ وَ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ ۪ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۲

اور باہم اعانت کرو نیکی اور تقویٰ پر اور اعانت مت کرو گناہ اور سرکشی پر اور اللہ سے ڈرو، یقیناً اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔ (پ۶ ع۵، سورۂ مائدہ آیت: ۲)

مسلمان کی زندگی صرف نیکی پھیلانے اور برائی کے ختم کرنے کے لیے ہے، اس کی حرکت اسی محور پر ہونی چاہیے، اوراس کا اقتصادی نظام اسی تصور پر زکوۃ وصدقہ کا حامل ہوتا

ہے، اس کا معاشرتی ڈھانچہ اسی تخیل کے ماتحت صلاح وفلاح کے قومی اور ملکی مسائل پر بنتا ہے، اوراس کا معاشی پہلو حرام وحلال کی تمیز اسی نقطۂ نظر سے رکھتا ہے۔

اسلام ایسے لوگوں کی بستی بسانا چاہتا ہے، جو نیکی اور تقویٰ کی راہ پیدا کریں، خود اس راہ پر چلیں، اور دوسروں کی رہنمائی کریں، اسلام میں انفرادی نیکی اور ذاتی قابلیت وصلاحیت سے زیادہ ملی بھلائی اور اجتماعی اہلیت کا لحاظ کیا گیا ہے۔

اسی لیے اس کا مطالبہ ہمیشہ اجتماعی اور عمومی ہوتا ہے، وہ دنیا کی دوسری قوموں اور ملتوں کی رہنمائی کو فرض قرار دیتا ہے، اس کا دعویٰ کا ہے کہ میں آخری نظام حیات ہوں جس کی روشنی میں ساری کائنات انسانی کو چل کر دین ودنیا کی کامیابی حاصل کرنی ہے، اور میرے ماننے اس کام میں دنیا کی مدد کریں۔

پھر اس بارے میں مسلمانوں کو حکم دیتا ہے کہ اپنی ذمہ داری کو پورا کرو اور خدا سے ڈرتے رہو، ایسا نہ ہو کہ کوتاہی کی سزا میں پکڑے جاؤ اور پھر خدا کی سخت گرفت تم سے باز پرس کردے، ورنہ یاد رکھو یہ مسؤلیت بہت ہی خطرناک ثابت ہوگی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا

جو قوم تم لوگوں کو مسجد حرام سے روکتی تھی، وہ تم کو اس پر آمادہ نہ کردے کہ تم زیادتی کرنے لگو۔ (پ ۶ ع ۵، سورۂ مائدہ آیت: ۲)

مسلمانوں کو تعلیم دی جارہی ہے کہ کسی قوم اور جماعت کی طرف سے اگر تمہارے خلاف سرگرمی ہو اور وہ اس میں حد سے تجاوز کر جائے، تو اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ تم کو بھی اگر موقع ملے تو تم بھی اسی طرح یا اس سے زیادہ حد سے تجاوز کر جاؤ، اور اپنی حدود کو پار کر کے دوسروں کی طرح غیر ذمہ دارانہ حرکتیں کرنے لگو، اور یہ بھول جاؤ کہ دوسرے تو

لاقانونیت کے پروردہ ہیں اورتم خدائی قانون کی حدود میں ہو۔

اگر کفارعرب نے تم کوکسی وقت بیت اللہ سے روکا تھا اور مکہ میں تمہارا چلنا پھرنا دوبھر کردیا تھا، تو اب جب کہ تم کو غلبہ واقتدار حاصل ہوگیا ہے اور اللہ نے تم کو کفار مشرکین کے مقابلہ میں طاقت دے دی ہے تو تم ان پر ظلم وزیادتی کرکے اپنے دل کو ٹھنڈا کرو اور جیسے چاہو ان کو ستاؤ، یہ بات ہرگز جائز نہیں ہے، اسلامی ضابطہ اور قانون اس معاملہ میں بہت سخت ہے۔

مسلمانوں کو یہ خدائی تعلیم دی گئی ہے جس میں کفار ومشرکین پر غلبہ کے بعد ان پر ظلم وزیادتی کرنے سے منع کیا گیا ہے، مسلمان سوچیں کہ جب ان کو کفار ومشرکین اور محارب قوم کے بارے میں یہ تعلیم دی گئی ہے، تو خود آپس میں ان کی روش کیا ہونی چاہیے، اور اپنے غلبہ واقتدار کے زمانے میں اپنے مخالفوں کے ساتھ کس طرح پیش آنا چاہیے، کیا دنیا کی کوئی قوم اس سے زیادہ حوصلہ مند، وسعت قلبی اور عالی ظرفی کا ثبوت پیش کرسکتی ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى ۪ وَ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ ۪ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ

اور آپس میں مدد کرو نیک کام پر اور پرہیزگاری پر، اور مدد نہ کرو گناہ پر اور ظلم پر اور ڈرتے رہو اللہ سے۔ (پ٦ ع٥، سورۂ مائدہ آیت: ٢)

دنیا میں نیکی پھیلانا، نیکی پھیلانے والوں کی ہر ممکن مدد کرنا اور جو لوگ نیکی کی راہ میں کام کرتے ہیں ان کا ساتھ دینا ہر مسلمان کی زندگی کا مشن ہے اور اسی کے ساتھ دنیا سے برائی مٹانا اور مٹانے والوں کی ہر ممکن مدد کرنا ہر مسلمان کے لیے لازم ہے، اور نیکی کی اشاعت اور برائی کا خاتمہ یہ دونوں کام صرف تقویٰ کی بنیاد پر ہوتے ہیں اور خشیتِ الٰہی ان کو کرا سکتی ہے اور اس کے لیے کسی دنیاوی مقصد کو ذریعہ نہیں بنایا جاسکتا ہے اور نہ ہی یہ کام ان لوگوں سے ہوسکتا ہے جن کی نگاہ صرف دنیا تک محدود ہے اور جن کے قلب ونظر پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے

تقویٰ اور خدا ترسی کا اثر نہیں ہے، چنان چہ آج ساری دنیا برائیوں سے پُر ہے اور ساری طاقتیں چیخ رہی ہیں، مگر نہ برائی ختم ہوتی ہے اور نہ نیکی پھیلتی ہے، کیوں کہ اس سلسلے میں جو کوشش ہوتی ہے، وہ قومی، ملکی، سیاسی، جماعتی، وطنی، ملّی وغیرہ ہوتی ہے، مگر خدائی نہیں ہوتی ہے، اور کارکنوں میں تقویٰ اور خدا ترسی کے بجائے شیطنیت وشرارت کام کرتی ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ؕ

آج کفار تمہارے دین کی طرف سے مایوس ہوگئے ہیں، اس لیے اب تم ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو۔ (پ ٦ ع ٥، سورۂ مائدہ آیت: ٣)

کفار ومشرکین نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اپنی سکت بھر مقابلہ کیا، اور اپنی پوری طاقت خرچ کی، تا کہ اسلام کا رخ موڑ دیں، اور کفر کی گرم بازاری قائم رہے، مگر ایک طرف جس شدت سے ان کی مخالفت جاری رہی، دوسری طرف اسی آن بان سے بل کہ اس سے زائد طریقہ پر اسلام کی تکمیل ہوتی رہی، اور اس کے اصول وفروع دنیا میں عام ہوتے رہے، حتیٰ کہ ایک دن آ گیا جب کفر وشرک کی طاقت بحق اسلام سپر انداز ہوگئی، اور سرزمین عرب میں صرف اسلام کا نام باقی رہا، اس صورت حال کے نتیجہ میں مسلمانوں کو سانس لینے کا موقع ملا، اور وہ چین کی نیند سوئے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اب مصائب کے دن بیت گئے، اور ابتلاء وآزمائش کی گھڑیاں گزر گئیں، اس لیے اب مسلمانوں کو دنیا کی تمام کافرانہ طاقتوں اور مشرکانہ شوکتوں سے بے نیاز ہوکر صرف ایک خدائے وحدہٗ لاشریک سے ڈرنا چاہیے، اور کسی غیر سے ڈرنے کی قطعاً ضرورت نہیں۔

یہ فرمان صرف دورِ رسالت کے مسلمانوں کے لیے نہیں ہے، بل کہ ہر زمانہ کے

مسلمانوں کے لیے ہے کہ وہ صرف ایک اللہ سے ڈریں، اور دنیا کی تمام باطل طاقتوں سے یکسر بے خوف ہوکر زندگی بسر کریں، اسلام کی تکمیل ہوچکی ہے، مسلمان ایک کامل ومکمل نظامِ حیات سے وابستہ ہوچکے ہیں، اب ان کے دین وایمان کے لیے کوئی خطرہ نہیں ہے۔

باقی رہا دنیا کے کفار کا رہ رہ کر مسلمانوں کے خلاف اقدام تو یہ ایک جانی پہچانی بات ہے، اور دنیا میں ہمیشہ سے اس طرح کی گروہی، جماعتی، اور مذہبی کشید گیاں رہا کی ہیں، اس لیے اس کے مقابلہ میں اسی ذہن کے ساتھ آنا چاہیے، اور فتح وشکست کی پرواہ کیے بغیر مقابلہ کرنا چاہیے۔

البتہ اپنی طرف سے فتنہ وفساد برپا نہیں کرنا چاہیے، کیوں کہ مسلمان کا مشن امن کا مشن ہے، وہ فتنہ مٹانے کے لیے مقابلہ کرتا ہے، فتنہ برپا کرنے کے لیے نہیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ط

آج کے دن کافر تمہارے دین سے ناامید ہوگئے، پس تم ان سے نہ ڈرو، اور مجھ سے ڈرو۔ (پ۶ ع۵، سورۂ مائدہ آیت: ۳)

ایک زمانہ تھا کہ اسلام اور کفر میں مقابلہ بڑے نازک مرحلہ پر تھا، کفر کی مادی طاقت غالب تھی، کفار اپنی ظاہری شان وشوکت پر غرور کر کے اسلام اور مسلمانوں کو مسل دینے پر تلے ہوئے تھے، مسلمان خدائی دین پر ہونے کے باوجود ہنگامی طور پر اور دنیاوی طور وطریقہ کے اعتبار سے دبے ہوئے تھے، کفار ان کو ستاتے تھے، مسلمان مظلوم تھے، کفار کے مقابلہ میں ان کی حیثیت نہ تھی، کفر کی تمام طاقت سمٹ کر ایک اسلام کے خلاف جمع ہوگئی تھی، پھر اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کو غلبہ دینے اور کفر کو مغلوب کرنے کے لیے زمانہ کی اس نزاکت کو بحق اسلام بدل دیا اور معاملہ بالکل الٹا ہوگیا۔

دیکھتے ہی دیکھتے کفر کافور ہوگیا، اس کی تمام طاقت تارِ عنکبوت کی طرح ٹوٹ گئی، اور بڑے بڑے کافروں کی گردن توڑ دی گئی، غزوۂ بدر کے پہلے ہی معرکہ اور مقابلہ میں کفر کی طاقت کی قلعی کھل گئی اور معلوم ہوگیا کہ اس ڈھول کا پول کیا ہے؟

درحقیقت اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے کایا پلٹ دی تھی، اور اسلام کو غلبہ دینے اور مسلمانوں کو غالب کرنے کے لیے کفر اور کفار کو مٹانے کی شکل ظاہر فرمائی، کیوں کہ دین اسلام کو تمام ادیان پر غالب کرنا تھا، اور رہتی دنیا تک اسی خدائی دین کو دنیا میں باقی رکھنا تھا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا

آج میں نے تمہارے لیے دین کو مکمل کر دیا، اور تمہارے اوپر اپنی نعمت پوری کردی، اور تمہارے لیے اسلام کو دین کے طور پر پسند کیا۔ (پ ۶ ع ۵، سورۂ مائدہ آیت: ۳)

دنیا میں بہت سے ادیان آئے گئے، اور انسان کے ذہن وفکر کے اعتبار سے کام کرتے رہے، اور اپنے اپنے زمانے میں برحق اور سچ بن کر دنیا میں رہے، پھر انسان علم وفن، فکر وذہن، استعداد وقابلیت میں کامل ومکمل ہوگیا تو اس کے لیے ایک کامل ومکمل دین کی ضرورت پڑی جو اس کی پختگی میں کام آئے، اور اس میں کسی قسم کا نقصان معلوم نہ ہو، یہ کامل ومکمل دین اسلام ہے، جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اپنا دین مکمل کر دیا، اور اپنی نعمت تام کردی، اور اپنا پسندیدہ دین انسانوں کے لیے عام کر دیا۔

اب ہم مسلمانوں کے عقیدہ کی رو سے انسان کے لیے اسلام ہی ضروری ہے، اسی میں نجات ہے، اور یہی انسانیت کا مذہب اور دین ہے، جو انسان اب اسلام کے علاوہ دوسرا مذہب اختیار کرے گا، وہ نامقبول ہوگا، اسلام کے علاوہ کوئی دین اللہ کا دین اب نہیں رہا۔

جو لوگ کہتے ہیں کہ آج بھی جو آدمی جس مذہب کو قبول کرلے تو نجات کے لیے کافی

ہے، وہ غلط کہتے ہیں، البتہ اسلام کے برحق ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مسلمان دنیا میں اچاپت مچائیں اور اللہ کی زمین پر فساد کریں، بل کہ اسلام کے برحق ہونے کا عقیدہ رکھ کر تمام دنیا کو اس کی دعوت دیں، اور جو صورت مناسب اور کار آمد ہو اس پر عمل کر کے دنیا میں اس دین امن وانسانیت کا بول بالا کریں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ مِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖۤ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا ۫ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝

تم یاد کرو اپنے اوپر اللہ کی اس نعمت کو اور اس کے عہد و پیمان کو جس کا اس نے تم سے عہد و پیمان لیا ہے، جب کہ کہا تم لوگوں نے ہم نے سنا اور اطاعت کی اور اللہ سے ڈرو، اللہ دلوں کے حال کو جاننے والا ہے۔ (پ ٦ ع ٦، سورۂ مائدہ آیت: ٧)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا فرما کر اس کی زندگی کا ذمہ دار قرار دیا، اور مطالبہ کیا کہ تم اپنی زندگی کو اسی ذمہ داری کی حدود میں بسر کرو، اس ذمہ داری کے ماتحت کچھ منہیات ہیں، جن سے انسان کو منع کیا گیا ہے، کچھ اوامر ہیں، جن کے کرنے کے لیے حکم دیا گیا ہے، اور کچھ مباحات ہیں، جن کے بارے میں انسان کو اختیار دیا گیا ہے، ان حدود میں رہنے سے اللہ کی اطاعت وفرماں برداری ہوتی ہے، اور ان کو پار کرنے سے اس کی ناراضگی لازم آتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسانوں سے زندگی کا عہد و پیمان لیا ہے اور انسانوں نے پڑھ کر اس پر آمنا وصدقنا کہا ہے، اسی عہد و پیمان کو قرآن حکیم یاد دلا رہا ہے اور نصیحت کے خاص رنگ میں تذکیر بآلاء اللہ کے عنوان سے بات کو سمجھا رہا ہے، اگر انسان ایک طرف خدا کی ان نعمتوں کو رکھے جن کا اس دنیا میں اس پر ظہور ہوتا ہے اور دوسری طرف خدا تعالیٰ کے بارے میں اپنی باغیانہ روش کو رکھے اور احتساب کی نظر سے دیکھے تو اسے معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ نے

انسانوں کو کس قدر نوازا ہے، اور انسان نے اس کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کے وعدوں کو کس قدر پامال کیا ہے، جو انسان یہ احتساب نہیں کرتا اور مرجاتا ہے اس کی عاقبت کے بارے میں بڑا ڈر رہتا ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ

کسی قوم کی دشمنی تم کو اس بات پر ابھار نہ دے کہ تم عدل وانصاف نہ کرو۔

(پ ٦ ع ٦، سورۂ مائدہ آیت: ٨)

مسلمانوں کو حکم دیا جارہا ہے کہ اول تمہاری کسی قوم سے عداوت ودشمنی نہیں ہونی چاہیے، لیکن ہنگامی حالات کے ماتحت کسی قوم سے جنگ وحرب کا معاملہ آپڑے اور وہ تمہاری محارب ومقابل بن جائے، تب بھی عدل وانصاف ہاتھ سے نہ جانے دو، اور دوسروں کی دشمنی میں اپنی اس متاع عزیز کو نہ گنواؤ، اور اپنے کردار کے اس بلند ترین معیار پر حرف آنے نہ دو۔

اس حکم کا نتیجہ ہوا کہ مسلمان قوم دنیا میں عدل وانصاف کے لیے مثال بن گئی، اور اس نے اپنوں اور غیروں اور دشمنوں اور دوستوں کی تمیز سے بالاتر ہوکر اپنی سیرت وکردار کو معیار بنایا۔

اور واقعہ بھی یہی ہے کہ ایک مسلمان کے لیے جب دوست ودشمن کی کش مکش میں انصاف وبے انصافی کی حالت پیدا ہوجاتی ہے، وہ بڑی بہادری اور کشادہ قلبی سے اپنے دشمن کے ساتھ انصاف کرتا ہے، اور اپنی محبوب ترین چیز انصاف کو کسی کی دشمنی میں نہیں چھوڑتا ہے۔
مسلمانوں کا یہ شیوہ ہے، اور ہونا چاہیے، اسی سیرت وکردار کی وجہ سے مسلمانوں نے ہر موافق ومخالف کے دل میں گھر کیا، اور اپنے کو ہر حالت میں ان کے لیے مکرم ومحترم بنایا۔

آج بھی اگر ہمیں اپنوں اور غیروں میں عزت وکرامت حاصل کرنی ہے تو اسی کردار کی بلندی پر آنا چاہیے، اور دوست و دشمن سے بالاتر ہوکر انسانیت و اسلام کی قدروں کو بے دریغ اپنانا چاہیے کہ اسی نے مسلمانوں کو ہمیشہ مکرم ومحترم بنایا، اور یہی آئندہ بھی اسے مکرم ومحترم بنائے گی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ لَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۟ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی ۫ وَ اتَّقُوا اللّٰہَ ؕ

اور کسی قوم کی دشمنی تم کو اس بات پر نہ ابھارے کہ تم عدل نہ کرو، عدل کرو، وہ تقویٰ سے بہت قریب ہے، اور اللہ سے ڈرو۔ (پ۶ ع۶، سورۂ مائدہ آیت:۸)

مسلمانوں کو کسی حال میں اپنی خصوصیات وامتیازات سے بے تعلق نہیں ہونا چاہئے اور غم کا موقع ہو کہ خوشی کی گھڑی ہو، غصہ کا ہنگامہ ہو کہ رضامندی کی ساعت ہو، کسی حالت میں ان حدود سے باہر نہیں ہونا چاہیے جن کو اسلام نے ایک مسلمان کے لیے مقرر کیا ہے، کیوں کہ مسلمان کی زندگی رنج وغم اور رضا وناراضی سے بالاتر ہوکر ایک نہایت اعلیٰ وبالا دین پر بسر ہوتی ہے، اور وہ اس زندگی سے کسی حالت میں جدا نہیں ہوسکتا ہے۔

اسی اصولی بات کی تصریح کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ موقع کی مناسبت سے بیان فرماتا ہے کہ عداوت ودشمنی کے زمانہ میں اور حرب وضرب کے دوران دوسری قوموں سے تمہاری دشمنی اور اَن بَن تمہیں ظالم نہ بنا دے، اور تم کسی قوم کی دشمنی میں پڑکر اور اس کے ساتھ بے انصافی کرکے اپنے اصول وقوانین کی روح سے بے بہرہ نہ ہوجائے، اور عدل وانصاف کو ہاتھ سے نہ جانے دو کہ بے انصافی مسلمان کو خداترسی وخدا پرستی سے دور کردیتی ہے، اور اسلام کی روح اس کے بالکل خلاف ہے۔

اے مسلمانو! نہ تم خوشی میں آکر خدائی احکام سے روگردانی کرو، اور نہ غصہ میں پڑ کر اللہ سے بغاوت کرو، بل کہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، اور اس کے حکام پر عمل کر کے ہر موافق ومخالف کے ساتھ وہی سلوک کرو جس کا اللہ نے حکم دیا ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْاؕ اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى٘ وَ اتَّقُوا اللّٰهَؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝۸

اور نہ برانگیختہ کرے تم کو کسی قوم کی دشمنی تمہارے انصاف نہ کرنے پر عدل کرو، یہ بات تقویٰ سے قریب ہے، اور ڈرتے رہو اللہ سے اللہ خبردار ہے تمہارے کاموں سے۔

(پ ۶ ع ۶، سورۂ مائدہ آیت: ۸)

عدل وانصاف، صاف گوئی، حق پرستی، اور اسی قسم کے دوسرے بلند بالا حقائق انسانیت کی وہ مشترک قدریں ہیں جن کو ہر جگہ میں، ہر مقام پر، ہر شخص کے ساتھ، اور ہر حال میں اجاگر ہونا چاہیے، اور ان میں کسی قسم کی جنبہ داری، دوستی دشمنی، تعلق اور پہچان کو دخیل نہیں ہونا چاہیے۔

یہاں عدل وانصاف کی انسانی زندگی میں عظمت واہمیت اور مسلمان قوم کی ذمہ داری اور مسئولیت کے پیش نظر مسلمانوں سے فرمایا جارہا ہے کہ تم لوگ نہ صرف یہ کہ کامل ومکمل انسان ہو، بل کہ انسانیت سازی تمہارا کام ہے، اور انسانوں کو حقیقی انسان بنانا تمہارا نصب العین ہے، اس لیے تم عدل وانصاف کو دوستی اور دشمنی سے بالاتر ہوکر اپنا شعار بناؤ، اور انصاف کو یوں پکڑو کہ کسی جماعت کی دشمنی تم کو اس کے ساتھ بے انصافی اور ظلم پر آمادہ نہ کردے، بل کہ بہر حال تم عدل وانصاف سے کام لو، اور اس کے بارے میں تمہاری نظر دوست، دشمن، اپنے، بیگانے سب پر یکساں پڑنی چاہیے۔

اورانصاف کے سلسلہ میں سب کے سب انسان تمہارے نزدیک برابر ہونے چاہئیں، یہ کردار مقام مومن کے عین مناسب اور سزاوار ہے، تمہاری زندگی کا معیار خدا سے خوف ہونا چاہیے، ہر کام میں اس کی رضا جوئی، مقصد ومنشا ہونا چاہیے کہ یہی چیز پوری اسلامی زندگی کی روح ہے، اوراسی رضائے الٰہی کے لیے سب کچھ درکار ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝

وعدہ کیا اللہ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے، اور جنھوں نے نیک کام کیے، ان کے لیے مغفرت اور اجر عظیم ہے۔ (پ ٦ ع ٦، سورۂ مائدہ آیت:۹)

اس دنیا میں اور اس کے بعد آخرت میں کام آنے والی چیز انسان کا ایمان اور عمل صالح ہے، یہ جو ساٹھ ستر سال کی زندگی ہے، اگر ایمان اور عمل صالح میں گزرے گی تو دونوں جہاں میں سراسر خیر وخوبی ہے اور آرام وسکون ہے، امن وچین ہے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر ومغفرت کا فیضان عظیم ہے، بہ خلاف اس کے کہ جو زندگی کفر وبدعملی کی ہوگی، اس کے لیے دونوں جہان میں اخذ وگرفت اور رنج وبلا ہے، نہ یہاں امن وسکون کا سانس نصیب ہوسکتا ہے، نہ وہاں اطمینان وآرام کی کوئی صورت نکل سکتی ہے۔

ایمان اور عمل صالح پر اجر ومغفرت کا خدائی وعدہ ہے، اور اس کا پورا ہونا ہر مومن وصالح بندے کے حق میں ضروری ہے، اور اس پر ایمان رکھنا مومن صالح کا کام ہے، اور اگر ایمان وعمل کی اس پہلی سیڑھی پر انسان کا قدم ڈگمگاتا ہے، اور اسے صرف ایک بات سمجھتا ہے، اور اس پر دھیان نہیں دیتا ہے تو پھر خدائی وعدہ بھی ایسے بے پرواہ شخص کی طرف رخ نہیں کرتا، وہ اپنا کام کرے، خدائی وعدہ اپنا کام کرے گا، اور دونوں میں تضاد کی نسبت قائم ہوجائے گی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝۹

اللہ نے وعدہ کیا ان لوگوں سے جو ایمان لائے، اور جنھوں نے نیک کام کیے، ان کے لیے مغفرت اور اجر عظیم ہے۔ (پ ۶ ع ۶، سورۂ مائدہ آیت: ۹)

اس دنیا میں سب سے بہتر اور کام یاب زندگی یہ ہے کہ آدمی عزت و آبرو سے صبح وشام کرے، اور دین و ایمان پر رہ کر اور اللہ ورسول کے احکام پر چل کر اپنی عاقبت کو سنوارے، اگر کسی انسان کی دنیاوی زندگی اس معیار پر گزر رہی ہے تو وہ اس دنیا میں کام یاب انسان ہے، اور دوسری دنیا میں بھی جو دائمی اور ابدی ہے اس کے لیے ہر طرح کی کام یابی اور فلاح ونجاح ہے۔

اس دنیا کی زندگی کی کام یابی کے لیے ایمان اور اس کے بعد عمل صالح لازمی ہے، ایمان وعمل کی پرانی بحث اپنی جگہ پر، مگر یہ واقعہ ہے کہ جب تک اچھے اعمال نہ کیے جائیں، اس وقت تک ایمان کا مزہ نہیں حاصل ہوتا اور وہ بے کیف و بے لذت چیز بن کر رہ جاتا ہے۔

پس اس دنیا میں جن کے ایمان عمل صالح کی شیرینی سے مالا مال ہیں، ان کی دنیاوی زندگی بہت ہی شیریں اور خوش ذائقہ ہے، اور اس کی وجہ سے آخرت کی دائمی اور ابدی زندگی بھی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مغفرت ونوازش اور اس کے اجر بے پایاں کی برکتوں سے مالا مال ہوگی۔

ایمان اور عملِ صالح والی زندگی کی فلاح ونجاح کے لیے یہ کیا کم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے مغفرت ونوازش اور اجر وثواب کا وعدہ فرمایا ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝۹

اللہ نے وعدہ کیا ان لوگوں سے جو ایمان لائے، اور جنھوں نے نیک کام کیے، ان

کے لیے مغفرت اور اجر عظیم ہے۔ (پ ۶ ع ۶، سورۂ مائدہ آیت: ۹)

دنیا اور آخرت کی کام یابی اور کام رانی ان ہی لوگوں کا حصہ ہے جو اپنے خیالات وتصورات اور رجحانات واعقائد کے اعتبار سے نہایت اونچے ہیں، اور اعمال وکردار اور افعال وحرکات کے اعتبار سے بھی ان کا معیار بہت بلند ہے، جن افراد، جن جماعتوں، جن قوموں اور جن ملتوں میں عقیدہ وعمل کا یہ بلند ترین امتزاج ہوگا، ان کے ضمیر میں فلاح ونجاح کی فراوانی ہوگی، اور دنیا میں کام یابی ونیک نامی اور آخرت میں کام رانی اور نیک انجامی کا منہ دیکھیں گے، بلند خیالات اور اونچے عقائد فی نفسہ کام یاب زندگی کے لیے کتنے ہی کارآمد کیوں نہ ہوں، لیکن جب تک اعمال وحرکات سے ان کا ظہور نہ ہوگا، اس وقت تک کام یاب زندگی کی ذمہ داری نہیں ہے۔

جن لوگوں نے عقائد واعمال میں ہم آہنگی نہیں پیدا کی، اور دونوں کے میل سے ایک تیسرا رنگ نہیں ابھارا، وہ اس دنیا میں پوری طرح کام یاب نہ ہوسکے، جن کے اعتقادات اچھے ہیں، جن کی رائے صائب ہیں، جن کے خیالات بلند ہیں، اور جن کا ذہنی مزاج بہت اونچا ہے، مگر وہ عمل وکردار کے اعتبار سے صفر ہیں، ان کے لیے لاکھ بڑائی ہو، مگر وہ بڑائی ان کے حصہ میں نہیں آسکتی ہے، جو ان خوش فکر وخوش عقیدہ لوگوں کو ملتی ہے جو اپنے عقائد وخیالات کی دلیل اپنے عمل سے پیش کرکے اپنی صلاحیت وقابلیت کا ثبوت بہم پہونچاتے ہیں۔

پس اے مسلمانو! ان لوگوں کا کیا حال ہوگا، جن کے نہ عقائد وخیالات درست ہیں، اور نہ افعال واعمال کا پتہ ہے، دونوں اچھوں میں جب ایک بھی نہیں ہیں، تو کس پر ان کو کام یابی وکام رانی نصیب ہوگی، ایسے لوگ نام کے مسلمان ہیں، ان سے خدا کی مدد کا کوئی وعدہ نہیں ہے، اور وہ تباہ وبرباد ہوں یا گڈھے میں گرجائیں، خدا کو ان کی کوئی پرواہ نہیں

ہے، نصرت الٰہیہ کا وعدہ تو ان برگزیدہ انسانوں کے لیے ہے، جن کے نیک عقائد اور نیک اعمال میں ہم آہنگی ہے، اور جو اپنے عمل سے اپنے عقیدہ کی دلیل پیش کرتے ہیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ۧ

اے ایمان والو! اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو، جب کہ ایک قوم نے ارادہ کیا کہ وہ لوگ اپنے ہاتھوں کو تمہاری طرف پھیلائیں، پس خدا نے ان کے ہاتھوں کو تم سے روک دیا، اور تم خدا کا تقویٰ اختیار کرو، اور مومن لوگ تو خدا ہی پر توکل کرتے ہیں۔

(پ ٦ ع ٦، سورۂ مائدہ آیت: ۱۱)

اَرباب دین و دیانت پر غیروں کے ہاتھوں مصیبتیں آتی ہیں، اور انھیں اس دنیا میں برے حالات سے دو چار ہونا پڑتا ہے، اس کی وجہ کبھی تو غیروں کے مقابلہ میں ان کی ظاہری کمی ہوتی ہے، اور عددی اقلیت کی وجہ سے کفار و مشرکین کے حوصلے بڑھ جاتے ہیں، جس کی وجہ سے وہ اربابِ دین و ایمان پر دست درازی کرتے ہیں اور ان کی ایذا رسانی کے پیچھے پڑتے ہیں، اور کبھی مسلمانوں کی عددی اکثریت کے باوجود اور ظاہری ٹھاٹھ کے علی الرغم ان کی اندرونی کمزوریوں کی وجہ سے اغیار کے حوصلے بلند ہوتے ہیں، اور ان کے لیے سزا بن کر نمودار ہوتے ہیں، اور تکلیفیں پہونچاتے ہیں۔

ان دونوں حالات میں اللہ تعالیٰ پکے مسلمانوں اور پرستارانِ حق و صداقت کو خطاب کر کے فرماتا ہے:

کفر اور اسلام کی آویزش کی تاریخ میں ہمیشہ ایسا ہوا ہے کہ جب کبھی دشمنانِ صدق امانت نے یہ سمجھ کر تم پر دست درازی کی ہے کہ چوں کہ یہ مسلمان ہیں اس لیے ان کو مٹانا

چاہیے، تو ہم نے ان کی کلائیوں کو موڑ دیا، اور ان کے حوصلے پست کر دیئے، اور ان کی جمعیت تہس نہس کر دی ہے اور مسلمانوں کو بچایا ہے۔

تاریخ انسانی کے ہر دور میں یہ حقیقت آفتاب کی طرح روشن ہے، تم جس دورِ انسانی کو چاہو، اس میں اس حقیقت کا مشاہدہ کرلو، پھر تم خدا پر توکل کی روح سے معمور ہو جاؤ، کیوں کہ سچے مومنوں کا توکل ہمیشہ خدا کی ذات پر ہوا کرتا ہے، اور ان کے اسی توکل کی برکت سے خدا ان کے مخالفوں کو تاراج کر دیتا ہے، پس آج کے مسلمان اگر یہ دیکھتے ہیں کہ غیر طاقتیں ان کی طرف دست درازی کر رہی ہیں، اور ان کو اچک لینے کی ترکیبیں کر رہی ہیں، تو ان کو چاہیے کہ توکل علی اللہ کی فضا پیدا کریں، اور اپنے اندر وہ زندگی پیدا کریں جو یقین و اعتقاد کی چٹان سے وابستہ ہو، جب تک اعتقاد و عمل کے میل سے یہ زندگی اسلامی معاشرہ میں پیدا نہ ہوگی اس وقت تک اغیار کی دست درازی سے بچنا مشکل ہے۔

اسلام دنیا کے لیے ابدی اصول فلاح و نجاح ہے اسے لے کر چلنے والے کسی طاقت کے مٹانے سے نہیں مٹ سکتے، البتہ اس کی طرف نسبت کر کے دین و ایمان کی اعتقادی اور عملی زندگی سے غافل رہنے والوں کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱذْكُرُوا۟ نِعْمَتَ ٱللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ هَمَّ قَوْمٌ أَن يَبْسُطُوٓا۟ إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنكُمْ ۖ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ ۚ وَعَلَى ٱللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ ٱلْمُؤْمِنُونَ ﴿١١﴾

اے ایمان والو! اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو، جب کہ ایک قوم نے ارادہ کیا کہ وہ لوگ اپنے ہاتھوں کو تمہاری طرف پھیلائیں، پس خدا نے ان کے ہاتھوں کو تم سے روک دیا، اور تم خدا کا تقویٰ اختیار کرو، اور مومن لوگ تو خدا ہی پر توکل کرتے ہیں۔

(پ ٦ ع ٦، سورۂ مائدہ آیت: ١١)

بدر وحنین اور مختلف غزوات وحراب میں اللہ تعالیٰ نے حق کا ساتھ دے کر باطل کو شکست دیا ہے، کفار ومشرکین نے مٹھی بھر مسلمانوں کو ختم کرنے کے لیے ہاتھ اٹھایا ہے، مگر اللہ تعالیٰ نے ہر بار ان کا ہاتھ نیچا کیا ہے، یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے، بل کہ مسلمانوں کے علم وتجربہ میں بارہا آچکی ہے، زمانۂ رسالت میں متعدد بار اس کا ظہور ہو چکا ہے، اور بعد میں بھی اس کی بے شمار مثالیں پائی گئی ہیں۔

فتنہ تاتار ہو کہ اندلس کا سقوط ہو، ترکی کی لامذہبیت کی تحریک ہو یا اس کی مذہب دشمنی ہو، یا پھر ہندوستان کی تقسیم اور اس کے بعد کی صورت حال ہو، ہر مرحلہ پر یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی رہی ہے کہ اسلام اور مسلمان سخت سے سخت حالات میں دل وجگر کے ساتھ موجود رہا کیے ہیں۔اور تکوینی قانون اور ہنگامی حالت کے نتیجہ میں نقصان وفائدہ اٹھاتے ہوئے بھی مٹے نہیں، بل کہ موجود رہے۔

مسلمانوں کو یہ فلسفۂ حیات سمجھنا چاہیے، اور جینے کی راہوں پر چل کر راستہ کی مشکلات سے مقابلہ کرنا چاہیے، گھبرانا، مایوس ہونا، بددل ہونا، شکایت کرنا کرانا مسلم کے علم وتجربہ کے خلاف ہے۔

البتہ اتحاد واتفاق اور اعتماد ومحبت کی فضا پیدا کر کے آپس میں جینے کا مزاج پیدا کرنا چاہیے، اور غیروں سے مقابلہ کے لیے دین وایمان کی روشنی میں راہ سوچنی چاہیے۔آپس میں انتشار وپریشانی پیدا کرنا اور دوسروں کی کاٹ چھانٹ کی تدبیر کرنا عقل مندی سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْۤا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ج

اے ایمان والو! اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو، جب کہ ایک قوم نے ارادہ کیا کہ تم پر دست درازی کرے، پس اللہ نے ان کے ہاتھوں کو تم سے روک دیا۔

(پ۶ ع۶، سورۂ مائدہ آیت: ۱۱)

اللہ کی نعمتوں کا شمار اگر کوئی کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا، اللہ تبارک وتعالیٰ کی کچھ نعمتیں خاص خاص ذاتوں، شخصوں اور فردوں پر ہوتی ہیں، کچھ نعمتیں اقوام وملل پر ہوتی ہیں، اور کچھ نعمتیں اجتماع اور معاشرہ پر ہوتی ہیں۔

پھر ان میں سے بہت سی نعمتیں اپنی اہمیت وعظمت کے اعتبار سے دوسری نعمتوں سے ممتاز ہوتی ہیں، اللہ تعالیٰ قومی اور ملی نعمتوں سے ایک خاص اور اہم نعمت کی مسلمانوں کو یاددہانی کرا رہا ہے اور فرما رہا ہے کہ اس نازک اور خطرناک وقت کو یاد کرو، جب کہ مکہ کے کفار ومشرکین تمہیں ہضم کرنے کے لیے دست درازی کر رہے تھے، اور ہر طرف سے تمہیں اچکنے کے لیے ان کے اچکے آگے بڑھ رہے تھے، اس وقت نہ تمہارے پاس طاقت وقوت تھی، نہ مال واسباب تھے، نہ ہی دماغ کی کوئی صورت تھی۔

مگر اس اہم اور نازک وقت میں اللہ تعالیٰ نے تمہاری مدد فرمائی، اور تمہیں اس انسانیت کے دشمنوں کے چنگل سے نجات دی، اگر اللہ کی یہ نعمت اس وقت نہ ہوتی تو مسلمان قوم کا نام بھی آج دنیا میں نہ ہوتا۔

پس اس نعمت کو ہر مسلمان زیادہ سے زیادہ محسوس کرے، اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ ہر مسلمان غیر مناسب حالات اور خطرناک ماحول میں اللہ تعالیٰ کی قوت پر زیادہ سے زیادہ نظر رکھے، اور اسی پر اعتماد واعتقاد رکھ کر اپنی بے سروسامانی کو اللہ کے حوالہ کرے۔

اگر آج مسلمانوں میں شکر خداوندی کی روح اسی نوعیت سے بیدار ہو جائے، تو آج

بھی ملکی زندگی کی طرح ہماری دینی زندگی ہر خطرہ سے محفوظ ہو سکتی ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ قَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مَعَكُمْ ؕ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَیْتُمُ الزَّكٰوةَ وَ اٰمَنْتُمْ بِرُسُلِیْ وَ عَزَّرْتُمُوْهُمْ وَ اَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ وَ لَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ ﴿۱۲﴾

(یہودیوں سے) اللہ نے کہا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم لوگ نماز قائم کرو گے، اور زکوٰۃ دو گے، اور میرے رسولوں پر ایمان لاؤ گے، اور انھیں عزت دو گے، اور اللہ کو قرضہ حسنہ دو گے، تو میں ضرور تمہاری لغزشوں سے درگزر کروں گا، اور یقیناً تمہیں ایسی جنت میں داخل کروں گا، جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، پس تم میں سے جو شخص اس خبر کے بعد کفر کرے گا، تو یقیناً سیدھی راہ سے بھٹک جائے گا۔ (پ ۶ ع ۶، سورۂ مائدہ آیت: ۱۲)

جو قوم خداوندی احکام پر عمل کر کے خدا کے نظام کے لیے اپنے کو معاون ثابت کرے گی، خدا کی رحمت و برکت دنیا اور آخرت میں اس کی امداد کرے گی۔

نظامِ خداوندی پر عمل کرنا کیا ہے؟ ایک قادرِ مطلق کی فوقیت پر اعتقاد پھر اس اعتقاد کے اثر کے طور پر دنیا کی زندگی میں نماز ادا کرنا، زکوٰۃ دینا، خدا کے رسولوں پر ایمان لانا، اس کی شریعت کو برحق ماننا، پھر ہر ایک رسول کے ادب واحترام کی حدود کا خیال کر کے قدرت کی منشا کا احترام کرنا، اور بوقت ضرورت خدا کی راہ میں جانی و مالی قربانی پیش کرنا، اور اسی قسم کے دوسرے اصولی وفروعی اعمال وکردار پر عمل کرنا قدرت کے نظام کی مدد کرنا ہے۔

اگر انسان ان باتوں پر توجہ کر کے انھیں کے رنگ میں پیش کریں گے، تو ان کی معمولی معمولی لغزشیں، چھوٹی چھوٹی غلطیاں اور عاداتی مجبوریاں قدرت کے نظام میں مخل نہیں ہوں گی، اسی لیے قدرت ان پر گرفت بھی نہ کرے گی، بل کہ ان سے درگزر کا وعدہ

ہے، اور ذمہ داری سنبھالنے کے صلے میں آخرت میں دائمی آرام اور دوامی نعیم کا وعدہ ہے۔

لہٰذا انسان اگر ان فطری تقاضوں کے خلاف کریں گے اور دنیا میں بے ضابطگی، اور بے اصولی کی زندگی بسر کریں گے تو اس کی سزا میں بڑی بڑی گناہیں کیا چھوٹی چھوٹی لغزشیں تک قابل گرفت ہوں گی۔

پس آج سوچنا ہے کہ مسلمان جب بے عملی اور بے ضابطگی کی زندگی بسر کرتے ہیں تو ان کی چھوٹی چھوٹی غلطیاں کیوں نہ قابل مواخذہ ہوں، اور انھیں ان کی سزا کیوں نہ ملے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ قَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مَعَكُمْ ؕ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَیْتُمُ الزَّكٰوةَ وَ اٰمَنْتُمْ بِرُسُلِیْ وَ عَزَّرْتُمُوْهُمْ وَ اَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ وَ لَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ ﴿۱۲﴾

اور اللہ نے کہا بنی اسرائیل سے کہا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم لوگ نماز قائم کرو، اور زکوٰۃ دو، اور میرے رسولوں پر ایمان لاؤ، اور ان کی تعظیم وتکریم کرو، اور اللہ کو قرضہ حسنہ دو، تو میں ضرور تمہاری لغزشوں سے درگزر کروں گا، اور یقیناً تمہیں ایسی جنتوں میں داخل کروں گا، جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، پس تم میں سے جو شخص اس کے بعد کفر کرے گا، تو وہ سیدھی راہ سے ہٹ جائے گا۔ (پ ۶ ع ۶، سورۂ مائدہ آیت: ۱۲)

نصرتِ خداوندی اور امدادِ الٰہی کے لیے کچھ اسباب ووجوہ ہوتے ہیں، یا بالفاظ دیگر ان کے لیے ایسی استعداد، صلاحیت اور قابلیت وکردار ہے جو فیضان خداوندی سے بہریاب ہونے کے قابل ہو، قانونِ قدرت ہمیشہ سے یہی رہا ہے کہ جو لوگ اس دنیا میں حق وصداقت اور دین ودیانت کا ساتھ دیتے ہیں، نصرت خداوندی ان کا ساتھ دیتی ہے، کیوں کہ نظام قدرت کی ساری ہنگامہ آرائی اسی منشا کے لیے ہے کہ یہ کائنات امن وسکون اور اصول

وضابطہ کی بحالی سے کام یاب وکام ران رہے۔

بس اس معاملہ میں جو قوم یا فرد مفید ثابت ہوگا، نظامِ قدرت کے لیے اس میں دل چسپی ہوگی، وہ اسے زیادہ سے زیادہ تندومندی اور توانائی دینے کے حق میں ہوگا اور قدرت کی طرف سے ایسے مصلحین کی امداد ہوگی، جو اعتقاد وعمل سے دنیا میں سچائی پھیلانے اور برائی مٹانے کی کوشش کرتے ہیں، اور اس کے برعکس بدباطنوں، فاسقوں، فاجروں، بدکاروں، اور بدعقیدہ لوگوں کو نہ صرف محرومی ہوگی، بل کہ ان کو تباہی وبربادی سے دوچار ہونا پڑے گا۔

قرآن حکیم یہودیوں کی مثال پیش فرمارہا ہے:

اللہ تعالیٰ نے اس قوم کا ساتھ دینے کا پورا پورا وعدہ فرمایا، اور دنیا میں ان کو ہر طرح کام ران اور غالب کر کے آخرت میں جنات وانہار کی وراثت دینے کی ذمہ داری قبول کر لی تھی، مگر یوں ہی نہیں، بل کہ اس کے لیے استعداد وقابلیت کا معیار اوپر کی ان باتوں کو بتایا، جن کے کرنے سے انسانی زندگی کی روحانی، مادی، انفرادی، اجتماعی، ملکی، قومی، اور ہر طرح کی زندگی فیضانِ خداوندی کی سزاوار ٹھہر جاتی ہے۔

اگر نماز سے روح واخلاق میں قابلیت پیدا ہوتی ہے، تو زکوٰۃ کے نظام کی درستگی سے سوسائٹی کے عمل ویقین میں اطمینان وسکون کی قدریں ابھرتی ہیں، پھر اللہ کے رسولوں اور ان کی کتابوں پر ایمان لانے سے فیضانِ خداوندی کے لیے نسبت پیدا ہو جاتی ہے، اور پھر خدا کی راہ میں خرچ کرنے سے اس فیضان کی طلب اور خواہش ابھرتی ہے، جب انسانی زندگی میں نیکی کی قوتیں اس طرح بیدار ہو جاتی ہیں تو نصرت الٰہی آتی ہے جو دونوں جہاں میں دست گیری کرتی ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَ جَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ

عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ

بنی اسرائیل کے عہد و پیمان کے توڑ دینے کی وجہ سے ہم نے ان کو ملعون کر دیا، اوران کے دلوں کو سخت کر دیا، وہ کلمات کو ان کی جگہ سے محرف کرتے ہیں، اور جو باتیں بطور نصیحت ان کو کہی گئی تھیں، ان کا ایک معتد بہ حصہ بھول گئے۔ (پ٦ ع ٧، سورۂ مائدہ آیت: ١٣)

جو لوگ آج بھی صحرائی اور وحشی زندگی گزارتے ہیں، ان کے طور وطریقہ پر وحشت وبربریت کا غلبہ ہے، وہ اپنے ماحول میں اخلاق واطوار اور تصورات وخیالات کی ان ہی حدود میں رہتے ہیں جن کو ان کی زندگی نے قائم کیا ہے، ان کی وحشی زندگی پر کوئی پابندی نہیں، ہمارے تہذیب وتمدن کو کوئی حق نہیں کہ ان کے اخلاق واطوار پر حرف گیری کر کے ان کو مجرم قرار دے، یا ان کو غیر متمدن و بدتہذیب کے برے لقب سے پکارے، کیوں کہ وہ ہمارے تمدن سے دور ہیں، اس کے قوانین ان پر لاگو نہیں ہوتے، ہماری متمدن اور مہذب دنیا کے لیے ضروری ہے کہ پہلے ان کو اپنے اصول وقوانین سے روشناس کرائے، اور ان کے سامنے اپنے مسلمات کو پیش کرے۔

برخلاف اس کے جو لوگ آج کی متمدن دنیا میں شہری زندگی گزارتے ہیں، اگر وہ کسی موقع پر بدتہذیبی کا مظاہرہ کریں، تو ہماری سوسائٹی اس کو مجرم قرار دے گی، اور اس کی ناکردنی کے نتیجہ میں ان کی تھکا فضیحتی ہوگی۔

یہی حال قوموں اور ملتوں کی زندگی کا ہے، جو قومیں اپنے کو شروع ہی سے اخلاق وروحانیت کے حدود سے باہر رکھتی ہیں، اور دین ودیانت سے دور رہتی ہیں، وہ لسان شریعت میں کافر ومشرک ہیں، ان کی زندگی اپنے اعمال وکردار میں ان نتائج سے بے فکر ہوتی ہے جو اربابِ دین ودیانت اور اہل اخلاق وروحانیت کے اعمال کے نتیجہ میں رونما ہوتے ہیں، خدا کی توحید پر ایمان لانے والی قوم اور اس سے عہد وپیمان جوڑنے والی جماعت اگر نیکی کرتی

ہے تو اس کی اور دنیا کی زندگی پر اچھے اثرات پڑتے ہیں اور اگر برائی کرتی ہے، تو خود اسے اور دنیا کو برے حالات کا منہ دیکھنا پڑتا ہے، بخلاف کافر و مشرک کے کہ اس کے اچھے برے اعمال سے اس کی اجتماعی زندگی یا دنیا کی زندگی پر کوئی خاص اثر نہیں پڑتا۔

اوپر کی آیتوں میں ان ہی حقائق کو بیان کیا جا رہا ہے کہ جب یہودی قوم نے خدائی نظام کی ذمہ داری لے کر بدعہدی کی، تو اس کے نتیجے میں قدرت نے ان کو ملعون و مردود قرار دے دیا، اور اپنی ان تمام بخششوں سے محروم گردان دیا جو ان کے لیے مقرر تھیں، پھر ان کی اجتماعی زندگی کی ریڑھ کی ہڈی یعنی ان کے دلوں کو ایک دوسرے کے مقابلہ میں سخت کر دیا، اور وہ باہمی عداوت و بغض سے بھر گئے، ان کے دل و دماغ کو اس طرح گھن لگ گیا ہے کہ ان کی ساری زندگی غارت ہو گئی، احکامِ خداوندی میں کتر بیونت کرنے لگے، اپنی ذمہ داریوں کو بھول گئے، اگر مسلمان قوم بھی یہودی قوم کی راہ پر چلے گی تو اس کا بھی یہی حشر ہو گا، اب غور کر کے دیکھو کہ معاملہ کیا ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَ جَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ

پس ان کے اپنے عہد و پیمان کے توڑ دینے کی وجہ سے ہم نے ان کو ملعون قرار دیا اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا۔ (پ ۶ ع ۷، سورۂ مائدہ آیت: ۱۳)

حدیث شریف میں ہے کہ جس کا عہد و پیمان نہیں، اس کا دین و ایمان نہیں۔

اس سے مراد عام وعدے اور عہد و پیمان بھی ہیں، مگر اس کا حقیقی معنی یہ ہے کہ جس نے اسلام کا کلمہ جامع پڑھ کر اپنے اللہ اور رسول سے جو وعدے کیے ہیں، اور عبد وامق ہونے کی حیثیت سے جو ذمہ داریاں قبول کی ہیں، وہ ان کا پورا پورا احترام کرے تو اس کا ایمان کامل و مکمل رہتا ہے، اور اس کے نیک اثرات دنیا اور آخرت میں ظاہر ہوتے ہیں،

اور جولوگ اللہ کی غلامی اور عبدیت کا کلمہ پڑھ کر اس سے گریز کرتے ہیں، وہ دنیا میں ہر طرح کی محروم زندگی گزارتے ہیں، اور آخرت میں بھی ان کے لیے سراسر حرمان اور بدنصیبی ہوتی ہے، اور بڑی ہی عبرت ناک سزا ملتی ہے۔

یہاں پر اللہ تعالیٰ یہود قوم کی اس ناکامی کا تذکرہ فرمارہا ہے کہ جب انھوں نے اپنے عہد و پیمان کا پاس نہیں رکھا، اور اللہ کی راہ سے پھر گئے تو ہم نے ان پر پھٹکار کی ایسی مار ماری کہ ان کے ہوش ٹھنڈے ہوگئے، اور دنیا میں ہر عزت و شرافت سے محروم ہوگئے، بل کہ خود آپس میں ان کے اندر عزت و احترام کا جذبہ ختم ہوگیا، اور ایک دوسرے کے لیے سخت دل اور الھڑ بن گئے۔

یہود کی طرح دوسری قومیں بھی اس قسم کی غلطی میں مبتلا ہوئی ہیں، تو باہر بھی ان کی عزت ختم ہوگئی، اور آپس میں ایک دوسرے کا ادب و احترام باقی نہیں رہا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَ جَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ

پھر ان کے اپنے وعدے کے توڑنے کی وجہ سے ہم نے ان کو ملعون قرار دے دیا، اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا، وہ کلام کو اس کی جگہ سے بدل دیتے ہیں، اور وہ بھول گئے اس نصیحت کا ایک حصہ جو ان کو کی گئی تھی۔ (پ ٦ ع ٧، سورۂ مائدہ آیت: ۱۳)

جولوگ دین و دیانت کے اصولوں تسلیم کرتے ہیں، اور ان پر ایمان لاکر ان کے مطابق زندگی بسر کرنے کا عہد و پیمان کرتے ہیں، وہ اگر ان سے پھر جاتے ہیں، اور کفر و شرک کی غیر ذمہ دارانہ زندگی بسر کرنے لگتے ہیں تو اپنے یقین و عمل کی ہر برکت سے محروم کر دیئے جاتے ہیں، اور قوانین خداوندی ان کو نظر انداز کر دیتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے

کہ ایسے لوگ دنیا وآخرت ذلیل ورسوا ہوتے ہیں، اوراحساس وشعوراورکردار وعمل میں ہر بلندی ان سے چھین لی جاتی ہے۔

اس قدرتی مار کا انجام یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی بزدلی مردہ دلی کی وجہ سے واقعات وحقیقت کو فسخ کرنے لگتے ہیں، اور اپنی بدعملی وبدعقیدگی کو چھپانے کے لیے اصول وقوانین پر پردہ ڈالنے کی کوشش شروع کر دیتے ہیں، پھر کیا ہوتا ہے؟ ایسی قوم ایمان وعرفان کی ایک ایک قدر سے محروم ہونے لگتی ہے، اور زندگی کی زریں اصولوں ایک ایک برکت اس قوم سے اٹھ جاتی ہے۔

مسلمان غور کریں کہ وہ اسلامی زندگی سے بغاوت کر کے آج کل کس مپرسی کی کس منزل پر ہیں، وہ کس درجہ اپنی زندگی میں بےلطفی اور نامرادی محسوس کرتے ہیں، اس کا نام لعنت نہیں ہے کہ انسان بندر، کتا بن جائے، بل کہ یہ بھی خدا کی مار ہے کہ کوئی قوم عزت، شرافت، اور فلاح ونجاح سے محروم ہو کر ناکام اور مراد ہو جائے اور دنیاوی قوموں پر سے اس کی ساکھ اٹھ جائے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ قَالَتِ الْیَهُوْدُ وَ النَّصٰرٰی نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَ اَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ فَلِمَ یُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَ یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ ؕ

اور یہود ونصاریٰ نے کہا کہ ہم اللہ کے بیٹے ہیں، اور اس کے پیارے ہیں، آپ کہئے کہ تو کیوں اللہ تمہیں عذاب دیتا ہے، تمہارے گناہوں پر بلکہ تم ایک انسان اس کی مخلوق میں سے ہو، وہ جسے چاہتا ہے بخشتا ہے، اور جسے چاہتا ہے عذاب دیتا ہے۔

(پ٦ ع ٧، سورۂ مائدہ آیت:١٨)

رنگ ونسل کا سلسلہ کچھ آج ہی کی پیداوار نہیں ہے، اور اس میں اس دور کے بڑے

بڑے اربابِ علم وعقل مبتلا نہیں ہیں، بل کہ قدیم زمانہ سے جس قوم کو بھی اثر واقتدار ملا ہے، وہی قوم نسلی فتنہ میں مبتلا ہوگئی۔

چنان چہ کئی ایسی قومیں جو سیاست وحکومت میں دخل رکھتی تھیں، اور کئی ایسی قومیں جو علم وفضل میں مقام رکھتی تھیں، نسلی فتنہ میں مبتلا ہوئیں، اور انھوں نے اپنے رنگ وخون کو عام انسانوں کے رنگ وخون سے نہ صرف اعلیٰ وبالا سمجھا بلکہ دنیا کو باور کرانے کی کوشش کی کہ ان کا رشتہ جسم وروح براہ راست خدا سے ہے، اور وہ اپنے وجود میں خدا کے شریک ہیں، کتنے لوگوں نے اپنے کو سورج دیوتا کی نسل سے بتایا اور سورج بنسی کہلائے اور کتنے لوگوں نے اپنے کو چاند دیوتا کے نسلی رشتہ سے منسلک کیا اور چندر بنسی بنے، اور کتنے لوگوں نے دیوتاؤں کی اولاد بننے کے بجائے خدا ہی کی اولاد بننے کا دھندا شروع کیا اور نسلی فتنہ میں سب سے آگے گئے، یہ یہود ونصاریٰ ہیں جن کو خدا نے کتاب دی تھی اور اپنے رسولوں کی امت بنایا تھا، جب ان کے پاس کچھ نہیں رہ گیا، تو وہ اپنے کو برتر ثابت کرنے کے لیے خدا کے رشتہ دار اور دوست بننے لگے اور عقیدہ وعمل کی بے بضاعتی کے نتیجہ میں خود کو خدا ہی کے خاندان سے ظاہر کرنے لگے۔

اگر آپ غور کریں گے تو معلوم ہوگا کہ نسلی غرور ایک قسم کا مرض ہے، جو احساس کمتری کے جراثیم سے پیدا ہوتا ہے، اور وہی لوگ اپنا رشتہ بلند سے بلند ظاہر کرتے ہیں، جن کے پاس عمل وکردار اور عقیدہ کی کوئی پونجی نہیں ہوتی، اور وہ اپنے کو بے حیثیت تصور کرتے ہیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِیْكُمْ اَنْۢبِیَآءَ وَ جَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖۗ وَّ اٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ یُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۲۰﴾

اور جب موسیٰ نے کہا کہ اے قوم! اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو، کیوں کہ اس نے تمہارے اندر انبیاء بنائے اور تم کو بادشاہ بنایا اور تمہیں وہ چیز دی، جسے دنیا میں کسی کو نہیں

دی۔(پ۶ ع۸، سورۂ مائدہ آیت: ۲۰)

کسی قوم یا خاندان میں اہل علم وفضل کا پیدا ہونا، عزت وشرافت کی قدروں کا بلند ہونا اور اثر واقتدار کی دولت سے بہرہ ور ہونا، فضلِ خداوندی اور اس کی توفیق سے ہے، جن گھرانوں یا جن بستیوں میں اَربابِ علم وفن ہوں، اَربابِ اثر واقتدار ہوں، اَربابِ فہم و دانش ہوں، وہ گھرانے اور بستیاں اللہ کے خاص انعام سے بہرہ مند ہیں، تاریخ عالم میں بہت سی ایسی مثالیں ہیں اور ایسے ممالک گزرے ہیں، اور آج بھی ہیں، جن کے مزاجوں میں شرارت وعدوان کے بجائے شرافت وانسانیت ہوتی ہے، جہل وتعصب کے بجائے علم وکشادگی ہوتی ہے، مرعوبیت کے بجائے اقوامی طاقت ہوتی ہے، افسردگی، کم ہمتی، کوتاہ بینی اور بے بسی کے بجائے بشاشت، تازگی، شگفتگی وسعتِ نظری اور سرور ومسرت ہوتی ہے۔

پس جو لوگ اس دنیا میں امتیاز وفرقان کے مالک ہیں، اپنے علم وفن اور ریاست وامارت کی وجہ سے تاباں ودرخشاں ہیں، ان پر اور ان کی زندگی پر فضلِ خداوندی کی بہت بڑی نوازش ہے، ایسی نوازش جسے اہم مواقع پر یاد کر کے اپنی زندگی سنواری جاسکتی ہے، وہ لوگ خدا کے خاص نعمت سے بہریاب ہیں۔

تاریخ عالم گزشتہ دور میں بنی اسرائیل قوم اپنے اثر واقتدار، علم وفن، ریاست وحکومت اور ذہن ومزاج کے اعتبار سے بہت ہی سربلند قوم تھی، جسمانی صحت وتندرستی کے ساتھ علمی تن وعقل مندی اور ذہنی بحالی بھی انھیں پورے طور سے مہیا تھی۔

حضرت موسیٰؑ بنی اسرائیل کے ناخلف لوگوں کو خطاب کر کے ان کی قومی پوزیشن یاد دلاتے ہیں کہ تمہارے اوپر خدا نے یہ احسانات کیے ہیں، تم اس کی جناب میں آؤ، اور گمراہ ہو کر ان تمام خاندانی اور قومی سربلندیوں سے نہ گرو۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ اِذۡ قَالَ مُوۡسٰی لِقَوۡمِہٖ یٰقَوۡمِ اذۡکُرُوۡا نِعۡمَۃَ اللّٰہِ عَلَیۡکُمۡ اِذۡ جَعَلَ فِیۡکُمۡ اَنۡۢبِیَآءَ وَ جَعَلَکُمۡ مُّلُوۡکًا ٭ۖ وَّ اٰتٰىکُمۡ مَّا لَمۡ یُؤۡتِ اَحَدًا مِّنَ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۲۰﴾

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم! اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو، جب کہ اللہ نے تمہارے اندر انبیاء بنائے اور تم کو بادشاہ بنایا اور تمہیں وہ دے دیا، جو دنیا میں کسی کو نہیں دیا۔ (پ۶ ع۸، سورۂ مائدہ آیت: ۲۰)

دنیا میں وہ قوم بہت ہی خوش نصیب اور خوش بخت ہے جسے اللہ دین اور دنیا دونوں کی سیادت وسرداری دے، اور اس کے جلو میں اخلاق ودیانت اور مذہب چلے اور مادی زندگی کی تمام قدریں بھی چلیں، اس قسم کی زندگی بڑی ہی حسین اور کام یاب زندگی ہوتی ہے، ایسی زندگی میں نہ چنگیزی آتی ہے، نہ شیطنت جگہ پاتی ہے، بل کہ دنیاوی زندگی میں اقتدار بڑا ہی کام یاب ہوتا ہے، اور انسانوں کو اس اقتدار سے فائدہ پہونچتا ہے، اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو دنیا میں دینی امامت وسیادت سے بھی نوازا تھا، اور دنیاوی بادشاہت وحکومت بھی دی تھی، مگر یہ قوم اس عظیم الشان خداوندی کی قدر نہ کرسکی اور دونوں سے محروم کردی گئی، پس جس طرح مادی اور ظاہری اچھی چیزیں خدا کی نعمت ہوتی ہیں، اسی طرح اقتدار اور بالا دستی بھی خدا کی بہت بڑی نعمت ہے، وہ سیادت وقیادت دینی معاملات میں ہو یا دنیاوی اُمور میں اور جو لوگ اس سے نوازے جانے کے بعد اس کی ناقدری کرتے ہیں، وہ کفرانِ نعمت کی سزا میں بری طرح گرفتار کیے جاتے ہیں، اور پھر ان کو ابھرنے کا موقع بہت کم ملتا ہے، اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے یہودی قوم آج بھی دنیا میں پائی جاتی ہے، مسلمانوں کو اس صورت حال پر غور کرنا چاہیے، اور اپنے دینی ودنیاوی جاہ وجلال کی تلاش میں اس روشنی سے کام لینا چاہیے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ اِذۡ قَالَ مُوۡسٰى لِقَوۡمِهٖ يٰقَوۡمِ اذۡكُرُوۡا نِعۡمَةَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ اِذۡ جَعَلَ فِيۡكُمۡ اَنۡۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمۡ مُّلُوۡكًا ‌ۖ وَّاٰتٰٮكُمۡ مَّا لَمۡ يُؤۡتِ اَحَدًا مِّنَ الۡعٰلَمِيۡنَ ۞

جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا: اے قوم! تم اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو کہ اس نے تمہارے اندر انبیاء بنائے، اور ت، کو بادشاہ بنایا، اور تم کو وہ چیز دی کہ دنیا میں کسی کو نہیں دی۔ (پ۶ ع۸، سورۂ مائدہ آیت:۲۰)

دنیا میں کسی خاندان، کسی گھرانے، اور کسی قوم کا علمی ہونا دین دار ہونا اور رشد وہدایت کی سیادت سے بہرور ہونا اسی طرح اس کا زمین کا مالک ہونا، خدا کے بندوں پر سیادت وسرداری کا سزاوار ہونا اور بادشاہی کا پانا خدا کی نعمت ہے، اور اس کا خاص فضل ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام یہود قوم سے فرما رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے خاندان کو نبوت کا گھرانا بنایا، تم کو زمین کی بادشاہت اور اس زمین پر بسنے والی قوموں میں تم کو ایسے ایسے امتیازات عطا کیے کہ دنیا کے کسی انسان کو وہ نصیب نہیں ہوئے، خدا کی ان نعمتوں کو یاد کرو، اور یاد کر کے اس کی فرماں برداری کرو، اور اس کے احکام پر عمل کر کے مزید فضل وانعام کا استحقاق ثابت کرو۔

حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں دولت وثروت کا مالک ہونا، علم کی دولت سے بہرور ہونا اور دوسری برتری کا اہل ہونا خدا کا وہ انعام ہے جس سے دوسرے لوگ محروم ہوتے ہیں، اور یہی مال، یہی علم، اور یہی دوسری خصوصیات اگر ان کی قدر نہ کی جائے، اگر ان کا صحیح استعمال نہ کیا جائے، اور اگر ان کو غلط کاموں میں خرچ کیا جائے، تو نعمت نہیں زحمت بن جاتی ہے، اور اللہ تعالیٰ اس ناقدری اور ناشکری کے نتیجہ میں اس قوم اور گھرانے کو بے حیثیت کر کے دنیا میں ذلیل وخوار بنا دیتا ہے۔

تم بھی سوچو کہ خدا نے اگر تم کو مال یا علم یا کوئی دوسری خاص برتری دی ہے تو تم اس

کی قدر ومنزلت کر کے آئندہ کے لیے اپنا استحقاق کہاں تک ثابت کرتے ہو۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَ مَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ

جو شخص بھی کسی نفس کو بغیر کسی نفس کے یا بغیر زمین میں فساد کے قتل کرے گا، تو گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا، اور جو شخص کسی کو بچا لے گا، گویا اس نے تمام انسانوں کو زندہ کیا۔ (پ۶ ع۹، سورۂ مائدہ آیت: ۳۲)

دنیا میں امن وامان انسانیت کی بحالی اور اس کے پھلنے پھولنے کے لیے اولین شرط ہے، اور خدا کی زمین پر زندہ رہنے کے لیے آدم کی ہر ہر اولاد کو حق حاصل ہے کہ وہ امن کی قدروں سے زیادہ سے زیادہ فیض حاصل کرے، اور جو طاقتیں اس کے اس حق کی راہ میں حائل ہوں ان کو پاش پاش کر دے، اگر کسی دور میں انسانیت اپنے اس حق سے محروم ہو کر قتل وخون، ظلم وستم اور خوف وہراس میں اس طرح گرفتار ہو جاتی ہے کہ بالا دست طاقتوں کے مقابلہ کی اس میں تاب نہیں رہتی تو پھر تکوینی حالات ان طاقتوں کو پیس کر کے رکھ دیتے ہیں، تم مصر کے فرعونوں، یمن کے شدادوں، کلدان کے نمردوں، مغرب کے قیصروں، مشرق کے کسراؤں اور دنیا کے نئے پرانے ستم گاروں اور مفسدوں کی داستان تباہی سے اس حقیقت کا پتہ چلا سکتے ہو۔

اسلام کی نظر میں فساد وبدامنی وہ جرم ہے جس کی سزا یا تو مفسد کے وجود سے خدا کی زمین کو پاک کر دینا ہے، یا پھر اسے زمین پر آزادی سے زندہ رہنے کے حق سے محروم کر کے ملک بدری اور جلاوطنی ہے، اسلام کی نظر میں کسی کا اپنی طاقت اور غرور کے بل پر ایک انسان کو قتل کرنا گویا ساری انسانیت کا قتل ہے، اسی طرح ایک انسان کو قتل سے بچانا گویا ساری

انسانیت پر رحم کرنا ہے۔

دراصل اسلام کے نزدیک ایک انسان کا قتل انسانیت کے امن وامان کے لیے کھلا چیلنج ہے، اور پوری انسانیت کی خونریزی ہے، اسی طرح ایک انسان کا بچالینا گویا ساری انسانیت کا احترام ہے۔

پس جس زمانہ میں ساری انسانیت کی تباہی وبربادی اور قتل وغارت کے منصوبے تجربے میں آرہے ہوں، اس زمانہ کی انسانیت کا فرض ہے اور اس کا حق ہے کہ وہ اپنی حفاظت اور امن بحالی کے لیے اٹھ کھڑی ہو، اور خدا کی زمین پر امن کا جھنڈا لہرادے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَ جَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّ مِثْلَهٗ مَعَهٗ لِيَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۳۶﴾ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا ۫ وَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۳۷﴾

اے مسلمانو! خداترس بنو، اور اسی کو وسیلہ بناؤ، اور سرگرمی ظاہر کرو اللہ کی راہ میں، تاکہ تم کامیاب ہو، وہ لوگ جنھوں نے انکار کیا اگر ان کے لیے وہ سب کچھ ہو جو زمین وآسمان کے دائرہ میں ہے، اور اسی کے نمونہ کا اور بھی ہو، اور وہ اس کو دے کر یہ چاہیں کہ عذاب کی پکڑ سے بچ جائیں، تو یہ ان کی طرف سے قبول نہیں کیا جائے گا، اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے، وہ آرزومند ہیں کہ آگ سے نکل جائیں، حالاں کہ وہ جہنم سے بچ نکلنے والوں میں سے نہیں ہیں، اور ان کے لیے عذاب دائمی ہے۔

(پ۶ ع۱۰، سورۂ مائدہ آیت: ۳۵، ۳۶، ۳۷)

خدا کا خوف انسانیت کی بنیاد ہے، خداترسی سب سے بڑا وصف ہے، جس دل میں

خدا کا خوف جا گزیں ہے، وہاں شیطان کی حکومت کا تخت نہیں بچھ سکتا، خدا ترسی سے انسانی ہمدردی، اور دکھ درد کے مارے غریبوں کی خدمت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، انصاف پیدا ہوتا ہے، مذہبی عقیدت کی بنیاد ٹھیک ہوتی ہے، اور دنیا کے کاموں کا رخ ٹھیک ہوتا ہے، جو خدا سے ڈرے گا وہ اچھے کام کی طرف جائے گا، برے کام سے خود رک جائے گا، اور کامیابی کی راہ پر آجائے گا۔

قرآن کہتا ہے: تقویٰ اختیار کرو، اللہ کا خوف دل میں رکھو، اللہ کو اپنے ہر کام کا وسیلہ قرار دو، اور خدا کی راہ میں سرگرم جد وجہد کرو، اگر تم اتنا کرو گے تو خدا تم کو کامیاب کرے گا، البتہ وہ لوگ جن کے سینہ میں کفر وانکار کی سرکشی موجود ہے، ان کے لیے آگ ہے، دنیا کی آگ اور جہنم کی آگ اگر منکر لوگ زمین وآسمان کے سارے خزانوں کو بھی دے ڈالیں، تب اس دائمی عذاب سے بچ کر نہیں جا سکتے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّ مِثْلَهٗ مَعَهٗ لِيَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۳۶﴾

یقیناً جن لوگوں نے کفر کیا اگر ان کے پاس تمام دنیا بھر کی چیزیں ہوں، اور ان کے ساتھ اتنی ہی چیزیں اور بھی ہوں، تا کہ وہ ان کو فدیہ دے کر قیامت کے عذاب سے چھوٹ جائیں، تو بھی وہ چیزیں کافروں کی طرف سے قبول نہیں کی جائیں گی، اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔ (پ۶ ع۱۰، سورۂ مائدہ آیت:۳۶)

گناہوں کی حیثیت مختلف ہوتی ہے، جرائم کے جیسے اثرات ہوتے ہیں اسی قسم کی اس میں شدت ہوتی ہے، قرآن حکیم کی تصریح کے مطابق خدا کی جناب میں گستاخی کا سب سے بڑا طریقہ یہ ہے کہ انسان خدا کے ساتھ کفر کرے، جحود وانکار کی راہ اختیار کرے، اور

دلائل و براہین کو پس پشت ڈال کر اپنے آپ کو جہل و نادانی کے حوالہ کر دے، ایسے لوگوں کی ناکامی کا حال یہ ہے کہ اگر یہ قیامت کے دن اپنی خلاصی کے لیے یہ ساری کائنات بل کہ اس جیسی اور بھی کائناتیں لے کر آئیں اور خواہش کریں کہ ان تمام چیزوں کو دے کر بھی ہمیں نجات مل جائے تو یہ ناممکن ہوگا، اور کفر و شرک کی سزا میں اس کے سوا کوئی چارہ نہ ہوگا کہ وہ دردناک عذاب سے دوچار ہوں اور ہمیشہ ہمیشہ جہنم کے عذاب میں مبتلا رہیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَ اَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۹﴾

پس اگر کوئی توبہ کرلے ظلم کرنے کے بعد اور صلاحیت سے کام لے تو امر واقعہ یہ ہے کہ اللہ اس کی توبہ قبول فرمائے گا، کیا تم نہیں جانتے کہ در حقیقت اللہ مالک ہے آسمانوں اور روئے زمین کی بادشاہی کا، وہ سزا دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور معاف کر دیتا ہے جسے چاہتا ہے۔ (پ۶ ع۱۰، سورۂ مائدہ:۳۹)

اسلام کی بنیاد تین چیزوں پر ہے، امانت پر، عدل پر اور قوت پر، انسان کا رواجی اور رسمی طور پر مسلمان ہونا کافی نہیں، بل کہ مسلمان ہو اور معاملہ کے اعتبار سے امین ہو، ظالم نہ ہو، عادل ہو، اتنا عادل کہ دشمن بھی اس کے انصاف پر بھروسہ رکھے، کمزور نہ ہو، قوی ہو، کیوں کہ جہاں ایمان ہے، وہاں کمزوری کا ہونا بعید ہے، ان میں عدل و انصاف سب سے ضروری ہے، مدینہ کے یہودی حضور کے دشمن تھے، مگر قرآن میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا گیا کہ اگر ان کا مقدمہ آپ کے سامنے پیش ہو تو فیصلہ انصاف کی رو سے ہونا چاہیے، قرآن صرف مسلمان ہی سے نہیں، بل کہ تمام انسانوں سے کہتا ہے کہ عدل پر مضبوطی سے قائم رہو، اگر کسی سے کوئی ظلم ہوا ہے تو وہ اس سے توبہ کرے، اپنے اندر صلاحیت پیدا کرے، اللہ معاف کرنے والا ہے، زمین ہو یا آسمان، ہر جگہ اللہ کی حکومت ہے، دنیا میں کوئی ظالم

سزا سے بچ نہیں سکتا اور جو ظلم سے توبہ کرے اسے معافی کا یقین رکھنا چاہیے۔

اس زمانہ میں ظلم عام ہے، ایک زمانہ تھا کہ مسلمانوں کے انصاف کو یہودی، عیسائی، غیر مسلم سب مانتے تھے، شام کے عیسائی خدا سے دعا کرتے تھے کہ رومی عیسائیوں کی جگہ پر مسلمان حکمراں رہیں، کیوں کہ مسلمانوں میں بچوں کے لیے رحم، عورتوں کی آبرو کا پاس، اور دوسرے مذہب کے لوگوں کے لیے انصاف ہے، اگر تمام دنیا مسلمانوں کے حق میں ظالم ہوجائے جب بھی مسلمانوں کو انصاف کا دامن چھوڑنے کی اجازت نہیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَ اَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۹﴾

پس جو شخص اپنے ظلم کے بعد توبہ کرے تو اللہ اس کی توبہ قبول کرے گا، یقیناً اللہ غفور رحیم ہے۔ (پ۶ ع ۱۰، سورۂ مائدہ آیت: ۳۹)

اللہ تعالیٰ کے قانون مجازات کے حق ہونے میں ہم کو ذرہ برابر شک نہیں ہے، اس کے یہاں ہر چھوٹی سے چھوٹی نیکی پر اجر و ثواب ملتا ہے، اور ہر چھوٹی سے چھوٹی معصیت پر سزا و عذاب ملتا ہے، اللہ تعالیٰ کا یہی قانون ہے، اور اسی کے مطابق تمام انسانوں کا حساب و کتاب ہوگا، مگر ہمیں اسی کے ساتھ یہ یقین دلا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ عادل و منصف ہونے کے ساتھ رحیم و کریم اور غفور و ستار بھی ہے، اگر وہ عدل و انصاف نہ کرے تو یہ اس کا ظلم ہوگا، اور اللہ تعالیٰ کے یہاں ذرہ ذرہ برابر ظلم نہیں ہے، اور اگر وہ مستحق سزا کو اپنے فضل و کرم سے معاف کرے تو یہ اس کا احسان ہے، اور فضل و احسان خداوندی ہی کے سہارے ہم گنہ گار زندہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر کوئی بندہ گناہ کرے اور ہماری نافرمانی پر جری ہونے کے بعد شرم و ندامت سے سر جھکا لے، اور ہماری جناب رحم و کرم میں آ کر عذر و معذرت کرے تو ہم اس کی معذرت کو سنتے ہیں، اس کے حال پر رحم کرتے ہیں، اور اس کی سزا کو یک قلم

محو کر دیتے ہیں، کیوں کہ اللہ کسی کو سزا دینا پسند نہیں کرتا ہے اور ہر شخص کے آغاز وانجام کو بہتر سے بہتر بنانے کی تعلیم دیتا ہے۔

پس ہمیں اولاً اللہ کی نافرمانی نہیں کرنی چاہیے، اور اگر بشری کمزوری اور شیطانی غلبہ سے کبھی کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کی جناب میں فوراً رجوع کرنا چاہیے، تاکہ اس دنیا ہی میں اپنا معاملہ رحمت خداوندی سے مل ملا کر طے کر لیں، اور آخرت کے مواخذہ سے بچے رہیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ؕ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ۚۖ وَّ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝۴۱ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ؕ فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَ اِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْـًٔا ؕ وَ اِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝۴۲

یہ وہی لوگ ہیں کہ جن کو اللہ نے نہیں چاہا کہ ان کے دل پاک صاف ہوں، ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے، اور آخرت میں بڑا عذاب ہے، یہ ہیں جاسوسی کرنے والے محض جھوٹ بولنے کے لیے اور بڑا حرام کھانے والے، اور اگر وہ آئیں تیرے پاس مقدمہ لے کر تو تو ان کا فیصلہ کر دے، یا ان سے منہ پھیر لے اور اگر تو منہ پھیر لے گا ان سے، تو وہ تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے، اور تو ایسا فیصلہ کر جو انصاف پر مبنی ہو، کیوں کہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ انصاف کرنے والوں ہی کو دوست رکھتا ہے۔ (پ ۶ ع ۱۰، سورۂ مائدہ آیت: ۴۱، ۴۲)

ان آیتوں سے پہلے آیتوں میں ڈکیتی اور چوری کے احکام بیان کیے گئے ہیں، اوران قوموں کا بیان کیا گیا ہے، جنھوں نے خدائی قانون کو توڑا، ان آیات میں یہود کا ذکر

ہے، یہود کی کتابوں میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کی پیشن گوئی موجود تھی، مگر ان کے دلوں کی سیاہی نے رسالت کے نور کو قبول نہ کیا، ان کے قلوب کفر سے گندہ رہے، وہ اسلام لا کر پاک نہ ہوسکے، یہ لوگ جاسوسی کرتے تھے، اور اسلام کے دشمنوں کو بھڑکانے کے لیے جھوٹی افواہیں پھیلاتے تھے، غلط خبریں بھیجتے تھے، یہ لوگ بیوپاری تھے مگر منافع پرست، غارت گر، حرام کمانے اور کھانے والے۔

قرآن کہتا ہے: پیغمبر کو اختیار ہے کہ اگر ان کے پاس ایسے لوگوں کا کوئی مقدمہ آئے تو وہ ان کا فیصلہ کریں، یا انکار فردیں، لیکن اگر فیصلہ کرنا ہو تو انصاف کا خیال رہے، یہ اسلام کی تعلیم ہے، یہ قرآن کا قانون ہے، اور یہ مسلمانوں کا فاتحانہ کردار ہے کہ اسلام کے دشمن بھی اگر ان کی عدالت میں آئیں تو دشمنی اپنی جگہ مگر فیصلہ انصاف کے مطابق ہوگا، انصاف سلطنت کرسکتی ہے، وہ ساری دنیا کو اپنا دوست بنا کر فتح کرسکتی ہے، اور جو انصاف کی جگہ ہر معاملہ میں ظلم کرتی ہے، وہ آج نہیں تو کل ختم ہوجائے گی، وہ مسلمان ہو یا یہود یا ہنود یا کوئی قوم۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝۴۲

اگر آپ فیصلہ کریں تو ان اہل کتاب کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کیجئے، بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ (پ ۶ ع ۱۰، سورۂ مائدہ آیت: ۴۲)

حق اور انصاف پوری انسانیت کا عام حصہ ہے، اس کی حصہ داری میں کسی طبقہ، کسی فرقہ، کسی نسل، کسی جماعت، کسی ملت، کسی مذہب کی خصوصیت نہیں ہے، بل کہ جس طرح خدا کی نعمتوں میں ہوا، پانی، دانہ تمام انسانوں کا مشترکہ حصہ ہے، اسی طرح عدل وانصاف ہر فرد انسانی کا حق ہے، اس پر دست درازی کرنا، اور اسے اپنے حق سے محروم کرنا، دنیا کے کسی چھوٹے یا بڑے انسان کے لیے جائز نہیں ہے اور کسی کو بھی حق حاصل نہیں ہے کہ اپنی شوکت

وقوت یا اپنی بالا دستی اور اثر کی وجہ سے کسی بے کس، بے بس آدمی کے اس حق کو غصب کرے۔

اسی حقیقت کو اللہ تعالیٰ اپنے رسول کے ذریعہ ان کی امت کو بتا رہا ہے کہ مسلمان تو مسلمان، اگر یہ اہل کتاب یعنی یہود ونصاریٰ بھی اپنے فیصلے آپ کے پاس لائیں تو آپ سچائی اور حقانیت کا فیصلہ دیں، اور فیصلہ کرتے وقت ان کی کسی قسم کی مخالفت اور دشمنی سے اثر نہ لیں، کیوں کہ مذہبی اختلاف اپنی جگہ ایک حقیقت ہے، اور عدل وانصاف اپنی جگہ ایک حقیقت ہے، ان دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے پر اثر انداز نہ ہونا چاہیے۔

پس مسلمان دنیا میں ہر مذہب والے کے ساتھ عدل وانصاف کا برتاؤ کرنے پر اپنے دینی حکم کی رو سے مجبور کیا گیا ہے، اور اسے یہ حق حاصل نہیں ہے کہ کسی بھی ذاتی، مذہبی، خاندانی، نسلی، جغرافیائی اختلاف اور دشمنی کی وجہ سے انصاف کا سر نیچا کرے، بہر حال اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے، اور اس پر اجر دیتا ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ كَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَ عِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَ مَاۤ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۳﴾

اور وہ آپ کو کیسے حکم مانیں گے، حالاں کہ ان کے پاس توراۃ ہے، اس میں اللہ کا فیصلہ موجود ہے، پھر اس کے بعد وہ پھر جاتے ہیں، اور وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔

(پ ۶ ع ۱۰، سورۂ مائدہ آیت: ۴۳)

عہدِ رسالت میں بھی یہودی قوم اپنی پرانی چال بازی میں آگے آگے تھی، اور کفر ونفاق سے میل کر کے عجیب عجیب حرکتیں کیا کرتی تھی، یہ قوم کبھی تو مسلمانوں کی ہم نوا بن کر ان کے رسول کی خدمت میں آکر اپنے دینی جھگڑوں کو پیش کر کے آپ سے ان کا فیصلہ چاہتی تھی، اور کبھی کفار ومشرکین اور منافقین سے مل کر مسلمانوں کے دین کی بیخ کنی کرتی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ یہودیوں کے بارے میں آپ وہی روش اختیار کریں جو آپ کی عالم گیر نبوت کے شایان شان ہے، اوران کے معاملات و قضایا کا فیصلہ قرآنی احکام کی روشنی میں فرمادیا کریں، مگر ساتھ ہی آپ کو یہ بھی معلوم رہنا چاہیے کہ خود یہودیوں کے پاس تورات موجود ہے، جس میں ان کے ہر معاملہ کا فیصلہ موجود ہے، اگر ان میں عمل کرنے کا جذبہ موجود ہے تو ان کو آپ کے پاس آنے کی ضرورت نہیں، بل کہ وہ خود ہی اپنی کتاب سے فیصلہ کر سکتے ہیں۔

مگر واقعہ یہ ہے کہ ان میں دین داری اور عمل کا جذبہ نہیں ہے، وہ تو ایک چال کے ماتحت آپ سے آکر طرح طرح کے سوالات کرتے ہیں، عمل کرنے کے لیے ایسا نہیں کرتے۔

اس بیان کی روشنی میں ان لوگوں کو غور کرنا چاہیے، جو عمل کرنے کے لیے نہیں، بل کہ خواہ مخواہ کسی ذاتی مصلحت کے لیے باریک باریک مسائل پوچھا کرتے ہیں، حالاں کہ وہ موٹے موٹے مسائل پر عمل نہیں کرتے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَمَاۤ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۳﴾

اور یہود آپ کو کیسے حکم بنا سکتے ہیں، حالاں کہ ان کے پاس تورات موجود ہے، اس میں اللہ کا حکم ہے، پھر وہ اس کے بعد پیچھے جاتے ہیں، اور وہ مومن نہیں ہیں۔

(پ ۶ ع ۱۰، سورۂ مائدہ آیت: ۴۳)

عہدِ رسالت میں یہود اپنے کو بہت پڑھا لکھا اور دین دار ثابت کرنے کے لیے بڑی عجیب وغریب حرکتیں کیا کرتے تھے، اور اپنی قابلیت اور مذہبیت کے اظہار کے لیے بڑی بڑی حماقتیں کیا کرتے تھے، تاکہ مسلمان سمجھنے لگیں کہ یہ بیچارے ہمارے ہم خیال

ہیں، اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں نہیں کرتے ہیں، بعض اوقات وہ مسلمانوں سے اپنی ہمنوائی ثابت کرنے کے لیے یہ چال چلتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر کہتے ہیں کہ فلاں مسئلہ میں ہم میں اختلاف ہوگیا ہے، آپ ہی فیصلہ کردیں، ہم آپ کو فیصل اور حکم بناتے ہیں، یہ اس لیے کہتے اور کرتے ہیں کہ صحابۂ کرام ان کے اس رنگ کو دیکھ کر سمجھ لیں کہ یہ پکے مسلمان ہیں، اور ہمارے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔

قرآن حکیم ان چال بازوں اور مکاروں کی قلعی کھول رہا ہے کہ یہ لوگ رسول کے ماننے کے لیے ایسا نہیں کرتے، اور یہ مومن و مسلم نہیں ہوئے ہیں، بل کہ صرف دکھلانے کے لیے یہ حرکت کرتے ہیں، اگر ان کو دین پر چلنا ہی ہے تو تورات ان کے پاس ہے، اس میں ہر قسم کی ہدایت موجود ہے، اسی سے اپنا فیصلہ کرالیں، مگر یہ عمل کرنے والے نہیں، نہ مسلمان ہونے والے ہیں، بل کہ ان کا مقصد صرف مکاری ہے۔

اسی طرح بہت سے لوگ آج کل دین کی موٹی موٹی باتوں پر عمل نہیں کرتے، اور روزہ نماز تک سے ان کو سروکار نہیں ہوتا، مگر اپنے کو دین دار ثابت کرنے کے لیے باریک باریک مسائل اور جائز و ناجائز کی باریکیاں پوچھا کرتے ہیں، وہ بھی ایسے وقت میں جب کہ کچھ لوگ سننے اور دیکھنے والے بھی موجود ہوں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اَفَحُکۡمَ الۡجَاهِلِیَّةِ یَبۡغُوۡنَ ؕ وَمَنۡ اَحۡسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُکۡمًا لِّقَوۡمٍ یُّوۡقِنُوۡنَ ﴿۵۰﴾

کیا پس وہ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں، اور ایمان و یقین والی قوم کے لیے اللہ سے بہتر کون فیصلہ کرنے والا ہے۔ (پ ۶ ع ۱۰، سورۂ مائدہ آیت: ۵۰)

مسلمانوں کی زندگی کا محور اور مرکز اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، وہ اسی سے وابستہ رہ کر دنیا میں زندگی بسر کرتے ہیں، اسی کے احکام پر چلتے ہیں، اسی کی نواہی سے بچتے ہیں، اور

اسی کے حکم اور فیصلہ پر راضی رہتے ہیں، مسلمان بن کر طاغوت کے احکام پر عمل نہیں کیا جاسکتا، اور نہ اسلام کا دعویٰ کر کے جاہلی زندگی کے جاہلانہ اوہام وخیالات پر فرد وقوم کی بنیاد رکھی جاسکتی ہے۔

یہ چیز کفر واسلام کے درمیان حد فاصل ہے، اور اسی سے مسلمان کفار سے ممتاز اور جدا ہوتے ہیں، مسلمان بن کر جاہلی زندگی کو پسند کرنا اس کی دعوت دینا، اور اسے قابل فخر سمجھنا زیب نہیں دیتا ہے۔

یہ یہود ونصاریٰ کی چال اور سیاست ہے کہ وہ مسلمانوں میں وطن اور قوم کے نام پر جاہلی زندگی کی بات پھیلاتے ہیں، اور ان کو وطن پرستی اور قوم پرستی کے نام پر خدا پرستی کے اصولوں سے دور رکھنے کی کوشش کرتے ہیں، چنان چہ جو یہود ونصاریٰ کے ذہن ومزاج کے مطابق بعض مسلم حکومتیں بھی قدیم جاہلی زندگی کا دم بھرتی ہیں، اور اسلام کی روشن شاہراہ سے ہٹ کر کفر وشرک کی اندھیری نگری میں جانا چاہتی ہیں، یہ سراسر ظلم وجہالت کی بات ہے، جس میں سراسر ناکامی اور نامرادی ہے اور زندگی کی پُرفریب صورت ہے، مسلمان قوم کو اس حسین فریب سے دور رہ کر فخر کے ساتھ مساوی زندگی کی دعوت پر لبیک چاہیے، اور اللہ اور رسول کے احکام پر بے جھجک فخریہ انداز میں عمل کرنا چاہیے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۱﴾

اے ایمان والو! یہود ونصاریٰ کو اپنا دوست مت بناؤ، وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں، اور جو شخص تم میں سے ان سے دوستی کرے گا، وہ ان ہی میں سے ہے، اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔ (پ۶ ع ۱۲، سورۂ مائدہ آیت: ۵۱)

جب اسلام کی دعوت وتبلیغ کا آغاز ہوا تو دو تین گروہ اس کے مقابلہ کے لیے نکلے، ایک تو کفار و مشرکین تھے، دوسرے اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ تھے، ان میں کفار و مشرکین تو چند دنوں میں ختم ہو گئے، مگر یہود و نصاریٰ اپنی طرح طرح کی چالوں کے ساتھ آج تک اسلام اور مسلمانوں کے مقابلہ میں آتے ہیں، اور بڑی چالاکی اور دور اندیشی سے زمانہ کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے مقابلہ میں وہ بھی بدلتے رہتے ہیں، جب تک سکت رہی، اور وقت رہا مسلمانوں کا جنگی مقابلہ کیا، پھر سازشوں اور ریشہ دوانیوں کے ذریعہ مسلمانوں کے عقیدہ اور عمل سے نبرد آزما رہے، پھر صلیبی لڑائیوں میں نصاریٰ کے ساتھ یہودی فکر نے بھی مسلمانوں کا مقابلہ کیا، اس کے بعد تصنیف وتالیف کے ذریعہ یہود و نصاریٰ کی ملی جلی کاوش نے مسلمانوں کے دین اور ان کی ثقافت پر حملہ کیا، اور جب موقع آیا تو حکومت وسیادت کے پردے میں عالم اسلام پر یلغار کی۔

پس مومنوں کو ان دشمنوں سے چوکنا رہنا چاہیے، اسلام کے مقابلہ میں یہ دونوں ایک ہیں، ان میں آپس کی مخالفت دیکھنے کی ہے، ورنہ یہ مسلمانوں کی دشمنی میں ایک دل اور ایک دماغ ہیں، اور دونوں ہی اس مرکز پر آکر ایک دوسرے کے دوست ہیں۔

اب اگر اس حال میں کوئی مسلمان اسلام کے مقابلہ میں ان سے دوستی کا دم بھرے تو اس کا شمار اسلام کے شیدائیوں میں نہیں ہوگا، بل کہ وہ یہود و نصاریٰ کا دوست سمجھا جائے گا، اور وہ بھی گمراہوں کے ساتھ رہ کر گمراہ ہوگا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰۤى اَوْلِيَآءَ ؔ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۱﴾

اے ایمان والو! تم لوگ یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست مت بناؤ، ان میں سے بعض

بعض کے دوست ہیں، اور جو ان سے دوستی کرے گا، وہ ان ہی میں سے ہوگا، اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔ (پ٦ ع ١٢، سورۂ مائدہ آیت: ٥١)

یہود و نصاریٰ اسلام کے کھلے ہوئے دشمن میں سے ہیں، اور فکر و مزاج کے اعتبار سے اسلام اور یہودیت و نصرانیت میں بالکل تضاد ہے، یہود و نصاریٰ بظاہر ایک دوسرے کے دشمن ہیں، مگر درحقیقت اسلام کے مقابلہ میں دونوں ایک ہی پرگرام رکھتے ہیں، یعنی اسلام دشمنی میں دونوں ایک دوسرے کے معاون اور مددگار رہیں، اور اندر اندر دونوں کی دوستی اسلام کی دشمنی کے لیے برابر قائم رہتی ہے۔

پس مسلمانوں کو بحیثیت قوم و دین کے یہود و نصاریٰ سے ہرگز ہرگز دوستی نہیں کرنی چاہیے، اور ان کی دشمنی سے بچنے کے لیے ہمیشہ چوکنا رہنا چاہیے، وہ اپنے علم و فن، اپنی تہذیب و تمدن اور اپنی ترقی و اقبال سے اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہونچانا چاہتے ہیں۔

لہٰذا ان سے دور رہنا چاہیے، اور کسی حال میں دینی اور قومی اعتبار سے ان سے دوستی نہیں کرنی چاہیے، یہود و نصاریٰ کی دوستی آج بھی آپس میں قائم ہے، اور اسرائیل کی حکومت اسی باہمی دوستی کا نتیجہ ہے، اس کھلی ہوئی حقیقت کے بعد بھی یہود و نصاریٰ سے دوستی کی خواہش خود فریبی ہی نہیں بل کہ خود فروشی ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ ؕ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَآ اَسَرُّوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ ﴿٥٢﴾

تم ان لوگوں کو دیکھ رہے ہو، جن کے دلوں میں مرض ہے، وہ ان (یہود و نصاری) میں ملتے چلے جا رہے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ہم ڈرتے ہیں کہ ہم پر کوئی مصیبت نہ آ جائے، اللہ

تعالیٰ عنقریب فتح یا کوئی اور بات اپنی طرف سے ظاہر فرمائے گا، تو وہ اپنے دلوں میں چھپائے ہوئے ارادوں پر شرمندہ ہو جائیں گے۔ (پ٦ع ١٢، سورۂ مائدہ آیت: ۵۲)

مریضانِ قلب وروح اور بیماران دل ودماغ ہمیشہ نئی نئی الجھنوں میں مبتلا رہا کرتے ہیں، اور کبھی ان کو چین میسر نہیں ہوتا، ان کے دماغ میں خیالات پریشان افکار، اور منتشر تصورات یکے بعد دوسرے آتے رہے ہیں۔

اس ذہنی پریشانی اور دماغی خلجان میں وہ کبھی ادھر دیکھتے ہیں، کبھی ادھر نظر دوڑاتے ہیں، کبھی اس پارٹی سے ہاتھ ملاتے ہیں، کبھی اس جماعت سے ملتے ہیں، مگر کسی حال میں ان کو قلبی سکون، روحانی چین، دماغی راحت، دلی طمانیت واطمینان کی وہ پونجی نہیں ملتی جو ان کی پریشانی کو ختم کر سکے۔

بات اصل یہ ہے کہ جن کے دل ودماغ میں ایک خدا کی فعالیت اور اس کی حاکمیت کا سکون نہیں ملتا، وہ ہمیشہ ڈر اور پریشانی کا شکار رہتے ہیں، ان کی نظر سطحی ہوتی ہے، وہ واقعات وحقائق کی گہری تہہ کو نہیں دیکھ سکتے، وہ معمولی معمولی باتوں کو اصل قرار دے کر ان سے الجھے رہتے ہیں، بخلاف اس کے جن لوگوں میں عقیدۂ توحید ورسالت کی روح کارفرما ہوتی ہے، وہ یقین وعمل کی مضبوط چٹانوں سے وابستہ ہوتے ہیں، ان کے دل ودماغ میں روزمرہ کے واقعات وحالات سے ہلچل نہیں پیدا ہوتی ہے، اور ان کے امن وسکون کی دولت شوروغوغا کی کسی قیمت پر فروخت نہیں ہوتی، جو لوگ اطمینان وسکون کی زندگی بسر کرتے ہیں وہ کسی بات میں جلد بازی سے غیر مآل اندیشی کا شکار نہیں ہوتے ہیں، اور ان کو بعد میں ندامت وشرمندگی نہیں اٹھانی پڑتی، اور جو لوگ شکوک وشبہات کی دلدل میں پھنس کر طرح طرح کی بے وقوفیاں کرتے ہیں ان کو قدم قدم پر ذلت اٹھانی پڑتی ہے اور شرمندگی سے ان کی گردن نہیں اٹھتی، اور ایسا کیوں نہ ہو، جب کہ عزت خدا والوں کے لیے ہے، اور ذلت

دوسروں کا حصہ ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآىِٕرَةٌ ۭ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰي مَآ اَسَرُّوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ ۝۵۲ۭ

تم دیکھتے ہو ان لوگوں کو جن کے دلوں میں مرض ہے کہ وہ ان میں (غیروں میں) گھسے چلے جاتے ہیں، کہتے ہیں کہ ہم ڈرتے ہیں کہ ہمیں کوئی چکرا اپنی لپیٹ میں نہ لے لے، پس عنقریب اللہ فتح لائے گا، یا کوئی دوسری بات اپنی طرف سے پیدا کر دے گا، اور یہ لوگ اپنے دلوں میں چھپائے ہوئے اندیشوں پر شرمندہ ہو جائیں گے۔

(پ ٦ ع ١٢، سورۂ مائدہ آیت: ۵۲)

اسلام اپنا نظام زندگی، اپنا حلقہ معاشرہ اور اپنا بنیادی پروگرام ہر زمانہ میں، ہر حال میں، ہر قوم سے ممتاز اور جداگانہ رکھتا ہے، اس کے خاص خاص تصورات اور اعمال کسی زمانہ میں کسی قوم سے میل نہیں کھا سکتے، اور ان باتوں میں کوئی قوم اس کا ساتھ نہیں دے سکتی، اس کا مطلب بالکل یہ نہیں ہے کہ اسلام انسانوں کی ایک ایسی ٹولی بناتا ہے، جو تمام کائنات سے کٹ کر دریاؤں کے کنارے، پہاڑوں کے اوپر اور جنگلوں کے بیچ میں رہتی ہے، اور اسے دنیا سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔

اسلام ہر سوسائٹی سے میل کھاتا ہے، ہر قوم کے ساتھ نباہ کرتا ہے، ہر ملک اور ہر زمانہ میں وہ تر و تازہ رہتا ہے، اور اس کی بشاشت اور تازگی اسی لیے رہتی ہے کہ وہ ہر قوم کے ساتھ نباہ کرتا ہے، البتہ اس نباہ میں اپنے کو نباہ نہیں کرتا، بل کہ نہایت دور اندیشی اور خوش خلقی کے ساتھ اپنے تصورات و خیالات اور اعمال و وظائف کو زندہ رکھتا ہے، اگر ان باتوں کو

بالائے طاق رکھ کر مسلمان کسی قوم سے تعلق رکھیں گے تو اس کا انجام برا ہوگا، البتہ اپنے یقین اعتقاد کی چٹان پر رہ کر بلا خوف وخطر ہو کر اگر کسی جماعت یا قوم سے تعلق پیدا کیا جائے تو یہ عین صوابدید ہے، آج بھی اغیار سے مسلمانوں کا تعلق ہے، مگر اپنے امتیازات کو کھو کر اپنے اعمال و وظائف کی چٹان چھوڑ کر اور اپنے حدود سے خارج ہو کر، کیوں کہ ڈر ہے اگر ہم ساتھ نہ ہوں گے تو ان کے وقت کے پہیہ کا کوئی چکر ہمیں پیس دے گا، اور ہم تباہ و برباد ہو جائیں گے، اس تصور کے ساتھ جو تعلق اغیار سے ہوگا، وہ خوف وخطر کی بنا پر ہوگا، عزم وارادہ کی بنا پر نہ ہوگا، اور ایسا تعلق یقیناً مستقبل کے لیے مفید نہ ہوگا، بل کہ سخت مضر ثابت ہوگا، اللہ کی فعالیت قائم ہے، اس کے قبضہ میں لیل ونہار کی لگام ہے، وہ مسلمانوں کو اس طرح خواہ مخواہ تباہ نہیں ہونے دے گا، اور اللہ کی طرف سے موجودہ حال میں کوئی صورت حال ضرور پیدا ہوگی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ ؕ

پس تم دیکھو گے کہ جن لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے، وہ یہود ونصاریٰ میں گھسے جاتے ہیں کہ ہم ڈرتے ہیں کہ ہمیں کوئی مصیبت پہونچ جائے۔ (پ۶ ع ۱۲، سورۂ مائدہ آیت: ۵۲)

پہلے سے بیان ہو رہا ہے کہ مسلمانوں کو جاہلی دور پر فخر نہ کرنا چاہیے، اور نہ جاہلیت کے فیصلوں پر راضی ہو کر ان کے مطابق زندگی بسر کرنی چاہیے، اور نہ ہی جاہلی زندگی کے علم بردار یہود ونصاریٰ سے دینی معاملات میں کسی قسم کی دوستی رکھنی چاہیے، اور جو ان سے دوستی رکھے گا، ان کا شمار ان ہی میں سے ہوگا۔

ایسا فرمایا جا رہا ہے کہ جن لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے، یہود ونصاریٰ کا خوف ہے یا ان سے مرعوبیت ہے، اور وہ ان ہی میں رہ کر اپنے کو محفوظ سمجھتے ہیں، وہ یہود ونصاریٰ کی

تہذیب وتمدن میں اپنے کوگھول رہے ہیں، ان کے ملحدانہ علوم وفنون میں اپنے ذہن ومزاج کو ڈھال رہے ہیں اوران ہی کی حکومت وسیادت کی روشنی میں قدم اٹھارہے ہیں، وہ اپنی بیماری پرفخر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم یہود ونصاریٰ سے دوستی اس لیے کرتے ہیں کہ ہم کوان کی طرف سے خطرہ ہے کہ وہ ہم پر یلغار نہ کردیں، اورہمیں کھانہ جائیں، جیسا کہ ترکی کے قائد مصطفیٰ کمال نے اسلامیات سے اس لیے کنارہ کشی اختیار کرلی تھی کہ اسے ڈرتھا کہ اسلام کے نام کی وجہ سے یورپ کی حکومتیں ترکی کوختم کردیں گی، اوراسلام کواس سے نکال دینے کے بعد مسیحی حکمرانوں کوراضی کرکے ہم چین کی زندگی بسر کریں گے یہ ذہنیت حوصلہ مندانہ نہیں، مغلوبانہ تھی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمْ رٰكِعُوْنَ ﴿۵۵﴾

اورتم لوگوں کا رفیق اللہ ہے، اوراس کا رسول اللہ ہے، اوروہ لوگ ہیں، جو ایمان لائے ہیں، جو کہ نماز کو قائم کرتے ہیں، اور زکوٰۃ دیتے ہیں، اس حال میں کہ وہ رکوع (عاجزی) کرنے والے ہیں۔ (پ۶ ع ۱۲، سورۂ مائدہ آیت: ۵۵)

مسلمان قوم اپنے عقائدواعمال میں دنیا کی تمام قوموں سے علیٰحدہ ہے، اوران میں کسی قوم سے اس کا میل نہیں ہے، یہ اپنے مزاج کے اعتبار سے اللہ، رسول اورمومنوں سے میل کھاسکتی ہے، اورکسی سے اس کی دوستی نہیں ہوسکتی ہے، دوسری قومیں اپنے خیال ومزاج میں مسلمان قوم سے بہت ہی مختلف ہیں، اورمسلم اورغیر مسلم میں کوئی جوڑنہیں ہے۔

اس لیے مسلمانوں سے کہا جارہا ہے کہ تم لوگ اپنی دوستی اللہ سے جوڑو، اس کے رسول سے پیدا کرو، اوران مسلمانوں سے ملاؤ جو عملی اعتبار سے بہت بلند ہیں، اوران کے

یہاں نماز اور زکوٰۃ کی ادائیگی کا خاص اہتمام ہے، اور اس بارے میں وہ بہت ہی ممتاز و مشہور ہیں، اللہ و رسول مسلمان کے کے رفیق و مولیٰ ہیں اور دوست ہیں، ان کا ہر فرمان مسلمان کے حق میں سودمند ہے، اور ان کی ہر بات سے مسلمان کو فائدہ ہے، پھر وہ مسلمان کے رفیق و مولیٰ اور دوست ہیں، جو ان کے ہم مشرب ہیں، اور ان کے دکھ درد کو سمجھتے ہیں، اور اعتقاد و عمل میں ان کے ہمنوا ہیں۔

مسلمان قوم جب تک اللہ، رسول اور مومنوں سے تعلق رکھے گی، اس وقت تک وہ دین کی اصل حالت پر قائم رہے گی، اور اس میں ایمان کی تازگی باقی رہے گی، اور جب ان کے مقابلہ میں کفار و مشرکین اور یہود و نصاریٰ سے اس کی دوستی ہوگی تو یہ غیر قومیں اسے تباہ کر دیں گی اور مسلمان کہیں کا نہیں رہ جائے گا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمْ رٰكِعُوْنَ ۝۵۵

تم لوگوں کا رفیق اللہ ہے اور اس کا رسول ہے، اور وہ ایمان والے ہیں جو نماز کو قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہ جھکے ہوئے ہیں۔ (پ۶ ع ۱۲، سورۂ مائدہ آیت: ۵۵)

مسلمان قوم نہ خود کسی کی دشمن ہے اور نہ ہی اس کا کوئی دشمن ہے، بل کہ وہ اپنی تعلیمات اور احکام کے اعتبار سے تمام اولاد آدم کے ساتھ تعلق رکھنے پر مجبور ہے، اور اسے ہر آدمی سے راہ و رسم رکھنی چاہیے، اور ویسے بھی اس دنیا میں زندہ رہنے کے لیے ضروری ہے کہ ہر طرح کے لوگوں سے لگاؤ رکھے، اور کسب معیشت میں ایک دوسرے کی مدد کرے، البتہ مسلمان اپنے عقائد و اعمال اور ملی خصائص و امتیازات کی حفاظت کے سلسلے میں کسی کی نہ رعایت کرے گا اور نہ کسی سے دوستی و رفاقت رکھے گا، اس معاملہ میں اس کی ساری دوستی اور

رفاقت اللہ سے، اللہ کے رسول سے اور باعمل مومنوں سے ہے، وہ باعمل مومن جو اسلامی نظام حیات کے بنیادی مرکز سے پوری طرح وابستہ ہیں، اور اسلامی معاشرہ کی معاشی خوش حالی کے لیے کام کرتے ہیں، اور اس میں اس قدر منہمک اور مصروف رہتے ہیں کہ وہ رکوع وسجود کی حالت میں بھی محتاجوں اور سائلوں کو نہیں بھولتے ہیں۔

ایسے حضرات مومن کے رفیق ہیں، اور ان کی رفاقت سے ایک مسلمان کی زندگی ہر قسم کی بیماری سے محفوظ رہ کر ترقی وصحت مندی سے دوچار ہوسکتی ہے۔

مسلمان خوب سمجھ لیں کہ دین کے معاملہ میں ان کا کسی قوم سے کسی نظام سے نہ یارانہ ہے، اور نہ معاہدہ ہے، وہ قوم حاکم ہو یا محکوم اور وہ نظام جدید ہو یا فرسودہ۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّ لَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۵۷﴾

اے ایمان والو! ایسے لوگوں کو اپنا رفیق مت بناؤ جو تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل بناتے ہیں، جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی، اور جو کافر ہیں، اور تم اللہ سے ڈرو، اگر تم مومن ہو۔

(پ ٦ ع ۱۳، سورۂ مائدہ آیت: ۵۷)

جو نصرانی یا یہودی یا دوسرا مشرک وکافر مسلمان کے دین کو ہنسی کھیل بنائے، اور اس سے تفریح کرے، ایسے دشمن دین وملت کو اپنا دوست اور رفیق نہیں بنانا چاہئے، اور اس سے دنیاوی تعلق بقدر ضرورت رکھ کر کسی قسم کا دینی اور مذہبی تعلق نہیں رکھنا چاہیے، ان کے دین کے بارے میں کوئی اچھی امید نہیں رکھنی چاہیے، اور ان کی ہمدردی اگر ہمارے دین سے ہو بھی تو اسے چال پر محمول کرنا چاہیے، کیوں کہ اگر واقعی ہمارے دین سے الفت ومحبت ہوتی تو وہ اس کو قبول کر لیتا، لہٰذا علم وتحقیق کے نام پر ہو یا ملک وسیاست کے نام پر، یا پھر کسی اور

نام پر ہو، یہود ونصاریٰ اور کفار ومشرکین سے دینی دوستی نہیں کرنی چاہیے، اوراللہ تعالیٰ سے ڈرکر اپنے دین پر عمل کرنا چاہیے۔

بات یہ ہے کہ اسلام کے مقابلہ میں مشرک اہل کتاب اور مشرک کافر ایک ہیں، اور وہ اس معاملہ میں ایک خاص ذہن ومزاج رکھتے ہیں۔

لہٰذا اپنے ہر مذہبی اور دینی کام کو اپنے اسلامی وایمانی روح کے ساتھ کرنا کرانا چاہیے، اور کسی دوسرے سے اس میں کوئی توقع نہیں کرنی چاہیے، ورنہ بات نہیں بنے گی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ اِذَا جَآءُوۡكُمۡ قَالُوۡۤا اٰمَنَّا وَ قَدۡ دَّخَلُوۡا بِالۡكُفۡرِ وَ هُمۡ قَدۡ خَرَجُوۡا بِهٖ‌ؕ وَ اللّٰهُ اَعۡلَمُ بِمَا كَانُوۡا يَكۡتُمُوۡنَ ﴿۶۱﴾

اور وہ لوگ جب تم لوگوں کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم مومن ہیں، حالاں کہ وہ کفر ہی کے ساتھ ہی داخل ہوئے اور کفر کے ساتھ ہی نکلے اوراللہ کو خوب معلوم ہے، جو وہ چھپاتے ہیں۔ (پ۶ ع ۱۳، سورۂ مائدہ آیت:۶۱)

عدالت میں بھی ایسے لوگ موجود تھے، ظاہر اور باطن میں مختلف ہوتے تھے، مگر وہ دونوں حالت میں اپنا ایک ہی حال بتانے کی کوشش کرتے تھے، ایسے لوگ حقیقت، علم، دین، شرافت، سچائی اور واقعیت سے بہت دور اور بدعقیدگی اور بزدلی سے بہت قریب تھے، اتنی جرات نہیں ہوا کرتی تھی کہ کسی موقع پر کھل کر اپنی حیثیت کو پیش کریں، اور عوام کے سامنے اپنے خدوخال میں آئیں، ایسے بزدل اور کمینے لوگ اپنے منہ سے اپنے کو بڑا معاملہ فہم، بہادر، دور اندیش اور عقل مند سمجھتے تھے، اور اپنے مقابلہ میں دنیا بھر کے لوگوں کو بے وقوف جانتے تھے۔

ان جھوٹوں اور مکاروں کی بزدلی کا عالم تھا کہ جب مسلمانوں کے مجمع میں آتے

تھے،تو اپنے کو مومن و مسلم باور کرانے کی کوشش کرتے تھے،حالاں کہ وہ اپنے دل میں کفر لے کر ان مجلسوں میں جاتے تھے،اور وہاں سے واپس ہوتے تھے تو کفر ہی لے کر نکلتے تھے، اور ان کی حالت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی تھی۔

آج وہ منافقین تو نہیں رہے،مگر ان کے نقش قدم پر چلنے والے موجود ہیں، جو ظاہر میں کچھ اور ہوتے ہیں،اور باطن میں کچھ اور ہی نظر آتے ہیں،دورنگی کا یہ طریقہ نہایت ہی خطرناک اور تباہ کن ہے،اور اس کے برے اثرات سے صرف غلط کاروں ہی کو نقصان نہیں ہوتا،بل کہ اجتماعی زندگی اور سوسائٹی کو سخت نقصان پہونچتا ہے،اور پوری قوم چند خود غرضوں کی وجہ سے پریشان ہوتی ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ اِذَا جَآءُوْكُمْ قَالُوْۤا اٰمَنَّا وَ قَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَ هُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ ﴿٦١﴾

جب وہ تم لوگوں کے پاس آتے ہیں،تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے،حالاں کہ کفر کے ساتھ داخل ہوئے تھے،اور کفر ہی کے ساتھ نکلے بھی،اور جو کچھ وہ چھپا کر کرتے ہیں، اس کو اللہ خوب جانتا ہے۔ (پ٦ ع ١٣،سورۂ مائدہ آیت: ٦١)

عہد رسالت کے منافق لوگوں کا حال یہ تھا کہ وہ مسلمانوں کے مجمع میں آتے تھے، تو ان باور کراتے کہ ہم پکے مسلمان ہیں،اور ہمارے ایمان و اسلام میں کوئی شبہ نہیں ہے، حالاں کہ ان کا حال یہ تھا کہ اپنے دلوں میں کفر کو لیے ہوئے مسلمانوں کی محفل میں آتے، اور دلوں میں کفر ہی لیے ہوئے مسلمانوں کی مجلس سے جاتے،اور ان کا آنا جانا ایک ہی طرح کے کفر پر ہوتا تھا۔

یہ لوگ چوں کہ نفس پرست،موقع پرست اور مفاد پرست تھے،اس لیے وہ اس قسم

کی کھلی ہوئی کمزوریوں کا ارتکاب کرتے تھے، اور بزدلوں کی طرح شیروں کی مجلس میں پہونچ کر چاپلوسی کرتے تھے، اسی طرح کے چاپلوس ہر طرح کی شعبۂ زندگی میں ہوتے ہیں، مگر دین کے معاملہ میں ان سے بہت زیادہ نقصان پہونچتا ہے، اگر چہ آج عہدِ رسالت کے منافق نہیں رہے، مگر عملی نفاق کا ظہور آج بھی عام طور سے ہو رہا ہے، اور کتنے ایسے لوگ ہیں، جو کسی دقتی مفاد کے لیے دین وایمان کا دم بھرتے ہیں، اور دکھانے کے لیے نماز پڑھتے ہیں، اور سنانے کے لیے زور زور سے وظائف واوراد پڑھتے ہیں، اورسی طرح کی ریا کاری کرتے ہیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ وَ اَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۶۲﴾

اور تم ان لوگوں میں سے بہت سے لوگوں کو دیکھتے ہو کہ وہ گناہ اور شرارت اور حرام خوری میں جلد بازی کرتے ہیں، ان کا یہ کام نہایت ہی برا ہے۔ (پ۶ ع ۱۳، سورۂ مائدہ آیت: ۶۲)

جب لوگ برائی کرتے کرتے سیاہ دل ہو جاتے ہیں، اور ان سے ہر قسم کا حجاب اٹھ جاتا ہے تو پھر وہ شرم وحیا اور ایمان ودیانت کی چادر اتار کر پھینک دیتے ہیں، اور بلا جھجک علی الاعلان برائی کرتے ہیں، اور اس میں اطمینان ومسرت محسوس کرتے ہیں۔

اوپر کفار ومشرکین کا تذکرہ ہو رہا ہے، اور اس ضمن میں بتایا گیا ہے کہ تم ان کی حالت کو دیکھو تو معلوم ہو کہ ان سے انسانیت وشرافت اور ذمہ داری کی قدریں ایک ایک کر کے رخصت ہو گئی ہیں، اور وہ بستی میں اچاپت مچانے اور برائی کرنے میں ذرا بھی دریغ نہیں کرتے ہیں۔

شریروں اور سرکشوں کا یہ کام نہایت بُرا ہے، اور اس سے دنیا میں تباہی آتی ہے، دوسرے لوگ بھی ان کی بدکرداری سے اثر لیتے ہیں، اور ان کی دیکھا دیکھی حرام کاری اور

حرام خوری میں مبتلا ہوجاتے ہیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ چند شریروں کی وجہ سے پوری آبادی برائی کے دریا میں بہنے لگتی ہے، اور بیڑا تباہی کے کنارے پر جا لگتا ہے۔

آج تم دیکھتے ہو کہ لوگ برائیوں کے لیے کس قدر آمادہ رہتے ہیں، اور ناچ، گانا، سنیما، عیاشی، سود بیاج، بدکاری اور دوسرے واہیات کاموں میں کس درجہ تیار رہا کرتے ہیں، یہ روش نہایت بُری ہے، اور اس کا وبال پوری آبادی پر آ کر رہتا ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ تَرٰى كَثِیْرًا مِّنْهُمْ یُسَارِعُوْنَ فِی الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ وَ اَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۶۲﴾

اور تم ان میں سے بہت سے لوگوں کو دیکھو گے کہ گناہ اور ظلم اور حرام کی طرف دوڑتے ہیں، یہ بہت برے کام ہیں جو کر رہے ہیں۔ (پ ۶ ع ۱۳، سورۂ مائدہ آیت: ۶۲)

یہود و نصاریٰ کے عوام کی گمراہی اور بے راہ روی میں چند باتیں بہت ہی خراب اور دوسرے بہت سے جرائم کے لیے بنیاد تھیں، مسلمانوں سے کہا جا رہا ہے کہ تم ان کی بنیادی خرابیوں کو دیکھ کر اپنے کو ان سے بچاؤ اور دل و دماغ کو ان سے زیادہ سے زیادہ دور رکھو، یہود و نصاریٰ اہل کتاب ہونے کے دعوے دار تھے، ان کے پاس آسمانی کتابیں تھیں، انبیاء کی تعلیمات تھیں اور ان کے علماء و فضلاء ان کو ہدایت کیا کرتے تھے، ان تمام باتوں کے باوجود یہ لوگ ہلاکت و گمراہی میں اس قدر آگے تھے کہ ان کی اصلاح بہت ہی مشکل ہوگئی تھی۔

(۱) زندگی معصیت پسند تھی اور نیکی کے بجائے ہر معاملہ میں برائی کی طرف رجحان ہوتا تھا (۲) ہر معاملہ میں انتہا پسندی اور زیادتی کا جذبہ عام تھا، کمزوروں کو ستانا، مظلوموں کی فریاد نہ سننا اور معاصی و جرائم میں زیادہ سے زیادہ مبتلا ہونا (۳) اور ان تمام باتوں کے بعد حرام خوری کی عادت عام تھی، رزق حلال کے لیے جدوجہد کرنے میں الجھن ہوتی تھی اور

عام طور سے لوگ چاہتے تھے کہ جیسے ہو حرام خوری کریں، حرام وحلال کی تمیز نہ تھی، لوٹ کھسوٹ، سودخوری اور جائز وناجائز طریقہ پر دولت کمانا عام تھا اور پوری قوم ان برائیوں میں صرف مبتلا نہ تھی بل کہ ہر ایک دوسرے سے آگے بڑھنے میں اپنی کامیابی سمجھتا تھا اور جو سب سے بڑا گنہگار، ظالم اور حرام خور ہوتا تھا وہ سب سے زیادہ کامیاب گردانا جاتا تھا۔

یہ تمام برائیاں شباب پر تھیں، مگر ان کے علماء، مفتی اور پیر وواعظ تھے کہ نہ صرف ان جرائم پر خاموش تھے بل کہ وہ بھی عوام کی طرح ان غلط کاریوں میں سبقت لے جا رہے تھے، مسلمانوں کے عوام وخواص کو اہل کتاب کی اس روش سے سبق لینا چاہیے اور دوسروں کی بدحالی دیکھ کر اپنے کو سدھارنا چاہیے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ وَ اَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

اور تو ان میں سے بہت سے لوگوں کو دیکھتا ہے کہ دوڑتے ہیں گناہ، سرکشی اور حرام کھانے پر اور جو کر رہے ہیں، کیا ہی بُرا کام ہے۔ (پ۶ ع ۱۳، سورۂ مائدہ آیت: ۶۲)

جن لوگوں کے یہاں حرام وحلال اور جائز وناجائز کا کوئی معیار اور کوئی حکم نہیں ہے، یا جو لوگ اس کا معیار اور حکم پانے کے بعد گمراہ ہو چکے ہیں، وہ بے تحاشا معصیت کی طرف دوڑ رہے ہیں، ہر گناہ، ہر قسم کی شرارت اور ہر طرح کی حرام خوری ان کا محبوب ترین مشغلہ ہے، وہ لوگ اپنا دین وایمان چھوڑ کر ان حرام کاریوں اور حرام خوریوں کی طرف بھاگتے ہیں، اور اپنی نفسانی خواہشوں کے تقاضے پر انسانیت کی تمام قدروں کو اتار کر پھینک دیتے ہیں، یہاں پر یہود ونصاریٰ اور ان کے دوست کفار ومشرکین کی معاشرتی ومعاشی اور فکری گراوٹ کو بیان کیا جا رہا ہے، اور مسلمانوں کو دکھایا جا رہا ہے کہ جو قوم اپنے دینی

اصولوں سے ہٹ جاتی ہے اس کا حال نہایت بُرا ہوتا ہے، اور وہ دنیا میں شرم وحیا اور عزت وذلت اور ذمہ داری کے تصور سے خالی ہو کر جرائم کا ارتکاب کرتی ہے، حالاں کہ ایسے لوگوں کا یہ کام نہایت بُرا ہے، دنیا کے لیے بھی اور آخرت کے حق میں بھی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

لَوْ لَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَ الْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَ اَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۶۳﴾

کیوں نہیں منع کرتے ان کو ان کے درویش اور علماء گناہ کی بات کہنے سے اور حرام کھانے سے یہ بہت بُرے کام ہیں، جو کر رہے ہیں۔ (پ ۶ ع ۱۳، سورۂ مائدہ آیت: ۶۳)

اوپر سے یہود ونصاریٰ کے عوام اور بے ایمانیوں کا تذکرہ ہو رہا ہے، اور ان کے گناہ، ظلم اور حرام خوری کو اجاگر کر کے مسلمانوں سے کہا جاتا ہے کہ ذرا ان کو دیکھو تو ان بیہودہ کاموں کی طرف سے کس تیزی سے دوڑتے ہیں، اور عواقب ونتائج سے بے پرواہ ہو کر روز بروز برائیوں میں بڑھتے جاتے ہیں۔

پھر عوام کی گمراہی اور غلط کاری پر فرمایا جا رہا ہے کہ اگر عوام غلط راہ پر چل رہے ہیں تو ان کے واعظوں، پیروں، عالموں، فقیہوں اور مفتیوں کو کیا ہو گیا ہے کہ اصلاح نہیں کرتے، اور اپنی ذمہ داری کی ادائیگی کے لیے کیوں نہیں آگے بڑھتے کہ عوام کی راہ روی، اور بے راہ روی ان ہی مذہبی رہنماؤں کی وجہ سے ہوتی ہے، اور ان باتوں کے یہ ذمہ دار ہوتے ہیں۔

اصل بات ہے کہ یہود ونصاریٰ کے عوام کی طرح ان کے خواص اور مذہبی رہنما بھی گناہ کرنے، ظلم وعدوان میں آگے بڑھنے اور حرام کھانے میں پیش پیش تھے، اور وہ ان ہی غلط کار عوام سے اپنی روٹی حاصل کرتے تھے، اور ان کو غلط باتیں بتا کر اپنا کام چلاتے

تھے، یہ تو اہل کتاب کے عوام وخواص کی بات ہے۔

آج مسلمانوں کے عوام وخواص میں بھی ایسے لوگ پیدا ہو گئے ہیں، جن کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ ان گناہ گاروں، حرام خوروں اور ظالموں کو ان کے پیر وفقیر اور عالم ومفتی برائی سے کیوں نہیں روکتے، اور ان کی اصلاح کے لیے اپنی ذمہ داری کا احساس کیوں نہیں کرتے۔

یہ بات ان غلط کار ملاؤں کے بارے میں سچ ہے، جو دنیا سازی کے لیے غلط عوام کی اصلاح نہیں کرتے، بلکہ ان کو تھپکی دے کر اپنا مقصد حاصل کرتے ہیں، اور چند ٹکوں کے عوض وعظ وتذکیر اور اصلاح کی ان تمام قدروں کو فروخت کرتے ہیں، جو عالم دین ہونے کے اعتبار سے ان پر فرض ہے، اور ان کی ادائیگی کے لیے انھوں نے دینی علم حاصل کیا تھا، اور عالم ومفتی اور واعظ ومبلغ کا لقب ان کو دیا گیا تھا۔

یاد رکھنا چاہیے کہ غلط کار یہودیوں اور نصرانی عالموں اور درویشوں کا جو انجام ہوا ہے، وہی انجام مسلمانوں کے غلط کار عالموں اور مولویوں کا بھی ہوگا، اور ان کی روش پر چلنے کا نتیجہ وہی ظاہر ہوگا جو ان کے حق میں ظاہر ہو چکا ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

لَوْ لَا يَنْهٰىهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَ الْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَ اَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۶۳﴾

کیوں نہیں منع کرتے ان کو ان کے درویش اور ملا گناہ کی بات کرنے اور حرام کھانے سے کیا ہی برا ہے، جو وہ کر رہے ہیں۔ (پ۶ ع ۱۳، سورۂ مائدہ آیت: ۶۳)

یہود ونصاریٰ حرام کاری اور حرام خوری میں سرپٹ بھاگ رہے تھے، اور دل کھول کر علی الاعلان گناہ، سرکشی اور حرام کمائی کرتے تھے، مگر ان کے ملا مولوی اور مذہبی ان کو ذرہ برابر نہیں روکتے تھے اور نہ اس صورت حال کے خلاف عوام وخواص کی اصلاح کے لیے منہ

سے ایک لفظ نکالتے تھے۔

ان کی مجرمانہ خاموشی اور مفسدانہ ملی بھگت نے ان قوموں کو بالکل ہی شتر بے مہار کردیا تھا، بل کہ آج بھی یہی صورت حال ہے کہ یہود و نصاریٰ اور مشرک قوموں کے مذہبی پیشواان کی بے راہ روی اور مجرمانہ زندگی کے خلاف ایک جملہ نہیں بول رہے ہیں۔

نتیجہ یہ ہے کہ ان کے عوام وخواص حتیٰ کہ مذہبی عالم وپیشوا سب کے سب بُری طرح گمراہی میں بھٹک رہے ہیں۔

کچھ لوگ ان ضال ومضل قوموں اوران کے مذہبی پیشواؤں کی روش دیکھ کر مسلمانوں کو بھی تلقین کرتے ہیں کہ اس معاشی اور سائنسی دور میں دنیا کہاں سے کہاں جارہی ہے، اور مسلمان ہیں کہ حرام وحلال اور جائز وناجائز کے چکر میں پڑکر مولوی ملا کے نخرے برداشت کرتے ہیں، یہ سراسر گمراہی ہے، اس سے مسلمانوں کو دور رہنا چاہیے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ قَالَتِ الْیَهُوْدُ یَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ؕ غُلَّتْ اَیْدِیْهِمْ وَ لُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا ۘ بَلْ یَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ یُنْفِقُ كَیْفَ یَشَآءُ ؕ

اور یہودیوں نے کہا کہ اللہ کے دونوں ہاتھ بندھے ہوئے ہیں، ان ہی کے ہاتھ باندھے گئے ہیں، اور لعنت ہے ان پر اس کہنے سے بل کہ اللہ کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں، جیسے چاہتا ہے، خرچ کرتا ہے۔ (پ ٦ ع ١٣، سورۂ مائدہ آیت: ٦٤)

جب کسی قوم میں تنگ ظرفی اور کج فہمی آتی ہے تو پوری قوم کا مزاج عامیانہ ہوجاتا ہے، اور ہر چھوٹا برا انتہائی لغو باتیں کرنے لگتا ہے، اس کی مثال یہودی قوم میں بہت واضح ملتی ہے، جب اس قوم مین ذہنی پستی آئی تو اس نے سرمایہ پرستی کی حد کردی، سونے چاندی کی فراوانی اس کی زندگی کا مقصد بن گئی، اور بخل وکنجوسی اس کا خاص وصف بن گئی۔

پھر اس قوم کی پست ذہنی اور کنجوسی نے اتنا طول کھینچا کہ اللہ تعالیٰ تک کو انھوں نے نعوذ باللہ بخیل بنا دیا، اور کہہ دیا کہ اللہ کے ہاتھ کھلے ہوئے نہیں ہیں، بل کہ بند ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے اس نظریہ کی قلعی کھولتے ہوئے بتا دیا کہ وہ خود انتہائی درجہ کے بخیل، کنجوس، مکھی چوس ہیں، ان کا ہاتھ داد و دہش کے لیے کبھی نہیں کھلتا ہے، اور اپنی شرارت کی وجہ سے ملعون ہو چکے ہیں، ان پر ہر طرف سے لعنت کی مار پڑتی ہے۔

چنان چہ تاریخ کے قدیم دور سے لے کر آج تک یہودی قوم اپنے ان کارناموں کی وجہ سے ہر جگہ سے نکالی گئی ہے، جہاں جہاں یہ قوم پہونچی ساہوکاری کا دھندا پھیلا کر عوام کو لوٹا، جس کے نتیجہ میں لوگوں نے اس پر لعنت ملامت کی اور اپنی بستی سے نکال باہر کیا، آج دنیا کی چالاک حکومتیں یہودی قوم کو اپنے یہاں سے بے دخل کر کے عربوں کی گود میں لا کر بٹھا رہی ہیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللهِ مَغْلُوْلَةٌ ؕ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَ لُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا ۘ بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ ؕ

یہود نے کہا کہ اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے، ان کے ہاتھ خود بندھے ہوئے ہیں، اور وہ اپنی باتوں کی وجہ سے ملعون قرار دیئے گئے ہیں، بل کہ اللہ کے ہاتھ کھلے ہوئے ہیں، وہ جیسے چاہتا ہے خرچ کرتا ہے۔ (پ ٦ ع ١٣، سورۂ مائدہ آیت: ٦٤)

اللہ رب دو عالم ہے، ہر ذی روح اور غیر ذی روح کا پالنے والا ہے، اسی نے تمام مخلوقات کو پیدا کیا ہے، اور وہی سب کو زندگی اور اس کے اسباب سے نوازتا ہے، اور اپنی شان ربوبیت کے اظہار کے لیے کسب و معیشت کو اس نے ذریعہ بنایا ہے، اور اپنی دوسری صفات کی طرح اس صفت ربوبیت کو بھی اس نے اسباب و علل کے توسل سے ظاہر فرمایا ہے،

چنانچہ روزی وہی دیتا ہے، مگر بظاہر انسان کماتا ہے، محنت کرتا ہے، تجارت کرتا ہے، کام کرتا ہے اور ہاتھ پیر مارتا ہے، جو لوگ زندگی کی راہ میں ان کوششوں سے محروم ہیں، وہ رزق وروزہ کے معاملہ میں بھی محروم ہی محروم ہیں۔

اور جو لوگ عمل وحرکت سے کام لیتے ہیں، وہ خیر وبرکت سے معمور ہوتے ہیں، لیکن عموماً ایسا ہوتا ہے کہ بے عملی وتن آسانی کے دور میں زندہ رہنے کا یہ فلسفہ لوگوں کے دماغوں سے ختم ہوجاتا ہے، اور ہارے ہوئے ذہن کا کام شکوہ ہی شکوہ رہ جاتا ہے، دوسروں پر الزام تراشی ہوتی ہے، اپنی محرومی کا ماتم ہوتا ہے، کبھی سوسائٹی پر الزام دھرا جاتا ہے، کبھی مذہب کو کوسا جاتا ہے، اور خود خدا کی ربوبیت کو مطعون قرار دیا جاتا ہے، دنیا میں یہودی قوم تن آسانی، بے عملی، شکوہ وشکایت میں دنیا کی مشہور قوم ہے، ناشکری وبے عملی میں تاریخ کی مشہور اجتماعی زندگی کی حامل ہے۔

قرآن حکیم اسی قوم کا ایک مقولہ اس سلسلہ میں نقل فرما کر ان کے خیالات کو غلط قرار دے رہا ہے، یہودیوں کا یہ شکوہ کہ خدا ہمیں روزی نہیں دیتا ہے بھوکوں مارتا ہے، وہ بخیل ہے، کنجوس ہے، اس نے اپنے ہاتھ سمیٹ لیے ہیں، اور ہمیں پیدا کر کے چھوڑ دیا ہے۔

قرآن حکیم جواب دیتا ہے کہ یہودی قوم کی یہ ناشکری کے الفاظ ہیں، واقعہ یہ ہے کہ اسباب معاش ومعیشت سے خود یہودی قوم کام نہیں لیتی ہے، ہاتھ پیر نہیں مارتی ہے، اور انتظار میں رہتی ہے کہ کوئی معجزہ ظاہر ہو، اور لقمہ خود بخود اس کے منہ میں پڑ جایا کرے، ہمیشہ ہمیشہ ان کے پاس من سلویٰ آیا کرے، اور وہ کھاتی پیتی اور بدن پالتی رہے۔

قران حکیم یہ مثال نقل فرما کر تم کو اور ہم کو یہ بتا رہا ہے کہ دنیا میں بے ہمت ہو کر ہاتھ پیر نہ مارنا، اور پھر زندگی اچھی طرح گزرنے کی امید رکھنا عبث ہے، دنیا میں باعزت جینے کا یہ طریقہ نہیں ہے، اگر کامیابی کی زندگی لینی ہے، تو اس کے اسباب وعلل کو پہلے اپنانا

ہوگا، اوران باتوں پر عمل کرنا ہوگا، جو اسباب وذرائع کا درجہ رکھتی ہیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ لَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَ اتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَ لَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۶۵﴾

اگر اہل کتاب ایمان لائیں اور تقویٰ اختیار کریں، تو ہم ان کی لغزشوں کو ضرور بالضرور معاف کردیں گے، اور ہم ان کو ضرور جنات نعیم میں داخل کریں گے۔

(پ۶ ع ۱۳، سورۂ مائدہ آیت: ۶۵)

ایمان ایسی خوبی ہے جس کے ملنے کے بعد انسان کی تمام خرابیاں کافور کی طرح اڑ جاتی ہیں، اور آدمی ایسا نیک ہوجاتا ہے جیسے آج ہی دنیا میں آیا ہے اور ابھی یہاں کے سیاہ وسفید اور نیک وبد سے اس کو واسطہ نہیں پڑا ہے، اسی لیے انسانوں کے خیر خواہ اور مصلح انبیاء علیہم السلام زیادہ سے زیادہ جدوجہد کرتے تھے کہ دنیا میں ایمان کا چرچا ہو، اور بدی ختم ہو۔

چنان چہ جو لوگ ان کی دعوت پر لبیک کہہ کر ایمان لاتے تھے، ان کی زندگیاں یکسر بدل دی جاتی تھیں، وہ اس حقیقت کے شاہد عدل بن جاتے تھے کہ ایمان لانے کے بعد انسان ہر قسم کی گراوٹ سے پاک ہوجاتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اس کی گزشتہ زندگی کی خرابیوں کا کوئی اثر باقی نہیں رہتا۔

اہل کتاب یعنی یہود ونصاریٰ عہدِ رسالت میں اسلام کے سخت مدمقابل تھے، کفار ومشرکین تو تیر، تلوار سے مسلمانوں سے جنگ کرتے تھے، مگر یہود ونصاریٰ دین وایمان کی باتیں پیش کرکے مسلمانوں کو نیچا دکھانے کی کوشش کرتے تھے، یعنی کفار مسلمانوں کو اپنا حریف سمجھتے تھے، اور اہل کتاب کو اپنا رقیب گردانتے تھے، اور مسلمانوں کو شکست دینے کے لیے بڑا سے بڑا جرم کرتے تھے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر اہل کتاب اپنے سلسلہ نبوت ورسالت کی اس دعوت کو

قبول کرلیں، تو ہم ان کو معافی دے دیں اور ان کے لیے بھی آخرت کی تمام نعمتیں مہیا کردیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ لَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَ اتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَ لَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۶۵﴾

اگر اہل کتاب ایمان لے آتے، اور تقویٰ کی زندگی گزارتے تو ہم ان سے ان کی لغزشوں کو ضرور نظر انداز کردیتے، اور ہم ان کو جنات نعیم میں داخل کرتے۔

(پ ٦ ع ١٣، سورۂ مائدہ آیت: ٦٥)

خدا کا قانون حیات ہر ملک وقوم اور نسل وقبیلہ کے لیے ہے، اس کی وسعت میں کائنات انسانی کی ہر اگلی پچھلی قدریں سما سکتی ہیں، اس میں جغرافیائی حد بندی نہیں ہے، نسلوں، خاندانوں اور قوموں کی تنگی نہیں ہے، اس کے اندر یہود ونصاریٰ ہوں کہ کفار و مشرکین، زرتشتی ومجوسی ہوں کہ صابی وناصبی سب ہی پناہ پاسکتے ہیں، خدا کی ان نعمتوں سے برابر کا حصہ پاسکتے ہیں، جو اس میں پناہ لینے والوں کے لیے مقدر ہیں۔

خدا کی رحمت میں تنگی نہیں ہے، اسلام کسی دائرہ کا نام نہیں ہے، ابدی وازلی اصولِ حیات میں دورنگی اور اختلاف نہیں ہے کہ محمد رسول اللہ کے ساتھی اور ان کے خاندان کے لوگ ہی اسلام کی دولت سے حصہ لے سکتے ہیں، اور ان ہی کے خاندان ونسل میں یہ میراث منتقل ہوتی رہے گی۔

بل کہ جو قوم ونسل اسے اپنا بنالے، یہ اصول حیات اس کے ہیں، اس کے نتائج کی خوش گواری میں بخل وکنجوسی نہیں ہے کہ اگر یہ اسلام پر عمل کریں تو انھیں دنیا وآخرت کی بھلائی ملے، اگر وہ عمل کریں تو ان کے لیے کوئی چیز نہ ہو، اسی بنا پر اگر یہود ونصاریٰ اسلام کی حقیقتوں کو تسلیم کرلیں، اور ان کے عقیدہ وعمل سے اس کا ظہور ہو تو اللہ تعالیٰ ان کو بھی ان تمام نعمتوں

سے نوازے گا جو اسلام لانے والوں اور اس پر عمل کرنے والوں کے لیے ثابت ہیں، ان کی بے راہ روی پر رحمت خداوندی پردہ ڈال دے گی، انتقام وعذاب کی گھڑیاں ختم ہو جائیں گی، اور خدا کے قانون مجازات میں نرمی کر دی جائے گی، پھر یہ بھی ہوگا کہ دنیا میں عزت وسکون کی زندگی کے بعد آخرت میں ابدی نعمتوں اور دائمی خوشگواریوں سے حصہ بھی ان کو ملے گا، اور وہ دونوں جہان میں کام یاب بھی ہوں گے، جب غیروں کے مسلمان ہونے پر یہ بشارت ہے، تو خود مسلمان اگر حقیقی مسلمان بن جائیں گے تو ان کے لیے کیا کچھ نہ ہوگا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ لَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَ الْاِنْجِيْلَ وَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ؕ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ؕ وَ كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۶۶﴾

اگر وہ لوگ تورات وانجیل اور ان احکام کو جو خدا کی طرف سے نازل کیے گئے ہیں، قائم رکھتے تو وہ اپنے اوپر سے اپنے پیروں کے نیچے سے کھاتے، ان میں کچھ میانہ رو ہیں، اور زیادہ بد عمل ہیں۔ (پ ۶ ع ۱۳، سورۂ مائدہ آیت: ۶۶)

روزی کے معاملہ میں قرآن حکیم ایک بنیادی اصول کو سمجھا رہا ہے، اور مثال میں یہود ونصاریٰ اور دوسرے اہل کتاب کو پیش فرما رہا ہے، قرآن حکیم کوئی ایسی بات نہیں کہتا، جس کا دعویٰ مخاطب کے گرد و پیش میں پہلے ہی سے موجود نہ ہو، نزولِ قرآن کے وقت یہود ونصاریٰ سخت معاشی مشکلات میں مبتلا تھے، ان کا معاشی نظام درہم برہم تھا، اقتصادی حیثیت سے ان کی کوئی قوت نہ تھی، بل کہ وہ دنیا میں پس ماندہ ترین قوم کی حیثیت سے زندگی کے دن پورے کر رہے تھے، فرمایا جا رہا ہے کہ اس بدحالی کی ذمہ داری خود ان کی کتاب اللہ سے گمراہی کے سر ہے، انھوں نے تورات وانجیل اور خدا کے دوسرے احکام کی پرواہ نہ کی، لہٰذا انھیں طرح

طرح کی پریشانیوں میں مبتلا ہونا پڑا، اگر وہ اپنی ذمہ داری کو برقرار رکھتے تو اللہ روزی کو ان کے لیے اوڑھنا بچھونا بنا دیتا، زمین وآسمان کے دروازے ان پر کھل جاتے ہیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ لَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَ الْاِنْجِيْلَ وَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ؕ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ؕ وَ كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ﴿٦٦﴾

اور اگر اہل کتاب تورات وانجیل اور اس چیز کو جو ان کے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہے، قائم رکھتے تو ضرور کھاتے اپنے اوپر سے اور اپنے پیروں کے نیچے سے ان میں سے ایک میانہ رو جماعت ہے، اور ان میں بہت سے ایسے ہیں کہ بُرا کام کرتے ہیں۔

(پ ٦ ع ١٣، سورۂ مائدہ آیت: ٦٦)

اللہ کی دعوت پر لبیک کہنا، دنیا وآخرت میں فلاح ونجاح کا ضامن ہے، قوموں، ملتوں، اور اربابِ مذاہب کسی نام اور لقب سے دنیا میں مشہور ہوں، لیکن اگر ان کی زندگی خدائی اصول وضوابط کے اندر ہے، اور وہ خدا کے ان اوامر ونواہی پر کار بند ہیں، جو ان کے اوپر ان کے رسولوں کے ذریعہ نازل کی گئی ہیں، تو ان کا یہ رویہ حیات دنیوی ان کی حیات دنیوی اور حیات اخروی کی نجات وکام یابی کے لیے کافی ہے۔

اسی بات کو قرآن حکیم فرما رہا ہے کہ یہود ونصاریٰ اگر اپنے اپنے دور میں اپنی اپنی کتابوں اور خدا کے فرامین پر عمل درآمد کیے ہوئے ہوتے تو دنیا میں ان کی زندگی بے غبار گزرتی، نہ روزی کی فکر ہوتی، نہ کسب ومعیشت میں نقصان ہوتا، نہ کھانے پینے کی تکلیف ہوتی، اور نہ ہی دنیاوی زندگی کا کوئی گوشہ اپنے اپنے نصیبہ سے کھالی رہتا۔

روزی کی فراخی ان کا اوڑھنا بچھونا ہوتی، اللہ ان کو چھت پھاڑ کر روزی دیتا، زمین

کے سینے کو ان کے لیے کھول دیتا، لیکن یہ صورت حال نہیں ہے، وہ اس کے سزاوار ہی نہیں ہیں، ایک خاص گروہ ہے، جو واقعی افراط وتفریط سے محفوظ ہے، اور اپنی یہودیت اور عیسائیت پر قائم ہے، مگر عام طبقہ غیر ذمہ دارانہ زندگی گزار رہا ہے، اس میں اہلیت وصلاحیت کا کوئی مادہ نہیں ہے، اسی طرح جب کسی قوم وملت کے عمومی افراد اپنی صلاحیت، اپنی بدعملی وبدعقیدگی کی وجہ سے کھو دیتے ہیں، تو دنیا ان پر تنگ ہو جاتی ہے، کہنے کو وہ یہودی ہوں، یا عیسائی، یا مسلمان۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَ الْاِنْجِيْلَ وَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ

آپ کہہ دیں کہ اے اہل کتاب تم کسی راستہ پر نہیں ہو، یہاں تک کہ قائم کرو، تورات وانجیل کو اور اس کو جو تمہاری طرف اللہ کے یہاں سے نازل کیا گیا ہے۔

(پ ۶ ع ۱۳، سورۂ مائدہ آیت: ۶۸)

جب اسلام کی تشریف آوری ہوئی، تو اس کے مقابلہ میں سب سے پہلے دو طاقتیں آئیں، ایک کفار ومشرکین کی، اور دوسری اہل کتاب کی، اہل کتاب میں یہود ونصاریٰ اسلام کے مقابلہ میں دینی وعملی رنگ میں آنے کی کوشش زیادہ کرتے تھے، اور کفار ومشرکین کے ساتھ مل کر سیاسی توڑ جوڑ کر دینے کے ساتھ ساتھ ظاہر میں مذہبی بن کر مسلمانوں کا مقابلہ کرتے تھے۔

درآں حالیکہ ان کا مذہبی حال اس قابل نہ تھا کہ وہ مذہب کے نام پر اسلام کے مقابلہ میں آئیں، اسلام عقیدہ اور محل کے اعتبار سے ایک تازہ دم بانشاط اور پُرامید مذہب تھا، اس کے حاملین کی زندگیاں سراسر اسلامی بن چکی تھیں، مگر اسلام اور مسلمانوں کے مقابلہ میں مذہب، عقیدہ، اور عمل کا نام لینے والے یہود ونصاریٰ کا حال نہایت ابتر تھا، نہ ان کے عقائد میں استقامت تھی، نہ ان کے اعمال میں کوئی وزن باقی رہ گیا تھا، نہ ان کی کتابوں میں

دین کی روح باقی رہ گئی تھی۔

بل کہ وہ عقیدہ میں کفار ومشرکین کے ہمنوا بن چکے تھے، حضرت عیسیٰؑ اور حضرت عزیرؑ کو اللہ کا بیٹا قرار دے چکے تھے، عملی حالت اس درجہ خراب تھی کہ کفارۂ مسیح کے نام پر ہر قسم کی برائی کرنے پر ذرا بھی شرم محسوس نہیں کرتے تھے، عوام کو بے وقوف بنانے اور ان کو پھنسانے کے لیے طرح طرح کی مذہبی چالیں چلتے تھے۔

غرض کہ اہل کتاب اپنے عقائد واعمال میں بالکل نکمے ہو گئے تھے، مگر اسلام کے پُرنشاط اور تازہ دم حقائق کے مقابلہ میں آنے کی جرأت کرتے تھے، ان سے کہا جاتا ہے کہ پہلے تو اپنے کو سنبھال لو اور تورات وانجیل کو درست کرو، اپنے عقائد ٹھیک کرو، اور اپنے اعمال کو ٹھکانے لگاؤ، پھر اسلام کے مقابلہ کے لیے آنا، اگر تم نے ایسا کرلیا تو پھر اسلام سے تمہارا اختلاف ہی ختم ہو جائے گا اور اس کی پیروی کرنے لگو گے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۖ وَ أُمُّهُ صِدِّيقَةٌ ۖ كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ ۗ انْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْآيَاتِ ثُمَّ انْظُرْ أَنَّى يُؤْفَكُونَ ﴿٧٥﴾

مسیح بن مریم سوائے رسول کے کچھ نہیں ہیں، ان سے پہلے اور بھی پیغمبر گزر چکے ہیں، ان کی والدہ صدیقہ (ولی بی بی) تھیں، دونوں کھانا کھاتے تھے، دیکھئے ہم تو کیسے دلائل بیان کرتے ہیں، پھر دیکھئے کہ وہ الٹے کدھر جارہے ہیں۔ (٦ ع ١٤، سورۂ مائدہ آیت: ۷۵)

اللہ کے رسول اور فرستادوں کو بہت سے انسانوں نے نبی ورسول نہ مان کر بہت مانا اور جتنا ماننا چاہیے، اور مان کر ان کے احکام پر عمل کرنا چاہیے، اتنا نہیں مانا، اور نہ ان کے احکام پر عمل کیا، مگر اس سے بڑھ چڑھ کر ماننا اور عمل سے دور رہے۔

مسیحی قوم نے حضرت مسیح علیہ السلام کو نبی نہیں مانا بل کہ ان کو خدا مانا اوران تمام واقعات وحقائق سے چشم پوشی کی جو حضرت مسیح کے انسان ہونے پر شاہد ہیں، اس چشم پوشی کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ قوم عقل وشعور سے اس قدر بیگانہ ہوگئی کہ آنکھ ہو کے اندھی بن گئی۔

قرآن حکیم نے جگہ جگہ نصاریٰ قوم کی اس حماقت پر ماتم کیا ہے، اور سمجھانے کی کوشش کی ہے، اس سلسلہ میں یہاں فرمایا جارہا ہے کہ حضرت مسیح صرف پیغمبر تھے، یعنی نہ وہ خدا تھے ،اورنہ ان میں کوئی خدائی صفت تھی ،بل کہ وہ سراسرانسان تھے ،اور انسانی ضروریات کواسی طرح استعمال کرتے تھے، جس طرح انسان کواستعمال کرنا چاہیے۔

ان کی والدہ نہایت پاک دامن، پارسا اور خدا پرست بی بی تھیں، حضرت ان کے بطن سے تھے، ماں بیٹا دونوں ہی کھاتے پیتے تھے، اوراس کے نتیجہ میں دوسری ضروریات کو پورا کرتے تھے، اور یہ بات ایک معمولی عقل رکھنے والے کے لیے ناقابل فہم ہے، بل کہ ہر معمولی عقل والا سمجھ سکتا ہے کہ جو شخص کھاتا پیتا ہے اور پیشاب پاخانہ کرتا ہے، وہ خدا یا خدائی صفات کا مالک کیسے بن سکتا ہے، مگر نصاریٰ قوم ان کھلے کھلے حقائق تک کو اپنی گمراہی کی وجہ سے سمجھنے سے قاصر تھے۔

یہ حال ہر اس قوم کی گراوٹ کا ہوتا ہے، جس کے یہاں عقیدت اندھی ہوتی ہے، اور وہ عقل وشعور سے بالاتر ہو کر واقعات وحقائق کو دیکھتی ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّ لَا نَفْعًا ؕ وَ اللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۷۶﴾

آپ کہہ دیجئے کہ کیا تم لوگ اللہ کو چھوڑ کر اس چیز کی پوجا کرتے ہو، جو نہ تمہارے لیے نہ نقصان کی مالک ہے اور نہ نفع کی، اور اللہ ہی سمیع علیم ہے۔ (پ۶ ع ۱۴، سورۂ مائدہ آیت: ۷۶)

انسانی فطرت میں دو چیزیں زندگی کے لیے لازمی ہیں، اور ان ہی دونوں کے بل

بوتے انسان زندہ رہتا ہے(۱) جلب منفعت (۲) دفع مضرت ۔

یعنی انسان زندہ رہنے کے لیے اور زندگی کو شاد کام و کام یاب بنانے کے لیے دو بنیادی کام کرتا ہے، ایک یہ کہ وہ فائدہ کی ہر چیز کو حاصل کرتا ہے، جہاں اسے فائدہ نظر آیا جھک گیا، اور اسے زیادہ سے زیادہ اپنانے کے لیے کام کرنے لگا، واقعہ یہ ہے کہ انسان ہر حرکت سے فائدہ حاصل کرتا ہے، کبھی یہ فائدہ ایجابی ہوتا ہے، جسے ہم نے بیان کیا، اور کبھی سلبی ہوتا ہے، یعنی انسان اپنے سے ہر نقصان دہ چیز کو روکتا ہے، اس سے دور بھاگتا ہے، اور اس سے بچنے کی کوشش کرتا ہے، اور اس طرح اپنی دوسری فطری چیز یعنی دفع مضرت کا مظاہرہ کرتا ہے، آپ چاہیں تو ان دونوں کو خود غرضی سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

چوں کہ انسان نفع کا شیدائی اور نقصان کا گریزاں ہوتا ہے، اس لیے وہ ایسے حالات اور ایسی چیزوں کی تلاش میں رہتا ہے، جو اسبارے میں مدد دیں، یہی وجہ ہے کہ اربابِ مذاہب نے اپنے مذہب کو فروغ دینے اور انسان کو اس کی طرف متوجہ کرنے کے لیے ایسے مظاہر بنائے، جن کے متعلق یہ عقیدہ ظاہر کیا کہ تم کو نفع نقصان پہونچا سکتے ہیں، بتوں اور دیوتاؤں کو اگر خوش کرو گے تو تمہارا فائدہ ہوگا، اور جلب منفعت کا موقع ملے گا، اور اگر ان کو ناراض کرو گے تو تمہارا نقصان ہوگا، اور تم خسارہ سے دوچار ہوگے، ان ہی دو خیالات کو انسان کے دل میں جما کر بت پرستی اور مظاہر پرستی کرائی جاتی ہے، اسلام نے آکر انسانی فطرت کے ان ہی دونوں اصولوں بیدار کیا، اور اپنے عقیدۂ توحید کا گر انسان کو بتایا کہ نفع و نقصان صرف ایک ذات کے بس میں ہے، اور کسی بت یا دیوتا میں یہ طاقت نہیں ہے کہ نفع و نقصان پہونچا سکے، وہ پتھروں اور لکڑیوں کے ہوتے ہیں، ان میں احساس تک نہیں ہوتا، نفع نقصان تو بڑی بات ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّ لَا نَفْعًا ؕ وَ اللّٰهُ هُوَ

السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ ﴿۷۶﴾

آپ فرما دیجیے کیا تم لوگ اللہ کے سوا ایسے کی عبادت کرتے ہو، جو تمہارے نقصان پہونچانے کا اختیار نہیں رکھتا ہے، اور نہ نفع پہونچانے کا مالک ہے، اور اللہ ہی سننے والا جاننے والا ہے۔ (پ ۶ ع ۱۴، سورۂ مائدہ آیت:۷۶)

مسیحی قوم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبی ماننے کے بجائے اپنا خدا مانا، اور ان کے اندر ان صفات کو مانا جو اللہ کے اندر ہیں، اس پر اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ فرما رہا ہے: اے مسیحی قوم کے لوگو! تم عقل وشعور سے کام لو، اور دیکھو کہ تم ایک انسان کو خدا سمجھ رہے ہو اور اس کی عبادت کرتے ہو، جو خدائی صفات سے سراسر خالی ہے اور خود اپنے لیے نفع کا مالک نہیں ہے اور نہ نقصان کا، بل کہ انسانیت کی حیثیت سے وہ بھی خدا کا اسی طرح محتاج ہے جس طرح ایک انسان ہوتا ہے۔

پس اس حقیقت کے ہوتے ہوئے کسی انسان کو خدا مان لینا سراسر حماقت ہے، جس میں مسیحی قوم مبتلا ہے، اور علم وروشنی کے اس دور تک یہ فاسد عقیدہ اس کے دل دماغ پر حکومت کر رہا ہے، اور کوئی نہیں سوچتا کہ یسوع مسیح کو خدا کے لیے تین کا ایک اور ایک کا تین بنانا کس درجہ بے جوڑ بات ہے، اور یسوع، مریم اور خدا کو اقانیم ثلاثہ قرار دے کر تینوں کو خدا بنانا کہاں کا حساب وکتاب ہے۔

خوش نصیب ہے وہ قوم جس کا عقیدۂ توحید اس قسم کی باتوں سے پاک ہے، اور وہ خدا تعالیٰ کو علیم وبصیر اور سمیع وخبیر گردانتی ہے، اور نفع ونقصان صرف اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے، یہی عقیدہ درحقیقت خدا پرستی کا عقیدہ ہے، اور اسی عقیدہ کے نتیجہ میں شرک وکفر کی الجھنوں سے نجات مل جاتی ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّ لَا نَفْعًا ؕ وَ اللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۷۶﴾

آپ فرما دیجیے کہ کیا تم لوگ خدا کے علاوہ اس چیز کی عبادت کرتے ہو، جو تمہارے لیے نہ نقصان کی مالک ہے، اور نہ نفع کی مالک ہے، اللہ ہی سمیع و علیم ہے۔

(پ ۶ ع ۱۴، سورۂ مائدہ آیت: ۷۶)

انسان طبیعت کے اعتبار سے نفع کا خواہاں اور نقصان سے گریزاں واقع ہوا ہے، جہاں اسے کچھ بھی نفع کی امید ہوئی کہ اس نے اپنی ساری پونجی خرچ کر دی، اور جہاں نقصان کا خطرہ ہوا کہ اس نے راہ فرار اختیار کی۔

مگر عجیب بات ہے کہ خدا کے بارے میں انسانی فطرت بالکل خلاف راہ پر چلنے کی عادی رہی ہے، اور اس بارے میں اس کی تربیت و تعلیم کے لیے انبیاء و رسل کی بعثت ہوئی، اور ان حضرات نے انسان کو راہ راست پر لانے کے لیے خدائی تدابیر اختیار فرمائیں، جس کے نتیجے میں کتنی سعید روحیں اپنے خاکی قالب میں کام یاب ہو کر توحید پرست بن گئیں، اور ابدی فلاح و نجاح کی سزاوار ٹھہریں۔

مگر کتنی ہی بد باطن روحیں ایسی ہیں کہ جو کفر و شرک کی دلدل میں پھنسی رہیں، اور انھوں نے انسانی فطرت کے خلاف خدا پرستی سے گریز کیا، ان دریاؤں، پہاڑوں، مورتوں، قبروں، استھانوں کو معبود بنایا، جو نہ نقصان پہونچا سکتے ہیں، اور نہ ہی نفع دے سکتے ہیں، اور خدا کو جو نفع و نقصان کا حقیقی مالک ہے، اس کی پرستش سے دور بھاگتے ہیں، یہ فرار بعض لوگ براہ راست اختیار کرتے ہیں، اور بعض لوگ دوسرے طریقوں سے اختیار کرتے ہیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَ لَا تَتَّبِعُوْۤا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ

ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّ ضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴿۷۷﴾

آپ کہہ دیں کہ اے اہل کتاب تم لوگ ناحق اپنے دین میں غلو نہ کرو، اور ان لوگوں کی پیروی نہ کرو، جو تم سے پہلے خود گمراہ ہو چکے ہیں، اور بہت سے لوگوں کو گمراہ کر چکے ہیں، اور سیدھی راہ سے بھٹک گئے ہیں۔ (پ ۶ ع ۱۴، سورۂ مائدہ آیت: ۷۷)

دنیا داری کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دین کا نام لے اپنی حیثیت اونچی کی جائے، اور بزرگ بننے کا اعلان کیا جائے، بل کہ دین کو دین کی حد میں برتنا چاہیے، اس سے خود ہی دینی زندگی پیدا ہو جاتی ہے، اور وہ دنیا اور آخرت دونوں میں نیک مشہور ہو جاتا ہے، بعض لوگوں کو اپنی دین داری کے اشتہار کا بڑا شوق ہوتا ہے، اور وہ ہر معاملہ میں انتہائی غلو کرتے ہیں، شدت برتتے ہیں، اور سختی سے کام لے کر اپنے اوپر پابندی عائد کرتے ہیں، یہ طریقہ غلط ہے، دین بہت آسان اور سہل ہے، اس پر عمل کرنے میں کسی قسم کی کوئی الجھن یا رکاوٹ نہیں ہوتی، بل کہ دین دار آدمی جس حال میں جہاں ہو اور جیسا ہو دین پر مکمل طریقہ پر عمل کر سکتا ہے۔

اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کے مذہبی پیشوا دین و ایمان کی روح سے تو خالی ہیں، مگر چند فروعی باتوں پر اس قدر زور دیتے تھے کہ اصل سے زیادہ ان کی اہمیت معلوم ہوتی تھی۔

اس طرح انہوں نے خود گمراہ ہو کر دوسروں کو بھی گمراہ کر دیا تھا، مسلمانوں سے فرمایا جا رہا ہے کہ تم اہل کتاب کی طرح دین میں غلو نہ کرنا، اور ان کی طرح اصول کو چھوڑ کر فروع پر لڑائی جھگڑا نہ کرنا۔

افسوس کہ امت مسلمہ اہل کتاب کے راستہ پر چل کر اس قسم کے غلو میں مبتلا ہے اور ایک دوسرے کے خلاف محاذ قائم کر رہا ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَ عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ط

ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۷۸﴾

ملعون کیے گئے وہ لوگ جو کافر ہوئے، بنی اسرائیل سے، داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبان پر یہ اس لیے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے، اور حد سے بڑھ جاتے تھے، جس کو کر لیتے، اس سے باز نہیں آتے تھے، وہ نہایت ہی بُرا کام کر رہے تھے۔

(پ ۶ ع ۱۴، سورۂ مائدہ آیت: ۷۸)

جب کوئی جماعت بُرائی میں بہت آگے بڑھ جاتی ہے، اور اسے مدتوں کرتی رہتی ہے، تو ایک زمانہ میں ذہنی انقلاب اس بُرائی کو بُرائی نہیں سمجھتا، بل کہ اسے آرٹ، تہذیب، تمدن، معاشرت جیسے شاندار الفاظ سے یاد کرتا ہے، اور جماعت کا ہر چھوٹا بڑا اسے نہایت بے خوفی سے کرتا ہے، بل کہ اس کا نہ کرنا معاشرہ کے نزدیک کم ظرفی اور قدامت پرستی سمجھا جاتا ہے، جس کا صریح مطلب یہ ہے کہ بدکار اور فاسق اور فاجر قوموں اور جماعتوں کے زیادہ دنوں تک حرام کاری اور گناہ گاری میں مبتلا رہنے کی وجہ سے ان پر ذہنی مار پڑتی ہے کہ ان کی کھوپڑی الٹی ہوجاتی ہے، بالفاظ دیگر ان پر لعنت اور پھٹکاری کی ایسی لعنت پڑتی ہے کہ ان میں نیکی اور سچائی کے سمجھنے اور اور کرنے کا شعور ہی پیدا نہیں ہوتا، اور سمجھ بوجھ کی ساری صلاحیت سلب ہوجاتی ہے، یہ وقت قوموں اور ملتوں کے لیے نہایت خطرناک ہوتا ہے، اور وہ صدیوں تک تباہی و بربادی کی لعنت میں مبتلا رہتی ہیں۔

بالکل یہی حال بنی اسرائیل کے کفار و مشرکین کا ہوگیا تھا، ان میں گناہ کرتے کرتے شر و فساد کا ایسا ملکہ پیدا ہوگیا تھا کہ نیکی اور شرافت کا ان میں گزر نہیں ہوسکتا تھا۔

چنان چہ جب اللہ کے انبیاء حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام ان کو نصیحت کرتے کرتے تھک گئے، اور دیکھا کہ یہ لوگ نیکی کی طرف نہیں آسکتے، تو انھیں ان دونوں انبیاء نے ملعون قرار دے دیا اور کہہ دیا کہ یہ لوگ نسلاً بعد نسل نیکی کی راہ پر آنے سے محروم

کردیے گئے ہیں، ان کی شرارت اور بُرائی کا اثر پشتہا پشت باقی رہے گا، اوران کی اولاد بھی ان کی بدکاری کی وجہ سے ذہنی مار کا شکار رہے گی، اوران کو بھی سچائی کا راستہ نہیں ملے گا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَ عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۷۸﴾ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۹﴾

بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر کیا، ان پر داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبان سے لعنت کی گئی، یہ ان کے نافرمانی کرنے کی وجہ سے، اور وہ حد سے نکل گئے تھے، جو بُرا کام انھوں نے کیا تھا، اس سے باز نہیں آتے تھے، واقعی ان کا فعل بہت بُرا تھا۔

(پ ۶ ع ۱۴، سورۂ مائدہ آیت: ۷۸، ۷۹)

بنی اسرائیل درر ماضی کی وہ قوم تھے، جس کو اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ میں ہر طرح کی نوازشوں سے نوازا تھا، اور علوم وفنون میں جس طرح شرف عطا فرمایا تھا، اسی طرح جاہ وجلال اور مال وحشمت میں ہر طرح کی سربلندی دی تھی، مگر اس ناشکری اور نالائق قوم نے تنگ دلی، تنگ نظری، اور تنگ ذہنی کا بدترین مظاہرہ کیا، اور اللہ تعالیٰ کی جناب میں شکر وعبدیت پیش کرنے کے بجائے کفران وکفر کی روش اختیار کی، کافرانہ زندگی پسند کی، اور کافرانہ عقائد واعمال کی نحوست سے اپنے کو ملوث کیا، حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس قوم کو خاص طور سے اپنی دعوت رشد وہدایت کے ذریعہ دین وایمان اور صبر وشکر کی زندگی دی، مگر اس قوم نے اپنی روش نہیں بدلی، جس کی وجہ سے ان دونوں رسولوں کی زبان سے یوں لعنتی قرار پائی کہ آج تک اس کی وہی زندگی باقی ہے، اور دنیا کی موجودہ قوموں میں یہ قوم سے سب سے بڑے فتنہ کا باعث بنی ہوئی ہے، یہی حال گمراہ قوموں کا ہوتا ہے کہ وہ اپنی

گمراہی کی باعث اپنے مصلحوں اور خیر خواہوں کے انکار پر لعنتی قرار پائی ہیں، اور ہمیشہ کے لیے ذلیل خوار رہتی ہیں، اس کے برخلاف جو قومیں اللہ کی نعمت پر اس کا شکر ادا کرتی ہیں، اور اس کی راہ چلتی ہیں، ان کو دنیا میں مجد وشرف اور عزت و آبرو کی زندگی ملتی ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوهُ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ۝

بنی اسرائیل نے جس برائی کو کیا، اس سے باز نہیں رہے، نہایت ہی بُرا کام کرتے تھے۔ (پ۶ ع ۱۴، سورۂ مائدہ آیت:۷۹)

کسی قوم یا فرد کا کوئی بُرائی کر دینا کوئی اہم بات نہیں ہے، انسان خیر وشر سے بنا ہے، کبھی شر کا مادہ ابھر جاتا ہے، اور بُرائی ہو ہی جاتی ہے، اسی کمزوری اور مجبوری کو قدرت نے توبہ وانابت کے ذریعہ نوازا ہے، اور استغفار سے اس کی معافی دی ہے، دنیا میں بڑے بڑے افراد اور بڑی بڑی قوموں نے غلطیاں کی ہیں، مگر جب تک ان کا معاملہ اتفاقی رہا، قدرت نے درگزر کیا، اور کبھی کوئی دیرپا عذاب نہیں دیا، البتہ جب افراد واشخاص اور اقوام وملل میں معاصی پر اصرار اور جرائم پر دوام کے جراثیم پھیلے، اور ان کی زندگیاں بدکاری وبدعقیدگی کی نذر ہو کر رہ گئیں، تو پھر قدرت کا قانون آیا، اور اس نے وہ کام کیا، جو خوگر معاصی کے لیے مقدر ہے۔

بنی اسرائیل کی بے راہ روی قومی اور اجتماعی حیثیت سے عام ہے، دنیا کی قدیم اور جدید قومیں اس قوم کی بے راہ روی اور اس کے نتائج سے واقف ہیں، اسی لیے قرآن حکیم اس قوم کی خرمستی کو سامنے لا کر اس کے خطرناک نتائج سے آگاہ کر رہا ہے، اور بتاتا ہے کہ اس دور کی قومیں بھی اگر گناہوں میں گھسی رہیں گی، ان سے باز نہ آئیں گی تو ان پر عذابِ خداوندی کی وہی مار پڑے گی، جو بنی اسرائیل پر پڑ چکی ہے، جس نے ان کی دنیا اور ان کی عقبیٰ کو ناکام بنا دیا ہے۔

درحقیقت گناہوں پر اصرار بہت ہی خطرناک اقدام ہے اور اس سے بہت ہی برے دن دیکھنے پڑتے ہیں، آج مسلمان قوم اس بات میں بہت ہی خطرناک مرحلہ پر پہونچ چکی ہے اور معاصی پر اصرار میں اس کا نمبر سب سے آگے معلوم ہوتا ہے، تم روزانہ یہ جو مصائب کے بادل چڑھے ہوئے دیکھتے ہو اسی صورتِ حال کا نتیجہ ہے، اور اس کا واحد علاج یہی ہے کہ یہ قوم توبہ و انابت اور استغفار کر کے اپنے کو نیک عقیدہ، نیک عمل اور نیک کردار بنائے، تاکہ انتقام وعذاب کی گھڑیاں ختم ہوں اور عروج و اتصال کی باری آئے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ۝۸۰

ان بنی اسرائیل میں سے بہت سے لوگوں کو تم دیکھ رہے ہو کہ کافروں سے دوستی کرتے ہیں، ان کے نفسوں نے ان کے لیے جو قدم آگے بڑھایا ہے، وہ بہت ہی بُرا ہے، اللہ ان پر غضب ناک ہوگیا ہے، اور وہ عذاب میں ہمیشہ رہیں گے۔

(پ ٦ ع ۱۴، سورۂ مائدہ آیت: ۸۰)

جب آدمی کسی بات کی پچ پر اتر آتا ہے تو اسے حق و باطل کی تمیز نہیں ہوتی ہے، جھوٹے اور سچے میں فرق معلوم نہیں ہوتا، اور اپنے مطلب کے لیے آنکھ بند کر کے ہر جائز و ناجائز کام کرتا ہے، اور اس میں اس قدر آگے بڑھتا ہے کہ اپنے ملی اور قومی مشن کے علی الرغم کام کرتا ہے، اور سمجھتا ہے کہ اس نے بہت اچھا کام کیا اور اپنا حق ادا کر دیا۔

آج آپ دیکھتے ہیں کہ کتنے ایسے لوگ ہیں، جو سچائی اور حقیقت کو اس لیے جھٹلاتے ہیں کہ وہ ان کے مخالف کے زبان سے نکل رہی ہے، اچھی باتوں کو اس لیے بُرا مانتے ہیں کہ اس کی پارٹی ان باتوں کے خلاف ہے، اور رات کو دن اور دن کو رات تسلیم کرنے کے لیے

اس وجہ سے ہر وقت تیار ہیں کہ اس صورت میں ان کی پارٹی کا وقار، جماعت کی آبرو اور طرفداری کا بھرم باقی رہ سکتا ہے، حالاں کہ ایسے لوگ حق پرستی کے دعویداروں کی صف میں ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، اپنے کو حق کا حامی اور باطل کا ماحی ثابت کرتے ہیں، اور بات بات پر کہتے ہیں کہ حق پرستی ہماری چیز ہے، جنت کے حق دار ہم ہیں، اور دین و دنیا کی تمام اچھائی ہمارے لیے ہے، اور یہ جو مدمقابل ہے وہ فلاں اور فلاں ہے۔

قرآن حکیم ایسے ہی لوگوں کا حال بیان کررہا ہے کہ بنی اسرائیل حق وصداقت کے حامی بن کر جب اسلام آیا تو کفر وشرک سے جا ملے، اور اپنا ذاتی وقار باقی رکھنے کے لیے حق پرستوں کی تکذیب کرنی شروع کی، اور بیچ میں اپنی تمام ذمہ داریوں کو بھلا بیٹھے، کیوں کہ انھوں نے سمجھا کہ توحید پرست ہم ہیں، مسلمانوں کو توحید پرستی کا پرچار کرنے کا کیا حق ہے، یہ سمجھ کر وہ کافروں اور مشرکوں کی پارٹی میں چلے گئے، اور ان سے کہنے لگے کہ دیکھو! یہ لوگ تمہارے بتوں کو بُرا بھلا کہتے ہیں، اور تمہارے جذبات کا خیال نہیں کرتے۔

آج بھی حق پرستی کے بہت سے دعوے دار پارٹی بازی میں پھنس کر باطل کا ساتھ دیتے ہیں، اور ان کو ساتھ لے کر اہل حق پر یلغار کرتے ہیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸۱﴾

اگر بنی اسرائیل اللہ، نبی اور اس چیز پر جو اس پر نازل کی گئی ہے، ایمان لاتے تو کفار کو دوست نہ بناتے، لیکن ان میں سے اکثر فاسق ہیں۔ (پ۶ ع ۱۴، سورۂ مائدہ آیت: ۸۱)

جن لوگوں کے اندر دین ودیانت کی پوری روح کارفرما ہوگی، اور ان کے جسم وروح میں روحانیت ودیانت کی روشنی ہوگی، وہ کسی حال میں باطل پرستوں اور ناپاک لوگوں

سے رسم وراہ اس حدتک نہیں پیدا کر سکتے جو اربابِ دین و دیانت کے حق میں مضر ہے، دنیاوی کاروبار میں تعلق پیدا کرنا، لین دین میں ساتھی ہونا اور ملکی مسائل میں متفق ہونا اور بات ہے، اس بات میں اگر دین کو سامنے رکھ کر دل چسپی کی جائے تو کوئی برائی نہیں ہے، مگر دین و مذہب کے تقاضوں سے آنکھیں پھیر کر کفار و مشرکین میں گھل مل جانا وہ خطرناک رویہ ہے جو سراسر فسق و فجور کے مرادف اور ہم معنی ہے، جن کے دل میں اللہ و رسول کی طرف سے چور ہوتا ہے، جو لوگ ایمان و اسلام کے تقاضوں کو پورا کرنے سے جی چراتے ہیں، جن کے دل میں اخلاق و روحانیت کی روشنی نہیں ہوتی اور صرف زبان سے اسلام و ایمان کی بولیاں بولتے ہیں، مگر نہ دل میں بات اترتی ہے، اور نہ عمل سے اس کا ظہور ہوتا ہے، وہ یوں ہی کبھی کبھی دکھانے کے لیے اپنے منہ سے ایمان و اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں اور در پردہ ہمیشہ غلط کاروں کے ساتھ ملے جلے رہتے ہیں، اور ان کی ہاں میں ہاں ملاتے ہیں۔

ابتدائے اسلام میں منافقوں کی طرح یہودی بھی بڑی چال چلا کرتے تھے، بظاہر تو کہتے کہ اللہ پر، موسیٰ پر، قیامت پر، دوزخ پر، جنت پر ایمان رکھتے ہیں، اور تورات کے اوامر و نواہی کا پورا پورا احترام کرتے ہیں، مگر حال یہ تھا کہ وہ اسلام، پیغمبر اسلام اور مسلمانوں کے مقابلہ میں عرب کے کفار و مشرکین کے ساتھ رہا کرتے تھے، ان کے ساتھ ان کی ملی بھگت تھی، ہم نوالہ و ہم پیالہ بن کر خوب خوب باتیں کرتے تھے۔

قرآن حکیم کہتا ہے:

اگر ان یہودیوں کے پاس کتاب اللہ، اور سنت موسیٰ کی روشنی ہوتی تو یہ کم نصیب اسلام کے مقابلہ میں کفار و مشرکین کی دوستی کو غنیمت نہ جانتے، اور خدا کے دشمنوں کے دامن میں پناہ نہ لیتے۔

# پارہ (۷)

## (سورۂ مائدہ)

یَآیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰہُ لَکُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ﴿۸۷﴾

اے ایمان والو! تم لوگ ان پاک چیزوں کو حرام مت قرار دو، جنھیں اللہ نے تمہارے لیے حلال قرار دیا ہے، اور حد سے آگے مت بڑھو، بے شک اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ (پ ۷ ع ۱، سورۂ مائدہ آیت: ۸۷)

یہ دنیا اور اس کی تمام پاک وحلال چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو برتنے اور استعمال کرنے کے لیے بنایا ہے، اس زمین پر ہر انسان کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنی قسمت کا حصہ لے، اور اس سے پورا پورا فائدہ اٹھائے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے پاکیزہ، مفید اور اچھی چیزوں کو انسانوں کے لیے جائز وحلال قرار دیا ہے، اور نجس، مضر اور غیر مفید چیزوں سے روکا ہے۔

پس جو لوگ اس زمین پر چلتے پھرتے ہیں، ان کو حق ہے کہ وہ اس کی برکتوں سے مستفید ہوں، اور جو لوگ اپنے رب کی پیدا کردہ حلال وطیب چیزوں کو کسی وجہ سے استعمال نہیں کرتے ہیں وہ اپنے کو اپنے حق سے محروم کرتے ہیں، اور قدرت کے منشا کے خلاف روش اختیار کرتے ہیں، بعض مذاہب میں کچھ تشدد پسند لوگ ہوتے ہیں، جو اس میں حزم واحتیاط سمجھتے ہیں کہ جائز اشیاء تک کو استعمال نہ کریں، اور اسی کو اپنی بزرگی اور تقویٰ کا معیار نہ بنائیں، یہ صورت اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں، البتہ جائز وحلال چیزوں کو اپنے حصہ بھر استعمال کرنا چاہیے، اور اس میں مبالغہ بھی نہیں کرنا چاہیے کہ دوسروں کو محروم کر کے خود کو متمتع ہوں، یہ بھی عدوان وطغیان ہے، جسے اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا، بل کہ اعتدال کی راہ اللہ تعالیٰ کو پسند ہے، اور بندوں سے وہی مطلوب ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿٨٧﴾

اے ایمان والو! پاکیزہ چیزوں میں سے جسے اللہ نے تمہارے لیے حلال کیا ہے، تم اسے حرام نہ کرو اور حد سے آگے نہ بڑھو، اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

(پ ۷ ع ۲، سورۂ مائدہ آیت: ۸۷)

اللہ تعالیٰ نے یہ کائنات بنائی، اس میں طرح طرح کی چیزیں بنائیں، زمین کے اوپر، اس کے اندر قسم قسم کی کارآمد اشیاء پیدا فرمائیں، سوچو کہ ان تمام ظاہری اور باطنی خزانوں پر کس کا قبضہ ہے اور کون اس کا مالک ومختار بنایا گیا ہے، جنگل کے جانور؟ وہ تو صرف جنگل جھاڑی میں رہ کر کھاتے پیتے اور مرجاتے ہیں، زمین کے چرند پرند؟ تو یہ بھی ایک محدود فضا میں رہ کر چند مخصوص چیزوں کو استعمال کرتے ہیں، تم کو ماننا پڑے گا کہ صرف انسان ان تمام خداوندی نعمتوں اور اس کی بخششوں سے پورا پورا فائدہ حاصل کرتا ہے اور وہی ان کے استعمال پر ہر طرح قادر ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی خاص مہربانی سے نوازا ہے، اسی کو قوتِ اخذ دی ہے، اس میں صلاحیت واستعداد دی ہے اور اسی میں یہ طاقت وہمت دی ہے کہ کائنات کی ہر مخفی سے ودیعت کو اپنے لیے آشکارا کرے اور اس میں اپنا مالکانہ تصرف کرے۔

اللہ کے اس فضل وکرم کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اس زمین سے ان ہی چیزوں کو کام میں لائے، جو اس کے لیے مفید اور ضروری ہیں اور جن سے انسانیت میں بہتری پیدا ہوتی ہے، لہٰذا حلال وطیب چیزوں کو استعمال کرنا چاہیے اور حرام ونجس سے پرہیز کرنا چاہیے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی قدردانی کہ حلال وطیب چیزوں کو اپنے اوپر حرام نہیں کرنا چاہیے، کیوں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ حرام چیزوں کو حد سے گزار کر استعمال کرنے والوں کو ناپسند کرتا ہے، اسی طرح حلال چیزوں کو حد سے گزر کر استعمال کرنے والوں کو ناپسند

کرتا ہے اور ایسے متقی و پرہیز گاری کے نام پر خداوندی انعامات کو بھی ٹھکرائیں، ان کو مجرم قرار دیتا ہے، یہودیوں میں تقویٰ بگھاڑنے والوں کا ایک گروہ تھا، جو حلال چیزوں تک کو تقویٰ کے ہیضہ میں پڑ کر اپنے اوپر حرام گردانتا تھا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۪

اور تم کھاؤ حلال پاکیزہ کو اس چیز سے کہ اللہ نے تمہیں روزی دی ہے۔

(پ ۷ ع ۲، سورۂ مائدہ آیت: ۸۸)

یوں تو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے بے شمار چیزیں بنائیں ہیں، جن کو ہم کھاتے پیتے اور دوسرے کاموں میں استعمال کر سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے استعمال کی چیزیں بھی دیں اور ان کے استعمال کے لیے عقل وتدبیر بھی دی، پس ہمارے لیے کسی طرح مناسب نہیں کہ ہم عقل وتدبیر اور نفع ونقصان کے خیال سے بالاتر ہوکر اور ہولناکی اور لالچ میں پڑ کر ایسی ایسی چیزیں استعمال کرنے لگیں، جو ہمارے لیے مفید نہیں ہیں، بل کہ مضر ہیں، یہ کام ہمارا ہے کہ ہم ہر چیز کو نقصان اور فائدہ سوچنے کے بعد استعمال کریں، ان کے بارے میں اپنی مرضی اور نامرضی ظاہر کردی، اب بندے کا کام ہے کہ وہ اپنی عقل سے کام لے اور اپنے پروردگار کی مرضی پر عمل کر کے اپنے لیے مفید چیزیں استعمال کرے۔

یہاں پر اللہ تعالیٰ اس بات کی تعلیم دے رہا ہے کہ ویسے تو ہم نے تمہیں ہر قسم کی چیزیں دی ہیں، زہر بھی پیدا کیا اور شکر بھی پیدا کی، سرد اشیاء بھی پیدا کی ہیں اور گرم چیزیں بھی پیدا کی ہیں، لہٰذا اللہ کی مرضی اور اپنے فائدہ کو مدنظر رکھ کر حلال وطیب چیزیں کھاؤ، پیو اور حرام ونجس سے بچو۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنَّمَا الۡخَمۡرُ وَ الۡمَيۡسِرُ وَ الۡاَنۡصَابُ وَ الۡاَزۡلَامُ رِجۡسٌ مِّنۡ عَمَلِ الشَّيۡطٰنِ فَاجۡتَنِبُوۡهُ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ۝۹۰

اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت اور پانسے شیطان کے گندے کام سے ہیں، تم ان سے بچو، تاکہ تمہارا بھلا ہو۔ (پ ۷ ع ۲، سورۂ مائدہ آیت: ۹۰)

اسلام کی تعلیمات صرف چند خیالات کی حامل نہیں ہیں اور اسلام چند روایاتی افسانوں کا نام نہیں ہے، بل کہ وہ اعتقادات واعمال کے لیے جامع پروگرام اور مکمل نصاب ہے، جس پر عمل کرنے سے انسان اپنے معتقدات واحساسات اور خیالات وافکار میں انسانیت کی سطح پر آجاتا ہے اور اعمال وافعال اور حرکات وسکنات میں وہ نمونہ بن جاتا ہے، اسلام اعتقادات کی تصحیح کے بعد کچھ کاموں کے کرنے کا حکم دیتا ہے اور کچھ کاموں سے منع فرماتا ہے، ایسی ایجاب وسلب سے اسلامی زندگی کا عملی پہلو نمودار ہوتا ہے اور مسلمان دنیا میں عقیدہ وعمل کے اعتبار سے ایک کامل ومکمل معیار بن جاتا ہے، جس پر پوری انسانیت چل کر فلاح ونجاح کی راہ پاسکتی ہے۔

یہاں ایسے کاموں سے روکا جارہا ہے جو انسانیت کے لیے کسی طرح زیب نہیں دیتی ہیں اور آدمی ان کو کر کے کبھی بلند کردار اور اعلیٰ معیار کا مالک نہیں بن سکتا ہے اور سوسائٹی میں اسے اعتقاد وعمل کے اعتبار سے اچھائی کا نمونہ نہیں کہا جاسکتا ہے، یہ جوا، شراب، بت پرستی اور تجارت ومعاملات میں سٹہ بازی صرف مسلمان کے لیے نہیں بل کہ انسانیت کے لیے ذلیل قسم کی بدنامی ہے اور اس کے معاشرہ میں کبھی اچھائی پیدا نہیں ہوسکتی اور جب ان گھناؤنی حرکتوں کو چھوڑ دیا جائے گا تو صالح معاشرہ پیدا ہوگا اور گھر سے لے کر بازار تک ہر طرف انسانیت، شرافت، بھلائی اور کردار کی بلندی نظر آئے گی اور سب لوگ اپنی اپنی جگہ انسانیت کاملہ کے بہترین نمونے ہوں گے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

إِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ وَ يَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ عَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴿۹۱﴾

شیطان یہی چاہتا ہے کہ ڈال دے تمہارے درمیان دشمنی اور بیر، شراب اور جوئے میں اور روک دے تم کو اللہ کی یاد اور نماز سے، تو کیا تم باز آؤ گے؟

(پ ۷ ع ۲، سورۂ مائدہ آیت: ۹۱)

شراب نوشی اور جوئے بازی جس بستی میں جاتی ہے، اس کا ستیاناس کر دیتی ہے، اس بستی میں شیطان گھس کر بڑے اطمینان سے اپنا کام کرتا رہتا ہے، اور نوبت یہاں تک پہونچتی ہے کہ وہ بستی چند دنوں میں چند شریروں اور لفنگوں کی وجہ سے تہس نہس ہو جاتی ہے، اور دنیا کے لیے عبرت ونصیحت کا آئینہ بن جاتی ہے، یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے، بل کہ کھلی ہوئی حقیقت ہے، جس سے ہر جوئے باز اور ہر شراب خور اس سے واقف ہے۔

اس کی بُرائی کے لیے یہی کافی ہے کہ آدمی اس کی بُرائی اور مضرت کا احساس اور یقین کرنے کے باوجود اسے کرتا ہے، اس سے زیادہ شیطان کی کامیابی انسانی تباہی و بربادی کے معاملہ میں اور کیا ہوگی؟

قرآن حکیم انسانیت کی صیانت وحفاظت کے لیے آیا ہے، وہ ان مخرب انسانیت حرکتوں اور تباہ کن چالوں سے انسانیت کو متنبہ کرتا ہے اور انہیں شیطانی حرکت بتا کر انسان کے دشمن ازلی سے آگاہ کرتا ہے۔

شیطان صرف یہی نہیں کرتا کہ شراب اور جوئے کے براہ راست نقصان سے انسان کو تباہ کرے، بل کہ بالواسطہ بہت سی نیکیوں سے روک دیتا ہے، حتیٰ کہ اللہ کی یاد تک سے انسان کو غافل بنا دیتا ہے، جو انسانیت کی بے راہ روی کے لیے آخری حربہ ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اِنَّمَا يُرِيۡدُ الشَّيۡطٰنُ اَنۡ يُّوۡقِعَ بَيۡنَكُمُ الۡعَدَاوَةَ وَالۡبَغۡضَآءَ فِى الۡخَمۡرِ وَالۡمَيۡسِرِ وَ يَصُدَّكُمۡ عَنۡ ذِكۡرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ‌ۚ فَهَلۡ اَنۡتُمۡ مُّنۡتَهُوۡنَ ﴿۹۱﴾

اور شیطان یہی چاہتا ہے کہ ڈال دے تمہارے درمیان دشمنی اور بغض کو شراب اور جوئے سے، اور روک دے تم کو اللہ کی یاد اور نماز سے، پس کیا تم باز آؤ گے؟۔

(پ ۷ ع ۲، سورۂ مائدہ آیت: ۹۱)

یہ شراب و کباب کی زندگی اور یہ جوئے، قمار اور سٹہ بازی کی لت شیطانی چال ہے، جس میں انسان پھنس جانے کے بعد نہ اپنے خاندان کے حقوق کی نگہداشت کرسکتا ہے، بل کہ شراب، قمار کا رسیا شیطانی زندگی اور اس کے شیطانی تقاضوں میں گھر جاتا ہے، نہ والدین کے ساتھ انسانی برتاؤ کرسکتا ہے، نہ بیوی کے فرائض کے ادا کرسکتا ہے۔

اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ زندگی ایک خاردار جنگل بن جاتی ہے، جس میں انسان کا دامن الجھا رہتا ہے اور اسے اتنا موقع مل ہی نہیں سکتا کہ سکون واطمینان کا سانس لے، خدا کی عبادت کرے، اچھی اور بُری بات کو سمجھ سکے اور دین وملت کے نقصان پر صبر کرسکے، پس اس زندگی سے باز رہنے کی ضرورت ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اِنَّمَا يُرِيۡدُ الشَّيۡطٰنُ اَنۡ يُّوۡقِعَ بَيۡنَكُمُ الۡعَدَاوَةَ وَالۡبَغۡضَآءَ فِى الۡخَمۡرِ وَالۡمَيۡسِرِ وَ يَصُدَّكُمۡ عَنۡ ذِكۡرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ‌ۚ فَهَلۡ اَنۡتُمۡ مُّنۡتَهُوۡنَ ﴿۹۱﴾

شیطان یہی چاہتا ہے کہ تم لوگوں میں عداوت اور دشمنی ڈال دے، شراب اور جوئے سے، اور تم کو اللہ کی یاد اور نماز سے باز رکھے، پس کیا تم لوگ باز آنے والے ہو؟

(پ ۷ ع ۲، سورۂ مائدہ آیت: ۹۱)

شراب نوشی اور قمار بازی جس قوم میں داخل ہوجائے گی، وہ قوم شیطانی حرکات کی

سب سے بڑی آماجگاہ بن جائے گی، اوراس میں انسانیت، شرافت، دیانت، امانت کی کوئی رمق باقی نہیں رہے گی، بل کہ اس کے برخلاف اس میں بدمعاشی، عیاشی، بےحیائی، دغابازی اور چوری چماری داخل ہوجاتی ہے اور اخلاقی گراوٹ کا پورا پورا مظاہرہ ہوتا ہے، شراب خوری دل ودماغ کی ساری صلاحیت کو چاٹ جاتی ہے اوران میں ہر قسم کی شرارت کا مادہ بھر دیتی ہے۔

رگ رگ میں عداوت، شرارت، اور شیطانی، بغاوت گھس جاتی ہے، اور جوئے بازی کی لعنت انسان میں استغناء، بےنیازی، سیرچشمی، وسعتِ قلبی اور خیرخواہی کے ایک ایک ذرہ کو ختم کرکے انسان میں حرص اور لالچ کی لعنت پیدا کردیتی ہے، اور ایک آدمی دوسرے آدمی کا خون پینے میں لذت پانے لگتا ہے اور انسانی چمڑی ادھیڑنے میں اسے بڑا مزہ آتا ہے۔

نتیجہ یہ ہوتا ہے بستی کی بستی انسانیت سے خالی ہوجاتی ہے اور شیطنت کا اس میں عمل دخل ہوجاتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ قدیم زمانہ سے جس ملک اور جس قوم میں شراب نوشی اور جوئے بازی کی وبا پھیل جاتی ہے اس کا صفایا کرکے دم لیتی ہے، دور اندیش ہیں وہ قومیں، جو ان لعنتوں سے دور رہ کر اچھی زندگی بسر کرتی ہیں اور نیک نامی سے کھاتی کماتی ہیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ احْذَرُوْا ۚ فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ﴿۹۲﴾

اور تم لوگ اللہ اور رسول کی اطاعت کرتے رہو، اور ساتھ ہی بچتے رہو، پس اگر پھر جاؤگے تو جان لو کہ ہمارے رسول پر صاف طور سے پہونچا دینا ہے۔

(پ ۷ ع ۲، سورۂ مائدہ آیت: ۹۲)

اللہ ورسول کی اطاعت ایک مسلمان کی زندگی کا سب سے اہم بل کہ اول وآخر عقیدہ ہوتا ہے، اس کے بعد ہر کسی قانون کی پابندی مسلمان کے لیے نہیں ہے، کیوں کہ زندگی کے لیے جس قدر صالح قانون اور کارآمد اصول درکار ہیں، وہ سب کے سب اللہ ورسول کی اطاعت میں موجود ہیں، اوران کے بعد کسی چیز کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی، لیکن قرآن حکیم کا ارشاد ہے کہ ہر مسلمان کے لیے اللہ ورسول کی تابعداری کے بعد "حذر" ضروری ہے، یعنی خدائی اُصولِ حیات کے بعد مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے کو بہت ہی ذمہ دار قرار دے اور ہر معاملہ میں نہایت ہی غور وفکر اور ہوش وعقل سے کام لے کر قدم اٹھائے، خدا کے متعلق جو عقائد وتصورات ہیں، ان میں بہت ہی احتیاط برتے، نہ اتنا غلو کرے کہ اسلامی عقائد وتصورات سے آگے بڑھ جائے، نہ اتنی غفلت برتے کہ کفر واسلام میں توحید پرستی کے بارے میں کوئی امتیاز ہی باقی نہ رہے اور خدا کی ذات وصفات میں دنیا کے دوسرے مذاہب باطلہ کی طرح آمیزش نہ ہو جائے۔

اسی طرح رسول کے مقام کو بھی شدت سے محفوظ رکھے اور افراط وتفریط کرکے مقامِ رسالت پر حرف نہ آنے دے، نہ کسی نبی کو معمولی درجہ کے انسانوں کے درجہ پر رکھے اور نہ ہی اسے انسانیت کی سطح سے اٹھا کر خدا کے ہمدوش کر دے، بل کہ نبی کی نبوت کو انسانیت اور خدا کے درمیان کا ایک اہم مقام سمجھے اور یہی سمجھ کر عمل کرے۔

نیز خدا، رسول کو مان کر زندگی کے ہر معاملے میں بہت ہی احتیاط برتے، اور ہر بات میں چھان بین کر کے قدم اٹھائے، تاکہ اس کی ذمہ دار زندگی کبھی غیر ذمہ دارانہ بات کے پیدا ہونے کا باعث نہ بنے۔

مطلب یہ ہے کہ اسلام کی راہ پر آنے کے بعد انسان کی زندگی بہت ہی ذمہ دار اور جواب دہ ہو جاتی ہے، لہٰذا اسے بہت ہی احتیاط سے کام کرنا چاہیے اور کوئی حرکت غیر ذمہ

دارانہ نہ ہونی چاہیے، مسلمان بتائیں کہ وہ اسلام پر رہنے کے بعد اپنی زندگی کو کس درجہ میں ذمہ دار قرار دیتے ہیں اور ان کی حرکت کس قسم کی ہو رہی ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ احْذَرُوْا ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۹۲﴾

اور تم لوگ اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور بچتے رہو، پس اگر تم پھر جاؤ گے تو جان لو کہ ہمارے رسول کے اوپر صرف صریح طور سے تبلیغ فرض ہے۔

(پ ۷ ع ۲، سورۂ مائدہ: ۹۲)

اللہ کی اطاعت، رسول کی اطاعت اور تقویٰ کی زندگی، یہ تین باتیں ہر مسلمان کے ذمہ فرض ہیں، ان تینوں باتوں میں سے کسی ایک سے بھی اگر کوئی پھر جائے، توحید کے تقاضوں کو بھلا بیٹھے، یا رسول کے مقام کو نہ پہچانے اور یا دونوں باتوں کو عمل میں لا کر تقویٰ کی زندگی جو ان دونوں کے نتیجے کے طور پر ضروری ہے، چھوڑ دے، تو پھر اس کی ذمہ داری اس شخص کے سر ہے، وہ رسول پر ذمہ داری نہیں ڈال سکتا کہ میں تو فلاں فلاں کام کرتا تھا، میرا انجام کیوں خراب ہوا، کیوں کہ رسول نے صاف وصریح الفاظ میں بتا دیا تھا کہ اللہ اور رسول کی حدود کی رعایت اور تقویٰ کی زندگی میں سے بعض کو چھوڑنا یا سب کچھ چھوڑ دینا غلط نتائج کا حامل ہے۔

وہ لوگ غور کریں، جو بظاہر اللہ اور رسول کا حکم مانتے ہیں اور زبانی جمع خرچ کرتے ہیں، مگر درحقیقت ان سے دور ہوتے ہیں، جس کی وجہ سے ان کی زندگی میں راست روی اور تقویٰ کی کیفیت پیدا نہیں ہوتی۔

اس قرآنی تصریح میں ان کے لیے غور کا مقام ہے، پھر جو لوگ تینوں باتوں سے منہ

پھیرے ہوئے ہیں اور زندگی کو سراسر عدوان، طغیان کے حوالے کر چکے ہیں، ان کا کیا حال ہوگا؟

اسی لیے مسلمانوں کو حکم ہے کہ اللہ کی اور رسول کی اطاعت کرو اور ساتھ ہی دین داری اور تقویٰ کی زندگی بھی اختیار کرو، اگر ان میں تفریق کرو گے تو رسول کی ذمہ داری نہ ہوگی، وہ اپنا کام کر چکا ہے اور حقیقت حال سے آگاہ فرما چکا ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ احْذَرُوْا ۚ فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ﴿۹۲﴾

اور تم لوگ اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور بچتے رہو، پس اگر تم پھر جاؤ گے تو جان لو کہ ہمارے رسول کے ذمہ صرف صاف صریح طور پر پہونچا دینا ہے۔

(پ ۷ ع ۲، سورۂ مائدہ: ۹۲)

شیطان انسانیت کی گھات میں ہر وقت لگا رہتا ہے اور جہاں اسے ذرا بھی موقع ملتا ہے، فوراً انسان کو تباہی کی طرف لے جاتا ہے، شیطان ایسے حالات سے زیادہ کام یاب ہوتا ہے، جن میں انسان عقل و شعور اور احساس و خیال سے اکثر محروم ہو جائے اور اس میں سود و زیاں کے مابین فرق کرنے کی قوت باقی نہ رہے، اس قوت کے شل کرنے کے بعد شیطانی حرکتیں بڑے اطمینان سے اپنا کام کرتی ہیں، اس لیے شیطان شراب نوشی اور جوئے بازی کی فضا پیدا کر کے انسانی احساس و شعور کو ختم کرتا ہے اور اپنا کام کرتا ہے۔

اوپر شیطان کی ان چالوں سے بچنے کو فرمایا گیا ہے، اب بتایا جا رہا ہے کہ صرف یہ کافی نہیں ہے کہ تم شراب اور جوئے کو چھوڑ کر شیطان کی چال سے دور رہو، بل کہ اللہ اور رسول کی اطاعت و فرماں برداری کرتے رہو، اور اس کے ساتھ ہر وقت ڈرتے رہو کہ شیطان

دوسرے راستہ سے تم پر دھاوا نہ بول دے اور اللہ اور رسول کی راہ میں کانٹا نہ بوئے، رسول کی حیثیت صرف مبلغ کی ہے، ان کا کام لوگوں کو پکڑ پکڑ کر شیطان کی راہ سے دور رکھنا نہیں ہوتا کہ ہر ہر انسان کو نیک راہ پر لے چلیں۔

البتہ وہ دین کی باتوں کو نہایت صاف الفاظ اور صریح انداز میں پیش کرتے ہیں اور اپنی مخاطب قوم کے مزاج کی نبض شناسی کرکے ان کی سمجھ کے مطابق طرزِ ہدایت اختیار فرماتے ہیں، پس اگر ان تصریحات کے بعد بھی کوئی شیطانی راہ پر چلے گا تو ساری ذمہ داری اس کے سر رہے گی اور اسے انجام کی ہلاکت سے دوچار ہونا پڑے گا۔

وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ احْذَرُوْا ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۹۲﴾

اور تم لوگ اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور بچتے رہو، پس اگر تم پھر جاؤ گے تو جان لو کہ ہمارے رسول کے ذمے کھلے طور پر تبلیغ کر دینا ہے۔

(پ ۷ ع ۲، سورۂ مائدہ: ۹۲)

ایک مسلمان کے لیے اللہ اور رسول کی اطاعت بس ہے، اگر ان دونوں کی اطاعت وہ کرتا ہے تو گویا اس کے لیے دو جہاں کی دولت حاصل ہوگئی اور وہ آغاز و انجام کی بھلائی کا مالک بن گیا، مگر اب اس دولت کے بارے میں اسے بڑی شدت سے احتیاط کرنی پڑے گی، اور دین و ایمان کے دشمنوں سے اسے بچانا پڑے گا، یہ دشمن بھی گمراہ افراد کی شکل میں ظاہر ہوں گے، کبھی گمراہ تحریک کی شکل میں رونما ہوں گے اور کبھی گمراہ ماحول کی شکل میں اجاگر ہوں گے، ان دشمنوں کو پہچاننا اور ان سے بچنا ہر مومن کے لیے ازبس ضروری ہے، اگر وہ ان سے غافل ہوا تو بہت ممکن ہے کہ دین و ایمان کی دولت سے محروم ہو جائے اور اس کا

سرمایۂ دین وایمان لٹ جائے۔

قرآن دولت دین وایمان کے بارے میں اس شدت احتیاط کی تعلیم دینے کے بعد فرماتا ہے کہ اگر تم اپنے دشمنوں کو نہ پہچان سکے اور ان کے پھندے میں پڑ کر تم نے دین و ایمان کو کھو دیا، تو یاد رکھو کہ اس میں تمہارا ہی نقصان ہے اور تم ہی اس نقصان کے ذمہ دار ہوگے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کام صرف دین کی باتیں بتا دینا ہے اور صاف صاف الفاظ میں نیک و بد سمجھا دینا ہے، ان کی ذمہ داری یہ نہیں ہے کہ ہر ہر شخص کے ایمان کی حفاظت بھی کریں۔

یہ ضرور ہے کہ اللہ کے رسول نے مسلمانوں کے لیے حفاظت وصیانت کی راہ بتائی ہیں اور ان کو ہر اُونچ نیچ سے واقف کیا ہے، مگر اصل کام خود مسلمان کا ہے کہ وہ حفاظت خود اختیاری کے حق کو اپنی ذات اور اپنے دین کے بارے میں استعمال کرے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

قُلْ لَّا یَسْتَوِی الْخَبِیْثُ وَ الطَّیِّبُ وَ لَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِیْثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ یٰۤاُولِی الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

آپ کہہ دیجیے کہ خبیث اور طیب دونوں برابر نہیں ہو سکتے، اگرچہ خبیث چیز کی کثرت تمہارے لیے تعجب کا باعث ہے، پس اے عقلمندو! اللہ سے ڈرو، تم لوگ یقیناً کامیاب ہوگے۔ (پ ۷ ع ۳، سورۂ مائدہ: ۱۰۰)

کسی چیز کی زیادتی اس کی اچھائی کی دلیل نہیں، یہ تو دنیا کا کمال ہے، وہ ایک بد سے بدتر چیز کو رواج دے کر عوام کی نظر میں پسندیدہ کر دیتی ہے اور پھر وہ سوسائٹی اور سماج کا جز بن جاتی ہے۔

غور کرتے جایئے! آج کی دنیا میں کتنے کارنامے ایسے ہیں، جن سے گھن آتی ہے،

مگر چوں کہ وہ آہستہ آہستہ عام ہو گئے ہیں، اس لیے ہمیں اور آپ کو ان کے کرنے میں کوئی تر دد نہیں ہوتا، ایسی حالت میں سوال یہ ہے کہ کیا اس قسم کی بُرائیاں واقعی بُرائیاں نہیں ہیں؟ اوران کی حقیقت بدل گئی، کیا بدکاری کے لیے باقاعدہ اڈا بن جانے سے بدکاری نیک کاری ہوگئی، کیا شراب نوشی کے لیے لائسنس مل جانے سے ان کی ماہیت غیر ہوگئی اور کیا جوا کا نام ریس رکھ لینے سے جوا، جوا نہیں رہا، اگر آپ اسی نقطہ نظر سے غور کریں تو آپ کے اندر، آپ کے گھر میں، آپ کے خاندان میں، آپ کے معاشرے میں، حتیٰ کہ آپ کے مذہب میں، کتنے ایسے رسوم ملیں گے، جو سراسر بُرے ہیں، مگر ان کو ادا کرتے کرتے ان کی بُرائی پر پردہ پڑ چکا ہے۔

قرآن حکیم کہتا ہے کہ لوگوں کی کرتوت سے حقیقت نہیں بدلا کرتی، انسان آسمان پر اڑنے لگے تو وہ زمین نہیں بن جائے گا، نیکی اور بدی دو جدا جدا حقیقتیں ہیں، جو کبھی ایک نہیں ہوسکتی، یہ تمہاری عقل ونظر کا قصور ہے کہ وہ بدی کی کثرت اور استعمال کے عموم سے دھوکہ کھا کر اسے نیکی کا نام دے دے، اور زہر کو تریاق سمجھنے لگے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَ الطَّيِّبُ وَ لَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۱۰۰

آپ کہہ دیجیے کہ خبیث چیز اور طیب چیز دونوں برابر نہیں ہوسکتی، اگر تم کو خبیث چیز کی کثرت تعجب میں ڈال دے، پس اے سمجھ والو! اللہ سے ڈرو، شاید کہ تم فلاح پاؤ۔

(پ ۷ ع ۳، سورۂ مائدہ: ۱۰۰)

پاکی، ناپاکی، اچھائی، بُرائی، بدی، نیکی، جدا جدا حقیقتیں ہیں، ان میں کبھی میل نہیں ہوسکتا، دو متضاد چیزیں کبھی ایک نہیں ہوسکتی ہیں، جس طرح آگ اور پانی، اجالا اور اندھیرا،

رات اور دن، زندگی اور موت، ناممکن ہے کہ ایک ہو جائیں، اسی طرح محال ہے کہ نیکی اور بدی میں فرق ختم ہو جائے، یا نیک اور بد دونوں برابر ہو جائیں۔

یہ دوسری بات ہے کہ خباثت کی کثرت، برائی کی زیادتی اور حرام کاری کی بہتات بعض وقت سطحی لوگوں کو رائے عامہ اور سوادِ اعظم کے کھلے دھوکے میں ڈال دیتی ہے اور لوگ برائی کے رواج پا جانے سے اسے بُرائی نہیں سمجھتے، بل کہ اچھائی سمجھنے لگتے ہیں۔

آج دیکھ لیجیے، کتنی بُرائیاں ہیں، جن کا سوسائٹی میں رواج عام ہو چکا ہے اور اس رواج کی وجہ سے اچھے سے اچھے دماغ والے بھی انہیں بُرا نہیں مانتے، بل کہ اپنی ناسمجھی اور کوتاہ بینی سے ان برائیوں کو اچھائیاں سمجھ رہے ہیں، مگر ان کے اس سمجھنے سے بُرائی، بُرائی نہیں رہے گی؟ یا کسی اچھی چیز کو لوگ بُری سمجھ بیٹھے تو کیا وہ بُری ہو جائے گی؟

قرآن حکیم کا فیصلہ ہے کہ خبائث اور پاکی دو جدا حقیقت ہے، جو کبھی برابر نہیں ہو سکتی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَ الطَّيِّبُ وَ لَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۠﴿۱۰۰﴾

آپ فرما دیجیے کہ اگر ناپاک چیز کی کثرت تم کو اچنبھے میں ڈال دے، لیکن ناپاک اور پاک برابر نہیں ہو سکتے، پس اے عقل والو! اللہ سے ڈرو، شاید کہ تم فلاح پاؤ۔

(پ ۷ ع ۳، سورۂ مائدہ: ۱۰۰)

کسی چیز کی کثرت اس کی خوبی کی دلیل نہیں، کسی نظریہ کا عام ہو جانا اس کی صحت کا ذمہ دار نہیں، کسی رواج کا جڑ پکڑ لینا اس کی اچھائی کے لیے کافی نہیں، جس طرح کسی نیکی کا رواج کم ہونا اس کی بُرائی کی دلیل نہیں، بل کہ بُرائی، بدی اور ناپاکی ایک الگ چیز ہے اور

اچھائی، نیکی اور پاکی ایک دوسری بات ہے، یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ ایک بُرائی کی کثرت رواج کی بنا پر نیکی بن جائے، یا کوئی نیکی قلت استعمال کی وجہ سے بُرائی ہوجائے۔

پس دین یا دنیا کے کسی معاملے میں یہ نہ دیکھو کہ عوام کیا کر رہے ہیں اور کثرت رائے کدھر جارہی ہے، بل کہ یہ دیکھو کہ حق کہاں ہے اور سچائی کس طرح مل سکتی ہے، پاکی، سچائی اور نیکی لوگوں سے بے نیاز ایک حقیقت ہے، جو بہرحال قائم رہتی ہے، اور ناپاکی، جھوٹ اور بدی عام حالات کی پیداوار ہے، جس کے لیے قیام و بقا کا کوئی حصہ نہیں ہے، کیوں کہ خبیث وطیب کے معاملے میں دنیا میں عموم و رواج کو معیار بنا کر ہمیشہ ٹھوکر کھائی ہے۔

اس لیے قرآن حکیم اس کی طرف خصوصی توجہ فرما کر ایک بڑے فتنے سے خبردار کر رہا ہے اور بتا رہا ہے کہ پاک وناپاک کے امتیاز کے لیے کامیاب آلہ تقویٰ ہے، اگر یہ روشنی تمہارے پاس موجود ہے تو پھر حق شناسی میں کوئی غلطی نہ ہوگی اور تمہارا عقیدہ وعمل خباثت کے دلدل میں کبھی نہ پڑے گا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَ الطَّيِّبُ وَ لَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

آپ کہہ دیں کہ خبیث اور طیب دونوں برابر نہیں ہوسکتے، اگرچہ تم کو خبیث کی کثرت متعجب کردے اور حیرت میں ڈال دے، پس اے عقل والو! مجھ ہی سے ڈرو، تاکہ تم فلاح پاؤ۔ (پ ۷ ع ۳، سورۂ مائدہ: ۱۰۰)

اجالا اور اندھیرا ایک نہیں، رات اور دن ایک نہیں، سرد اور گرم ایک نہیں، اور بلند و پست ایک نہیں، پس اچھی چیز اور بُری چیز دونوں کیسے ایک ہوسکتی ہیں اور خبیث وناپاک و

طیب و پاک دونوں کس طرح ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتے ہیں؟ اچھائی اور برائی کی حقیقت ثابت ہے، کوئی کچھ کرے بہر حال دونوں دو چیزیں رہیں گی، کسی کے کرنے نہ کرنے سے ان پر اثر نہیں پڑتا، آگ بہر حال جلائے گی اور پانی بہر حال بجھائے گا، کوئی ان سے کام لے یا نہ لے۔

بہر حال ان کے حقائق نہیں بدل سکتے، خبیث و ناپاک، حرمت و مضرت کی وجہ سے اس سے نفرت بہر حال ہمیں کرنی چاہیے، پاک وطیب چیز افادیت کے باعث اس کو عمل میں لانا چاہیے، یہ کوئی سوال نہیں ہے کہ لوگ کیا کام زیادہ کرتے ہیں، برائی زیادہ کرنے سے بھی برائی ہی رہتی ہے، نیکی نہیں بن سکتی اور نیکی کو کتنا ہی کم کرے، بہر حال نیکی ہی رہے گی، برائی نہیں بن سکتی۔

جو لوگ سماج اور سوسائٹی ہی کو اچھائی اور برائی کا معیار سمجھتے ہیں، حقائق کو ماننے والے نہیں ہیں، بل کہ وقتی حالات اور ہنگامی حالات پر ان کا عقیدہ وایمان ہے، مسلمانوں کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔

قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَ الطَّيِّبُ وَ لَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

آپ کہہ دیں کہ ناپاک اور پاک دونوں برابر نہیں ہو سکتے، اگر چہ ناپاک چیز کی کثرت تم کو حیرت میں ڈال دے، پس اے عقل مندو! اللہ سے ڈرو، تاکہ تم فلاح پاؤ۔

(پ ۷ ع ۳، سورۂ مائدہ: ۱۰۰)

حرارت اور بُرودت دونوں فی نفسہٖ موجود ہیں اور ان کا وجود کسی شخص کے معلوم کرنے نہ کرنے، یا چھونے نہ چھونے پر موقوف نہیں ہے، کوئی ظلمت اور نور میں فرق محسوس

کرے یا نہ کرے، ان دونوں میں فرق بل کہ تضاد موجود ہے، تمہاری زبان سے اگر احساس اور ذوق کا جوہر ختم ہو جائے تو ایسا نہیں ہوگا کہ میٹھے اور کڑوے میں فرق باقی نہ رہے، کیوں کہ تم کو ان دونوں میں کوئی تمیز نہیں ہوتی۔

پس حقائق ثابتہ کسی کے سوچنے، سمجھنے، دیکھنے، نہ دیکھنے اور پانے، نہ پانے پر موقوف نہیں ہیں، بل کہ ان کا وجود ان باتوں سے الگ ہے۔

یہی حال خبیث وطیب کا ہے، ایک سراسر گندی، ناپاکی اور لعنت ہے اور دوسری سراسر طہارت، پاکیزگی اور رحمت ہے، یہ دونوں حقائق اپنی اپنی جگہ ثابت ہیں، ایسا نہیں ہے کہ جسے تم طیب کہو، طیب ہو جائے، فی نفسہ وہ خبیث ہو، یا جسے تم خبیث کہہ دو، وہ خبیث ہو جائے چاہے فی نفسہ وہ طیب ہو۔

پس ایک مومن ومتقی کے لیے حلال وطیب چیز کا انتخاب ضروری ہے اور اسے خباثت سے دور رہنا ضروری ہے، چاہے خباثت کو کتنا ہی عروج مل جائے اور دنیا میں بدکاری اور فحش کاری کی کتنی ہی گرم بازاری ہو جائے، کسی چیز کی کثرت اس کی اچھائی کی ضمانت نہیں ہے، اچھائی یا برائی قلت وکثرت سے ہٹ کر فی نفسہ حقائق ہیں اور ان کے وجود یا عدم میں سوسائٹی کے رجحان وکردار کو دخل نہیں ہے، بل کہ سوسائٹی اچھائی کرنے پر اچھے نتائج دیکھے گی اور برائی کرنے پر برے نتائج دیکھے گی، وہ اسے کم کرے یا زیادہ کرے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَ الطَّيِّبُ وَ لَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

آپ کہہ دیں کہ خبیث اور طیب دونوں برابر نہیں ہو سکتے، اگرچہ خبیث کی زیادتی تمہیں حیرت وتعجب میں ڈال دے، پس تم لوگ اللہ سے ڈرو اے اَربابِ عقل وہوش! تا کہ

تم کامیاب ہو۔ (پ ۷ ع ۳، سورۂ مائدہ: ۱۰۰)

نیکی اور بدی کا معیار ان میں سے کسی کا زیادہ سے زیادہ نہیں ہوتا ہے اور نہ معاشرہ اور سوسائٹی نیکی اور بدی کے بارے میں فیصلہ کرسکتی ہے کہ فلاں چیز اچھی ہے اور فلاں چیز خراب ہے، بل کہ اچھائی اور برائی دونوں جدا جدا چیزیں ہیں اور فی نفسہٖ اور خود وہ اچھی یا بری ہیں، کسی کے ماننے نہ ماننے سے ان کے حقائق نہیں بدل سکتے، بل کہ ان کی جو حقیقت ہے وہی رہے گی، نیکی بہر حال نیکی ہے اور بدی ہر حالت میں بدی ہے، چاہے کسی زمانے میں ان میں سے کسی کا چرچہ ہو یا نہ ہو اور لوگ ان کو کریں یا نہ کریں، بالفاظ دیگر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے جن چیزوں کو حرام اور بُرا بتایا ہے، وہ بُری ہیں اور جن چیزوں کو اچھا بتایا ہے، وہ اچھی ہیں، اگر کسی زمانہ کے لوگ برائی کو اچھائی سمجھنے لگیں تو اس سے کچھ نہیں ہوگا، سوسائٹی اور سماج اگر حرام خوری، سیاہ بازاری، عریانیت، فحش کاری اور دوسری گراوٹوں کو عام طور سے کرنے لگے اور کوئی اسے برا نہ مانے تو اس کی کثرت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ اچھی ہوگئی، اور اب اس میں برائی کا پہلو باقی نہیں رہا، برائی کتنی ہی زیادہ اور عام ہو جائے، اس کا نام کتنا ہی خوبصورت رکھ دیا جائے اور وہ کتنی اچھی معلوم ہو، نیکی نہیں ہوسکتی اور اس کو انسانیت کے لیے مفید نہیں کہا جاسکتا، اس اہم اصول کو اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیے، اس کی ناواقفیت کی وجہ سے اس زمانے میں بڑی خطرناک غلطی ہوتی ہے، کیوں کہ تمام برائیوں کو لوگ اچھائی سمجھنے لگے ہیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

قُلْ لَّا یَسْتَوِی الْخَبِیْثُ وَ الطَّیِّبُ وَ لَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِیْثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ یٰۤاُولِی الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۱۰۰

آپ کہہ دیجیے کہ خبیث اور طیب دونوں برابر نہیں ہوسکتے، اگر چہ خبیث کی کثرت

تمہیں تعجب میں ڈال دے، پس اے عقل مندو! خدا کا تقویٰ اختیار کرو، تاکہ تم کامیاب ہوجاؤ۔ (پ ۷ ع ۳، سورۂ مائدہ: ۱۰۰)

نیکی ہو یا بدی، اچھائی ہو یا برائی، ان میں سے ہر ایک کی جدا حقیقت ہے اور خارج میں اس حقیقت کا وجود ہے، جس طرح کی سیاہی اور سفیدی اور سردی و گرمی دو جدا حقیقتیں ہیں اور بغیر کسی اعتبار اور لحاظ کے خود ان کا وجود خارج میں ہے، بعینہ اسی طرح اچھائی اور برائی دو جدا جدا چیزیں ہیں اور ان کے بارے میں یہ بات نہیں ہے کہ جسے کوئی فرد یا کوئی قوم یا کوئی اکثریت اچھائی تصور کرلے، وہ اچھائی ہے اور جسے بُرائی سمجھ لے، وہ بُرائی ہے۔

اگر اندھیرا اور اجالا کسی قوم یا کسی اکثریت کے اعتبار و لحاظ کی وجہ سے اندھیرا، اجالا نہیں ہے، بل کہ دونوں جدا جدا چیزیں موجود ہیں، تو پھر نیکی اور بدی کو بھی کسی قوم یا کسی نظریہ کی پیداوار نہیں کہا جا سکتا، بل کہ دو مستقل چیزیں ہیں اور ان کے بارے میں یہی حیثیت مدنظر رکھنی چاہیے۔

قرآن حکیم اسی حقیقت کو سمجھا رہا ہے کہ پاکی اور ناپاکی الگ الگ چیزیں ہیں، ان میں کسی موقع پر میل نہیں ہوسکتا، اور اگر قوم، نظریہ و خیال یا کوئی تمدن و معاشرہ ان دونوں کو ایک کرکے اندھیرا مچانا چاہے، یا برائی کا نام بھلائی اور بھلائی کا نام برائی رکھ کر واقعہ بھی یوں ہی سمجھ بیٹھے تو یہ اس کا قصور ہے اور کوتاہ فہمی ہے، اور کسی زمانہ یا کسی قوم و تمدن میں خباثت و نجاست اور ناپاکی و غلاظت کی کثرت ہوجائے اور حرام کاری و حرام کوشی کی وبا عام ہوجائے تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہوگا کہ برائی، برائی نہیں رہ گئی، بل کہ اب وہ بھلائی ہوگئی، یا حرام کاری اب حلال کاری کے قالب میں ڈھل گئی۔

آج کی گنہ گار دنیا میں اکثر انسان اپنی کم ذہنی اور پست خیالی کی وجہ سے یہ خیال کرتے ہیں کہ چوں کہ حرام فلاں فلاں کام عام طور سے چھوٹے بڑے اور ذمہ دار و غیر ذمہ

دارلوگ کر رہے ہیں، اس لیے وہ جائز ہو گئے اور ان کی برائی کا وزن ہلکا ہو گیا، قرآن حکیم اس بات کو سمجھانے کے بعد دنیا کے سلجھے مزاجوں سے مطالبہ کرتا ہے کہ اے ارباب عقل و شعور! بھیڑ کی یہ چال چھوڑ دو، کیوں کہ جو برا کام لوگ کثرت سے کرنے لگے ہیں، تم بھی کرنے لگو اور سمجھو کہ اس کی برائی ختم ہو گئی، یہ جانورانہ چال ہے، تم انسان ہو، عقل سے کام لو اور سمجھو کہ اچھائی یا برائی کسی ملکی، قومی اور تمدنی پیداوار کا نام نہیں ہے اور اس کا وجود کسی اقلیت و اکثریت کے بس میں نہیں ہے، بل کہ نیکی بہر حال نیکی ہے اور برائی بہر حال برائی ہے، اس لیے ہر حال میں تقویٰ کی زندگی اختیار کرو اور خدا سے خوف کھاتے رہو۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَ الطَّيِّبُ وَ لَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

آپ فرمادیں کہ خبیث اور طیب دونوں برابر نہیں ہو سکتے، اگرچہ خبیث کی زیادتی تمہیں تعجب میں ڈال دے، پس اے عقل والو! مجھ سے ہی ڈرو، تاکہ تم فلاح پاؤ۔

(پ ۷ ع ۳، سورۂ مائدہ: ۱۰۰)

نیکی اور بدی کا معیار مقرر ہے، جو چیز نیک ہے، وہ بد نہیں ہو سکتی چاہے کسی دور کے لوگ اسے کتنا ہی بد سمجھنے لگیں، اسی طرح بدی کبھی نیکی نہیں بن سکتی، چاہے کسی زمانہ کے لوگ اسے کتنا ہی نیک سمجھنے لگیں، نیکی اور بدی دو جدا جدا حقیقتیں ہیں، جس طرح سیاہی اور سفیدی، بلندی و پستی، سردی اور گرمی، اور رنج وخوشی مختلف ومتضاد حقائق ہیں اور کسی کے ماننے نہ ماننے پر ان کا وجود موقوف نہیں ہے، بل کہ کوئی مانے یا نہ مانے یہ حقائق ہر حال میں ثابت ہیں۔

پس اچھائیاں ہمیشہ اچھائیاں ہی رہیں گی اور برائیاں ہمیشہ برائیاں ہی رہیں گی، اگر کسی زمانے میں برائی کی کثرت ہو جائے، لوگ عام طور سے حرام کاری کرنے لگیں، نیک

لوگ بھی برائی کھل کر کریں اور پوری سوسائٹی برائی میں ڈوب جائے، تو اس کی یہ کثرت اسے اچھائی سے نہیں بدل سکتی اور وہ اس وقت بھی اسی طرح برائی رہے گی، جس طرح پہلے برائی تھی، اس لیے اربابِ عقل و ہوش اور باخبر لوگوں کو چاہیے کہ اچھائی اور برائی کے سمجھنے کے لیے سوسائٹی کو معیار نہ بنائیں، بل کہ سوسائٹی کے جانچنے کے لیے اچھائی اور برائی کو معیار بنائیں اور اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے جو راہ بتائی ہے، اس پر چلیں، جس کو اللہ نے خبیث و نجس اور حرام و ناپاک بتایا ہے، اس سے بچیں اور جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے طیب و پاکیزہ اور نیک بتایا ہے، اس پر عمل کریں اور اپنے ظروف و احوال اور سوسائٹی کو اس کے لیے معیار نہ بنائیں، تاکہ وہ ہر زمانہ میں حقیقت حال سے واقف رہیں اور نجاہ فلاح کی راہ پر چلیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

يَاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَسۡـَٔلُوۡا عَنۡ اَشۡيَآءَ اِنۡ تُبۡدَ لَـكُمۡ تَسُؤۡكُمۡ‌ ۚ وَاِنۡ تَسۡـَٔلُوۡا عَنۡهَا حِيۡنَ يُنَزَّلُ الۡقُرۡاٰنُ تُبۡدَ لَـكُمۡ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَنۡهَا ؕ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ حَلِيۡمٌ ﴿۱۰۱﴾

اے ایمان والو! ایسی چیزوں کے بارے میں مت سوال کرو کہ اگر وہ تمہارے لیے ظاہر کر دی جائیں تو تم کو برا لگے، اور اگر تم نزول قرآن کے وقت ان چیزوں کے بارے میں سوال کرو گے تو تمہارے لیے ظاہر کر دی جائیں گی، اللہ نے تم کو ان سے معاف رکھا ہے، اور اللہ غفور حلیم ہے۔ (پ ۷ ع ۴، سورۂ مائدہ: ۱۰۱)

ایک مردِ مومن کے لیے یہ کافی ہے کہ اللہ و رسول کے احکام پر عمل کرے اور اللہ و رسول کے نواہی سے پرہیز کرے، اور پھر اللہ تعالیٰ سے اچھی امید رکھ کر ایمان و دین کی زندگی بسر کرنے کی دعا کرتا رہے، دین کے معاملہ میں بہت زیادہ بحث و کرید کرنا، ہر معاملہ میں اپنی دین داری ثابت کرنے کے لیے مسئلہ معلوم کرنا اور جن چیزوں کے بارے میں قرآن و حدیث میں کچھ وارد نہیں ہوا ہے، اسے موضوعِ سخن بنانا ایمان و دیانت کی بات نہیں

ہے، بل کہ شیخی مارنا ہے اور اپنے کو سچا پکا مسلمان ظاہر کرنے کی عبث حرکت ہے، عام طور سے منافقین اس طرح کی باتیں کرتے تھے اور اپنے کو سچا و پکا مومن و مسلم ثابت کرنے کے لیے گھڑی گھڑی ایسے ایسے مسائل دریافت کرتے تھے جو بندوں کی مصلحت کی وجہ سے بیان نہیں کیے، اللہ تعالیٰ کو یہ خود نمائی پسند نہیں ہے اور یہ مومن کا شیوہ نہیں ہے۔

آج کل بھی بہت سے لوگوں کو دین دار بننے کا شوق چرّاتا ہے تو وہ ہر وقت عجیب وغریب قسم کے مسائل میں الجھے رہتے ہیں، حالاں کہ وہ سیدھے سے پانچ وقت کی نماز بھی نہیں پڑھتے، دوسرے دینی و اسلامی کام کیا کریں گے۔

دینی مسائل کو بوقتِ ضرورت معلوم کرنا چاہیے، مگر اس طرح نہیں کہ صرف مسئلہ معلوم کرنے کا شوق پورا ہو جائے اور بس، بل کہ عمل کرنے کے جذبے سے دین کی باتیں معلوم کرنی چاہئیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَاِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ؕ

اے ایمان والو! ایسی چیزوں کے متعلق مت سوال کیا کرو کہ اگر وہ تمہارے لیے بیان کر دی جائیں تو تمہیں بری معلوم ہوں، اور اگر ایسی چیزوں کے بارے میں نزول قرآن کے وقت سوال کرو گے تو تمہارے لیے ظاہر کر دی جائیں گی، اللہ نے ان سے درگزر کیا ہے۔

(پ ۷ ع ۴، سورۂ مائدہ: ۱۰۱)

بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ ایسے ایسے مسائل پوچھتے ہیں، جن کا زندگی میں وہم و گمان بھی نہیں ہوتا، عموماً ایسے مسائل وہی لوگ پوچھا کرتے ہیں، جو صرف ذہنی تفریح کے عادی ہوتے ہیں، اور عملی زندگی سے ان کو بہت کم تعلق ہوتا ہے۔

اور جو لوگ کردار و عمل کے شیدائی ہیں، وہ عمل کی مصروفیت میں اتنی فرصت ہی نہیں پاتے کہ دورانِ کار باتیں دریافت کرتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں بھی بعض بعض لوگ جن کا تعلق منافقت سے ہوتا تھا، بے کار باتیں دریافت کیا کرتے تھے، اور ثابت کرتے تھے کہ ہم لوگ دین کے بڑے شیدائی ہیں، ہر وقت اور ہر معاملہ میں اسلامی تعلیم کا خیال کرتے رہتے ہیں، جہاں تک صحابۂ کرام کا تعلق ہے، ان کے متعلق سارے قرآن میں صرف چند جگہ ہے، جہاں کہا گیا ہے کہ وہ لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں، آپ ان سے فرمادیں۔

ایسے لوگوں کو قرآن حکیم بتا رہا ہے کہ جو کچھ تمھیں بتایا جاتا ہے، اسی پر عمل تمھارے لیے کافی ہے، تمھاری نجات ان ہی پر عمل کرنے سے ہو جائے گی، بہت سے باتیں تم ایسی دریافت کرتے ہو کہ اگر ان کو بیان کر دیا جائے تو تم منہ بگاڑلو گے، اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگو گے، آج کل بھی بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ بلاوجہ نئے نئے مسائل نکال نکال کر پوچھا کرتے ہیں، اور یہ چیز اچھی نہیں ہے، حدیث شریف میں آیا ہے کہ حلال ظاہر ہو چکا ہے، اسی طرح حرام بھی ظاہر ہو چکا ہے، ان دونوں کے درمیان متشابہات ہیں، تم ان سے بچتے رہو۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَاِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝۱۰۱

اے ایمان والو! ایسی چیزیں نہ پوچھا کرو کہ اگر وہ تمھارے لیے ظاہر کر دی جائیں تو تمھیں ناگوار ہوں، اور اگر تم ان کو نزولِ قرآن کے زمانہ میں پوچھو گے تو تم سے ظاہر کر دی جائیں، اللہ نے ان سے درگزر کیا ہے اور اللہ بڑی مغفرت اور بڑا حلم والا ہے۔

(پ ۷ ع ۴، سورۂ مائدہ: ۱۰۱)

بہت سے ایسا کرتے ہیں کہ دنیا کے موٹے موٹے احکام پر عمل کرنے میں کوتاہی کرتے ہیں اور ان سے دور بھاگتے ہیں، مگر دین سے اپنے دل چسپی اور تعلق جتانے کے لیے باریک باریک مسائل پوچھتے رہتے ہیں اور بال کی کھال نکالتے ہیں، ان کو بڑی راحت اور لذت محسوس ہوتی ہے، ایسے لوگ عموماً اپنی بے عملی کو تسلی دینے یا عوام کی نظر میں اچھا بننے کے لیے ایسا کرتے ہیں۔

نزولِ قرآن کے زمانہ میں منافقوں کا یہ رویہ تھا کہ دین کے عام حقائق سے توجہ چراتے تھے مگر اپنی قابلیت کا مظاہرہ کرنے اور دین سے تعلق ظاہر کرنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے طرح طرح کے غیر ضروری سوالات کیا کرتے تھے، مسلمانوں کو ایسا کرنے سے منع فرمایا جارہا ہے کہ یہ بے عمل قوموں کا طریقہ ہے اور اس سے عملی نشاط کم ہوتا ہے اور بات بنانے کا ذوق زیادہ ہوتا ہے۔

واقعہ یہی ہے کہ حلال وحرام کھلے ہوئے ہیں، مشتبہ چیزیں غیر ضروری ہیں، حلال وحرام پر عمل کرنا چاہیے اور شبہ کی چیزوں کو چھوڑ دینا چاہیے، یہی دین داری وایمان داری ہے اور اسلام کا یہی مطالبہ ہے، اللہ تعالیٰ نے جن باتوں کے بارے میں انسانوں کو کوئی خاص ہدایت نہیں فرمائی ہے، ان میں اس کی مصالح ہیں، اور اسی میں انسانوں کے لیے خیر وبرکت ہے کہ وہ ان کے بارے میں خاموش رہ کر ظاہری احکام پر عمل کرتے رہیں، کتنے احکام ایسے ہیں، جن کو کھود کھود کر دریافت کرنے میں ذمہ داری بڑھ جائے گی، اور ان کے بارے میں مسلمان مسئول ٹھہر جاتا ہے۔

پس ہمیں چاہیے کہ عبادات وطاعات اور عقائد ومعاملات میں ہم قرآن وحدیث کے بیان کیے ہوئے احکام پر عمل کریں اور طرح طرح کے سوال وجواب سے پرہیز کریں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَ اِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۰۱﴾

اے ایمان والو! ایسی چیزوں کے بارے میں مت سوال کرو کہ اگر وہ تمہارے لیے ظاہر کردی جائیں تو تم کو بُرا لگے، اور اگر تم نزول قرآن کے وقت ان چیزوں کے بارے سوال کروگے تو تمہارے لیے ظاہر کردی جائیں گی، اللہ نے تم کو ان سے معاف کررکھا ہے، اور اللہ غفور حلیم ہے۔ (پ ۷ ع ۴، سورۂ مائدہ: ۱۰۱)

ایک مرد مومن کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ احکام ونواہی پر عمل کر کے اللہ ورسول کے احکام پر عمل کرے اور اللہ ورسول کے نواہی سے پرہیز کرنے کی دعا کرتا رہے، دین کے معاملہ میں بہت زیادہ بحث وکرید کرنا، ہر معاملہ میں اپنی دین داری ثابت کرنے کے لیے مسئلہ معلوم کرنا اور جن چیزوں کے بارے میں قرآن وحدیث میں کچھ وارد نہیں ہوا ہے، اسے موضوع سخن بنانا ایمان ودیانت کی بات نہیں ہے بل کہ شیخی مارنا ہے اور اپنے کو سچا پکا مسلمان ظاہر کرنے کی عبث حرکت ہے، عام طور سے منافقین اس طرح کی باتیں کرتے تھے اور اپنے کو سچا پکا مومن ومسلم ثابت کرنے کے لیے گھڑی گھڑی ایسے ایسے مسائل دریافت کرتے تھے جو بندوں کی مصلحت کی وجہ سے بیان نہیں کیے گئے، اللہ تعالیٰ کو یہ خود نمائی پسند نہیں ہے، اور یہ مومن کا شیوہ نہیں ہے۔

آج کل بھی بہت سے لوگوں کو دین دار بننے کا شوق چراتا ہے تو وہ ہر وقت عجیب وغریب قسم کے مسائل میں الجھے رہتے ہیں، حالاں کہ وہ سیدھے سے پانچ وقت کی نماز بھی نہیں پڑھتے، دوسرے دینی واسلامی کام کیا کریں گے، دین کے مسائل کو بوقت ضرورت معلوم کرنا چاہیے مگر اس طرح نہیں کہ صرف مسئلہ معلوم کرنے کا شوق پورا ہوجائے اور بس، بل کہ عمل کرنے کے جذبے سے دین کی باتیں معلوم کرنی چاہئیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَ اِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۰۱﴾ قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾

اے ایمان والو! ایسی چیزوں کے متعلق سوال نہ کرو کہ اگر انہیں تمہارے سامنے بیان کردیا جائے تو وہ تمہیں ناگوار معلوم ہوں، اگر ایسی چیزوں کے متعلق نزول قرآن کے وقت دریافت کروگے تو انہیں بیان کردیا جائے گا، اللہ بڑی مغفرت کرنے والا اور بردبار ہے، تم سے پہلے ایک قوم نے ان چیزوں کے متعلق سوال کیا تھا، پھر ان کی وجہ سے وہ کافر ہوگئی۔ (پ ۷ ع ۴، سورۂ مائدہ: ۱۰۱، ۱۰۲)

اسلام کا قوام ٹھوس عقیدوں اور بنیادی کارناموں کے امتزاج سے بنتا ہے، باتیں بنانا، بحث ومناظرہ اور تو تو میں میں کرنا اسلام کی نظر میں عملی قویٰ کے لیے فالج ہیں، انسان جب بے کار باتوں میں پڑ جاتا ہے تو عمل کی قوت اس سے ختم ہوجاتی ہے، خدا نے جن باتوں کو بیان کردیا، ان پر عمل کیے جاؤ، اگر ان پر عمل کروگے تو تمہاری نجات وفلاح کے لیے کافی ہیں، دوسری چیزوں کے متعلق سوال کرنا اور بیان کی ہوئی چیزوں پر نہ عمل کرنا، زوال کی دلیل ہے۔

قرآن حکیم اپنے وقت کے مخاطب لوگوں کو بتارہا ہے کہ تم شک اور تردد سے بالاتر ہوکر اسلام کے ظاہری مسائل پر عمل کرو، اپنی قوت فکریہ اور قوائے عملیہ کا مرکز مضبوط رکھو، اگر دوسری باتیں تلاش کرکر کے پوچھتے رہوگے تو اپنے کو خواہ مخواہ بندش میں مبتلا کروگے، اور پھر اس کے بعد نباہ نہ سکوگے۔

مسلمان غور کریں آج کل روزہ، نماز، حج، زکوٰۃ، اخلاق، محبت، سچائی، دیانت وامانت اور دوسری دینی چیزوں سے کس قدر دور ہیں، مگر ان کا دماغ بے کار مسائل کے لیے

خوب چلتا ہے، روزانہ نئے نئے مسائل پیدا ہوتے ہیں، اور ملاؤں اور عوام تک میں نوک جھونک ہوتی رہتی ہے، اور ایسی ایسی بحثیں سامنے آتی ہیں کہ ان کا دین و دنیا سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، گزشتہ قومیں ان ہی کج بحثیوں میں پڑ کر تباہ ہوگئی ہیں، ان کے حالات سامنے ہیں، مسلمانوں کو عبرت لے کر بات بنانے کے بجائے عمل کرنا چاہیے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَاِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ۭ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۰۱﴾ قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾

اے ایمان والو! ان چیزوں کے متعلق مت سوال کرو، جو کہ تمہارے سامنے ظاہر کردی جائیں تو تم کو بری لگیں، اور اگر تم لوگ ایسی چیزوں کے بارے میں نزولِ قرآن کے وقت دریافت کروگے، تمہارے لیے ظاہر کردی جائیں گی، اللہ بڑی مغفرت کرنے والا اور بردبار ہے، ان چیزوں کو تم سے پہلے ایک قوم نے دریافت کرکے ان کی نافرمانی کی تھی۔ (پ ۷ ع ۴، سورۂ مائدہ: ۱۰۱، ۱۰۲)

ایمان کا تقاضا تو یہ ہے کہ اللہ ورسول نے جن باتوں کا حکم دے دیا، ان کو بجالائیں، اور جن باتوں سے منع کردیا، ان سے باز آجائیں، احکام پر عمل اور نواہی سے اجتناب میں لگ جائیں، اور سمجھیں کہ یہ اللہ ورسول کے معاملات ہیں، وہ ان کی مصالح کو سمجھیں، ہم بندے اور امتی تو اس کے مکلف ہیں کہ ایمان لانے کے بعد جو حکم ہو، اس کی پیروی کریں، اگر کرنا ہے تو کریں، نہیں کرنا ہے تو بچیں، یہ ہے ایمان کا تقاضا، اور ایسے ہی لوگوں کو مومن کا لقب ملتا ہے۔

مگر ان اَربابِ دین ودیانت اور اہلِ عزیمت کے ساتھ ساتھ کچھ لوگ ایسے بھی

ہوتے ہیں، جو عملی اعتبار سے بہت کمزور ہوتے ہیں اور اپنی کمزوری کو ختم کرنے کے بجائے اسے چھپانے کی کوشش کرتے ہیں، ایسے لوگ کام تو بہت ہی کم کرتے ہیں مگر باتیں بہت کرتے ہیں، حتیٰ کہ اللہ ورسول نے جن اشیاء کے بارے میں کچھ نہیں فرمایا، وہ ان کے چکر میں پڑتے ہیں اور جائز وناجائز کی بحث چلاتے ہیں، عہد رسالت میں منافقوں میں یہ مرض بہت تھا کہ وہ کھلی کھلی چیزوں پر عمل کرنے سے جی چراتے تھے، مگر اپنے عیب چھپانے کے لیے بڑی باریک باریک باتیں دریافت کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے مومنو! تم دین پر عمل کرتے رہو اور زیادہ باتوں کو دریافت کرنے کے پھیر میں مت پڑو، سوال وجواب کے نتیجہ میں اگر کوئی چیز تم پر ضروری ہوگئی، جو کسی وجہ سے تمہارے لیے مفید نہ ہو یا اس سے تم خفگی محسوس کرو تو اچھی بات نہ ہوگی، تم سے پہلے یہود ونصاریٰ نے اسی طرح کئی باتیں دریافت کیں اور جب ان کا حکم معلوم ہوگیا تو وہ نہ نباہ سکے اور طرح طرح کے گناہوں میں مبتلا ہوئے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَ اِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝۱۰۱ قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ۝۱۰۲

اے مومنو! ایسی چیزوں کے متعلق سوال مت کیا کرو، اگر تمہارے لیے ظاہر کردی جائیں تو تمہیں بری معلوم ہونے لگیں، اگر نزول قرآن کے وقت ان کا سوال کرو گے تو ان کو ظاہر کردیا جائے گا، اللہ نے ان سے درگزر فرمایا ہے، اور اللہ غفور حلیم ہے۔ تم سے پہلے ایک قوم نے ان چیزوں کو دریافت کیا تھا، پھر وہ ان کے سلسلہ میں کافر ہوگئے۔

(پ ۷ ع ۴، سورۂ مائدہ: ۱۰۱، ۱۰۲)

بات بات میں کنہ نکالنا اور بال کی کھال کھینچنا اور سوچ سوچ کر نئے نئے سوالات کرنا، ان دنوں اور دماغوں کی اپج ہوتی ہے، جن میں عمل و کردار کی سکت نہیں ہوتی، اور بات بنانے کے علاوہ ان سے کچھ نہیں ہوسکتا، دنیا میں ایسے شل دل و دماغ ہمیشہ سے رہا کیے ہیں، جو سوائے بات کرنے کے اور کچھ نہ کرسکے۔

دعوت و تبلیغ کی راہ میں ایسے لوگ ہمیشہ آڑے آئے ہیں، اور انبیاء و رسل کے مقابلہ میں پیش پیش رہے ہیں، عموماً ایسے لوگ اپنی بدعملی و بے علمی چھپانے کے لیے اور عوام پر یہ بات ظاہر کرنے کے لیے کہ وہ بہت ہی محقق و باعمل لوگ ہیں، ایسا کیا کرتے ہیں، چنان چہ قرآن حکیم نے گزشتہ قوموں کے ایسے لوگوں کا ذکر فرما کر مسلمانوں سے کہا ہے کہ تم بھی اس مرض میں مبتلا نہ ہونا، جو کچھ ظاہر ہوچکا ہے، اس پر عمل کرو، اور اگر اس پر ہی پورے طور سے عمل کروگے تو تمہاری نجات کے لیے یہ بات کافی ہوگی۔

بہت سی ایسی باتیں ہیں، جن کے بارے میں تم خطرہ محسوس کرتے ہو کہ ہم ان کے لیے کیا کریں تو جب تک تم اللہ و رسول کی رضا پر راضی رہتے ہوئے ان معاملات کو اپنی عقلی جولان گاہ کا مرکز نہیں بناؤگے، اس وقت تک تم سے کوئی مطالبہ یا مواخذہ نہیں ہوگا، البتہ تم قرآن حکیم کے نزول اور شریعت کی تکمیل کے دوران اس قسم کی باتوں کا سوال کروگے تو ان کی تصریح کردی جائے گی، جسے تمہاری ذہنی عیاشی برداشت نہیں کرسکے گی، اور تم اس پر عمل نہیں کروگے، گزشتہ قوموں نے ایسا غلط کام کیا ہے، اور وہ اس وجہ سے تباہ و برباد ہوچکی ہیں۔

بہت سے لوگ آج کل بھی عمل تو بہت کم کرتے ہیں، مگر مسئلہ بگھارنے میں بہت آگے ہوتے ہیں، اور بات بات پر بال کی کھال نکالتے ہیں، جہاں کسی پڑھے لکھے سے ملاقات ہوئی کہ قسم قسم کے مسائل دریافت کرنے شروع کردیئے، یہ بہت بری عادت ہے، عمل زیادہ کرو اور سوال کم کرو، یہی اسلامی زندگی کا صحیح معیار ہے، اسی معیار پر مومن کی زندگی

گزرنی چاہیے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ اِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَ لَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۴﴾

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کے نازل کیے ہوئے احکام اور رسول کی طرف آؤ، تو کہتے ہیں ہمیں وہی سنت کافی ہے، جس پر ہم نے اپنے آباء واجداد کو پایا ہے، کیا ان کے آباء کچھ نہیں جانتے تھے؟ اور وہ ہدایت یاب نہ تھے؟ (پ ۷ ع ۴، سورۂ مائدہ: ۱۰۴)

حق وباطل کی کش مکش کے روز اول سے آج تک جمود وانکار کا سب سے بڑا محور یہی رہا ہے کہ یہ صدیوں سے جانی پہچانی حقیقتیں بھلا کیوں کر غلط ہوسکتی ہیں، پہلے زمانہ کے بڑے بڑے لوگ ان ہی راہوں پر چلتے آئے ہیں، کیا ان کی آنکھ اندھی تھی، کیا ان کے کان بہرے تھے؟ کیا ان کا احساس شل ہو چکا تھا کہ وہ حقیقت حال کی تہ تک نہ پہونچ سکے، اور آج ان تمام پرانی قدروں کو غلط ثابت کرکے ہمیں نئے افکار وخیالات سے روشناس کرایا جارہا ہے، نئے اعمال وکردار کی ہم پر ذمہ داری ڈالی جارہی ہے، قرآن حکیم کے اندر انبیاء اور ان کی امتوں کے واقعات پڑھے جاؤ اور ایک ایک قوم کے استدلال کو دیکھے جاؤ، جسے اس نے اپنے نبی کے مقابلہ میں استعمال کیا ہے تو تمہیں معلوم ہوجائے گا کہ حق وصداقت کے انکار کا اصلی سرچشمہ رجال پرستی کے وہ جراثیم ہیں، جو انسانی صلاحیت کو چاٹ چاٹ کر ختم کردیتے ہیں۔

آج حق وحقانیت کے انکار کے لیے یہی جذبۂ قدامت پرستی مختلف شکلوں میں نمایاں ہوتا ہے، جہاں کوئی اسلامی حکم سناؤ، اس کے جواب میں فوراً سن لو کہ اب تک تو اس طرح نہیں ہوتا آیا ہے، اسی لیے قرآن حکیم نے انسان کے دل سے ان تمام چیزوں کی ہیبت

نکال دی، جس سے وہ مرعوب ہو کر حقانیت کا منکر ہوتا ہے، اس نے کہا اللہ اور اس کے رسول اور ارباب دین و دیانت کو حجت بناؤ اور ان کی اتباع کرو، کسی نسل کا قول، کسی خاندان کا عمل، کسی جماعت کے افعال، کسی فرد کی حرکت دین کے مقابلہ میں نہ حجت ہے اور نہ اس کا پیش کرنا درست ہے۔

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ اِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَ لَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّ لَا يَهْتَدُوْنَ ۝۱۰۴

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو اللہ کے نازل کیا ہے، اس کی طرف رسول کی طرف تو وہ کہتے ہیں ہمارے لیے کافی ہے وہ چیز جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے، ان کے آباء واجداد کچھ بھی نہیں جانتے تھے؟ اور ہدایت یاب نہیں تھے؟ (پ ۷ ع ۴، سورۂ مائدہ: ۱۰۴)

قوم و نسل کی پرستش اور قبیلہ و جماعت کی پوجا قدیم زمانہ سے مختلف طریقوں سے رہا کی ہے اور گمراہی و ضلالت کے دور میں جو بھی رشد و ہدایت کی تحریک چلی ہے، یہ کہہ کر نہیں مانا گیا کہ یہ باتیں ہماری خاندانی روایات اور قومی اَعمال کے خلاف ہیں، وہ اپنے آباء واجداد کی رسموں کو چھوڑ کر نئے لوگوں کی بات ماننے کے لیے تیار نہیں، پُرانے لوگوں میں عقل و دانش کی کمی نہ تھی اور وہ جاہل و نادان نہ تھے کہ ان نئے لوگوں کی وجہ سے ہم اپنے ان پُرانے لوگوں کی روایات کو چھوڑ دیں، ہمارے آباء اجداد بھی بہت کچھ جانتے تھے، ان کے پاس بھی علوم و فنون تھے، وہ بھی مستقل تہذیب و تمدن رکھتے تھے، ان کے بھی بلند نظریات و خیالات تھے، پس ان کے ان عظیم الشان کارناموں کو ہم نہیں جانتے؟ چنان چہ کفار و مشرکین کو جب اللہ و رسول کی طرف آنے کی دعوت دی جاتی تھی تو وہ اپنے آباء واجداد کا سہارا لیتے تھے اور خدا اور رسول کے مقابلے میں خاندان کے بڑوں کو مانتے تھے۔

نسل پرستی، قوم پرستی اور اجداد پرستی کا یہی ورثہ ہمارے مہذب زمانہ میں دوسرے لوگوں میں رونما ہوا ہے اور اب سیاست وحکومت یہ کام کرتی ہے، آج زبان سے ترقی کا اقرار کیا جاتا ہے مگر قبائلی روایات اور نسلی خصوصیات کی بحالی و برقراری کے کھلے کھلے حقائق کا صاف انکار کر دیا جاتا ہے، قرآن حکیم کہتا ہے کہ اللہ و رسول کے مقابلہ میں ہر قسم کی نسل پرستی حرام ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ اِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَ لَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۴﴾

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس چیز کی طرف آؤ، جسے اللہ نے اتارا ہے، اور رسول کی طرف آؤ، تو کہتے ہیں ہمارے لیے وہی چیز کافی ہے، جس پر ہم نے اپنے آباء و اجداد کو پایا ہے، کیا ان کے آباء کچھ نہیں سمجھتے تھے؟ اور ہدایت یاب نہیں تھے؟

(پ ۷ ع ۴، سورۂ مائدہ: ۱۰۴)

یہ صحیح ہے کہ زمانہ کے ساتھ ذہنیتیں بھی بدلتی ہیں، سوچنے اور غور کرنے کے طریقے بھی بدلتے ہیں اور عقل و شعور کے لیے نئی نئی راہیں سامنے آتی ہیں، جن پر انسان کا مزاج چلتا ہے، مگر ایسے صحیح یا غلط مسلمات بھی ضرور ہوتے ہیں، جو احوال و ظروف کے تغیر سے متغیر نہیں ہوتے۔

قرآن نے جن جن قوموں کے جمود و انکار کی داستان سنائی ہے، ان میں حق کے مقابلے میں باطل میں یہ دلیل عموماً ملتی ہے کہ ہم اپنے باپ دادا کی رسم و رواج کو غلط قرار دے کر ان باتوں کو نہیں مان سکتے۔

بعینہٖ یہی دلیل آج بھی پیش کی جاتی ہے، آپ کوئی اصلاحی قدم اٹھا کر دیکھ لیں،

معمولی لوگ صاف صاف کہتے ہیں اور اُونچے لوگ ذرا دوسرے رنگ سے بات کرتے ہیں، لیکن اگر آپ کلام کا تجزیہ کریں تو جڑ میں یہی حقیقت ملے گی۔

پس جس طرح گزشتہ قومیں حق وصداقت کے مقابلے میں یہ جواب دے کر خداوندی سزاؤں کی سزاوار ٹھہریں اوران پر خدائی قہروغضب کی بارش ہوئی، اسی طرح آج بھی اس بات کے کہنے کا وبال ملے گا، اور ملتا ہے، یہ دوسری بات ہے کہ وبال اور سزا کی نوعیت بدلی ہوئی ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ اِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَ لَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۴﴾

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اس چیز کی طرف جسے اللہ نے نازل کیا، اور رسول کی طرف، تو وہ کہتے ہیں ہم کو وہی کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا، کیا ان کے آباء واجداد کچھ نہیں جانتے تھے؟ اور ہدایت یاب نہیں تھے؟ (پ ۷ ع ۴، سورۂ مائدہ: ۱۰۴)

انسانی زندگی کے ہر دور میں تلخ حقیقت ہمیشہ نمایاں رہی ہے کہ جب انسانوں کو رُشد وہدایت کی باتیں سنائی جاتی ہیں اور اچھی زندگی بسر کرنے اور اچھی موت مرنے کی دعوت دی جاتی ہے تو اس کے قبول کرنے کے بجائے نہایت گری پڑی باتیں کرتے ہیں، اور حتی الامکان بات بنانے سے نہیں چوکتے، دعوت انسانی کی تاریخ کے ہر دور میں یہ چیز نظر آتی ہے کہ جب مصلحوں اور خیر خواہوں نے گمراہ انسانوں کو راہ راست کی دعوت دی ہے، تو اس کے جواب میں اکثر وبیشتر جاہلوں اور مشرکوں نے یہی کہا ہے کہ ہماری یہ آبائی زندگی، یہ نسل اور خاندانی تہذیب، ملکی اور قومی ثقافت کیا خراب ہے، جو ہم اپنے اس آبائی اور قومی ورثہ کو چھوڑ کر تمہاری نئی بات کو تسلیم کریں؟ کیا ہمارے باپ دادا جاہل تھے؟ کیا ان کے اندر علم وفن

کا زور نہیں تھا؟ کیا ان کی تہذیب کسی سے کم تھی؟ ان کے پاس فنون لطیفہ، آرٹ اور علوم کی کثرت نہ تھی؟

چوں کہ دعوت الٰہی کے مقابلہ میں مادی زندگی بسر کرنے والوں کا جواب اسی قسم کا ہوتا ہے، اس لیے آج بھی دینی وروحانی اور مذہبی واخلاقی تعلیمات کے مقابلہ میں مادہ پرستوں کی یہی باتیں ہیں اور اب ان جاہلی اور وحشی باتوں کو قومی وسیاسی، وطنی اور ملکی سطح پر لاکر بیان کیا جاتا ہے، کسی کو وادیٔ نیل کی تہذیب پر غرور ہے، کوئی آذران کی تہذیب کا شیدائی ہے، کوئی وادیٔ گنگا کے کلچر پر فریفتہ ہے، کوئی موہنجودارو کے کلچر کا نام لیتا ہے، اس طرح ہر قوم اور ہر وطن جاہلوں اور تصورات وخیالات اور قدیم روایات وحکایات کو آج بھی زندہ رکھے ہوئے ہے اور بری طرح مادیت میں مبتلا ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ اِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَ لَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّ لَا يَهْتَدُوْنَ ۝۱۰۴

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس کے نازل کیے ہوئی دین کی طرف اور رسول کی طرف آؤ، تو وہ کہتے ہیں کہ ہمارے لیے وہی کافی ہے، جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے، پس ان کے باپ دادا کچھ نہیں جانتے تھے اور ہدایت پر نہیں تھے۔

(پ ۷ ع ۴، سورۂ مائدہ: ۱۰۴)

یہاں پر ان کفار ومشرکین کا تذکرہ ہورہا ہے، جن کو اللہ کے رسول توحید کی دعوت دیتے تھے، اور ان کو پرانے اوہام وخیالات کو ترک کرکے دین وایمان کی راہ پر چلنے کی ہدایت کرتے تھے، حضرات انبیاء ورسل کی اس دعوت پر کفار ومشرکین بڑے فخریہ اور اطمینان بخش انداز میں جواب دیتے تھے کہ ہم اپنے پرکھا پروج کی رسموں کو نہیں چھوڑ سکتے،

اور اپنے قومی و وطنی افکار و خیالات کے پرانے ڈھانچے ہی میں اپنے افکار و خیالات کو بھی ڈھالیں گے، ہمارے آباء واجداد اور پُرکھا پُروج کیا جاہل اور نادان تھے؟ اور کیا وہ غلط راستہ پر چلتے تھے کہ ہم ان کو چھوڑ کر توحید ورسالت کو قبول کریں، ہمیں تو ہمارے باپ دادا اور ان کے رسوم ورواج ہی ہمیں پیارے معلوم ہوتے ہیں، اس لیے ہمارے لیے آپ کی دعوت اصلاح وتبلیغ میں کوئی جاذبیت نظر نہیں آتی، بعینہٖ یہی حال آج مغرب کی شاگردی میں مشرقی ممالک کا ہورہا ہے، حتیٰ کہ مسلمان حکومتوں میں یہی مشرکانہ ذہنیت کام کررہی ہے کہ آباء پرستی کے جاہلی غرور پر حکومت کی بنیاد استوار کی جاتی ہے، اور ہر ملک اپنے قدیم جاہلی خیالات پر شرمانے کے بجائے فخر کرتا ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ اِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَ لَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۴﴾

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو نازل کیا ہے اس کی طرف اور رسول کی طرف آؤ، تو وہ کہتے ہیں کہ ہمارے لیے وہی کافی ہے جس پر ہم نے آباء واجداد کو پایا، کیا ان کے باپ دادا کچھ بھی نہیں جانتے تھے؟ اور کیا وہ ہدایت پر نہیں تھے؟ (پ ۷ ع ۴، سورۂ مائدہ: ۱۰۴)

شخصیت پرستی دنیا کا قدیم ترین شیوہ ہے، اور اس میں آباء پرستی بہت ہی نمایاں چیز ہے، اس کی وجہ سے انسانیت نے ہمیشہ مار کھائی ہے، اور انسانوں نے اپنی گراوٹ کے لیے اس کو ہر زمانہ میں استعمال کیا ہے، چنان چہ جب بھی رُشد وہدایت کی راہ نمودار ہوئی اور گمراہیوں کو اس پر چلنے کی دعوت دی گئی تو انھوں نے یہی کہا کہ ہم اپنے باپ دادا کی راہ کیسے چھوڑ دیں، کیا وہ بے وقوف تھے، اور کیا وہ کچھ نہیں جانتے تھے، یہی کہنا ان کی کافرانہ زندگی کے لیے سب سے بڑی دلیل تھا، اور اسی کو کہہ کر وہ کفر وشرک کی زندگی میں مگن رہتے تھے، آج

بھی یہی آباء پرستی جاری ہے اور پہلے جماعتیں اور افراد یہ کام کرتے تھے اور اب حکومتیں یہ کام کررہی ہیں، قدیم کلچر کے نام پر، قومی ورثہ کے نام پر اور پرانی تہذیب کے نام پر ہر برائی اور بے حیائی کو نہایت فخر کے ساتھ انگیز کیا جاتا ہے، اور بین الاقوامی سطح پر اس کی اشاعت کی جاتی ہے اور ہر جگہ اسے احترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے، اپنے باپ دادا کی بیہودگیوں پر پرانے زمانے میں جو کچھ کیا گیا ہے، آج اس سے کہیں زیادہ کیا جارہا ہے اور بڑی بات یہ ہے کہ اسے کوئی غلط چیز کہنے کی جرأت نہیں کررہا ہے بلکہ سب سے نزدیک یہ بہت اچھی بات ہے، غور کرنے کی بات ہے کہ اس پوری دنیا کے ذہن کس قدر خراب وخستہ ہو چکا ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ اِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَ لَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۴﴾

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم لوگ اللہ کے نازل کیے ہوئے احکام کی طرف اور رسول کی طرف آؤ تو وہ کہتے ہیں کہ ہمارے لیے وہی کافی ہے، جس پر ہم نے اپنے آباء واجداد کو پایا ہے، کیا ان کے آباء واجداد کچھ نہیں سمجھتے تھے اور ہدایت پر نہیں تھے؟

(پ ۷ ع ۴، سورۂ مائدہ: ۱۰۴)

آباء پرستی، نسل پرستی اور شخصیت پرستی نے دنیا کو ہمیشہ شدید نقصان پہونچایا ہے اور انسان اس قباحت کی وجہ سے بہت سی خوبیوں سے محروم رہا ہے، تاریخ انسانی کا یہ المیہ آج بھی موجود ہے، بل کہ آج تو اسے سیاسی، ملکی اور سرکاری سرپرستی حاصل ہوگئی ہے، اور نسل ملک کی تنگ وادی میں آج کا بلند فکر گھر کر محرومی سے دوچار ہے، یہ ذہنیت بہت پرانی ہے اور مختلف دور میں مختلف روپ میں نمایاں ہوتی رہتی ہے۔

ابتدا میں براہِ راست باپ دادا کے رسم ورواج کے نام پر ظاہر ہوتی تھی، بعد میں

قدیم تہذیب، ملکی ثقافت اور وطنی کلچر کے نام پر اس کا ظہور ہونے لگا، قرآن حکیم نے پہلے زمانہ کے نامرادوں، گمراہوں اور کافروں کی اس ذہنیت کو جس انداز میں بیان کیا ہے، وہ نہایت واضح طور ہے، بعد میں اسی کو الفاظ ومحاورات کے پردے میں استعمال کیا جانے لگا، قرآن حکیم نے کفار ومشرکین کے یہ تاثرات رشد وہدایت کے مقابلہ میں اس لیے بیان کیے ہیں کہ مسلمان اس سے دور رہ کر باپ دادا کی رسم اور خاندانی رواج کو اللہ ورسول کے مقابلہ میں نہ لائیں، اور جب اللہ ورسول کا معاملہ آجائے تو اس وقت سب کچھ چھوڑ کر آمنا صدقنا کہیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ اِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَ لَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۴﴾

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو اللہ نے نازل کیا ہے، اس کی طرف آؤ، اور رسول کی طرف آؤ تو وہ کہتے ہیں کہ ہمارے لیے وہی کافی ہے، جس پر ہم نے اپنے آباء واجداد کو پایا ہے، کیا ان کے آباء کچھ نہیں سمجھتے تھے اور ہدایت یاب نہیں تھے؟

(پ ۷ ع ۴، سورۂ مائدہ: ۱۰۴)

اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو اتنی عقل تو ضرور ہی دی ہے، جس سے وہ سیاہ وسفید، نافع ومضر، اچھا، خراب سمجھ سکے، اور اپنی زندگی کو بسر کرنے کے طریقوں کو استعمال کر کے اسے کامیابی کی راہ پر لے جا سکے، کتنا ہی بے عقل آدمی ہو مگر وہ ان موٹی موٹی باتوں کو ضرور جانتا ہے اور ان کے مطابق عمل کرتا ہے، آدمی روزگار کے تناظر میں خوب سمجھتا ہے کہ کل کس کام میں فائدہ تھا اور آج کس کام میں فائدہ ہے، کل ہمارے باپ دادا کس طرح سے اپنے زمانہ کے حالات کے مطابق زندگی بسر کرتے تھے، اور آج ہمیں اپنے زمانہ اور حالات میں کس طرح کی زندگی بسر کرنی چاہیے، اور اس

کے لیے کیا جدوجہد کرنی چاہیے، مگر یہی آدمی جب اپنی مادی زندگی کے معاملات سے ہٹ کر روحانی اور دینی زندگی کے معاملات پر نظر دوڑاتا ہے وہ عام طور سے وہ اپنے آباء واجداد کے خیالات واعمال سے آگے نہیں بڑھتا، اور ہادیوں اور مصلحوں کے مقابلے میں کہہ دیتا ہے کہ ہمیں تمہاری ان نئی نئی باتوں کی ضرورت نہیں ہے، ہمارے لیے تو ہمارے باپ دادا کے معتقدات واعمال کافی ہیں، کیا ہمارے نسل اور خاندان کے لوگ علم ودانش والے نہ تھے، اور کیا ہمارے گھرانے کے لوگوں نے جو کچھ کہا اور کیا ہے وہ سب جہل ونادانی کی بناء پر تھا۔

نسل پرستی اور قدامت پسندی نے ہمیشہ واقعات وحقائق کا انکار کر کے اپنی جہالت پسندی کا ثبوت دیا ہے، کل تک قبائل اور اقوام یہ کام کرتی تھیں اور آج حکومتیں اور ان کی سیاست یہ کام کررہی ہے، یہی وجہ ہے کہ جس طرح قدیم قومیں یہ حرکت کر کے تباہ ہوئیں اسی طرح آج کی حکومتیں سکون واطمینان کی ہر نعمت سے محروم ہیں، اور سب کچھ ہونے کے باوجود کچھ نہیں ہیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ اِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَ لَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۴﴾

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس کی طرف آؤ، جو اللہ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے، اور رسول کی طرف آؤ تو کہتے ہیں ہمارے لیے کافی ہے، وہ جس پر ہم نے اپنے آباء واجداد کو پایا ہے، کیا ان کے آباء واجداد کچھ بھی نہیں جانتے تھے اور وہ ہدایت پر نہ تھے؟

(پ ۷ ع ۴، سورۂ مائدہ: ۱۰۴)

نسل پرستی، شخصیت پرستی اور اجداد پرستی جاہل دنیا کا ہمیشہ سے دستور رہا ہے، یہ کچھ آج ہی کی چیز نہیں ہے، جو ہر ملک میں اور ہر قوم میں چل رہی ہے اور ہر ایک ملک اور

ہرایک قوم اپنے وحشی تمدن، جاہلی خیالات، قدیم اطوار اور پُرانے طور طریقے کو اپنا آبائی کلچر کہہ کر ان کو اجاگر کرتے ہیں، لذت محسوس کرر ہی ہے، یہ آج ہی بات نہیں ہے اور نہ موجودہ دور سیاست کی پیداوار ہے، بل کہ یہ دنیا کا بہت ہی قدیم جاہلی ورثہ ہے، جسے کفار ومشرکین نے اَنبیاء ورُسل کی دعوت کے مقابلہ میں استعمال کیا ہے، اور توحید ورسالت کی آواز کے مقابلہ میں آباء پرستی کا نعرہ بلند کیا ہے، اور صاف صاف کہا ہے کہ ہم توحید ورسالت کو کیا جانیں؟ ہمارے ملک اور ہماری قوم کے پرانے لوگ بڑے بوڑھے جو کام کرتے تھے، ہم بھی وہی کام کریں گے، اپنے وطن اور اپنی قوم کا ساتھ دیں گے اور غیر قوم اور غیر وطن کے آدمی کی باتوں کو نہیں مانیں گے، ہم حق وناحق نہیں جانتے، بل کہ صرف یہ جانتے ہیں کہ وطنیت اور قومیت ہمارا دین وایمان ہے، اور ہم اپنے باپ دادا کی راہ سے ہٹ نہیں سکتے۔

قدیم دنیا کا یہ نعرہ آج بھی سیاست کے نئے رنگ میں بلند ہو رہا ہے، ہندوستان اپنے بھارتی کلچر کے چکر میں پڑ کر پُرکھا پُروج مزاج واپس لانا چاہتا ہے، مصر اپنے فرعون اور اسپین اور اہرام۔۔۔کے بتوں کے احترام میں آباء پرستی کا مظاہرہ کر رہا ہے، عراق اپنے۔۔تمدن وخیالات کے چکر میں ہے، ایران کو مجوسی زندگی کے دن یاد آرہے ہیں، پاکستان وادیٔ سندھ کی تہذیب پر اترا رہا ہے۔

غرض کہ اب سے پچاس سال پہلے یورپ نے جو سبق پڑھایا تھا، اسے مشرق کے ممالک اب تک رٹ رہے ہیں اور حقائق کے مقابلہ میں آباء پرستی کی لغویت میں مبتلا ہیں، یہ فکر وذہن قرآن اور اسلام کے سراسر خلاف ہے، اس میں آفاقیت نہیں، علاقائیت ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ اِذَا قِیْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰی مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ اِلَی الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَیْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَ لَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ شَیْـًٔا وَّ لَا یَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۴﴾

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم لوگ اس دین کی طرف آؤ، جسے اللہ نے نازل کیا ہے اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف، تو وہ کہتے ہیں کہ جس دین پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے، وہی ہمارے لیے کافی ہے، کیا ان کے باپ دادا کچھ نہیں جانتے تھے اور ہدایت یاب نہیں تھے؟ (پ ۷ ع ۴، سورۂ مائدہ: ۱۰۴)

وطن پرستی، نسل پرستی اور ماضی پرستی کچھ آج ہی کی سیاست کی پیداوار نہیں ہے، بل کہ جب سے انسان نے اس زمین پر آنکھ کھولی، یہ گراوٹ اس کے اندر آ گئی اور وہ اس میں گھر کر آفاقیت و ہمہ گیری کی نعمت سے محروم ہو گیا، اس ذہن و مزاج کے لوگوں کا حال اس قدر خراب رہا کہ جب بھی ان کو حقائق کی دعوت دی گئی، انھوں نے اس تنگ نظری کی وجہ سے اسے ٹھکرا دیا، چنان چہ قرآن حکیم نے اس گروہ کا حال بیان کیا ہے۔

ان کی پست ہمتی، تنگ نظری اور خاندان پرستی کو ان کے حق میں مضر بتایا ہے، دور جاہلیت کی یہی تنگ نظری آج کے دور میں ہر طرف عام ہے اور ہر ملک اور ہر قوم میں اس کی ترویج و اشاعت ہو رہی ہے، اپنی گزشتہ تاریخ کے مکروہ ترین حالات و واقعات اور بدترین اشخاص و افراد کو اپنا پیشوا اور اپنا قومی نمونہ بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔

قدیم کلچر کی لعنت نے جدید ذہن و فکر کو عجیب الجھن میں ڈال دیا ہے، ایک طرف جدت کی دعوت دی جاتی ہے، دوسری طرف قدیم اور وحشی ذہن و فکر اور تہذیب و تمدن کی طرف بلایا جاتا ہے، حالاں کہ ان قدیم خرابیوں پر فخر انسانیت کے حق میں زہر ہلاہل ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ اِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَ لَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۴﴾

اور جب ان سے کہا جاتا ہے اللہ نے جو کچھ نازل کیا ہے کہ اس کی طرف اور رسول کی

طرف آؤ تو وہ کہتے ہیں کہ ہمارے لیے وہی کافی ہے، جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے، کیا ان کے باپ دادا کچھ نہیں سمجھتے تھے؟ اور ہدایت پر نہ تھے؟ (پ ۷ ع ۴، سورۂ مائدہ: ۱۰۴)

شخصیت پرستی، نسل پرستی، خاندان پرستی اور قوم پرستی دنیا کے پُرانے اَمراض ہیں، اور ان مرضوں نے ہمیشہ سے انسان کو بیمار کیا ہے، بہت سے معالج آئے مگر بیماروں نے اس مرض سے نجات حاصل کرنے کے بجائے کوشش کی ہے کہ اپنے دل و دماغ اور فکر و ذہن پر اسی کو مسلط کریں، حتیٰ کہ اس زمانہ میں یہ امراض قومیت و وطنیت کے قالب میں دنیا کی قوموں میں رچ گئے ہیں اور ہر قوم اپنی سیاست و حکومت کی بنیاد پر اس مہلک بیماری میں رہتی ہے، جسے نسل پرستی، قوم پرستی اور شخصیت پرستی کہتے ہیں۔

البتہ اپنے دھوکہ دینے کے لیے ان مہلکات کے نام بدل دیتے ہیں، اور کلچر، ثقافت، تمدن یا تہذیب اور فنون لطیفہ جیسے شان دار الفاظ وضع کیے ہیں، تا کہ ان قدیم اَمراض کو جدید سیاسی اور قومی رنگ میں پیش کر کے اپنی روشن خیالی کو بھی باقی رکھیں اور آباء پرستی کی قدامت پسندی بھی باقی رہے، جن لوگوں کے یہاں سے نسل پرستی اور قوم پرستی یہ متعدی بیماری پھیلی ہے، ان کے بارے میں بتایا جا رہا ہے کہ ان میں حقیقت پسندی نہیں ہوتی ہے اور وہ جب حقائق کی روشنی میں لائے جاتے ہیں تو نسل پرستی کی ظلمت میں بھاگ کر پناہ لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے باپ دادا کے زمانے سے یہی ہوتا آیا ہے، اگر ہم ان باتوں کو چھوڑ دیں اور دوسروں کی باتیں مان لیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم اپنے آباء واجداد کو جاہل اور گمراہ قرار دیں اور ان کی غلطی نکال کر اپنی قومی تاریخ کو زخمی کریں، اس لیے ہم کسی بات کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں، آج کل بھی یہی ذہن قوموں اور حکومتوں میں کام کر رہا ہے مگر اس کی تعبیر دوسرے انداز میں ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ؕ

اے ایمان والو! تم اپنے کو بچاؤ، جب تم ہدایت یاب ہو چکے ہو تو پھر تمھیں وہ شخص ضرر نہ پہونچانے پائے، جو خود گمراہ ہو گیا ہے۔ (پ ۷ ع ۴، سورۂ مائدہ: ۱۰۵)

گمراہی بجائے خود بہت ہی بری چیز ہے اور اس کے آنے کے بعد انسان اپنا سب کچھ کھو دیتا ہے، مگر سب سے خطرناک اور تباہ کن گمراہی یہ ہے کہ انسان ہدایت یاب ہونے کے بعد پھر گمراہ ہو جائے، اسی لیے قرآن حکیم اس گمراہی سے خبردار فرما رہا ہے، جو ہدایت کے بعد آجاتی ہے اور محرومی و بدنصیبی کا یہ حال ان لوگوں میں پایا جاتا ہے، جو اپنی ہدایت یافتہ زندگی کی حفاظت نہیں کرتے، اور دین وایمان کے بعد دین وایمان کے تقاضوں پر عمل نہیں کرتے، بل کہ لاپرواہی اور غفلت میں پڑ کر اپنا دین وایمان کھو بیٹھتے ہیں، ایسے غافل اور بے عمل لوگوں کو بڑی آسانی سے ضال و مضل گمراہ کر لیتے ہیں اور اپنے دام میں پھنسا کر کافرانہ ماحول میں لے جاتے ہیں، اس لیے قرآن حکیم نے خاص طور سے مسلمانوں کو ایسے خبردار کیا ہے، جو ان کو کسی بھی راہ سے گمراہ کر سکتا ہے، کیوں کہ مسلمان کو گمراہ کرنے کے لیے دوسرے تمام اَدیان و ملل کے اَفراد حریص ہوتے ہیں اور ان کی سب سے بڑی کامیابی یہ ہے کہ کسی مسلمان کو اس کے صحیح خیالات سے پھیر دیں، اس لیے وہ بڑی حسین چالیں چلتے ہیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ؕ

اے ایمان والو! تم اپنی جانوں کو بچاؤ، جب تم ہدایت یاب ہو جاؤ تو پھر جو گمراہ ہو گیا ہے، وہ تمھیں ضرر نہ پہونچا سکے۔ (پ ۷ ع ۴، سورۂ مائدہ: ۱۰۵)

دین وایمان کی دولت بہت ہی قابل حفاظت ہے اور اس کی قدر و قیمت اس قابل ہے کہ اسے دل وجان سے محفوظ کیا جائے اور ہر قسم کے خطروں اور خدشوں سے بچایا جائے،

یہ دولت ایمانی اس لیے اور بھی قابل حفاظت ہے کہ شیطانی طاقتیں ہر طرف سے اس کی تاک میں ہر وقت رہا کرتی ہیں، شیطانوں کے گروہ مختلف روپ میں اہل ایمان کے پاس آتے ہیں اور ان کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

چنان چہ آج کل بھی یہ صورت حال جاری ہے اور بہت سے انسان نما شیطان دین وایمان کی متاع گراں مایہ پر مختلف طریقوں سے ڈاکہ ڈالتے ہیں، اگر آپ غور کریں تو معلوم ہو کہ سیاست کے نام پر خاص طور سے مسلمانوں کے دین وایمان کو لوٹنے کے لیے ان ہی کے چور اور ڈاکو بھیس بدل کر کس کس رنگ میں آتے ہیں اور مسلمانوں کو کس طرح پھنساتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے ایمان والو! تم ہوشیار رہو اور گمراہوں سے چوکنے رہو، اور ایمان کی دولت پانے کے بعد ان لٹیروں کی لوٹ سے بچو، ان کے ضرر سے بھی بچو کہ ان کا ضرر بھی دین وایمان کے لیے بڑا ہی مہلک ہوتا ہے۔

مسلمان اس بات کو خاص طور سے سمجھیں اور آج کل کے ایمان بگاڑ ملاؤں کی طرح بل کہ ان سے زیادہ ان مسٹروں سے ڈریں، جو دین وایمان کے نام پر مسلمانوں میں بد دینی پھیلاتے ہیں اور اسلام کی روح ان سے ختم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ۭ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

اے ایمان والو! تم اپنی جانوں کی حفاظت کرو، جب تم ہدایت یاب ہو جاؤ، تمہیں وہ شخص ضرر نہ پہونچائے گا، جو گمراہ ہو گیا ہے، تم سب کو اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے، پس وہ تمہارے کاموں کی خبر دے گا۔ (پ ۷ ع ۴، سورۂ مائدہ: ۱۰۵)

ایمان بڑی دولت ہے اور اس کے لیے چور ڈاکو بھی بہت ہیں، جن کے بھیس بہت

مختلف ہوتے ہیں، اس لیے جن کو اللہ تعالیٰ نے رشد وہدایت اور ایمان کی دولت دی ہے، انھیں بہت چوکنا رہنا چاہیے، ورنہ ایمان وہدایت کے چور ڈاکو گھات میں پڑے ہیں، جہاں ذرا موقع ملا کہ انھوں نے اپنا کام کیا، عہد رسالت میں مسلمانوں کو گمراہی کی طرف لانے کی کوشش کرنے والے عام طور پر منافقین ہوا کرتے تھے، اور اب مسلمانوں کے یہ دین وایمان والے قسم قسم کے لوگ ہو گئے ہیں، بُرا آدمی ہر شخص کو بُرا دیکھنا پسند کرتا ہے، بدکار وفاجر پورے سماج کو فسق وفجور کا گہوارہ بنا کر اس میں آزادانہ گناہ کرنا پسند کرتا ہے اور اربابِ دین وایمان کو اپنے جیسا گمراہ کر کے بنانا چاہتا ہے۔

مسلمانوں کو ایسے لوگوں سے دور رہنا چاہیے، مسلمان خوب سمجھ لیں کہ ان کے پاس اگر دولتِ ایمان ہے تو سب کچھ ہے اور اگر خدانخواستہ یہ دولت لٹ گئی تو پھر ان کے پاس سب کچھ ہونے کے باوجود کچھ بھی نہیں ہوگا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿١٠٥﴾

اللہ ہی کی طرف تم سب لوگوں کو لوٹنا ہے، پس تم جو کچھ کرتے تھے، اسے وہ تم کو بتائے گا۔ (پ ۷ ع ۴، سورۂ مائدہ: ۱۰۵)

مسلمانوں کے بنیادی عقیدوں میں عقیدۂ قیامت بنیاد کا پتھر ہے، اور قانون مجازات پر اسلامی احکام واوامر اور نواہی کا دارومدار ہے، اسلام کہتا ہے کہ مرنے کے بعد ایک وقت جینا ہے اور اس دنیا کی زندگی کی ایک ایک حرکت کی جزا وسزا سے گزرنا ہے، جو اس دنیا میں جیسا کرے گا، آخرت میں اسے ویسا ہی بدلہ ملے گا، جو یہاں جو چیز بوئے گا، وہ قیامت میں وہی کاٹے گا، اسی مرکزی عقیدہ پر اسلام کے احکام کا مدار ہے، اسی لیے قرآن کا تقریباً ایک تہائی حصہ آخرت، قیامت اور مجازات سے متعلق ہے، عقیدۂ قیامت عقلاً ونقلاً

ثابت ہے اورعین انسانی ذہن ومزاج کے مطابق ہے اوراس عقیدہ کے بغیر دنیا میں امن وامان، نیکی وصلاح، خیروخوبی اورسکون واطمینان نہ اقوام وملل کومل سکتا ہے، نہ افرادواشخاص کوچین نصیب ہوسکتا ہے، نہ کسی ملک میں انسانیت واخلاق کی شگفتگی ہوسکتی ہے اورنہ قلب وروح میں تازگی وبشاشت آسکتی ہے، تم دیکھ لوکہ آج اس عقیدۂ مجازات کے دلوں سے اٹھ جانے کے بعدانسان اپنی بستیوں میں درندہ بناہواہے اوراللہ کی زمین پراس کاوجوداس کے حق میں جہنم بن رہاہے۔

خوب یادرکھو! جب تک اپنے اچھے بُرے کاموں کی جزاوسزاکاعقیدہ نہیں ہوگا، آدمی اچھی زندگی نہیں پاسکتا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ؕ

اے ایمان والو! اپنی فکرکرو، تم ہدایت پرچل رہے ہوتوجوگمراہ ہے، وہ تم کونقصان نہیں پہونچاسکتا۔ (پ ۷ ع ۴، سورۂ مائدہ:۱۰۵)

یہ دنیادارالعمل ہے اور یہاں کے ہرباشندے کامعاملہ اس کے ساتھ ہے اورہر انسان کی ذات اپنے نفع اورنقصان کے باب میں ذمہ دارہے اوراہل خیرکے لیے ہرطرح کی آسانی اورخوش گواری ہے، بدی کاوقتی غلبہ یاہنگامی عروج ہوتاہے مگراس میں پابندی اور ہمیشگی نہیں ہوتی، بل کہ یہ ایک وقتی بات ہوتی ہے، جووقت کے ساتھ ساتھ گزرجاتی ہے، پس اہل حق اورارباب رشدوہدایت کواہل باطل کے غلبہ اورگمراہوں کے ہجوم سے متاثرنہیں ہونا چاہیے، اورحق پرستی اوررشدوہدایت کے بلندمقام سے ایک سکنڈکے لیے ہٹ کرباطل پرستوں اورگمراہوں کے چکرمیں نہیں آناچاہیے، کیوں کہ حق وحقانیت کوثبات ودوام ہے اور اس کے نتائج ہمیشہ خوش گواراورسکون بخش نکلے ہیں، چوں کہ دنیامیں بسااوقات برائی کوفروغ

ہوجاتا ہے اورعوام کی بھیڑ بری باتوں سے زیادہ متاثر ہوجاتی ہے، اس لیے بعض اربابِ صدق وصداقت کے لیے وقت بہت نازک ہوجاتا ہے، اور وہ اگر عزیمت واستقامت سے کام نہ لیں تو باطل پرستوں کے غلبہ میں مغلوب ہوسکتے ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے نیکوکاروں اور رشدوہدایت کی راہ پر چلنے والوں کو تنبیہ فرماتا ہے کہ دیکھو تم لوگ رشدوہدایت کی جس راہ پر چل رہے ہو، اہلِ باطل کا وقتی ہجوم تم کو اس سے ہٹا نہ سکے، اور یہ کہ جو لوگ صدق وحقانیت کی راہ پر چلیں گے، ان کو گمراہ کوئی گزند نہیں پہونچا سکیں گے، اور اہل حق کو اہل باطل کے مقابلہ میں شکست نہ ہوگی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ؕ

اے ایمان والو! تم اپنے آپ کو بچاؤ، نہ ضرر پہونچائے وہ جو گمراہ ہے، جب کہ تم ہدایت پا چکے ہو۔ (پ ۷ ع ۴، سورۂ مائدہ: ۱۰۵)

ایمان کی دولت کے حاصل ہوجانے کے بعد اس سے محروم ہوجانا حقیقی محرومی ہے، اس کے بعد پھر محبت کی یاوری اور سعادت مندی کے ظہور کی کوئی سبیل باقی نہیں، اسی طرح ضلالت وگمراہی کے بعد رشدوہدایت کا پانا اور پھر گمراہ ہوجانا بڑی محرومی اور بدبختی ہے اور اس کے بعد رُشدوہدایت کی امید بہت کم رہ جاتی ہے۔

قرآن حکیم مسلمانوں کو سخت تاکید کرتا ہے کہ دیکھو ایمان کے ڈاکو بہت ہیں، اور یہاں ہر وہ مسافر جو اپنے ساتھ اپنا سرمایۂ ایمان رکھتا ہے، اس کی نظر میں آجاتا ہے، لہٰذا تم اس راہ سے گزرتے ہوئے اپنے کو ہر طرح سے محفوظ رکھو اور ایسا نہ ہو کہ تمہاری متاع دین وایمان کو ضلالت وگمراہ کے یہ ایجنٹ چھین نہ لیں، اور تم منزل کی راہ میں لٹ جاؤ، اگر ایسا ہوا تو تم بدترین قسم کے محروم القسمت ثابت ہوگے اور تمہارا مقصد حیات ختم ہوجائے گا، مسلمان

اچھی طرح جان لیں کہ آج کے دور میں ان کے متاع ایمانی کے ڈاکو مختلف روپ میں رونما ہوتے ہیں اور ان کو طرح طرح سے لوٹنا چاہتے ہیں، اگر مسلمانوں نے ایمانی بصیرت سے کام نہ لیا تو یہ لٹیرے ان کو لوٹ لیں گے، اور وہ اپنی محرومی پر چار آنسو بھی نہ بہا سکیں گے۔

آج ایمان کا بچانا مسلمانوں کا سب سے بڑا کام ہے اور اس کے لیے ایمان کی چہار دیواری قائم کرنا نہایت ضروری ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ؕ

اے ایمان والو! تم پر اپنی جانوں کا فکر ضروری ہے جب تم ہدایت پا جاؤ تو کوئی گمراہ تمہیں نقصان نہ پہونچا سکے۔ (پ ۷ ع ۴، سورۂ مائدہ: ۱۰۵)

مسلمان کی جان کی بڑی قیمت ہوتی ہے، وہ اپنی ذات سے ایک مستقل دنیا ہوتا ہے، کردار کی دنیا، اعمالِ صالحہ کی دنیا، صحیح عقائد کی دنیا، مساوات واخوت کی دنیا، امن و سلامتی کی دنیا اور فلاح و بہبود کی دنیا اس کے دم قدم سے آباد ہوتی ہے، اس لیے مسلمان کو لازم ہے کہ وہ اپنے بارے میں بڑا ہی محتاط اور چوکنا رہے، اس کے بگڑنے سے دنیا میں بگاڑ پیدا ہو جائے گا، اس لیے اسے اپنے کو محفوظ رکھ کر دنیا میں اچھے اصولوں، نیک کاموں اور صالح کارناموں کی حفاظت کرنی چاہیے، اور اس بات سے ہمیشہ بچنا چاہیے کہ کوئی گمراہ اسے نقصان میں نہ کردے، وہ گمراہ کسی لباس میں ہو، اس کا رنگ کچھ رہا ہو اور وہ اپنے کو کچھ ہی بتاتا ہو، اگر وہ گمراہ ہے تو مومن کو اس سے بچنا چاہیے اور اپنے ایمان و دین کی ایک ایک قدر کو اس سے بچانا چاہیے۔

مسلمانوں کو خوب یاد رکھنا چاہیے کہ کافرانہ قوتیں اور مشرکانہ چالیں بڑی چالاکی اور دوراندیشی سے ان کے خلاف کام کرتی ہیں اور مصری کے مزے اور رنگ میں سنکھیا دینا

چاہتی ہیں۔

لہٰذا مسلمان فراست مومن سے کام لے کر اپنے کو ان سے بچائے اور اپنی ایمانی زندگی کی سند سے ذرہ برابر نہ ہٹے، اگر وہ ذرہ برابر بھی ہٹا تو یہ طاقتیں اس پر یلغار کر بیٹھیں گی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

اے ایمان والو! تم اپنی خبر رکھو، جب تم ہدایت یاب ہو جاؤ تو تمہیں وہ شخص نقصان نہیں پہونچا سکتا جو گمراہ ہے، اللہ ہی کی طرف تم کو لوٹنا ہے، پس وہ ان چیزوں کی تمہیں خبر دے گا، جن کو تم کرتے تھے۔ (پ ۷ ع ۴، سورۂ مائدہ: ۱۰۵)

دنیا میں برائی کو فروغ بہت جلد اور بہت زیادہ ہو جاتا ہے اور اس کے مقابلہ میں حق اور اہلِ حق چوں کہ ٹھوس بنیاد پر کام کرتے ہیں، اس لیے ان کو فروغ اور ترقی دیر میں ہوتی ہے اور آہستہ کام ہوتا ہے، ہر ٹھوس اور دیر پا کام یوں ہی دیر میں ہوتا ہے اور ہر گرا پڑا اور معمولی کام کو یوں ہی بہت جلد فروغ ہوتا ہے، پھر دین وایمان اور حق ودیانت کے لیے خطرات بہت ہوتے ہیں اور ہر طرف سے ان کے لیے طرح طرح کی ظاہری مصیبتیں ہوتی ہیں، شیطانی طاقتیں ہر وقت اس چکر میں رہتی ہیں کہ سچائی کو مٹا دیں اور باطل کو اجاگر کریں، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو آگاہ فرماتا ہے کہ شیطانی چکر کہیں تمہیں بھی اپنی پشت میں نہ لے لے اور تم کو دین وایمان سے خالی کر کے باطل سے نہ بھر دے، تم کو ہر وقت ہوشیار اور چوکنا رہنا چاہیے، تاکہ کفار ومشرکین اور دوسرے اہل مصیبت تمہارے حق میں دوستی کے نام پر دشمنی نہ کریں اور پھر تم کو کفر وشرک کی زندگی کی طرف نہ کھینچ لائیں۔

مسلمانوں کو ہر زمانے میں باطل طاقتوں سے چوکنا رہ کر اپنے دین وایمان کو بچانا

چاہیے اور دنیاوی ترقی وعروج کے لالچ میں پڑ کر دین کو تباہ نہیں کرنا چاہیے، ہر زمانہ میں اَغیار مسلمانوں کو ان کے دین وایمان سے دور کرنے کے لیے طرح طرح کی چال چلتے ہیں، اور خیر خواہ بن کر ان کی بدخواہی کرتے ہیں، مسلمانوں کو یہ نقطہ سمجھنا چاہیے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ ۚ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ قَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّيْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۱۵﴾

عیسیٰ بن مریم نے دعا کی کہ اے اللہ! ہم پر آسمان سے خوان نعمت نازل فرما، جو ہمارے اگلوں اور پچھلوں کے لیے خوشی کا باعث ہو، اور تیری نشانی ہو، اللہ نے جواب دیا: ہم اسے تم لوگوں پر نازل کر دیں گے، لیکن تم میں سے جو بھی اس کے بعد کفر کرے گا تو میں اسے ایسا سخت عذاب دوں گا کہ دنیا میں کسی کو ویسا عذاب نہیں دوں گا۔

(پ ۷ ع ۶، سورۂ مائدہ: ۱۱۴، ۱۱۵)

کائناتِ ہست وبود کی ساری رونق انسان کے لیے ہے، اس عالم ہستی کا تنہا مالی انسان کو بنایا گیا ہے، وہ اس گلستاں کے جس پھول کی جیسے چاہے رکھوالی کرے اور جیسے چاہے استعمال کرے، مگر اس کی اجازت نہیں ہے کہ وہ اس چمن کو اپنے اعمال وکردار سے ویران کر دے، اور اس کی ساری رونق کو ختم کر کے خزاں کا دور پیدا کر دے۔

خوب یاد رکھو! اس بزمِ ہستی میں کھانے پینے کی جائز وسعتوں سے خدا انسان کو نوازتا ہے، ان کے لیے ہر قسم کے اسباب مہیا فرما دیتا ہے، لیکن اگر اس کے نتیجہ میں انسان کا دماغ خراب ہو جاتا ہے اور وہ خدا کی نعمتوں کے شکر کے بجائے کفران نعمت کرنے لگتا ہے، اپنی رفتار وکردار سے، قول وگفتار سے سرکشی کرتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ نہ صرف نعمت سے محروم

کر دیتا ہے، بل کہ سرکش انسان کے لیے اپنی مار بھیجتا ہے، جو نہایت ہی عبرت ناک اور دور رس ہوتی ہے۔

دیکھو! اب سے چند سال پیش تر اسی زمین کے اوپر، اسی آسمان کے نیچے کھانے، پینے، اوڑھنے، پہننے کی کس قدر آسانی تھی، سامان زندگی کس درجہ افراطی کے ساتھ فراہم تھے، مگر انسانوں نے وہ اودھم مچائی کہ قدرت کو اپنا قانون جاری کرنا پڑا، اور کفران نعمت کی سزا میں انسانوں کو پکڑنا پڑا، بتا سکتے ہو کہ آج سے زیادہ پائیدار اور مسلسل قحط وہ گرانی کبھی اور بھی تھی، یہ اسی روش کا نتیجہ ہے، جو انسانوں نے خداوندی نعمتوں کو پا کر اختیار کی تھی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ ۚ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۱۱۴﴾

عیسیٰ بن مریم نے کہا: اے اللہ ہمارے پروردگار! تو ہم پر آسمان سے مائدہ نازل فرما، جو کہ ہمارے اولین و آخرین کے لیے خوشی اور تیری نشانی بنے، اور تو ہمیں روزی دے اور تو بہترین روزی دینے والا ہے۔ (پ ۷ ع ۶، سورۂ مائدہ: ۱۱۴)

دنیا میں زندہ رہنے کے لیے جو ظاہری اسباب ہیں، ان کے بغیر کوئی انسان زندگی کے پورے دن نہیں گزار سکتا، بل کہ جب وہ انسان ہے تو جو چیزیں انسانیت کے لیے اس دنیا میں لازم ہیں، انہیں ان کو استعمال کرنا پڑے گا، اس لیے نبی، رسول، ولی، غوث، قطب اور ابدال ہونے کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ وہ کھانے پینے سے بالاتر ہوتے ہیں اور ان کو اس کی ضرورت ہی نہیں رہتی، یہ بالکل درست ہے اور حق ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مقرب اور پاک بندوں کے لیے کھانے پینے کا سامان فراہم کرتا ہے، اور مادی غذا کے ساتھ ساتھ روحانی غذا کا بھی انتظام فرماتا ہے۔

مگراس کے باوجوداس مادی زندگی کے دن پورے کرنے کے لیے مادی غذاؤں کی ضرورت پڑتی ہے، اس کے حصول میں سخت تاکید کی گئی ہے کہ حلال وطیب اور جائز وپاکیزہ غذا حاصل کر کے کھاؤ، خود غذائیں پاک وحلال ہوں اوران کے حصول کے طریقے بھی پاک وحلال ہوں۔

اوپر کی آیت میں ایک خاص واقعہ کی طرف اشارہ ہے مگراس سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ انبیاء بھی اللہ تعالیٰ سے روزی کے بارے میں دعا کرتے ہیں اوراس کی کشادگی اور فراخی چاہتے ہیں، تاکہ زندگی کے یہ دن سکون وعافیت سے گزریں، اور دنیا میں رہ کر "پریشان روزی پریشان دل" کی سی بات نہ ہو۔

اے مسلمانو! پاک وصاف روزی حاصل کرنے کی دعا کرو، اوراس کے لیے کوشش بھی کرو، کھانا اور کمانا انسان کے لیے ضروری ہے، اسلام اس بات کی شدت سے تاکید کرتا ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

قَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّيْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۱۵﴾

اللہ نے کہا کہ میں تم لوگوں پر مائدہ کو نازل کرنے والا ہوں، پس اس کے بعد تم میں سے جو بھی کفر وناشکری کرے گا تو میں اسے ایسا عذاب دوں گا کہ ویسا عذاب کسی مخلوق کو نہیں دوں گا۔ (پ ۷ ع ۶، سورۂ مائدہ: ۱۱۵)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اس وقت کے لوگوں نے کہا کہ آپ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے ہمارے لیے کھانے کا طبق نازل فرمادے، چنان چہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس کی دعا کی، اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ اس حقیقت کو سمجھا رہا ہے کہ دیکھو! تمہارا

مطالبہ پورا ہوسکتا ہے، مگر اس کے بعد تم بہت ہی نازک ذمہ داری میں پڑ جاؤ گے اور تمہاری زندگی بڑی ہی خطرناک راہ سے گزرے گی، کیوں کہ اپنے اوپر اِتمام حجت کر دینے کے بعد دم مارنے کی گنجائش نہیں ہوتی، اور قدرت کی کارفرمائی پر اُف تک کرنے کا موقع نہیں ہوتا۔

خدا سے فرمائش کر کے اس کی نوازشوں اور مہربانیوں کا طلب کرنا، اپنے رسولوں اور پیغمبروں سے اس کی سفارش کرانا اور یہ وعدہ کرنا کہ ہم اس کے بعد تسلیم ورضا اور عبودیت وبندگی کی زندگی گزاریں گے، اس بات کے لیے تیار ہوجانا ہے کہ اگر ہم اس کے بعد بھی خدائی احکام واوامر پر عمل نہ کریں تو ہم ہر سزا کے سزاوار ہیں اور پھر ہمیں اف کرنے تک کی فرصت نہیں ملنی چاہیے، چنان چہ دنیا میں ایسی قوموں کی مثال موجود ہے، جنھوں نے اپنے دور میں خدا سے وعدہ کیا کہ وہ ذمہ دارانہ زندگی گزاریں گی اور خدا کے دیئے ہوئے امن وسکون سے فائدہ اٹھا کر دنیا میں امن وسکون کی راہ پیدا کریں گی، مگر جب انعاماتِ خداوندی پا جانے کے بعد انھوں نے ناشکری کی اور وعدہ خلافی کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس طرح فنا کیا کہ ان کا نشان تک باقی نہ رہا، اور یہ صورتِ حال اس لیے پیدا ہوتی ہے کہ وہ خدا کے نزدیک سب سے بڑے مجرم ٹھہرتے ہیں اور ان کی مجرمانہ زندگی بہت ہی برے حالات سے گزرتی ہے، آج بھی جن کو دنیا میں فراخی ملتی ہے اور اس سے وہ فائدہ حاصل کر کے نیکی واصلاح کا کام نہیں کرتے، وہ عبرت ناک طریقہ پر ختم کر دیئے جاتے ہیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَمَا تَأْتِيهِمْ مِّنْ آيَةٍ مِّنْ آيَاتِ رَبِّهِمْ إِلَّا كَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ ﴿۴﴾

اورنہیں آتی ہے ان کے پاس کوئی نشانی ان کے پروردگار کی نشانیوں میں سے مگر وہ لوگ اس سے اعراض کرتے ہیں۔ (پ ۷، ع ۷، سورۂ انعام: ۴)

جب کسی معاشرے میں کوئی ذہنیت پیدا ہوجاتی ہے اور قوم کے تمام افراد سوچنے

سمجھنے کی صلاحیت اور استعداد کو بالائے طاق رکھ کر ایک ہی خیال اور ایک ذہن اور ایک نظریہ کے پیچھے چلنے لگتے ہیں، تو پھر دوسری باتیں ان کے سامنے بالکل ہیچ ہوجاتی ہیں اور وہ ان باتوں پر دھیان دینے تک کے لیے تیار نہیں ہوتے، عام طور سے برائی میں انسان بہت جلد اس قسم کا ذہن پیدا کرلیتا ہے، اور اس کے مقابلے میں نیکی کی باتوں کی طرف توجہ نہیں دیتا، اور جو شخص اس کے ذہن کے خلاف کوئی آواز بلند کرتا ہے، وہ اس کا مذاق اڑاتا ہے، اس کے خلاف دوسروں کو ورغلاتا ہے اور کہنے والے کو احمق بنانے کی کوشش کرتا ہے۔

ذہنوں کی یہ مار بہت ہی بری ہوتی ہے اور انسان اس کے بعد اچھائی اور برائی کو پرکھ نہیں سکتا، بل کہ وہ تقلیدی راہ پر چل کر ہر قسم کی باتوں کا بلا سوچے سمجھے انکار کرتا چلا جاتا ہے اور کہنے والے کی ایک نہیں سنتا۔

اوپر کی آیت میں ایسے ہی مفلوج الذہن لوگوں کا حال بیان کیا جارہا ہے کہ ان کے پاس اللہ کے رسول، اللہ کی کوئی بھی نشانی لاتے تھے تو وہ نہایت آسانی سے اسے ٹھکرادیتے تھے اور ٹھٹھا کر کے اپنی عالی دماغی، بلند فکری اور جودت طبع کا ثبوت دینے کی کوشش کرتے تھے، یہ حقیقت کچھ قدیم زمانہ کے مفکروں کے ساتھ خاص نہیں ہے، بل کہ اس زمانہ میں یہی بات پائی جاتی ہے۔

تم دیکھ سکتے ہو کہ جس جگہ کے لوگ کسی ایک غلط خیال پر چلے آتے ہیں، وہ کسی دوسری صحیح بات کو سننے کے لیے تیار نہیں ہوتے اور اپنے خیر خواہوں کے ساتھ برائی سے پیش آتے ہیں۔

اصل یہ ہے کہ آدمی کو ہمیشہ اپنے ذہن کو حقیقت پسندی کے لیے تیار رکھنا چاہیے اور ایسا ذہن نہیں بنانا چاہیے کہ وہ سمجھنے کے لیے تیار ہی نہ ہو، یہ معاملہ بہت ہی خطرناک ہوتا ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ وَ اَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا ۠ وَّ جَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ۝

کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے کتنی ہی ایسی قوموں کو ہلاک کر دیا ہے، جن کو ہم نے زمین پر وہ حیثیت دی تھی، جو تم کو نہیں دی ہے اور ہم نے ان پر لگا تار برسنے والی بارش بھیجی اور ان کے نیچے نہریں جاری کیں، پھر ہلاک کر دیا ہم نے ان کو ان کے گناہوں کی وجہ سے اور ان کے بعد ہم نے دوسری قوم کو پیدا کیا۔ (پ ۷، ع ۷، سورۂ انعام: ۶)

اس صفحہ ہست ونیست پر ہزاروں قومیں بنی اور بگڑیں، لاکھوں تمدن آئے اور گئے، صدہا تہذیبیں ابھریں اور مٹیں، عروج وترقی کے بے شمار آفتاب طلوع ہوئے اور دیکھتے ہی دیکھتے ان کی شام ہوگئی، اقبال مندی وظفریابی کے ان گنت پھریرے اس میدان عالم میں لہرائے گئے اور سمیٹ لیے گئے۔

آج کی دنیا تمہاری دنیا ہے، کل کی دنیا تمہارے پیش رووں کی دنیا تھی، آج تم ان ہی مہذب ملکوں اور متمدن قوموں کے وارث ہو، جن کو انقلاب وتغیر کے چنگل نے موت کی وادی میں گردن دبا کر سلا دیا، تم یہ نہ سمجھو کہ آج کی تہذیب کے موجد وبانی ہیں، اور ہم نے انسانیت کا میدان مار لیا ہے، بل کہ تم عراق وموصل کے کھنڈروں، بابل ونینویٰ کے غاروں، دجلہ وفرات کی زمینوں اور سندھ ونیل کے کناروں کی پکار کو سنو، جو صاف کہہ رہی ہیں:

ہمارے آثار وعلائم ہی ہماری عظمت رفتہ کی گواہی آج بھی دے رہے ہیں اور موجودہ دنیا کو حریفانہ چیلنج کر رہے ہیں کہ اپنے عروج وتمدن کو لاؤ اور ہمارے اقبال وتمدن سے ان کا مقابلہ کرو، قرآن کی بھی یہی دعوت ہے کہ اے انسانو! تم کس طرح ہماری عظمت رفتہ سے انکار کر سکتے ہو، جن کو ہمارے الطاف بے پایاں اور کرم ہائے بے نہایت نے نوازا تھا،

ہم نے اس کو فتح وظفر سے نوازا، پیداوار کی افراطی سے نوازا، امن وسکون کی حیثیت سے نوازا، زمین وجائداد کی دولت سے نوازا، دولت وثروت کی کثرت سے نوازا، پانی کی کثرت، غلوں کی افراطی، آب وہوا کی خوش گواری، امن وامان کی نینداورتہذیب وتمدن کی برگ وباری کا دور دورہ تھا، مگر انسان نے امن وسکون کی قدر نہ کی، اور انکار وجحود، ظلم وشرارت، شرک وکفراورفسق وفجور کی راہ اختیار کی، خرمستی کواپنا شیوہ بنالیا، بے راہ روی کواپنا راستہ ٹھہرایا اور خدااوراس کی نعمتوں کوسراسر پس پشت ڈال دیا، اس لیے ہم نے اسے تہس نہس کردیا، اوراس کی اکڑفوں دھری کی دھری رہ گئی اوراس کی جگہ دوسری قوم کوبرپا کرکے اس کی وراثت اسے بخش دی، پس اے دورِحاضر کے انسانو! ذراسنبھل کر چلو، کہیں خدا کی اس سنت کوتمہارے اعمال بھی دعوت نہ دے دیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اَلَمْ یَرَوْا کَمْ اَهْلَکْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّکَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَکِّنْ لَّکُمْ وَ اَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَیْهِمْ مِّدْرَارًا ۪ وَّ جَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَکْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِیْنَ ﴿۶﴾

کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ ان سے پہلے کی کتنی ہی جماعتوں کو ہم نے ہلاک کردیا، ہم نے ان کوملک میں جومملکت دی، جوتمہیں نہیں دی اورہم نے ان پر مسلسل برستاہوا بادل بھیجااورہم نے ان کے نیچے نہریں بنائیں، پھران کے گناہوں کی وجہ سے ہم نے ان کو ہلاک کردیااوران کے بعد دوسری قوموں کو پیدا کیا۔ (پ ۷،ع ۷،سورۂ انعام:۶)

قوت وطاقت بڑی چیز ہے اوراس کے بعد انسان کو بڑی دوراندیشی اورشوکت محسوس ہوتی ہے مگر طاقت وقوت خود کوئی چیز نہیں ہے، بل کہ بعض حالات میں یہی طاقت قوموں تک کوتوڑ کر رکھ دیتی ہے اور ایسی کمزوری لاتی ہے کہ جس میں تباہی ہی تباہی اور

بربادی ہی بربادی ہوتی ہے اور بنائے ایک نہیں بنتی۔

یہ بات اس وقت ہوتی ہے جب اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی طاقت کا غلط استعمال کیا جاتا ہے اور شکر وحمد کے بجائے غرور وتکبر اور عدوان وطغیان کی راہ اختیار کرلی جاتی ہے۔

اس بے راہ روی میں پڑ کر بہت سی قدیم قومیں تباہ وبرباد کی جاچکی ہیں اور ان کی طاقت کسی کام نہیں آئی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں خطاب کر کے فرماتا ہے کہ اے لوگو! پہلے بھی لوگ موجود تھے، جن کو ہم نے تم سے زیادہ قوت وطاقت، عقل وشعور، سکون واطمینان اور امن وراحت کا سامان دیا تھا اور وہ تہذیب وتمدن میں تم سے بہت آگے تھے، مگر جب انھوں نے غلط راستہ اختیار کیا تو ہم نے انھیں سزادی اور صفحۂ ہستی سے مٹادیا اور ان کی جگہ ایسے لوگوں کو پیدا کیا جو پہلے جیسے نہ تھے، بل کہ وہ خدا کے پرستار تھے اور نیکی کی راہ پر چلتے تھے۔

پس اگر آج تم بھی اپنی طاقت وقوت پر غرور کر کے بے راہ ہوجاؤ گے تو تمہارا وہی انجام ہوگا، جو پہلے کے لوگوں کا ہو چکا ہے۔

اَلَمْ یَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ وَ اَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَیْهِمْ مِّدْرَارًا ۪ وَّ جَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِیْنَ ۝

کیا انھوں نے دیکھا نہیں کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی ہی ایسی قوموں کو ہلاک کردیا جن کو ہم نے زمین میں وہ اثر ورسوخ دیا تھا، جو تمھیں نہیں دیا، اور ہم نے ان پر لگاتار برستے ہوئے باراں بھیجے تھے، اور ان کے نیچے نہریں اور ندیوں کو جاری کیا تھا، پس ہم نے ان کے

گناہوں کی وجہ سے ان کو ہلاک کردیا، اوران کے بعد ہم نے دوسری قوم کو برپا کیا۔

(پ ۷ ع ۷، سورۂ انعام:٦)

قوت وطاقت کی خرمستی اچھی بات نہیں ہے، خدا کی زمین کے کسی حصہ کی وراثت پاکراس کی ظلم وستم کی گرم بازاری کرنا اور اپنے ماتحتوں کی جان ومال اوران کے مسائل واحوال سے کھیلنا قانون قدرت کی نظر میں بڑا ہی مجرمانہ فعل ہے، جوقوم خدا کی بے حد نوازشوں کو پاکر بے حد فتنہ وفساد برپا کرتی ہے، اورامن وسکون کی فضا میں بدامنی وبے سکونی کا زہر گھولتی ہے، وہ قوم بری طرح تباہ وبرباد کی جاتی ہے۔

آج کے انسان اس حقیقت سے ناواقف نہیں ہیں، آج کے ظالم وفسادی بھی اچھی طرح جانتے ہیں، ان سے پہلے بڑے بڑے انسان گزر چکے ہیں، عظیم الشان قومیں ابھر چکی ہیں، اورشہرۂ آفاق طبقات نے خدا کی زمین میں تمکنت کی دولت پائی ہے، مگر جب انھوں نے ان انعاماتِ الٰہیہ کو غلط طریقہ پر استعمال کیا تو خدا نے ان کو صفحۂ ہستی سے حرفِ غلط کی طرح مٹادیا، ان کے عظیم الشان قصور ومحلات، ان کی بے پناہ آبادیاں اوربستیاں، ان کی پائیدار تہذیبیں اورتمدن، ان کے علوم وفنون کی تابناکیاں، ان کی ایجادات واختراعات کی شرارتیں، اوران کی ہستی ووجود کی خرمستیاں، ان کے ساتھ ساتھ ختم ہوکران ہی کی طرح افسانہ اورداستان بن گئیں۔

پس آج کے مفسد وظالم اورانسانیت کے لیے عذاب بننے والے ارباب اثر واقتدار بھی اسی طرح افسانہ اورداستان بن کر اپنے پیش رووٴں کی داستان کے پیوند بن جائیں گے، اوراس طرح بطن گیتی سے کوئی ذمہ داراورصالح قوم برپا ہوکرنظامِ قدرت کے ماتحت چلے گی اوراپنی میانہ روی سے اثر واقتدار کی مالک رہے گی۔

وَ لَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۱۰

اور ہنسی کی گئی رسولوں سے آپ سے پہلے، پس الٹ پڑی ان سے ہنسی کرنے والوں پر وہ بات جس پر ہنسا کرتے تھے۔ (پ ۷ ع ۷، سورۂ انعام:۱۰)

خدا کے رسولوں اور اللہ کے داعیوں کے ساتھ ہنسی مذاق کوئی نئی چیز نہیں ہے، گمراہ سوسائٹی نے ہمیشہ مصلحوں کی تضحیک کی ہے، داعیوں کا مذاق اڑایا ہے اور نیک راہ دکھانے والوں کو رسوا کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن ہمیشہ ایسا ہوا ہے کہ گمراہیوں کا پانسہ پلٹا ہے اور گمراہوں کو لے ڈوبا ہے، ہنسی کرنے والے ہنسے گئے، مذاق اڑانے والے خود مذاق بن گئے اور گڈھا کھودنے والوں کے آگے گڈھا کھودا گیا۔

یہ صورتِ حال بہت پرانی ہے اور اس کا ظہور آج بھی ہوتا ہے، اچھے لوگوں کے ساتھ برائی سے پیش آنے والے کی زندگی بری ہو جاتی ہے، اور بدخواہی کرنے والے بدی کے گڈھے میں گر جاتے ہیں۔

پس تم کبھی ایسا نہ کرو کہ کسی صحیح بات پیش کرنے والے کو گالیاں دو، اسے ستاؤ اور طرح طرح سے اس کے کام میں رکاوٹ ڈالو، ہوسکتا ہے کہ ایک بات تمہاری سمجھ میں دیر میں آئے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

قُلْ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝۱۵

آپ کہہ دیں کہ بے شک میں ڈر رہا ہوں بڑے دن کے عذاب سے، اگر میں اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں۔ (پ ۷ ع ۸، سورۂ انعام:۱۵)

اسلام جس سلسلۂ نبوت و رسالت کو پیش کر رہا ہے، اس میں یہ بات نہایت کھلے الفاظ میں دنیا کے سامنے بیان کر دی گئی ہے کہ جہاں تک اللہ تعالیٰ کے احکام و اوامر پر عمل

کرنے کا تعلق ہے، اس میں ایک معمولی انسان اور ایک نبی دونوں برابر ہیں، جس طرح ایک عام آدمی کے لیے خدا کی ناراضگی ہوتی ہے، اسی طرح ایک نبی اور رسول بھی خدائی احکام پر عمل کرنے سے خدا کی رضامندی اور عمل نہ کرنے سے اس کی ناراضگی پاتا ہے، خدا کے احکام اور اس کی پاک ذات کے مقابلہ میں انبیاء اور دوسرے انسان برابر ہیں، انبیاء خدا کے مبلغ اور نقیب ہوتے ہیں، وہ خدا کے بارے میں جو نظریات پیش کرتے ہیں، ان کو پہلے خود عملی صورت میں پیش کر کے دنیا کو ان کی حقیقت سے آگاہ کرتے ہیں، عام انسانوں کے مقابلہ میں جس طرح ان کی انسانیت اعلیٰ وارفع ہے، اسی طرح عملی قوت میں بھی ان کا مقام تمام انسانوں سے بلند و بالا ہے۔

یہاں اسی حقیقت کو قرآن حکیم بیان کر رہا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانی یہ منشور امت کے سامنے پیش کر رہا ہے کہ احکامِ خداوندی اور قوانین قدرت کے خلاف جو بھی چلے گا، اسے سزا ملے گی، اس میں کسی فرد یا شخص کا سوال نہیں ہے۔

پس اے لوگو! اس تصریح کو سامنے رکھ کر بتاؤ کہ تم خدا کے احکام وقوانین پر کس قدر عمل کرتے ہو، اور ان سے روگردانی کر کے یوم عظیم اور قیادت کے لیے کیا کر رہے ہو؟ اسلام نے انسانوں کی فہمائش کے لیے کیا کیا طریقے اختیار کیے ہیں، مگر انسان ہیں کہ سمجھنے کے لیے تیار نہیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ؕ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۷﴾

اور اگر تم کو اللہ کوئی تکلیف دے تو پھر اس کا ہٹانے والا کوئی نہیں، اس کے سوا اور اگر تم کو وہ بھلائی دے، تو وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (پ ۷ ع ۸، سورۂ انعام: ۱۷)

اللہ تعالیٰ کی قدرت میں سب کچھ ہے اور اس کی مرضی جو چاہے کرے، اس کے علاوہ کسی چیز میں نہ نقصان پہونچانے کی طاقت ہے اور نہ فائدہ دینے کی قوت ہے، اگر اللہ تعالیٰ ہمیں اچھائی دے تو کسی طاقت کی مجال نہیں کہ ہمارے ساتھ برائی سے پیش آئے اور وہ ہمیں نقصان دے تو کسی طاقت کے بس میں نہیں کہ ہمیں فائدہ پہونچا سکے۔

یہ کوئی فلسفہ یا نظریہ نہیں ہے، بل کہ روزانہ دیکھی جانے والی حقیقت ہے اور ہر شخص کو اسی طرح معلوم ہے، جس طرح اسے اپنی ہستی معلوم ہے، مگر اس کے باوجود یہ عجیب بات ہے کہ انسانوں میں بہت سے لوگ اس حقیقت کے جاننے کے باوجود اللہ تعالیٰ کی قدرت پر ایمان نہیں رکھتے کہ معمولی معمولی چیزوں کو فی نفسہ نقصان اور نفع کا مالک سمجھتے ہیں اور ان سے یوں ڈرتے ہیں جیسے اسے ڈرنا چاہیے۔

یہ آپ کو معلوم ہے کہ آگ جلاتی ہے اور پانی پیاس بجھاتا ہے، اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہے کہ ان میں یہ طاقت صرف اللہ تعالیٰ نے رکھی ہے، اگر ان کو اس درجہ میں رکھ کر ان سے نفع اور نقصان کا احساس کیا جائے تو یہ کوئی بات نہیں ہے، غلط بات تو یہ ہے کہ ان چیزوں کو فی نفسہ معبود حقیقی سمجھا جاتا ہے اور اسی اعتبار سے ان کو استعمال کیا جاتا ہے، مسلمان کے عقیدے اور عمل میں یہ بات نہیں ہونی چاہیے اور معبود حقیقی صرف اللہ تعالیٰ کو سمجھنا

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ؕ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۷﴾ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۸﴾

اور اگر تم کو اللہ کوئی نقصان سے روک لے تو اس کے سوا اور کوئی اس کو کھولنے والا نہیں اور اگر تم سے کوئی فائدہ روک لے تو وہ ہر چیز پر قادر ہے اور وہ اپنے بندوں پر زبردست ہے اور حکمت و خبر والا ہے۔ (پ ۷ ع ۸، سورۂ انعام: ۱۸،۱۷)

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یہ کائنات پیدا کی اور وہی اس کے سیاہ وسفید کا مالک ہے، اس کے سوا کسی کے بس میں کچھ نہیں ہے اور نہ کوئی دوسرا نقصان پہونچانا چاہے تو نقصان پہونچا سکتا ہے اور نہ کوئی فائدہ پہونچانا چاہے تو فائدہ پہونچا سکتا ہے، یہ تو صرف اللہ تعالیٰ کے بس میں ہے کہ وہ جسے چاہے نقصان پہونچائے، جسے وہ فائدہ پہونچانا چاہے، کسی کی طاقت نہیں کہ اسے روک سکے، اور جسے نقصان پہونچانا چاہے، کسی میں سکت نہیں کہ فائدہ پہونچا سکے، اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام بندوں پر چاہے وہ عاصی ہوں یا مطیع، نیک ہوں یا گنہ گار، قہر اور غلبہ وقدرت والا ہے اور کے احاطہ وقبضہ میں ہر بندے کی زندگی اور اس کی تمام تر حرکتیں ہیں اور وہ کسی وقت اور کسی جگہ اللہ کے علم اور قدرت اور اس کے غلبہ واحاطہ سے باہر نہیں ہوسکتا۔

یہ کوئی نظریہ نہیں بل کہ حقیقت ہے، جس کا مشاہدہ ازل سے ابد تک ہوتا رہے گا، اور رات دن ہوتا رہتا ہے اور سب ہی اسے جانتے ہیں، اس معاملہ میں مُقِرّ اور منکر دونوں ایک ہیں اور انسانوں میں کوئی فرد ایسا نہیں ہے جو اس حقیقت کو جانتا نہ ہو، مگر افسوس ہے کہ جاننے کے باوجود بہت سے لوگ اسے مکمل طور سے ماننے میں کوتاہی کرتے ہیں اور اس کی سزا میں پکڑے جاتے ہیں اور قدرت کی یہ پکڑ ان کو تباہ وبرباد کردیتی ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ قَالُوْٓا اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَ مَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿۲۹﴾

اور انھوں نے کہا نہیں ہے یہ مگر ہماری حیات دنیا اور ہم اٹھائے نہیں جائیں گے۔

(پ ۷ ع ۹، سورۂ انعام: ۲۹)

دنیا پرست طبقہ ہمیشہ انجام سے بے خبر ہوتا ہے اور اسے اپنے مقصد کے سامنے کسی چیز کی اہمیت محسوس نہیں ہوتی، یہ لوگ اپنی خواہشوں میں جانوروں سے کئی قدم آگے ہوتے ہیں اور شرم وحیا، اخلاق وشرافت، دیانت اور انسانیت کی معمولی معمولی قدروں تک سے

محروم ہوتے ہیں، ایسے جانور نما حیوان بہت ہی مطلب پرست اور ابن الوقت ہوتے ہیں، ان کے سامنے ہر وقت روٹی، کپڑا، عیاشی، گھر، عشرت، لذت، سرمایہ داری، حسد، دشمنی، بغض، منافرت اور اپنے نظریات وخیالات کے مقابلہ میں دوسرے تمام افکار واحساسات کے خلاف مظاہرہ کرنا ہوتا ہے، کیوں کہ ان کا نعرہ ہوتا ہے کہ یہ دنیا ہی سب کچھ ہے، اس میں جس قدر عیاشی، عیش پرستی، مقصد برآری کر سکتے ہو، کرلو۔

قدیم زمانہ میں بھی اس قسم کے خیالات رکھنے والے خال خال ہوا کرتے تھے اور ان کے لغو نظریات وخیالات عوام میں پھیلنے نہیں پاتے تھے، مگر اس زمانہ میں نشریات کی آسانیوں کی وجہ سے یہ غلط خیالات پھیل چکے ہیں، اور ہر طرف دنیا ہی دنیا نظر آتی ہے، یہی وجہ ہے کہ کوئی دنیا کا نام لے یا نہ لے، اس میں دین ودیانت اور اخلاق وشرافت کے بجائے حیات دنیا کی شہوانی تڑپ کام کرتی ہے، اسلام ایسی بہیمانہ اور خود غرض زندگی کا ہرگز حامی نہیں ہے، ایسی زندگی برپا کرتا ہے، جس میں افراط وتفریط نہ ہو۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَقَالُوْٓا اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿٢٩﴾

اور انھوں نے کہا دنیا میں ہماری زندگی تھوڑی سی ہے اور ہم کو دوبارہ نہیں اٹھایا جائے گا۔ (پ ٧ ع ٩، سورۂ انعام: ٢٩)

کفار ومشرکین میں جو انتہا پسند تھے، وہ نہایت صاف صاف لفظوں میں کہتے تھے کہ یہ دنیا کی تھوڑی سی زندگی عیش وعشرت اور مزے سے جینے کی ہے، اس میں جو کرنا ہے کرلو، اس کے بعد پھر کہاں کی قیامت اور کہاں کا عذاب وثواب، دنیا میں جو چاہو، کھاؤ، پیو، جیسے چاہو رہو، سہو، مذہب کی بندش، حلال وحرام کی قید اور جائز وناجائز کی بات درمیان میں لانے کی کیا ضرورت ہے، جسے ہم استعمال کرنے لگے، وہ حلال ہے، جسے ہم اچھا سمجھنے لگیں،

وہ اچھا ہے، اچھائی اور برائی تو ہمارے سمجھنے پر موقوف ہے، یہ اگلے زمانے کے اماجیوں اور کافروں کے خیالات تھے اور آج کل بھی اماجی جماعت کا یہی نعرہ ہے، اس کے نزدیک شرم اور حیا، حلال وحرام، جائز وناجائز اور عذاب وثواب کی بحث فضول ہے اور دو دن کی زندگی میں خوب خوب عیش وعشرت اور عیاشی کرنے کا نام زندگی ہے، اسی لیے اسے نہ مذہب کی ضرورت ہے، نہ جزا وسزا کی پرواہ ہے اور نہ ہی اپنے کوکسی قسم کے مذہبی، اخلاقی، سماجی اصول کے ماتحت زندگی گزارنے کی حاجت ہے۔

اسی کافرانہ نظریہ نے دنیا میں آج تباہی وبربادی، بے حیائی، بے غیرتی کا بازار گرم کر رکھا ہے، اور چوں کہ دور حرص وہوس کا دور ہے اور ہر قوم اپنی زندگی کا مقصد اصلی جینا اور عیش کرنا قرار دیئے ہوئے ہے، اسی لیے دنیا بھر میں کش مکش، آویزش اور باہمی حرب وضرب برپا ہے، اگر انسان کا یہ مقصد زندگی نہ ہو تو پوری انسانیت کو سکون مل سکتا ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ مَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ ؕ وَ لَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۳۲﴾

اور حیات دنیا صرف کھیل اور بہلاوا ہے، اور یقیناً دارِ آخرت ان لوگوں کے لیے بہتر ہے، جو تقویٰ کی زندگی اختیار کرتے ہیں، کیا تم لوگ عقل نہیں رکھتے ہو؟۔

(پ ۷ ع ۱۰، سورۂ انعام: ۳۲)

یہ چند روزہ دنیا اس کے سوا کیا ہے کہ انسان پیدا ہو، اور طبعی عمر تک محدود مدت میں زندہ رہنے کے لیے کچھ کمائے، کچھ کھائے اور کچھ آرام کرے، زندگی گویا ایک کھیل ہے، جو ساٹھ ستر سال تک کھیلی جاتی ہے اور اس میں مختلف طریقوں سے دل کو بہلایا جاتا ہے، اس میں بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ عمر طبعی سے پہلے ہی زندگی کا یہ کھیل ختم ہو جاتا ہے اور انسان اس

تماشا گاہِ عالم میں کھیلتے کودتے مرجاتا ہے۔

پس جب دنیا کی بساط کا یہ عالم ہے تو پھر اس میں جی لگانا، اس کے لیے رات دن مرنا اور اپنی ذمہ داریوں سے دور ہو کر غفلت میں بسر کرنا کس قدر بے وقوفی اور حماقت ہے۔

عقل مند لوگ وہ ہیں، جو اس تماشے میں اس طرح نہیں پھنستے کہ انسان ہونے کی حیثیت سے جو ذمہ داریاں ان پر عائد ہوتی ہیں، ان سے غافل ہو جائیں، وہی کامیاب وکامران ہیں۔

یہ وہ لوگ ہیں، جو حقیقت حال سے واقف ہو کر بقدرِ ضرورت دنیا حاصل کرتے ہیں مگر اس میں گم ہو کر نہیں رہ جاتے، بل کہ اللہ ورسول کے احکام واوامر پر چلتے ہیں، اور دنیا میں ذمہ دارانہ زندگی بسر کرتے ہیں، اور اللہ ورسول سے غافل نہیں ہوتے، حقیقی معنوں میں کامیاب وبامراد ہیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ مَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ ؕ وَ لَلدَّارُ الْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۳۲﴾

اور حیات دنیا تو صرف کھیل کود کی جگہ ہے، اور یقیناً دارِ آخرت بہتر ہے ان لوگوں کے لیے جو ڈرتے ہیں، کیا تم سمجھتے نہیں ہو؟۔ (پ ۷ ع ۱۰، سورۂ انعام: ۳۲)

یہ ساٹھ، ستّر سال کی دنیا کی زندگی کیا ہے؟ ایک حسین خواب ہے، ایک دلچسپ کھیل ہے اور ایک بے نتیجہ تماشا ہے، اگر اسے صرف کھانے پینے اور عیش وعشرت میں گزار دیا جائے اور اگر اس میں عقل وشعور سے کام لے کر ذمہ دارانہ روش اختیار کی جائے اور حدود وقیود کی رعایت کے ساتھ زندگی بسر کی جائے تو یہی حسین خواب حسین تعبیر پیدا کر سکتا ہے، یہی دلچسپ کھیل مفید انجام کا وارث بنا سکتا ہے اور یہی بے نتیجہ تماشا بہت کچھ فراہم کر سکتا ہے۔

اسلام نے اس زندگی کو دونوں جہاں میں بہتر اور کامیاب بنانے کے لیے ایک قانونِ حیات دیا ہے، اس قانون کی روح عقیدۂ قیامت اور قانون مجازات میں ہے، اس لیے اسلام عقیدہ وساطت کے بعد عقیدۂ قیامت پر زور دیتا ہے اور اس کے ماننے پر انسانوں کو اپنا پیرو مانتا ہے، اس قانون حیات اور ضابطۂ زندگی پر عمل کرنے سے انسانوں میں ذمہ داری، خدا پرستی اور خداترسی پیدا ہوتی ہے، جس کا نہایت جامع نام تقویٰ ہے۔

پس جو لوگ متقی ہیں، ان کے لیے اس لہو ولعب کی دنیا میں کوئی افادیت نظر نہیں آتی، بل کہ وہ دارِ آخرت کی بہتری پر نظر رکھتے ہیں اور اسی کے مطابق اس دنیا میں زندگی بسر کرتے ہیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ مَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ ؕ وَ لَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۳۲﴾

اور نہیں ہے حیات دنیا مگر کھیل کود، اور یقیناً دار آخرت بہتر ہے ان لوگوں کے لیے جو متقی ہیں، تو کیا تم نہیں سمجھتے ہو۔ (پ ۷ ع ۱۰، سورۂ انعام: ۳۲)

یہ دنیا صرف ایک خواب ہے اور آخرت اس خواب کی تعبیر ہے، دنیا کوشش اور آخرت اس کا نتیجہ ہے، اور دنیا کھیتی ہے اور آخرت اس کی آخری فصل، یعنی یہ دنیا مقصد نہیں ہے، بل کہ مقصد کے حصول کے لیے صرف ذریعہ اور سبب ہے اور اسے اسی ذریعے اور سبب کے نقطۂ نظر سے حاصل کرنا چاہیے، کبھی اسے مقصدِ حیات قرار نہیں دینا چاہیے، اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے دینی بصیرت اور انبیاء کی بخشی ہوئی روشنی کی ضرورت ہے، عام سطح والے تو دنیا ہی کو مقصد قرار دے کر اسی کے لیے سب کچھ کرتے ہیں، مگر جو لوگ متقی ہیں، ان کی نگاہ اس دنیا میں الجھ کر نہیں رہ گئی ہے، وہ خوب سمجھتے ہیں کہ یہ دنیا کی زندگی بیکار محض ہے اور یہ صرف

ذریعہ وسبب ہے، اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے، جو ابدی اور دائمی ہے اور جس کے بعد فنا نہیں ہے، وہ اَبدی زندگی اس دنیا کی وقتی زندگی سے الگ ہے اور اس کے حصول کے لیے آخرت پر نظر کر کے اس دنیا میں رہنا اور آخرت کا کام کرنا ہوگا، جو لوگ اسی دنیا کو سب کچھ سمجھتے ہیں، وہ آخرت کی زندگی سے سراسر محروم ہیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ لَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَ اُوْذُوْا حَتّٰۤى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۚ

اور تحقیق کہ جھٹلائے گئے آپ سے پہلے رسول تو انہوں نے اپنی تکذیب پر صبر کیا اور ان کو اذیت دی گئی، یہاں تک کہ ان کے پاس ہماری مدد آ گئی۔ (پ ۷ ع ۱۰، سورۂ انعام: ۳۴)

سچائی کی روشنی جھوٹ کے اندھیرے میں جلتی ہے، صداقت کی آواز کذب کے شور میں بلند ہوتی ہے اور سچوں کی جماعت جھوٹوں کے مقابلے کے لیے نکلتی ہے، ان حالات میں ضروری ہوتا ہے کہ ابتدائی مرحلہ میں نور و ظلمت، صدق و کذب اور صادقین میں کش مکش ہو، اسی اُصول کے ماتحت حضرات انبیاء علیہم السلام نے جب جب دین کی دعوت دی ہے، تب تب اس بات کا ظہور ہوا ہے کہ ظلمت نے نور کی کرن کو بجھانے کی کوشش کی، جھوٹ نے سچائی کے گلے کو دبانا چاہا اور شرارت نے نیک روی کی راہ میں کانٹے بچھائے، مگر اس کش مکش کے نتیجہ میں فتح ہمیشہ حق کی ہوئی ہے اور باطل کا وقتی غلبہ اور ہنگامی قبضہ دیر پا نہیں ہوا ہے، بل کہ اللہ تعالیٰ کی مدد نے ہمیشہ باطل کو شکست فاش دے کر حق کو سرخرو فرمایا ہے۔

ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ میں یہی معاملہ پیش آیا، کفار و مشرکین نے آپ کو جس قدر اذیتیں دیں، آپ نے اس قدر صبر و شکر فرمایا، اور جن الفاظ و محاورات میں انہوں نے آپ کی تکذیب و تحقیر کی، ان کو آپ نے بُرا نہیں مانا، بل کہ آپ صبر جمیل کے ساتھ سب کو کشادہ قلبی سے برداشت کرتے رہے، یہاں تک کہ اللہ کی مدد آئی اور حق و باطل کے درمیان

فیصلہ ہوا، جو قیامت تک کے لیے اہل دنیا پر حجت بن گیا۔

آج بھی نصرتِ الٰہی کے استحقاق کا ذریعہ یہی ہے کہ ہم نہایت دور اندیشی کے ساتھ حالات کا مقابلہ کریں اور صبر وضبط اور سکون وخرد سے کام لیں، تاکہ موجودہ حالات میں نصرت خداوندی ہمارے لیے کامیابی لائے اور ہم ابتلاء کے اس قرنطینہ سے صحت وسلامتی کے ساتھ نکل سکیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ؕ

اور اگر آپ پر ان کا تغافل گراں گزر رہا ہے تو اگر آپ سے ہو سکے تو زمین میں کوئی سرنگ یا آسمان میں کوئی سیڑھی تلاش کر لیجیے، پھر لائیے ان کے پاس کوئی نشانی۔

(پ ۷ ع ۱۰، سورۂ انعام: ۳۵)

رسول کا کام اس بات پر ختم ہو جاتا ہے کہ وہ رشد و ہدایت کی باتیں گمراہوں کے سامنے بیان کر دے، ان پر عمل کرنا نہ کرنا رسول کا کام نہیں ہے، وہ تو اپنے طور پر عمل کرتا ہی ہے، باوجودے کہ اس حقیقت سے پیغمبرِ اسلام اچھی طرح واقف تھے، لیکن شدت تبلیغ اور آرزوئے رشد و ہدایت میں آپ کفار ومشرکین کے انکار پر بہت زیادہ آزردہ خاطر ہو جاتے تھے اور انسانوں کو فلاح ونجاح کی راہ پر چلانے کے لیے رہنمائی اور ان کو لے جانے کی فکر میں رہا کرتے تھے، یہ صورت حال بسا اوقات پیغمبر اسلام کو آزردہ خاطر کر دیا کرتی تھی اور آپ غم والم سے نڈھال ہو جایا کرتے تھے۔

یہاں پر اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرما رہا ہے کہ کفار ومشرکین کا دین فطرت سے اعراض کرنا، ان کا غفلت برتنا اور ہدایت کی راہ پر نہ چلنا آپ کے لیے

گراں باری کا باعث نہ ہونا چاہیے، اور آپ رنجیدہ خاطر نہ ہوں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو صرف رسول بنایا ہے، آپ پر یہ ذمہ داری نہیں ڈالی ہے کہ لوگوں کو مسلمان بنانے کے لیے آپ خزانۂ ارضی کے مخفی گوشوں سے کوئی عجوبہ لا کر ان کو مسلمان بنا دیں، یا آسمان کے اوپر جا کر کوئی آسمانی نشانی لا کر ان کو اپنا بنالیں، یہ کام آپ کا نہیں ہے، بل کہ یہ کام ہمارا ہے، آپ کا کام صرف اِبلاغ و تبلیغ ہے۔

وَ اِنْ کَانَ کَبُرَ عَلَیْکَ اِعْرَاضُھُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِیَ نَفَقًا فِی الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِی السَّمَآءِ فَتَاْتِیَھُمْ بِاٰیَۃٍ ؕ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰہُ لَجَمَعَھُمْ عَلَی الْھُدٰی.

اور اگر آپ کو ان کی روگردانی گراں گزرتی ہو تو اگر آپ سے ہو سکے کہ ڈھونڈھ لیں زمین میں کوئی سرنگ، یا آسمان میں کوئی سیڑھی، پھر ان کے پاس کوئی نشانی لا سکیں، اور اگر اللہ چاہتا تو ان کو ضرور جمع کر دیتا ہدایت پر۔ (پ ۷ ع ۱۰، سورۂ انعام: ۳۵)

جو حضرات اللہ کی طرف سے رسالت کی ذمہ داری لے کر اہل دنیا کے سامنے آتے ہیں وہ پہلی منزل پر یہ سوچ سمجھ لیتے ہیں کہ اس راہ میں مشکلات کے پہاڑ آئیں گے، الجھنوں کے کانٹے ملیں گے، تکلیفوں کی کھائیاں پڑیں گی اور مصائب و نوائب کے طوفان یکے بعد دیگرے ملیں گے، اس لیے حضرات انبیاء علیہم السلام نے جو بات کہی اس پر پہلے سے اس طرح جمے رہے کہ دنیا ہل گئی مگر وہ نہیں ہلے، بالکل اسی طرح پیغمبرِ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی دینِ الٰہی کی دعوت دینے پر مخالف حالات کے مقابلے میں آہنی دیوار بن کر جمے، یہاں تک کہ مخالفت کی تمام طاقتیں ہٹ گئیں اور کامیابی کے ساتھ جمے رہے۔

اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کفار و مشرکین کے رویہ پر صبر و ضبط اور مقابلہ کی تعلیم ایک دوسرے انداز میں دے رہا ہے اور فرما رہا ہے کہ اگر آپ کفار و مشرکین کی باتوں سے

تنگ آ کر بددل ہو رہے ہیں اور آپ کی ہمت ٹوٹ چکی ہے تو اگر آپ کے بس میں ہو تو زمین کے اندر یا آسمان کے اوپر چلے جایئے اور ان کے لیے کوئی ایسی نشانی لایئے، جسے دیکھتے ہی یہ سب کے سب آپ کے ہمنوا ہو جائیں۔

آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ کام صرف اللہ خالق السماوات والارض کا ہے کہ انسانوں کو ایک نقطۂ نظر پر جمع کرے، یہ طاقت کسی دوسرے میں نہیں ہے، آپ کو اللہ نے جو حکم دیا ہے، اس کی تعمیل فرمایئے اور ان کفار پر اِتمام حجت کیجئے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ ؕ وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۳۶﴾

دعوت حق پر لبیک وہی لوگ کہتے ہیں، جو سننے والے ہیں، رہے مردے تو انہیں تو اللہ بس قبروں ہی سے اٹھائے گا اور پھر وہ (اس کی عدالت میں پیش ہونے کے لیے) واپس لائے جائیں گے۔ (پ ۷ ع ۱۰، سورۂ انعام: ۳۶)

سننے والوں سے مراد وہ لوگ ہیں، جن کے ضمیر زندہ ہیں، جنہوں نے اپنی عقل و فکر کو معطل نہیں کر دیا ہے اور جنہوں نے اپنے دل کے دروازوں پر تعصب اور جمود کے قفل نہیں چڑھا دیے ہیں، ان کے مقابلے میں مردہ وہ لوگ ہیں، جو لکیر کے فقیر بنے اندھوں کی طرح چلے جا رہے ہیں اور اس لکیر سے ہٹ کر کوئی بات قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں، خواہ وہ صریح حق ہی کیوں نہ ہو۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّ بُكْمٌ فِى الظُّلُمٰتِ ؕ مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ ؕ وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۳۹﴾

اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا، وہ اندھیریوں میں گونگے، بہرے ہیں،

خدا جسے چاہے گمراہ کردے اور جسے چاہے سیدھی راہ پر کردے۔

(پ ۷ ع ۱۰، سورۂ انعام: ۳۹)

برسات کی اندھیری رات ہو، آسمان پر ہر طرف کالے کالے ڈراؤنے بادل چھائے ہوں، زمین بھیگی ہو، اپنا ہاتھ تک نہ دکھائی دیتا ہو، زمین سیاہی پوش، فضا سیاہی پاش اور آسمان بار ہو۔

غرض کہ زمین سے لے کر آسمان تک ظلمت ہی ظلمت ہو، اور ساتھ ہی وہ تمام لوازم ہوں، جو اندھیری رات کو اور زیادہ مہیب بنا رہے ہوں، سناٹے کی سرد ہوا ہو، درختوں اور جھاڑیوں سے خطرناک آوازیں آتی ہوں، رہ رہ کر خوفناک گرج ہو، بار بار بجلی کی دہشت انگیز چمک ہو، اور رات کی اس طول طویل اور مہیب سیاہی میں ایک لق ودق جنگل کے اندر ایک آدمی تن تنہا ہو، جو آنکھوں سے معذور، کانوں سے مجبور، نہ کان میں قوت سماع ہے کہ خوفناک آواز سن سکے، نہ آنکھوں میں بینائی ہے کہ حالات کی ہولنا کیوں کو دیکھ سکے، ایسے عالم میں ہم اسے کیا سمجھیں اور وہ خود اپنے متعلق کیا خیالات قائم کرے گا، اگر ہم ایسے عالم میں کسی معذور و مجبور انسان کو تنہا دیکھ لیں تو ہمارا کیا فرض ہو جاتا ہے اور اس کے لیے ہمیں کیا کرنا چاہیے؟

ظاہر ہے کہ آنکھ، کان والے اس شدتِ احساس کے باعث بے چین ہو کر اس آدمی کو بچانے کی فکر کریں گے اور کوشش کریں گے کہ ہم اسے ان ہیبت ناک حالات سے باخبر کر کے بچالیں اور ظلم وظلمات کی موت نہ مرنے دیں اور وہ شخص چوں کہ خود کانوں کی نعمت سے محروم اور آنکھوں سے معذور ہے، اس لیے ان خوفنا کیوں کی کوئی پریشانی نہیں محسوس کرے گا، بل کہ حالات کی نزاکت واہمیت سے وہ بے خبر ہو کر نہایت مطمئن ہو گا۔

بعینہٖ یہی مثال اس باغی انسان کی ہے، جو خدا کی نشانیوں اور اس کے احکام واَوامر کو آنکھوں سے دیکھ کر اور کانوں سے سن کر اندھا اور بہرا بن گیا ہے، ایسا شخص کفر وشرک اور

لاقانونیت کی تہ بہ تہ ظلمتوں میں گھرا ہوا ہے اور ہر قسم کی تلخیوں کو سہ رہا ہے، مگر چوں کہ وہ احساس وشعور کی طاقتوں کو شل کر چکا ہے، اس لیے اسے صورتِ حال کی نزاکت کا احساس نہیں ہے اور وہ ان حالات میں مگن ہے، مگر اَربابِ دین و دیانت اور انسانیت واَخلاق کے دلدادہ اس آدمی کی مظلومیت پر حیران و پریشان ہوتے ہیں، کفر وشرک کے مارے ہوئے لوگ اپنی زندگی پر خوش ہیں، مگر مسلمانوں کو ان کی حالت پر بڑی دردمندی کا اظہار کرنا چاہیے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ ۚ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۞ بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ وَ تَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ ۞

آپ کہہ دیجیے کہ تم ہی بتاؤ کہ اگر تمہارے پاس خدا کا عذاب آجائے یا قیامت آجائے تو کیا تم اللہ کے علاوہ کو پکارو گے؟ اگر تم لوگ سچے ہو، بل کہ اسی خدا کو پکارو گے، پس اگر چاہے گا تو وہی اس بلا کو دور کرے گا، جس کے لیے تم اسے پکارتے ہو، اور تم ان چیزوں کو بھول جاؤ گے، جن کو خدا کا شریک ٹھہراتے ہو۔ (پ ۷ ع ۱۰، سورۂ انعام: ۴۰، ۴۱)

تجربات و مشاہدات کی دنیا میں اس حقیقت سے انکار دن میں آفتاب کے انکار کے مرادف ہے کہ سرکش سے سرکش ذہن جب اس کی تمام چوکڑی بھول جاتی ہے، تو تیر کی طرح سیدھا ہو جاتا ہے اور ویسے نہیں تو ایسے قول و قرار کی زندگی اختیار کرتا ہے، اور اس حقیقت کی طرح یہ حقیقت بھی واضح ہے کہ مجبوری کی نیک روی کسی کام کی نہیں ہوتی، اور جو کچھ ہونا ہوتا ہے، وہ ہو کر رہتا ہے۔

یہی حقیقت ہے جو فرعون جیسے منکر خدا، ناحق شناس اور شریر انسان تک میں آخری وقت ظاہر ہوئی، جب کہ وہ دریائے نیل کی موجوں میں گھر کر اپنی زندگی سے مایوس ہونے لگا

تو ایمان باللہ کا اعلان کرنے لگا، مگر اس کا یہ اعلان نیل کی مہیب موجوں کی نذر ہو کر رہ گیا اور اس کا کوئی نتیجہ مرتب نہ ہو سکا، یہ تو ایک حقیقت ہے، اب اسی کے ماتحت آپ سوچیے کہ آج بھی بڑے بڑے دہریے، لامذہب، منکر خدا، روحانیت کے باغی اور تقدیر خداوندی کا مذاق اڑانے والے، جب زندگی کی الجھنوں میں پھنستے ہیں اور اپنی باغیانہ تدبیروں سے عاجز ہو جاتے ہیں تو بے ساختہ اسی خدا پر ان کی بھی نظر جاتی ہے، جس کے وہ منکر ہوتے ہیں اور وہ رب السماوات والارض ہے، اس حقیقت کی لپیٹ میں آج کی باغی دنیا کے بڑے بڑے باغی آتے رہتے ہیں اور قدرت کا یہ تماشا ظاہر ہوتا رہتا ہے کہ ویسے نہیں تو ایسے خدا کا اقرار کرو۔

پس جب یہ حال ہے تو تم کیوں نہیں ویسا کرتے کہ برے دن کی ہلاکتوں سے بچتے ہوئے اچھے دنوں ہی میں اسی خدا کو پکارو، جس کے قبضے قدرت میں اچھائی اور بُرائی کی لگام ہے۔

سکون واطمینان اور اَمن واَمان کی گھڑیاں کیوں تمھیں خدا سے باغی بنا دیتی ہیں اور جب زندگی کے مکروہ دن گردن دباتے ہیں تو تم جبر واکراہ سے اس کے درپے ہو جاتے ہو، اس طرح سے جانا خوش بختی وخوش نصیبی حاصل کرنے کے لیے نہیں ہوا کرتا، بل کہ اپنی بدبختی وبدنصیبی کی سزا بھگتنے کے لیے ہوتا ہے، اے لوگو! سمجھو اور شرارت سے باز آ جاؤ۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۭ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۴۵

ظالم قوم کی جڑ کاٹ دی گئی، اور سب تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں، جو تمام عالم کا پروردگار ہے۔ (پ ۷ ع ۱۱، سورۂ انعام: ۴۵)

ظلم وشرارت، عدوان وطغیان، تجاوز وسرکشی، ایسی باتیں ہیں، جو دنیا کی قوموں کے لیے مہلک بیماری ہیں، بل کہ افراد واشخاص کے لیے بھی یہ چیزیں سم قاتل کا حکم رکھتی ہیں اور ان کے مریضوں کا اول وآخر علاج تباہی وبربادی ہوتا ہے، انسانی بستیوں میں جب فخر،

تکبر اور کبر و غرور کے دیوتا آجاتے ہیں تو تباہی مچتی ہے کہ تن و مند قوم درختوں کی طرح سوکھ جاتی ہے، عالی شان قصور و محلات کھنڈروں میں تبدیل ہو جاتے ہیں، پرانے سے پرانی تہذیبیں ملیا میٹ ہو جاتی ہیں، تاریخی عظمتیں خاک میں مل جاتی ہیں، عظیم الشان روایتیں غبار بن کر گم ہو جاتی ہیں، اٹل کارنامے بھاپ بن کر اڑ جاتے ہیں اور اگلے متکبر پچھلوں کے لیے سلف و مثل بن جاتے ہیں، بابل و نینویٰ کی تہذیب ہو، یا اشوریٰ اور فینیقی تمدن، کلدان کی حکومت ہو یا مصر کی شہنشاہیت، روما کا نظام زندگی ہو یا ایران کا اصولِ حیات، تمام کے تمام تمدن، ساری کی ساری تہذیبیں، کل کی کل حکومتیں اور سب کی سب زندگیاں، اسی ظلم و عدوان کی نذر ہو گئی ہیں، اور اس بات کی گواہی دینے کے لیے سندھ و گنگا کی وادیوں کے کھنڈرات، بابل و نینویٰ کے برباد آثار، مصر و کارتھج کے گرے پڑے محلات، عاد و ثمود کی پہاڑی پناہ گاہیں، مقام حجر و احقاف کی ویرانیاں، سباء و ارم کی تباہ کاریاں اور اس روئے زمین پر گزشتہ دور کی ہزاروں ٹوٹی پھوٹی نشانیاں موجود ہیں، اور ان کے ویرانے اس گونج سے معمور ہیں کہ اے بعد کے لوگو! پہلے کے لوگوں کی بے راہ روی سے عبرت حاصل کرو اور دنیا میں امن و سلامتی اور عزت و آبرو سے زندہ رہنے کے لیے ظلم و شرارت سے باز آجاؤ۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ مَا نُرۡسِلُ الۡمُرۡسَلِیۡنَ اِلَّا مُبَشِّرِیۡنَ وَ مُنۡذِرِیۡنَ ۚ فَمَنۡ اٰمَنَ وَ اَصۡلَحَ فَلَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَ لَا ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ﴿۴۸﴾ وَ الَّذِیۡنَ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا یَمَسُّہُمُ الۡعَذَابُ بِمَا کَانُوۡا یَفۡسُقُوۡنَ ﴿۴۹﴾

اور ہم نہیں بھیجتے ہیں رسولوں کو، مگر وہ بشارت دینے والے ہوتے ہیں، یا ڈرانے والے ہوتے ہیں، اس کے بعد جو لوگ ایمان لا کر عمل صالح کرتے ہیں، ان کے لیے نہ خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے، اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا، ان کے فسق کی وجہ

سے ان کو عذاب پکڑے گا۔ (پ ۷ ع ۱۱، سورۂ انعام: ۴۸، ۴۹)

اِنداز و تبشیر کی دو جدا گانہ کیفیتوں کے امتزاج سے وعظ و تذکیر کی صورت پیدا ہوتی ہے، پند و نصیحت اور سمجھانے بجھانے کے لیے یہی دو طریقے اختیار کیے جاتے ہیں، یعنی یا تو حالات و واقعات کے نتائج کی ناگواری سے ڈرایا، یا دھمکایا جاتا ہے اور اسی کو "انداز" سمجھتے ہیں، یا ان کی خوش گواری کی خوش خبری دی جاتی ہے اور اس کو "تبشیر" کہتے ہیں، انبیاء علیہم السلام کا مشن چوں کہ دنیا کے لیے درمیانی زندگی کا داعی ہوتا ہے، جس میں نہ سراسر نا امیدی و قنوط اور یاس و حرماں نصیبی ہو کہ انسان جیتے جی مرجائے اور رہبانیت اور جوگ پن کی زندگی بسر کرنے لگے، اور نہ ہی اس میں سراسر خوش خبری و بشارت ہی ہو، انسان خوشی و مسرت میں پڑکر رات دن خرمستی کرتا رہے، اور زمین پر شر و فساد کی گرم بازاری برپا کرے۔

بل کہ آس و یاس اور امید و نا امیدی کے درمیان میں انبیاء ایسی راہ پیش کرتے ہیں، جس کا اعتدال کامیاب و کامران نتائج کا ذمہ دار ہوتا ہے، چنان چہ جو لوگ اس راہ پر آجاتے ہیں، اور تسلیم و رضا کے بعد عمل و کردار کا مظاہرہ کرتے ہیں، ان کے لیے عواقب و نتائج کی تمام اچھائیاں ہوتی ہیں، اور ان کو زندگی کی راہ میں کسی موڑ پر غم اور حزن و ملال کا منہ نہیں دیکھنا پڑتا، بخلاف اس کے جو لوگ خدا کی آیتوں اور نشانیوں کا انکار کرتے ہیں اور اپنی غلط روی پر قائم رہتے ہیں، وہ مآل کار کی اس ہولناک خرابی میں مبتلا ہو جاتے ہیں، جس کے بعد کوئی خرابی نہیں۔

آج بھی جو لوگ امید و خوف کی درمیانی زندگی بسر کرتے ہیں، ان کی زندگی کا رہوار کامیابی کی منزل پر پہونچتا ہے، اور جو لوگ اِباء و انکار کی روش اختیار کرتے ہیں، وہ آخر کار ناکام ہو جاتے ہیں۔

وَ مَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ ۚ فَمَنْ اٰمَنَ وَ اَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۴۹﴾

اور ہم نہیں بھیجتے ہیں رسولوں کو مگر بشارت دینے والے اور ڈرانے والے، پس جو شخص ایمان لائے اور اصلاح کر لے تو ایسے لوگوں کے لیے نہ خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا، ان کو ان کے گناہ کرنے کی وجہ سے عذاب پکڑ لے گا۔ (پ ۷ ع ۱۱، سورۂ انعام: ۴۸، ۴۹)

حضرات انبیاء ورسل علیہم السلام نہ خدا ہوتے ہیں اور نہ ہی دیوتا ہوتے ہیں، بل کہ ان کی حیثیت بالکل واضح ہے کہ اللہ کی طرف سے مامور انسان ہوتے ہیں، جن کا کام اپنے بھائیوں کو ڈرا دھمکا کر یا ترغیب وتشویق دے کر نیکی کی طرف لانا ہوتا ہے اور وہ اس کے سوا کچھ نہیں ہوتے کہ انسانوں کو اللہ کا پیغام پہنچا دیں، اس کے بعد انسانوں کا کام ہے کہ ان کی باتوں پر عمل کر کے ایمان وصلاحیت کی زندگی اختیار کریں اور بے فکر اور صاف ستھری زندگی کے مستحق ٹھہریں، یا ریاء وانکار کی روش اختیار کر کے عذاب وسزا کی نوبت کو آواز دیں، انبیاء کا کام تبلیغ کے بعد ختم ہو جاتا ہے اور رسولوں کے بعد اللہ تعالیٰ کی حجت پوری ہو جاتی ہے اور معاملہ بالکل صاف اور سیدھا ہوتا ہے کہ جو شخص ایمان اور عمل صالح کی زندگی اختیار کرے گا، وہ کامیاب رہے گا، اور جو تکذیب واباء کی راہ اختیار کرے گا، وہ تباہ وبرباد ہوگا، اللہ تعالیٰ آنکھ کے بعد کسی کو اندھا نہ بنائے اور نہ کسی کو ہدایت کا سامان مہیا ہونے پر گمراہ کرے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ كَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ﴿۵۳﴾

اوراسی طرح ہم نے ایک کودوسروں کے ذریعے آزمائش میں ڈال رکھا ہے تا کہ یہ لوگ کہا کریں، کیا یہ لوگ ہیں کہ ہم سب میں سے ان پر اللہ نے فضل کیا؟ کیا یہ بات نہیں ہے کہ اللہ حق سناشوں کوخوب جانتا ہے۔ (پ ۷ ع ۱۲، سورۂ انعام: ۵۳)

امیر غریب کی آویزش عالم وجاہل کی چپقلش، مالک ومزدور کی دست وگریبانی، چھوٹے بڑے کی تفریق، خاندان اور قبیلوں کا اختلاف، ملکوں اور وطنوں میں کشمکش، قوموں اور ملتوں میں کشاکش اور دنیا بھر کی حد بندیاں کیا ہیں؟

یہ نظام کی حرکتیں ہیں، جن کی وجہ سے کائنات انسانی کی مشین چلتی ہے، اگر آج ساری دنیا ان ہنگاموں سے سونی ہو جائے تو اس سے پہلے انسان مفقود ہو جائیں گے، پس ہنگاموں کے خاتمہ کی کوشش کرنا انسانیت کو فنا کرنے کے مرادف ہے، ایسی صورت میں کیا کیا جائے، کیا زیر دستی اور زبردستی کی گرم بازاری جاری رکھی جائے، امیر غریب کا خون چوستا رہے، سرمایہ دار مساکین کے دل ودماغ کی جوئیں بنا رہے؟

نہیں، ان ہنگاموں کی ایک قدرتی حد ہے، جس کے اندر اس کی حرکت ہونی چاہیے، اور اگر اس سے آگے بڑھے تو اس کو روکنا اسلام کے نزدیک فرض اولین ہے، لوگ اس معاملے میں جس قدر اچھا یا برا برتاؤ کرتے ہیں، خدا کو خوب معلوم ہے، وہ حق شناس لوگوں کو خوب جانتا ہے، دونوں گروہوں کے لیے اسلام نے کچھ حدود مقرر فرمائے ہیں اور ان کے اندر رہنے کی تاکید فرمائی، ان ہی حدود میں دونوں طبقوں کا رہنا ہی حق ہے، اسی میں صداقت ہے اور اسی سے سچائی کی نشوونما ہوتی ہے، اور ان حدود سے دونوں جماعتوں کا نکل جانا طغیان ہے، جس سے سراسر شر وفساد کی جڑیں پھوٹتی ہیں اور دنیا میں وہ تباہی آجاتی ہے، جو آخرت پر اثر انداز ہوتی ہے، اگر آپ مال دار ہیں، با اقتدار ہیں اور صاحب قوت ہیں تو بتائیے کہ آپ نے اپنی حد میں کیا کام کیا ہے؟

اپنے ماتحتوں سے سلوک کیسا ہے؟ اور ان کی زندگی آپ کے سہارے کیسی گزرتی ہے اور اگر آپ کسی کے ماتحت ہیں، کوئی آپ کے اوپر ہے تو سوچیے کہ اس کے ساتھ آپ کیسا سلوک، کہاں تک اس کے لیے جائز جھکاؤ پیدا کرتے ہیں اور اپنی ماتحتی کو اس کی حد میں رکھنے کے لیے کتنی کوشش کرتے ہیں، اگر دونوں قسم کے لوگ اپنی اپنی حدود میں ہیں اور ان سے باہر قدم نہیں نکالا ہے تو آپ ناحق شناس اور ناشکرے ہیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ اِذَا جَآءَكَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰی نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَ اَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۵۴﴾

اور جب آپ کے پاس وہ لوگ آئیں، جو ہماری آیتوں پر ایمان لاچکے ہیں تو آپ ان کو کہیے سلام علیکم، تمہارے پروردگار نے اپنے اوپر رحمت کی ذمہ داری لے لی ہے، جو شخص تم میں سے جہالت کی وجہ سے بُرائی کرے گا اور اس کے بعد ہی توبہ کرلے گا اور درستی کرلے گا، تو وہ غفور رحیم ہے۔ (پ ۷ ع ۱۲، سورۂ انعام: ۵۴)

اللہ تعالیٰ رحمٰن ورحیم ہے اور اس کے رحم وکرم کا سب سے زیادہ مستحق وہ شخص ہے، جو اس کی منشا کے مطابق ایمان وعمل کا مظاہرہ کرے، اس کی آیتوں کو مان کر ان پر عمل درآمد کرے اور زمین پر اس کے نظام کو برپا کرے، جو لوگ اللہ تعالیٰ کے اَحکام وقوانین پر عمل کرتے ہیں، وہ ہر طرح سے رحمت خداوندی کے حق دار ہوتے ہیں، اور ان سے اگر نادانی اور بیوقوفی سے کبھی کوئی غلطی بھی ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کا فضل درگزر فرماتا ہے، گو اس کے لیے ضروری ہے کہ غلطی مسلسل نہ ہو اور خدا کے رحم وکرم سے کھیلنے کا تصور پیدا نہ ہو جائے، بل کہ جونہی غلطی ہو، فوراً اللہ تعالیٰ کے قانونِ مجازات کی سخت گیری یاد آئے اور اس کے غضب سے

ڈر کر فوراً توبہ وانابت کا معاملہ کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے فرماتا ہے کہ جب مومن آپ کی خدمت میں حاضر ہوں تو آپ بڑھ کر ان کا استقبال کریں اور ان کو سلام ورحمت کا مژدہ سنائیں اور بتادیں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت تمہارے لیے ہو، اگر تم لوگ اس کے احکام وقوانین پر عمل کرتے رہوگے تو وہ بھول چوک سے درگزر کیا جائے گا اور تمہارے گناہوں کی معافی ہوگی، بشرطے کہ تم اپنی نادانی کا اعتراف کر کے اپنے قصور پر نادم ہو اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کی جناب میں رجوع کرو، اور ظلم ومعصیت میں عداوت وسرکشی کی وہ چال نہ چلو، جس نے متکبروں کو تباہ وبرباد کردیا ہے اور عجز وانکساری کے بجائے مجرموں میں فخر وغرور پیدا کر کے ان کو رحمتِ خداوندی سے سراسر محروم قرار دے دیا ہے۔

پس مسلمانوں سے زیادہ رحمتِ خداوندی کا مستحق کوئی نہیں، اور ان سے جو خلاف ورزی نادانی کی وجہ سے صادر ہوگئی اور اس پر وہ فوراً نادم ہو کر توبہ کریں گے، اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرمائے گا بشرطے کہ وہ اسلام وایمان کی روح سے کسی وقت محروم نہ ہو۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ اِذَا جَآءَكَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَ اَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۵۴﴾

اور جب آپ کے پاس وہ لوگ آئیں، جو ہماری آیتوں پر ایمان لاچکے ہیں تو آپ ان کو کہیے کہ تم پر سلام ہو، تمہارے رب نے اپنے اوپر رحمت کو ضروری قرار دیا ہے، جو شخص تم میں سے نادانی کی وجہ سے بُرائی کرے گا، اس کے بعد توبہ اور اصلاح کرے گا، تو وہ غفور رحیم ہے۔ (پ ۷ ع ۱۲، سورۂ انعام: ۵۴)

جب کوئی مسلمان تمہارے پاس آئے تو اس کو اپنا دینی بھائی خیال کر کے بڑی خندہ پیشانی اور وسعت ظرفی کے ساتھ ملو اور اس کے حق میں اطمینان دہ اور خوش کن بات چیت کرو، جس سے اس کی دینی اور ایمانی زندگی میں نشاط پیدا ہو، اور نیکی کا جذبہ ابھرے، اللہ تعالیٰ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم فرماتا ہے کہ جب آپ کی مجلس میں ہمارے مومن بندے آئیں تو آپ ان کو امن وسلامتی کی دعاؤں سے خوش کیجئے اور بتایئے کہ اللہ تعالیٰ رحیم وکریم ہے، وہ اپنے بندوں پر بڑا مہربان ہے اور جو شخص نادانی سے کوئی گناہ کر بیٹھے گا اور پھر توبہ واستغفار کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے درگزر فرمائے گا۔

بہترین انسان وہ ہے، جس سے لوگوں میں امید، خوشی اور حوصلہ مندی پیدا ہو اور اس کی بولی بات سے ڈھارس بندھے، ایسے لوگ اپنے الفاظ تک سے اللہ کے بندوں کی خدمت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے اجر وانعام پاتے ہیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ اِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَ اَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵۴﴾

اور جب آپ کے پاس وہ لوگ آئیں، جو ہماری آیتوں پر ایمان لا چکے ہیں تو آپ ان کو کہیے سلام علیکم، تمہارے پروردگار نے اپنے اوپر رحمت کی ذمہ داری لے لی ہے، جو شخص تم میں سے جہالت کی وجہ سے بُرائی کرے گا اور اس کے بعد ہی توبہ کر لے گا اور درستی کر لے گا، تو وہ غفور رحیم ہے۔ (پ ۷ ع ۱۲، سورۂ انعام: ۵۴)

جو لوگ اس دنیا میں صرف اپنی خواہشوں کی پرستش کے لیے زندہ ہیں اور ان کا کام صرف اپنے کام و دھن اور خواہش و لذت کی بندگی ہے، وہ اپنی غلامی ہی کو سب کچھ

بنائے ہوئے ہیں، ان کا معبود، ان کا رب، ان کا ہمنوا سب کچھ ان کی اپنی ذات ہے، ایسے غلام آدمی میں انسانیت نہیں آسکتی اور نہ اس کے لیے اچھی بری راہ، نیک و بد کی تمیز اور حرام و حلال کا فرق کوئی بات نہیں ہے، اور اس کی اصلاح کا بیڑا کوئی نہیں لے سکتا، جانور تو اچھے برے کو بھانپ لیتے ہیں اور نفع نقصان کا فرق معلوم کر لیتے ہیں، مگر یہ عقل کے پورے، گانٹھ کے پکے جانوروں سے بھی گئے گزرے ہوتے ہیں کہ ان کو کبھی نہ سمجھو کہ یہ کان یا عقل والے ہیں، یہ اچھی بات سن سکتے ہیں اور نہ سمجھ سکتے ہیں، ان سے کسی خیر کی توقع مت رکھو اور ان کو اپنے حال پر چھوڑ دو۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ اِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَ اَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵۴﴾

اور جب آپ کے پاس وہ لوگ آئیں، جو ہماری آیتوں پر ایمان لا چکے ہیں تو آپ ان کو کہیے سلام علیکم، تمہارے پروردگار نے اپنے اوپر رحمت کی ذمہ داری لے لی ہے، جو شخص تم میں سے جہالت کی وجہ سے برائی کرے گا اور اس کے بعد ہی توبہ کر لے گا اور درستی کر لے گا، تو وہ غفور رحیم ہے۔ (پ ۷ ع ۱۲، سورۂ انعام: ۵۴)

اللہ تعالیٰ رحمٰن و رحیم ہے اور اس کے رحم و کرم کا سب سے زیادہ مستحق وہ شخص ہے، جو اس کی منشا کے مطابق ایمان و عمل کا مظاہرہ کرے، اس کی آیتوں کو مان کر ان پر عمل درآمد کرے اور زمین پر اس کے نظام کو برپا کرے، جو لوگ اللہ تعالیٰ کے احکام و قوانین پر عمل کرتے ہیں، وہ ہر طرح سے رحمتِ خداوندی کے حق دار ہوتے ہیں اور ان سے اگر نادانی اور بے وقوفی سے کبھی کوئی غلطی بھی ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کا فضل درگزر فرماتا ہے، مگر اس کے لیے

ضروری ہے کہ غلطی مسلسل نہ ہو، اور خدا کے رحم وکرم سے کھیلنے کا تصور پیدا نہ ہو جائے، بل کہ جوں ہی غلطی ہو، فوراً اللہ تعالیٰ کے قانونِ مجازات کی سخت گیری یاد آئے اور اس کے غضب سے ڈر کر فوراً توبہ وانابت کا معاملہ کیا جائے۔

پس مسلمانوں سے زیادہ رحمتِ خداوندی کا مستحق کوئی نہیں ہے اور ان سے جو خلاف ورزی نادانی کی وجہ سے صادر ہوگی اور وہ اس پر فوراً نادم ہو کر توبہ کریں گے، اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرمائے گا بشرطے کہ وہ اسلام وایمان کی روح سے کسی وقت محروم نہ ہوں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً ۚ لَئِنْ اَنْجٰنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۶۳﴾ قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿۶۴﴾

آپ کہیے کہ تم لوگوں کو کون بچاتا ہے، جنگل اور دریا کے اندھیروں سے، تم پکارتے ہو گڑگڑا کر اور چپکے سے کہ اگر وہ ہمیں ان سے بچالے تو ضرور بالضرور ہم شکر گزار ہو جائیں گے، آپ کہہ دیجیے کہ اللہ نجات دیتا ہے تم کو، ان سے اور ہر مصیبت سے، پھر بھی تم شرک کرتے ہو۔ (پ ۷ ع ۱۴، سورۂ انعام: ۶۳، ۶۴)

انسان مدنی الطبع واقع ہوا ہے اور وہ اجتماعی زندگی اور مل جل کر رہنے کا عادی ہے، لیکن اس تمدنی اور اجتماعی زندگی کے سلسلے میں اسے صحراؤں، بیابانوں، دریاؤں اور سمندروں کا سفر کرنا پڑتا ہے، سخت اور گرم وسرد حالات سے دوچار ہونا پڑتا ہے، اور وحشت و اضطراب میں پڑ جانے کی باری آجاتی ہے، معاشی اَسفار اور تجارتی اَسفار انسانوں کو بڑی بڑی پریشانیوں میں ڈال دیتے ہیں اور آدمی اضطراب و پریشانی کی انتہا کو پہونچ جاتا ہے اور سخت سے سخت تر منکر خدا کو بھی خدا پکارنا پڑتا ہے اور اسی سے ساری لولگانی پڑتی ہے، مگر

افسوس کہ اس کے باوجود وہ اللہ تعالیٰ کی فعالیت وقدرت کا بہت کم قائل ہوتا ہے، خاص طور سے مشرک اور بت پرست اس معاملہ میں بڑی حماقت کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔

بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ سمندروں کی تیرہ وتاریک موجوں میں ننھی سی کشتی لیے رات گزارنی پڑتی ہے اور سمندر کی ظلمتوں میں جینے کی کوئی کرن نظر نہیں آتی ہے، اس وقت تمام اہل کشتی صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی دہائی دیتے ہیں اور اسی کے نام کو ورد زبان کرتے ہیں، اسی طرح بڑے بڑے قافلے اندھیری راتوں میں صحراؤں اور ریگستانوں کی مہیب ظلمت میں صرف اللہ کی ذات کو اپنا آسرا بناتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کو نجات بھی دیتا ہے، مگر یہی لوگ خلاصی پا کر پھر اللہ تعالیٰ کو بھول جاتے ہیں اور مشرکانہ وکافرانہ زندگی بسر کرنے لگتے ہیں، جن لوگوں کا ذہن اس طرح کا وقتی ہوتا ہے، ان کو ٹھوس حقائق سے عموماً محرومی ہی رہتی ہے اور وہ دنیا میں انسانیت کا نام اونچا نہیں کرتے، بل کہ اسے ذلیل کرتے رہتے ہیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّ يُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ﴿۶۵﴾

آپ کہہ دیجیے کہ وہ اللہ قادر ہے اس بات پر کہ تم پر اٹھائے عذاب تمہارے اوپر سے اور تمہارے پیروں کے نیچے سے، یا بھیڑا دے تم کو جماعت جماعت کر کے، تاکہ چکھائے تم میں سے بعضوں کو بعض کی قوت، دیکھیے ہم نشانیوں کا کس طرح الٹ پھیر کرتے ہیں، شاید وہ لوگ گر کو سمجھ جائیں۔ (پ ۷ ع ۱۴، سورۂ انعام: ۶۵)

کسی جماعت کا یہ سمجھنا کہ ہمارا جماعتی نشہ نہیں اتر سکتا کہ ہم جو چاہیں کریں، ہماری طاقت سے کوئی سوال کرنے والا نہیں ہے، یہ جماعتی گمراہی ہے، جو اسے کسی دن ختم کر دیتی

ہے، سوسائٹی کا رنگ جما ہے، قومی زندگی ٹھاٹھ سے گزر رہی ہے، اقتدار کا نشہ ٹوٹتا ہی نہیں، یہ خود جماعت کے پہلو میں تباہ کن پھوڑا نکل آتا ہے اور اس کا زہر دیکھتے دیکھتے جماعت کے دل و دماغ کو مسموم کر کے بیکار کر دیتا ہے، اور عالَم بے کسی میں پیر کے نیچے سے زمین نکل جاتی ہے۔

خدا کا قانونِ قدرت ہر زمانہ اور ہر ملک میں کام کرتا ہے، جب قومی سرکشی پیدا ہوتی ہے، جماعتی عصبیت میں ناسور پڑ جاتا ہے، غرور و تکبر کا سر آسمان سے ٹکرانے لگتا ہے، تو قدرت کا قانون اپنا کام کرتا ہے، اوپر سے تباہی آتی ہے، نیچے سے بربادی پیر پکڑتی ہے، خود جماعت کے افراد باہم دست و گریباں ہو جاتے ہیں، پھر سارا جماعتی نظام ختم ہو جاتا ہے اور دنیا اس سے سبق لیتی ہے۔

تم دیکھ رہے ہو کہ ان کا کیا حال ہے، کیا ہندوستان اور پاکستان کی غلط سیاست کو یہ قانون اپنی لپیٹ میں نہیں لے سکتا، دنیا دیکھتی ہے کہ کس طرح اس کا ستیاناس ہو رہا ہے، کیا لیگ اور کانگریس کی حکومتیں اپنے پاس کوئی گارنٹی رکھتی ہیں کہ وہ خدا سے بغاوت کر کے اپنے کو اس قانون سے بچا سکتی ہیں، حالات بول رہے ہیں کہ اگر ان کی یہی روش رہی تو ان کے وجود سے دنیا پاک ہوگی اور ان کی بربادی کا مواد انہی کے سینوں سے پھوٹ کر نکلے گا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ اِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِهٖ ؕ وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۶۸﴾

اور جب آپ دیکھیں ان لوگوں کو جو بحث و مباحثہ کرتے ہیں ہماری نشانیوں میں، تو ان سے ہٹ جایئے، یہاں تک کہ وہ دوسری بات میں بحث و مناظرہ شروع کر دیں اور اگر شیطان آپ کو بھول میں ڈال دے تو یاد آ جانے کے بعد اس ظالم قوم کے ساتھ نہ بیٹھیے۔

(پ ۷ ع ۱۴، سورۂ انعام: ۶۸)

جب کسی قوم میں عمل کی قوتیں ختم ہو جاتی ہیں تو قول کی طاقتیں سر اٹھانے لگتی ہیں، یا یوں کہو کہ جب لوگوں کے قویٰ شل ہو جاتے ہیں تو دن رات بحث و مناظرہ کیا کرتے ہیں، یہ ایک مرض ہے، جو اپاہج قوم میں پیدا ہو جاتا ہے اور بڑھتے بڑھتے اس درجہ بڑھ جاتا ہے کہ غیبت، شکوہ، شکایت،، جھگڑا، تو معمولی باتیں ہو جاتی ہیں، دین، مذہب خدا، رسول اور اَعمال و عقائد کے متعلق لوگ بحث مباحثہ کیا کرتے ہیں، جہل، بے عمل، بے عقل اپنے مجمع میں اس قسم کی باتیں کرتے رہتے ہیں، یہ وقت بہت ہی خطرناک ہوتا ہے، مسلمانوں کی حالت پر غور کرو، رات دن سیاسی، مذہبی، دنیاوی، باتیں تو خوب چھنتی ہیں، مگر عمل کے نام پر سب کو سانپ سونگھ جاتا ہے۔

اس لیے اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسے مجمعوں میں جانے سے روکا اور وہاں پر بھول کر چلے جانے کو شیطانی بھول فرمایا، پھر ایسے بے کار لوگوں کو قوم ظالمین سے تعبیر فرمایا، اگر مسلمانوں کی غفلت سننے کے لیے تیار ہو تو ہم عرض کریں گے کہ آج وہ اپنی سوسائٹی کا اس نقطۂ نظر سے جائزہ لیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ اِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰی یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِهٖ ؕ

اور جب تم ان لوگوں کو دیکھو، جو ہماری آیتوں میں بحث و مباحثہ کرتے ہیں، تو ان سے اعراض کرو، یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں بحث و مباحثہ کرنے لگیں۔

(پ ۷ ع ۱۴، سورۂ انعام: ٦٨)

بے عملی کی سب سے بڑی علامت یہ ہے کی بات بنانے اور ذہنی تفریح کرنے کا مادہ بہت زیادہ ہو جاتا ہے اور جو لوگ عملی اعتبار سے ناکارہ ہوتے ہیں، وہ باتیں بنانے میں

بہت پیش پیش ہوتے ہیں، جن کے عملی قویٰ کو گھن لگ جاتا ہے اور دنیا میں تندرست رہ کر بھی کچھ کرنا نہیں چاہتے، ان کو باتیں بنانے میں بڑا لطف آتا ہے، وہ چاہتے ہیں کہ اپنی بے عملی اور سہل انگیزی کو عوام میں جائز اور مستحق قرار دینے کے لیے لوگوں کے ذہن کو اپنے حق میں ہموار کریں، اس لیے وہ دوسروں کو اپنا ہم خیال بنانے کی فکر کرتے ہیں، اور کھلی کھلی باتوں کو موضوع بحث بنا کر بے سروپا نتائج نکالتے ہیں اور اپنی طرح دوسروں کو گمراہ کرتے ہیں۔

ایسے لوگ ان زہریلے جراثیم کے مانند ہوتے ہیں، جو کسی بستی میں طوفان اور تباہی مچانے میں بنیادی درجہ رکھتے ہیں، بل کہ بے عملی اور بداعتقادی کے یہ جراثیم بیماریوں کے جراثیم سے زیادہ مہلک اور خطرناک ہوتے ہیں اور ان کا صفایا کرنا انسانی بستی میں بڑا مشکل ہوتا ہے، ایسے مہلک اور خطرناک لوگوں سے عام لوگوں کو جہاں تک ہو سکے، بچنا چاہیے اور ان کی باتوں میں نہیں آنا چاہیے۔

بعض لوگ بددینوں اور مکروہ قسم کے لوگوں کی مجلس میں بیٹھ کر ان کی ملحدانہ باتوں کو ہنس ہنس کر سنتے رہتے ہیں اور دین پر پھپتیاں کسنے والوں کی بغل میں بیٹھے سب کچھ دیکھا کرتے ہیں اور اپنے کو تسلی دینے کے لیے رواداری اور وسعت قلبی کا تصور کر لیتے ہیں، ایسا کرنے والے روادار اور وسیع القلب نہیں ہیں، بل کہ دین کے مقابلے میں بددینی کے طرف دار ہیں، ایسے لوگ بہت ہی خطرناک ہوتے ہیں، ان سے بھی چوکنا رہنا چاہیے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا.

اور ان لوگوں کو چھوڑ دے، جنھوں نے اپنے دین کو لہو ولعب بنا رکھا ہے اور حیات دنیا نے ان کو دھوکہ میں رکھ چھوڑا ہے۔ (پ ۷ ع ۱۴، سورۂ انعام: ۷۰)

عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ جن لوگوں کو دین و مذہب سے واسطہ بہت کم ہوتا ہے

اور وہ دین کے تقاضے پورے نہیں کرتے، ان کے یہاں لوگوں کو دکھانے کے لیے دین کا نام خوب لیا جاتا ہے اور دینی اُمور کے نام پر اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے خوب خوب دھوم دھام کی جاتی ہے۔

ایسے لوگ نہ صرف یہ کہ دین سے بے تعلق ہوتے ہیں، بل کہ دین کو لہو ولعب کے لیے استعمال کرتے ہیں اور اپنے دنیاوی تعصب وجاہ اور اقتدار وشان کے لیے دین کی آڑ لیتے ہیں، یہ بات آج کل کے ہمارے سیاسی طبقہ میں زیادہ پیدا ہو رہی ہے کہ وہ کہنے کو تو غیر مذہبی سیاست کے کل پرزے ہوتے ہیں، مگر ان میں آنے کے لیے مذہب کا دروازہ تلاش کرتے ہیں۔

یہ لوگ دین و مذہب کے نام پر جلسہ کر کے اپنا کھیل رچاتے ہیں، کئی مذہب کے نام پر کوئی کام کر کے اپنا اُلّو سیدھا کرتے ہیں اور کہیں بڑی چالاکی سے مذہبی لوگوں کو پھنسا کر ان سے کام لیتے ہیں، ایسے لوگ بھی قرآن کی اس آیت کے ذیل میں آتے ہیں، جن کے بارے میں ہدایت کی گئی ہے کہ ان سے قطع تعلق کیا جائے، یہ دنیا کے متوالے ہیں اور ان کے لیے دین تک کو استعمال کرتے ہیں اور دینی حقائق واقدار کو اپنی خواہشوں اور ارادوں پر قربان کرنے سے نہیں چوکتے۔

مسلمان ان سے ہوشیار رہیں اور دین و مذہب کے نام پر ان کی خفیہ چالوں سے چوکنّے رہیں، دنیا کو دنیا سے حاصل کرنا چاہیے، دنیا کے لیے دین کو تختۂ مشق نہیں بنانا چاہیے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا.

اور تم ان لوگوں کو چھوڑو، جنہوں نے اپنے دین کو کھیل کود بنا لیا ہے اور ان کو حیات دنیا نے دھوکہ میں رکھا ہے۔ (پ ۷ ع ۱۴، سورۂ انعام: ۷۰)

کچھ لوگ دنیا کے مریض اس طرح ہوتے ہیں کہ دین کا نام ہر وقت زبان پر جاری رکھتے ہیں اور دنیاداری کو دین ہی کے نام پر حاصل کرتے ہیں، ایسے لوگ اپنے دین کو تختہ مشق بناتے ہیں اور اسے کھیل کود بنا کر دنیاوی کاموں کی طرح ایک کام سمجھتے ہیں اور دین میں وہی رنگینی پیدا کرنا چاہتے ہیں، جو ان کو دنیا میں حاصل ہے، اس کی بہترین مثال وہ لوگ ہیں جو آج کل کے سیاسی اور سرکاری ماحول میں اپنی زندگی کا پروگرام مرتب کرتے ہیں اور اپنے دینی اور مذہبی رجحانات کو اسی پروگرام کے مطابق چلانے کی کوشش کرتے ہیں، اور دین کے کام اس لیے کرتے ہیں کہ اس سے ان کی موجودہ زندگی کا مطلب حاصل ہو، وہ مذہبی جلسے کرتے ہیں تو ان میں اپنی مصالح کو اس طرح لاتے ہیں کہ لوگ ان کے ان کاموں کو دین سمجھیں اور ان کا ذاتی مطلب بھی حاصل ہو۔

ایسے لوگ مذہبی تقریبات اور دینی اُمور میں بعض مرتبہ بڑی گرم جوشی سے حصہ لیتے ہیں اور ان کو شاندار طریقہ پر منانے کے لیے بڑی دوڑ دھوپ کرتے ہیں، مگر ان کا منشاء دینی معاملات کو آلۂ کار بنا کر اپنا مقصد حاصل کرنا ہوتا ہے، ایسے لوگ چوں کہ دین کی روح سے بہت دور ہوتے ہیں اور ان کا مقصد ذاتی مفاد ہوتا ہے۔

لہٰذا عوام کے ذوق وشوق کا احترام کرتے ہوئے خلاف دین حرکتوں کا مظاہرہ کرتے ہیں، خود اسی شہر میں دینی تقریبات کے نام پر کچھ مذہبی امور کا مظاہرہ کر کے گانا بجانا، ناچ، اور اسی طرح سے کھیل تماشے کیے کرائے جاتے ہیں، ایسے لوگ وہ ہیں، جنہوں نے اپنے دین کو کھیل کود بنا رکھا ہے اور دنیا کی زندگی نے ان کو دھوکہ میں رکھ چھوڑا ہے، عوام ایسے لوگوں سے دور بھاگیں اور ان کے پھندوں میں نہ آئیں، جو نام لیتے ہیں دین کا اور کام کرتے ہیں صرف دنیا کا، بل کہ گراوٹ کا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ يَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ ۬ؕ قَوْلُهُ الْحَقُّ ؕ وَ لَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ ؕ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ ؕ وَ هُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿۷۳﴾

اور جس دن وہ کہے گا کہ حشر ہو جائے، اسی دن وہ ہو جائے گا، اس کا ارشاد عین حق ہے، اور جس روز صور پھونکا جائے گا اس روز بادشاہی اسی کی ہوگی، وہ غیب اور شہادت ہر چیز کا عالم ہے اور دانا اور باخبر ہے۔ (پ ۷ ع ۱۵، سورۂ انعام: ۷۳)

صور پھونکنے کی صحیح شکل کیا ہوگی؟ اس کی تفصیل ہماری سمجھ سے بالاتر ہے، البتہ اتنا جاننا چاہیے کہ قیامت کے دن اللہ کے حکم سے ایک مرتبہ صور پھونکا جائے گا اور سب ہلاک ہو جائیں گے، پھر نہ معلوم کتنی مدت بعد، جسے اللہ ہی جانتا ہے، دوسرا صور پھونکا جائے گا اور تمام اولین و آخرین از سر نو زندہ ہو کر اپنے آپ کو میدان حشر میں پائیں گے، پہلے صور پر سارا نظامِ کائنات درہم برہم ہو جائے گا اور دوسرے صور پر ایک دوسرا نظام نئی صورت اور نئے قوانین کے ساتھ قائم ہو جائے گا، اس روز جب پردہ اٹھا دیا جائے گا اور حقیقت بالکل سامنے آجائے گی تو معلوم ہو جائے گا کہ وہ سب جو بااختیار نظر آتے تھے، یا سمجھے جاتے تھے، بالکل بے اختیار ہیں، اور بادشاہی کے سارے اختیارات اسی ایک خدا کے لیے ہیں، جس نے کائنات کو پیدا کیا ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ حَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ؕ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّيْ فِي اللّٰهِ وَ قَدْ هَدٰىنِ ؕ وَ لَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّيْ شَيْـًٔا ؕ وَسِعَ رَبِّيْ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَ كَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَ لَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا ؕ فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۱﴾

اور حجت کی ابراہیمؑ سے ان کی قوم نے، تو کہا ابراہیمؑ نے کیا تم لوگ خدا کے

بارے میں مجھ سے حجت کرتے ہو؟ اس نے تو مجھے ہدایت فرمادی ہے، جن چیزوں کو تم لوگ خدا کا شریک کرتے ہو، میں ان سے نہیں ڈر سکتا، اگر میرا رب چاہے گا (تو ضرور پہنچائیں گے ورنہ نہیں) میرے رب کا علم ہر چیز کے بارے میں عام ہے، پس کیا تم لوگ نصیحت نہیں حاصل کرتے؟ اور میں اس چیز سے کیسے خوف کھا سکتا ہوں، جسے تم شریک کرتے ہو، اور تم خوف نہیں کھاتے کہ تم لوگوں نے ایسی چیزوں کو خدا کا شریک ٹھہرالیا ہے، جس کے متعلق خدا نے تمہارے اوپر کوئی دلیل نہیں اتاری، (تم ہی بتاؤ) دونوں جماعتوں میں کون جماعت اَمن وامان کی زیادہ مستحق ہے، اگر تم علم رکھتے ہو۔ (پ ۷ ع ۱۵، سورۂ انعام: ۸۰، ۸۱)

مسلمان جس کا عقیدہ خدا کی توحید پر ہے اور جس کا عمل خدا کی توحید پرستی پر ہے، وہ کسی حالت میں کافر سے خائف نہیں ہوسکتا، جس کا عقیدہ شرک پر ہے اور جس کا عمل شرک کے تقاضوں پر ہے، اسلام اور توحید پرستی کیا ہے؟ تمام توہمات وہ خطرات کو یک لخت ختم کر کے صرف ایک خدا کی ذات پر مکمل اعتماد و یقین پیدا کر لینا، جس کا لازمی نتیجہ اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ ایک موحد ایک خدا سے خوف کھا کر تمام دنیا سے بے خوف ہو جاتا ہے، اور کفر و شرک کیا ہے؟ ایک خدا کی ذات سے وابستگی توڑ کر تمام مخلوقات سے رشتہ عبودیت جوڑ لیتا ہے، جس کا لازمی نتیجہ اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے یہ تمام مخلوقات سے ڈرنا، سب کی حاکمیت کا دم بھرنا، سب کو راضی کرنے کے لیے اپنی ہستی کو خیر باد کہہ دینا اور ایک خدا سے نہ ڈرنا۔

یہی درس ہے، جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے دور کی نمرودیت کو دیا ہے، اور یہی درس ہر دور کے ابراہیم اپنے دور کی نمرودیت کو دیتے رہے ہیں، پس اگر آج مسلمان کا دل دنیا کے خوف سے کانپ رہا ہے اور قدم قدم پر اسے بے شمار سجدہ گاہیں اپنی طرف کھینچتی ہیں تو خوب سمجھ لو کہ یہ توحید پرستی میں کمزوری کا نتیجہ ہے، کفر و شرک کی زندگی کی اس میں جھلک ہے، اور خدا سے بے تعلقی کی دلیل ہے، یاد رکھو! لاکھ فتنہ و فساد ہو اور ہزار ہنگامہ برپا ہو، مگر امن و

سلامتی کا سہرا مومن وموحد کے سر ہی ہوگا، اس بدامنی کے دور میں سکون واطمینان چراغِ رخِ زیبا لے کر مومن وموحد کو تلاش کر رہا ہے، اگر تم سامنے آجاؤ تو کام بن جائے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَ هُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۸۲﴾

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو ظلم سے ملوث نہیں کیا، ان کے لیے امن ہے اور وہ لوگ ہدایت یاب ہیں۔ (پ ۷ ع ۱۵، سورۂ انعام: ۸۲)

دنیا میں مسلمان کے لیے امن ہے، اسے کوئی خطرہ نہیں، اس کا دین، اس کی تہذیب، اس کی زندگی سب مامون ہیں، اگر اس کا ایمان ظلم کی یلغار سے محفوظ ہے، "ظلم" کیا ہے؟ اللہ کے ساتھ شرک، گناہ، غیر اسلامی زندگی، اللہ اور رسول کے خلاف چلنا، اگر ایمان میں ان باتوں کی آمیزش ہوگی تو پھر مسلمان کی زندگی کو امن نہ ملے گا، کیوں کہ خدا مومنوں کو چین کی دولت سے اسی وقت مالا مال کرتا ہے، جب وہ اپنے دین وایمان کی متاعِ گراں کو ان کے خلاف چیزوں سے پوری طرح بچائے رکھیں، اگر آج مسلمانوں کو امن نہیں ہے تو وہ سوچیں کہ انہوں نے ایمان کے ساتھ گناہوں کی کس قدر آمیزش کی ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَ هُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۸۲﴾

بے شک جن لوگوں نے ایمان کی راہ اختیار کی، اور پھر اپنے ایمان کو ظلم سے ملوث نہیں کیا، تو ان ہی کے لیے امن ہے، اور وہی لوگ ہدایت یاب ہیں۔ (پ ۷ ع ۱۵، سورۂ انعام: ۸۲)

مسلمان چلّا رہے ہیں کہ ہم لٹ گئے، کٹ گئے، اجڑ گئے، مر گئے اور اس چیخ وپکار

کے ذریعے اپنے آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ ہم مظلوم ہیں، مجبور ہیں، کمزور ہیں اور جس طاقت کے ہاتھوں ہماری یہ درگت ہو رہی ہے، وہ سراسر ظالم ہے، سفاک ہے اور مجرم ہے، لیکن قرآن حکیم اس ہنگامۂ آہ و بکا میں پکار پکار کر بتا رہا ہے کہ تم امن کے لیے نہیں لٹے کہ کسی نے تم پر ظلم کیا ہے، اور تم مظلوم ہو۔

بل کہ اس صورت حال کی واحد وجہ یہ ہے کہ تم خود ظالم ہو، قرآن حکیم نے یہاں ایمان کے مقابلہ میں "ظلم" کا لفظ استعمال کر کے یہ بتا دیا کہ ایمانی روح کو اذیت دینے والی ہر حرکت ظلم ہوتی ہے، جن باتوں سے نظام اسلام میں ابتری پیدا ہو، ان کا خمیر ظلم سے اٹھتا ہے، پس ایمان کے بعد ظلم کی راہ اختیار کرنا، اس بات کے لیے کافی ہے کہ اربابِ کفر و شرک سینہ تان کر مقابلہ پر نکل آئے ہیں اور اس قوم کو اس کے ظلم کا مزہ چکھا دیں جو اپنے کو مومن و مسلم کہہ کر اسلام و ایمان کی روح پر عدوان و زیادتی کرتی ہے، جو لوگ مومن و متقی ہیں اور اپنے ایمان کو ہر قسم کی مخالف ہوا سے محفوظ رکھے ہوئے ہیں، ان کے لیے امن و سلامتی کی گارنٹی ہے، انہیں دنیا کی کوئی طاقت مظلوم نہیں بنا سکتی ہے، کیوں کہ انہوں نے اپنے اوپر خود ظلم نہیں کیا ہے۔

پس اگر تم آج مظلوم نظر آتے ہو، اپنے ظالم کو راہ راست پر لانے سے پہلے خود ظلم سے باز آ جاؤ اور وہ راہ اختیار کرو، جس میں امن ہی امن ہے، چین ہی چین ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَ هُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۸۲﴾

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان میں ظلم کو مخلوط نہیں کیا، ان ہی لوگوں کے لیے امن ہے اور وہی لوگ ہدایت یاب ہیں۔ (پ ۷ ع ۱۵، سورۂ انعام: ۸۲)

آج دنیا امن کے لیے پریشان ہے اور سلامتی کی تلاش میں فتنہ و فساد تک کی گرم بازاری

ہے، مگر مغرب سے مشرق تک کہیں امن وسلامتی کی صورت نظر نہیں آتی، نہ خبر رساں ایجنسیوں سے امن کا پروپیگنڈا ہوتا ہے، نہ ریڈیو، تار، ٹیلی فون اور ٹیلی ویژن اس کے لیے کارآمد ہیں اور نہ عالمی کانفرنس اور کمیٹیاں اس کام کے سلسلے میں کوئی کامیابی محسوس کرتی ہیں، بل کہ امن کے نام پر جس قدر زیادہ کوشش کی جاتی ہے، اس کے نتیجے میں اسی قدر فتنہ وفساد، بدامنی، جنگ، کشیدگی اور خون خرابہ کی راہیں کھلتی جاتی ہیں۔

ایسی حالت میں ضرورت ہے کہ امن وسلامتی کا وہ نسخہ استعمال کیا جائے، جو الہامی ہے اور جس کی کامیابی سو فیصد سے زیادہ یقینی ہے، وہ نسخہ خالص ایمان ہے، جس میں کسی قسم کی آمیزش وملاوٹ نہ ہو، ایک اللہ پر ایمان لاکر اس کی وحدانیت میں کسی دوسری چھوٹی بڑی طاقت کو شریک نہ کرنا اور صرف اسی ایک ذات کو سب کچھ ماننا ہی مکمل امن وسلامتی کی ضمانت ہے، جب تک انسان ایک خدا پر ایمان لاکر دوسرے تمام تراشیدہ وخراشیدہ خداؤں سے بری نہ ہوگا، تب تک دنیا میں امن ورحمت کی فضا پیدا نہیں ہوسکتی۔

اگر ہم مسلمان آج پکے مومن وموحد ہوجائیں اور شرک وکفر اور دوسرے گناہوں کی وجہ سے ہمارے ایمان کی آب وتاب پر حرف نہ آئے تو ساری دنیا میں ہمارے لیے امن ہے، بے خوفی ہے، راحت ہے اور کسی قسم کا کہیں کوئی خطرہ نہیں ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَ هُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۸۲﴾

جن لوگوں نے ایمان لاکر اپنے ایمان میں ظلم اور نقصان نہیں ملایا، ان ہی لوگوں کے لیے امن ہے اور وہی لوگ ہدایت یاب ہیں۔ (پ ۷ ع ۱۵، سورۂ انعام: ۸۲)

جس طرح آگ اور پانی کا ایک جگہ جمع ہونا مشکل ہے، سردی اور گرمی کا اتحاد ممتنع

ہے اور سیاہی و سفیدی میں باہمی میل محال ہے، اسی طرح ایمان اور کفر میں بُعد اور دوری ہے، اور یہ نہیں ہوسکتا ہے کہ ایمان کا زبانی اقرار اور بے ایمانی کے افعال و کردار ایک جگہ جمع ہوکر کوئی نیک نتیجہ برآمد کرسکیں۔

قرآن حکیم نے ایمان کے مقابلہ میں ظلم کا استعمال کر کے ان تمام اعمال و حرکات اور عقائد و تصورات کو بیان کر دیا، جو ایمانی عقیدہ و عمل کے بالکل خلاف اور عین ضد ہیں، اور بتا دیا کہ دنیا میں امان و امن اور سکون و اطمینان اور ساتھ ہی نیک روی، راہ اور سلیقہ مند زندگی کی طرف رہنمائی انہی قوموں، ملتوں اور امتوں کے لیے ہے، جن کے اندر ایمان و کردار کی روشنی ہے، جن کے دماغوں میں خدا پرستی و عزیمت کام کر رہی ہے، جن کے دلوں میں خداوندی بصیرت کے دریا موجزن ہیں، جن کی نگاہوں میں شرک و کفر کی تصویریں نہیں جچتی ہیں، جن کے منہ میں ایسی زبان ہے، جس سے کبھی کلمۂ خیر کو چھوڑ کر کلمۂ شر نہیں نکلتا اور جن کے خیال و تصور میں نیکی ہی نیکی ہے، وہ نہ اپنوں کی کبھی برائی کرتے ہیں، نہ غیروں کا برا چاہتے ہیں۔

بل کہ سب کا بھلا چاہتے ہیں، سب کی خیر مناتے ہیں اور سب کے لیے نیک ارادے رکھتے ہیں اور دین کی حقیقتوں پر عمل کرتے ہیں، ایسے ہی لوگ دنیا میں امن کی زندگی پائیں گے اور ہر طرح بے فکر رہیں گے۔

یہ آج جو ہر طرف بدامنی و جنگ کی ہنگامہ آرائی برپا ہے اور کسی ملک سے لے کر کوئی بستی مطمئن نہیں ہے، اسی ظلم کا نتیجہ ہے، جو انسان اپنے ضمیر، اپنے ماحول، اپنی فطرت، اپنی زندگی اور اپنی حیات مستعار پر رات دن کر رہا ہے، اور اسلام و ایمان بالفاظ دیگر امن و امان اور سکون و سلام سے منہ پھیر رہا ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَھُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَھُمُ الْاَمْنُ وَ ھُمْ

مُّهْتَدُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع

جولوگ ایمان لائے اورانہوں نے اپنے ایمان کوظلم اورکفروشرک سے ملوث نہیں کیا، ان ہی لوگوں کے لیے امن ہے، اوروہی لوگ ہدایت یاب ہیں۔ (پ ۷ع ۱۵، سورۂ انعام: ۸۲)

ایمان کیا ہے؟ ایک خدا پر اعتماد ویقین کی ساری پونجی صرف کر کے ہر قسم کے خوف و خطرات سے دامن جھاڑ لینا، ہر طرف سے تعلق منقطع کر کے بے پرواہ ہو جانا اور ہر حالت میں خدا اور صرف ایک خدا سے امید رکھنا، یہی زندگی ایمان کی زندگی ہے، امن و امان کی زندگی ہے اور بے خوفی و اطمینان کی زندگی ہے، جو لوگ اس عقیدہ وعمل پر ہوں گے، ان کی زندگی احوال وظروف سے بے نیاز ہوگی، انقلاب وتغیر سے وہ حراساں نہ ہوں گے اور سرد و گرم حالات میں ان کے دل پر مختلف اثرات اثر انداز نہ ہوسکیں گے، لیکن ایمان و اسلام میں جس قدر ظلم وکفر کا شائبہ ہوگا، اسی قدر غیر اللہ کا خوف و ہراس ہوگا۔

اگر ظلم ومعصیت بالکل نہیں ہے تو غم والم بالکل نہ ہوگا اور اگر ظلم وعدوان اور شرک و کفران کی کثرت ہے تو غم وآلام کی کثرت ہوگی۔

پس آج غور کرو کہ تم خوف وہراس سے کس قدر دوچار ہو، ڈر اور بے اطمینانی نے تمہارا دماغ کس درجہ خراب کر رکھا ہے اور سامنے کے حالات نے تمہارے مستقبل کی راہ کہاں تک پُرخطر کر دی ہے، اور پھر غور کرو کہ تمہارے ایمان واسلام کی دنیا ظلم وستم اور فسق وفجور کی یورش سے کہاں تک محفوظ ہے اور تم نے ایمان کی دولت پر کہاں تک اعتقاد وعمل کا پہرا بٹھا رکھا ہے، اگر تم اپنی موجودہ پُرخطر زندگی کو اس نقطۂ نظر سے دیکھو گے، تو خود فیصلہ کرو گے کہ یہ جو کچھ ہو رہا ہے، سب برحق ہے اور اگر ہمیں اطمینان کی میٹھی نیند سونی ہے تو ایمان کی بستی سے ظلم وکفر کا گھر اُجاڑنا پڑے گا اور پاک زندگی کے لیے پاک ارادوں کو کام میں لانا پڑے گا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحُكْمَ وَ النُّبُوَّةَ ۚ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَ كَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾

یہ وہ لوگ ہیں، جن کو ہم نے کتاب اور حکم اور نبوت دی، پس اگر یہ لوگ ان چیزوں کا انکار کریں گے تو ہم نے ان پر ایسی قوم کو مقرر کیا ہے، جو ان کا انکار کرنے والی نہیں ہے۔

(پ ۷ ع ۱۵، سورۂ انعام: ۸۹)

جو لوگ ایمان داری اور دین داری کی زندگی بسر نہیں کرتے اور ذمہ دارانہ طریقہ سے رہنے سہنے کے عادی نہیں ہوتے، وہ نظامِ قدرت کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، اگر وہ سچائی کے منکر ہیں تو اپنا نقصان کر رہے ہیں، سچائی کے نوک پلک سنوارنے والوں کی کمی نہیں ہے اور خدا کا کام بند نہیں ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے لوگوں کو ہر طرح نوازا، ان کو رشد و ہدایت کے لیے کتاب دی اور نظام زندگی کے لیے قانون عطا کیا، علم و حکمت سے مالا مال کیا، عقل و ہوش کی دولت دی، مگر انھوں نے اپنی گمراہی میں پڑ کر ان تمام حقائق سے منہ موڑ لیا، اور اپنے آبائی خیالات و اعمال پر چلتے رہے، پس ایسے لوگ اپنا نقصان کر رہے ہیں، ان کی اس روش سے خدا کے قانون اور اس کے برپا کیے ہوئے نظام کا کوئی نقصان نہیں ہے، بل کہ اللہ نے ان پر عمل کرنے کے لیے خوش بختوں اور بانصیب لوگوں کو توفیق دے دی ہے، جو اللہ کے احکام و اَوامر پر چل کر انعام الٰہی کے مستحق ہو رہے ہیں، پس جو لوگ دین و ایمان کی راہ چلیں گے، اپنے لیے اور جو ایسا نہ کریں گے، اپنے لیے، خدا کے دین میں ان کے آنے، نہ آنے سے کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوتی ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

أُولَٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾

یہ وہ لوگ ہیں، جن کو ہم نے کتاب، حکم اور نبوت دی ہے، اگر یہ لوگ ان باتوں کے ساتھ کفر سے پیش آئیں گے تو ہم ان باتوں پر ایسی قوم کو موکل کر دیں گے، جو ان سے کفر کا معاملہ نہیں کرے گی۔ (پ ۷ ع ۱۵، سورۂ انعام: ۸۹)

اوپر سے حضرات ابراہیم، اسحاق، یعقوب، نوح، داؤد، سلیمان، ایوب، یوسف، موسیٰ، ہارون، زکریا، یحییٰ، عیسیٰ، الیاس، اسماعیل، ادریس، یونس، لوط علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ان تمام حضرات کے آباء وذریات اور بھائی بندوں کا ذکر ہو رہا ہے اور فرمایا جا رہا ہے کہ ہم نے دنیا میں ان کو برگزیدہ بنایا، ان کو صراط مستقیم کی ہدایت دی اور انھیں کتاب ونبوت کے لیے چن لیا ہے، اور ان ہی کا طریقہ خدا کی ہدایت کا طریقہ ہے، جسے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے، دیتا ہے۔

پھر فرمایا جا رہا ہے کہ نبوت ورسالت کا یہ گھرانہ بھی اگر کتاب ونبوت سے روگردانی کرکے کفر وطغیان کی راہ چلے گا، تو اللہ تعالیٰ ان کی جگہ اپنی راہ پر چلنے کے لیے دوسری قوم کو مہیا فرمائے گا، جو ان کی طرح سرکش ونافرمان نہ ہوگی، یا اس لیے کہ خدا کی راہ مستقیم ایسی نہیں ہے کہ کسی زمانہ میں اپنے راہیوں سے خالی رہے، ہمیشہ ہمیشہ وہ چلنے والوں سے معمور رہے گی، اگر ایک دور کے انسان دوسری قوم کی راہ اختیار کرکے اسے ویران کرنا چاہیں گے تو اللہ تعالیٰ کسی دوسری قوم کو اس پر رہروی کی توفیق دے کر اسے معمور رکھے گا اور گمراہوں کی چال کونا کام بنائے گا۔

غور کرو! جب جب انبیاء ورُسل اور ان کے گھرانوں کے متعلق اعلان کر دیا گیا کہ

ان کی بے راہ روی قدرت گوارا نہیں کرتی، بل کہ حمیتِ الٰہی اور غیرتِ قدرت اپنی راہ کے لیے راہرو مہیا کرے گی تو پھر ان لوگوں کو قدرت کیسے برداشت کر سکتی ہے، جو گمراہیوں میں پڑے رہنے کے باوجود اس اعلان عام سے نہیں ڈرتے، اور اپنے اندر تبدیلی کی کوئی حرکت نہیں پیدا کرتے۔

پس مسلمانو! آج بدلنا ہو تو خود بدل جاؤ، یاد رکھو، بدل دیے جاؤ گے اور یہ تبدیلی بڑی ہی حسرت ناک اور عبرت خیز ہوگی، جسے تاریخ نے خون کے آنسو بہا کر اپنے پہلو میں جگہ دے دی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحُكْمَ وَ النُّبُوَّةَ ۚ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَ كَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾

یہ وہ لوگ ہیں، جن کو ہم نے کتاب اور حکم اور نبوت دی ہے، پس اگر یہ لوگ ان چیزوں کے ساتھ کفر کریں گے تو تحقیق کہ ہم نے ان کاموں کے لیے ایسی قوم کو تیار کر رکھا ہے، جو ان کے ساتھ کفر کرنے والے نہیں ہیں۔ (پ ۷ ع ۱۵، سورۂ انعام: ۸۹)

اوپر سے حضرت ابراہیم، اسحاق، یعقوب، نوح، داؤد، ایوب، یوسف، موسیٰ، ہارون، زکریا، عیسیٰ، الیاس، اسماعیل، یونس، لوط علیہم السلام اور ان تمام حضرات کی آباء وذریات اور بھائی بندوں کا تذکرہ ہو رہا ہے اور پھر فرمایا جا رہا ہے کہ ہم نے ان کو دنیا میں برگزیدہ بنایا، ان کو رشد وہدایت کی پیغمبری کے لیے چن لیا، اور ان کو صراط مستقیم کی ہدایت دی۔

مگر اس اکرام ونوازش کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ لوگ قانونِ قدرت سے آزاد ہو گئے ہیں اور وہ جو چاہیں کریں، ان سے کسی قسم کی باز پرس نہ ہوگی، بل کہ ان تمام نوازشوں

اور بخششوں کے باوجود اگر یہ لوگ یا ان کی نسل کے لوگ عدوان وسرکشی اور کفر واباء کی راہ اختیار کریں گے تو ہم ان کو پوری پوری سزا دیں گے، اور نبوت ورسالت کا مرتبہ ان سے چھین کر ایسے لوگوں کو دے دیں گے، جو اس کی ذمہ داری کو پورا کریں گے، اور کفر وعصیان کی راہ نہیں چلیں گے۔

اے لوگو! غور کرو، سلسلۂ نبوت کے برگزیدہ اور اُولو العزم پیغمبروں اور رسولوں کا تذکرہ کیا گیا، ان کی اولاد کا تذکرہ بھی کیا گیا، مگر ساتھ ہی صاف کہہ دیا گیا کہ اصل چیز اطاعتِ خداوندی ہے، اگر اس میں فرق آئے گا تو پھر ان کی خدا کے یہاں کوئی پوچھ نہیں ہے۔

اب تم بتاؤ کہ ہم میں تم میں خدا پرستی اور قانونِ قدرت کے احترام کا کتنا حصہ ہے اور ہم خداوندی بخششوں کے کس قدر حق دار ہیں، خوب یاد رکھو، خدا پرستی کے بغیر کوئی دائمی زندگی اور اس کی صحیح قدریں نہیں مل سکتی ہیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ﴿۹۷﴾

وہی اللہ ہے، جس نے تمہارے لیے ستارے بنائے، تاکہ تم بحر وبر کی اندھیریوں میں ان سے راہ پاؤ، علم رکھنے والی قوم کے لیے ہم نے الگ الگ نشانیاں بیان کی ہیں۔

(پ ۷ ع ۱۸، سورۂ انعام: ۹۷)

جب ساری دنیا ظلمتوں میں ڈوب جاتی ہے، ہر طرف سے ظلمتوں کی یلغار ہوتی ہے، آبادیاں اور ویرانے خوفناک خموشی سے معمور ہو جاتے ہیں اور یہ ہنستی ہوئی دنیا سیہ خانۂ غم بن جاتی ہے، تو ان تہ بہ تہ ظلمتوں میں روشنی کی معمولی کرن بھی بھولے بھٹکے مسافروں کے

لیے پیغامِ زندگی ہوتی ہے اور سیاہ راتوں میں راستے سے بھٹکے ہوئے مسافر اس طرف دوڑتے ہیں۔

اسی طرح سمندر کی خوف ناک ظلمتیں خطرناک لہروں سے جب کہ کالی رات میں لڑتی ہیں اور کالے آسمان اور خوف ناک سمندر کی درمیانی فضا خطرات وظلمات کی رزم گاہ بن جاتی ہے، تو ٹوٹی ہوئی کشتی کے سوا زندگی کے ہر رشتہ سے جدا ہو جاتے ہیں، اور ان کے دل ان کی کشتی کی طرح ڈوبتے، بیٹھتے جاتے ہیں۔

ایسی حالت میں آسمان کے چمکتے ہوئے تارے ان کے لیے زندگی کا پیغام بنتے ہیں اور ساحل نہیں تو ساحل کی امید بن کر اس کی رہبری کرتے ہیں، یہی حال دنیا میں اس وقت ہوتی ہے، جب یہ جہاں خشک وتر، بدی کی ظلمتوں سے بھر جاتی ہے اور روئے زمین کا چپہ چپہ عصیان وعدوان اور کفر وشرک کی خوف ناک اندھیریوں سے معمور ہو جاتا ہے، تو اللہ تعالیٰ رہروانِ دین ودیانت کے لیے نبوت ورسالت کے ستارے اُگاتا ہے، ان کی روشنی سے دنیا کے سعادت مند لوگ ہدایت پاتے ہیں، نیز اسی طرح جب کسی بستی میں گناہ ونافرمانی کی سیاہی آ جاتی ہے تو اس کے لیے آسمانِ بخت پر رشد وہدایت کی روشنی جگمگاتی ہے اور خوش بخت لوگ ان ہادیوں اور رہنماؤں سے صحیح راہ معلوم کرتے ہیں، کتنے سیاہ بخت ہیں، وہ لوگ جو ظلمت میں رہ کر روشنی سے اکتسابِ فیض نہیں کر سکتے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ﴿۹۷﴾

وہ اللہ ایسا ہے، جس نے تمہارے لیے ستاروں کو پیدا کیا، تاکہ تم ان کے ذریعہ خشکی

اور دریا کے اندھیروں میں راستہ معلوم کرو، بے شک ہم نے دلائل کو خوب کھول کر جاننے والی قوم کے لیے بیان کر دیا ہے۔ (پ ۷ ع ۱۸، سورۂ انعام: ۹۷)

آفتاب کی عمل داری ختم ہونے کے بعد سیاہ رات کا زمانہ آتا ہے، پہاڑوں، دریاؤں، جنگلوں میں ظلمت کا سکہ جاری ہوتا ہے اور ساری دنیا کالے سکون کی گود میں سو جاتی ہے، اپنا گھر اور باہر کی تمیز باقی رہتی ہے، نہ سمتوں اور راستوں کا فرق محسوس ہوتا ہے اور نہ ہی رفتار و گفتار، عمل و کردار کی ہنگامہ آرائی ہوتی ہے، بل کہ ایک مسلسل سکون ہوتا ہے، جو رات کے نام پر تمام کائنات پر چھا جاتا ہے، لیکن سیاہ سکون میں حرکت و اضطراب کی روشنیاں بھی ہوتی ہیں، آسمان کے سیاہ خیمے میں ستاروں کے روشن قمقمے سیاہی کے ماتھے پر قشقہ کا کام دیتے ہیں اور ان ہی روشنیوں کے ذریعے رات کی خاموشی میں زندگی کا ہنگامہ برپا رہتا ہے، نہ خشکی پر چلنے والا قافلہ رکتا ہے، نہ دریا میں تیرنے والا کارواں تھمتا ہے، بل کہ بر و بحر کی راہیں ستاروں کی بدولت معمور رہتی ہیں، سمتوں اور راہوں کا فرق اجاگر رہتا ہے، اور انسان کی زندگی چلتی پھرتی رہتی ہے، یہی حال روحانی دنیا کا ہے، جہل و کفر کی سیاہ راتوں میں بھی علم و ایمان کے ستارے ابھرتے ہیں اور دنیا ان کی روشنی میں صدق و صفا کی راہ طے کرتی ہے اور خدا کا کام جاری رہتا ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ﴿۹۷﴾

اور اسی خدا کی ذات ہے، جس نے تمہارے لیے ستاروں کو بنایا، تاکہ تم خشکی اور تری کی ظلمتوں میں ان کے ذریعے راستہ پاؤ، تحقیق کہ جاننے والی قوم کے لیے ہم نے تمام

نشانیوں کوکھول کرر کھ دیا ہے۔ (پ ۷ ع ۱۸، سورۂ انعام: ۹۷)

اللہ نے زمین بنائی، زمین کے اندر بے شمار طاقتیں ودیعت رکھیں اوران کے ظہور کے لیے آسمانی نظام قائم فرمایا، ستارے پیدا کیے، ان کے اثرات سے زمین کی صلاحیتیں نمودار ہوئیں، سورج کی گرمی سے زمین کی روئیدگی ظاہر ہوئی، چاند کی ٹھنڈک سے پھلوں میں پختگی اور شیرینی آئی، اسی طرح دوسرے ستاروں کے اثرات سے قدرت زمین کا نظم ونسق چلاتی ہے۔

اس سلسلے میں زمین کے باشندوں کے لیے ستاروں کا ایک کھلا اور عام فائدہ یہ بھی ہے کہ انسان اس کی روشنی میں راستہ چلتے ہیں، بتاؤ اگر سورج کے ڈوب جانے کے بعد ستاروں کی محفل آسمان پر نہ برپا ہو، اور رات کی سیاہی اور اندھیری میں تاروں کا نور نہ ہو، تو کوئی انسان گھر سے باہر نکل کر ایک قدم بھی چل سکتا ہے؟ اسے اپنا ہاتھ نظر آسکتا ہے؟ اور شام سے صبح تک انسانی زندگی کا ایک کام بھی ہوسکتا ہے؟

یہ قبہ آسمان میں نجوم وکواکب کے قمقموں کا فیض ہے کہ انسان دنوں سے زیادہ راتوں میں چلنے کا عادی ہے، رات کی مہیب اندھیری اور خطرناک خاموشی میں انسان بولتا، ہنستا منازل ومراحل طے کرتا ہے اور چٹیل میدانوں میں انسانی قافلہ اپنی منزل مقصود تک پہونچ جاتا ہے، پھر ستاروں کی روشنی کا طفیل ہے کہ کالی رات کی مہر بلب خاموشیوں میں سمندر کے سینے پر انسان اپنی کشتیاں چلاتا ہے، اسے نہ موجوں کی یلغار کا خوف ہے، نہ طوفانی ہواؤں کا خطرہ ہوتا ہے اور نہ بے کسی اور بے بسی کا تصور آتا ہے، بل کہ کشتی والے نہایت ہی امن وسکون کے ساتھ ستاروں کی روشنی میں اپنی کشتی کے لنگر اٹھاتے ہیں اور جس سمت جانا چاہتے ہیں بادبان تان کر چل پڑتے ہیں۔

پس اے انسانو! جس طرح رات کی خطرناک ظلمت اور ہیبت ناک خاموشی میں چمکتے ہوئے تارے انسان کی رہنمائی کرتے ہیں، اسی طرح جب دنیا میں ظلمت و معصیت کی گھٹا چھا جاتی ہے، تو نورونیکی کی روشنیاں ابھر کر ضرورت مندوں کی رہنمائی کرتی ہیں، اگر انسان ایسے وقت میں ان روشنیوں سے دور بھاگے گا، تو پھر اسے کوئی روشنی نہیں مل سکتی ہے اور اس کے لیے سوائے بھٹکنے کے اور کوئی چارہ نہیں ہوگا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَ خَلَقَهُمْ وَ خَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَ بَنٰتٍۭ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ۟۠

اور انہوں نے جنات کو اللہ کے شرکاء بنائے، حالاں کہ اللہ نے ان کو پیدا کیا ہے، اور انہوں نے اس کے لیے بیٹے اور بیٹیاں نادانی سے تراش لیے ہیں، پاک ہے وہ ذات اور وہ اس کا جو حال بتاتے ہیں، وہ ان سے بلند و بالا ہے۔ (پ ۷ ع ۱۸، سورۂ انعام: ۱۰۰)

توحید و رسالت سے روگردانی کے نتیجے میں عقل خام کار کو بڑی ٹھوکریں کھانی پڑتی ہیں اور انسان اچھا خاصا احمق بن کر بھی اپنے کو مطمئن پانے لگتا ہے، خاص طور سے اپنے معبود کے بارے میں وہ بہت ہی زیادہ ٹھوکریں کھاتا رہتا ہے، قوائے علویہ اور قوائے سفلیہ میں سے اپنے فکر و ذہن کے مطابق خدا کا شریک بناتا ہے اور اپنے واہمہ و خیال کی تصویر کو خدائی شکل و صورت دیتا ہے، اس سلسلے میں بہت سے انسانوں نے اپنی عقلی برتری یوں دکھائی کی جنات میں ذاتی اثر مان کر ان کو بھی خدائی میں شریک ٹھہرایا، فرشتوں کو اللہ کے بیٹے بیٹیاں گردانا، اور ستاروں میں خدائی طاقت مانی، حالاں کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے، ان میں اگر طاقت ہے تو خدا کی دی ہوئی ہے، خود ان کی ذاتی طاقت کچھ بھی نہیں ہے، جس

طرح ہم تم خدا کی دی ہوئی طاقت وعقل سے اس دنیا کو اپنے قبضے میں کیے ہوئے ہیں، اسی طرح فرشتے، جنات وغیرہ خدا کی بخشی ہوئی طاقت سے کام کرتے ہیں، مگر توحید ورسالت سے محروم قوموں نے اس معاملہ میں ٹھوکر کھائی اور دنیا بھر کی طاقتوں کو خدا کے ہم پلہ سمجھ لیا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ؕ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿۱۰۴﴾

تمہارے رب کی طرف سے بصیرتیں آچکی ہیں، پس جو بصیرت سے کام لے گا اپنے لیے اور میں تمہارا محافظ ونگراں نہیں ہوں۔ (پ ۷ ع ۱۹، سورۂ انعام: ۱۰۴)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی قدرت کا شاہ کار بنایا ہے، ان کو مناسب اعضاء دیئے، حواس خمسہ ظاہرہ اور حواس خمسہ باطنہ اور احساس وشعور کی لطیف قدروں سے آراستہ کیا اور ذوق کی بلندی دی، عزت وشرافت، اکرام واحترام کی قدریں دیں، پھر اس نے ان کو اچھی سے اچھی زندگی بسر کرنے کے لیے حالات بنائے، انبیاء ورسل مبعوث فرمائے، آسمانی کتابیں اتاریں اور حضرات انبیاء کے ذریعے بصائر ونصائح ظاہر کیں۔

ان تمام باتوں کے باوجود اگر انسان راہ راست پر آجائے اور اپنی زندگی کو درست کرتا رہے، تو اپنے لیے اور اگر ان سے صرف نظر کرکے بدترین زندگی بسر کرتا ہے، تو اپنے لیے، اس سے زیادہ انسانی فلاح ونجاح کے لیے اللہ تعالیٰ اور کیا کرے گا، اور اللہ کے رسول اس سے بڑھ کر اور کیا صورت کریں گے کہ نہایت حرص وخلوص کے ساتھ انسانوں کو ہدایت کی راہ دکھائیں اور ان کے راہ راست پر آنے کے لیے جدوجہد کریں، یہ انسان کا کام ہے کہ اللہ کی ان نشانیوں اور آیتوں سے زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کرے اور اپنے آپ کو

کام یاب وفلاح یاب بنائے، اس کی کمر اور گردن پکڑ کر جنت میں لے جانا اور اچھے راستوں پر لانا انبیاء کا کام نہیں ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اِتَّبِعۡ مَاۤ اُوۡحِیَ اِلَیۡكَ مِنۡ رَّبِّكَ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَ اَعۡرِضۡ عَنِ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ﴿۱۰۶﴾

آپ اس چیز کی اتباع کیجئے، جو آپ کی طرف وحی کی گئی آپ کے رب کی طرف سے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ مشرکوں سے دور ہو جایئے۔ (پ ۷ ع ۱۹، سورۂ انعام: ۱۰۶)

یہاں پر خود اسلام کے مبلغ وداعی اور ہادی ورہبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ آپ اللہ کی مرضیات پر چلیے اور اس کی منہیات سے پرہیز کیجئے اور آپ کے پاس اللہ کی طرف سے جو باتیں آتی ہیں، ان پر پوری طرح عمل درآمد کیجئے اور ان کی ادائیگی میں ذرہ برابر تساہل نہ برتیے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یوں خطاب کر کے اصل میں مسلمانوں سے فرمایا جارہا ہے کہ تم بالکل خدا پرست بن جاؤ اور دنیا کے لوگوں کی پرواہ کیے بغیر صرف اسی کے ہو کر رہو، اور تم کو حق نہیں ہے کہ کھلے احکام اور اوامر میں تاویل وتعلیل اور بحث ونظر کی باتیں لا کر ان کو بے روح کر دو، اور اپنی بے عملی اور کوتاہی کی وجہ سے احکام خداوندی میں تبدیلی پیدا کرو، بل کہ تمہارا کام یہ ہونا چاہیے کہ جس طرح جو حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے پاس آیا ہے، اسے اسی طرح ادا کرو، اور اپنی طرف سے اس میں تبدیلی نہ کرو۔

پس دینی احکام میں کسی قسم کی ایسی تاویل جو انہیں بے روح کر دے، ہرگز جائز نہیں ہو سکتی، چاہے وہ فلاسفہ اور معتزلہ کی طرف سے آئے یا عقول ومفکرین کی طرف سے آئے یا متصوفین کی طرف سے آئے یا پھر اقلیت پسندی کی طرف سے ہو، اور مذہب ومشرب کے نام

پر یہ حرکت کی گئی ہو، جو اپنے کو صوفی اور بزرگ اور متبع شریعت بننے والا ظاہر کر کے وحی الٰہی کی پیروی نہ کرے، اور روزہ، نماز، حج، زکوٰۃ اور دوسری عبادات و احکام پر ظاہر میں پورے پورے طور پر عمل نہ کرے، وہ اسلام کی راہ سے دور اور غیر دینی راہ سے قریب تر ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ لَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَیَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًۢا بِغَیْرِ عِلْمٍ ؕ كَذٰلِكَ زَیَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ص

اور تم لوگ انہیں بُرا نہ کہو جن کو وہ اللہ کے علاوہ پکارتے ہیں کہ وہ دشمنی اور جہالت کی وجہ سے اللہ کو بُرا کہیں گے، اسی طرح ہم نے ہر فرقہ کے لیے ان کے اعمال کو مزین کیا ہے۔ (پ ۷ ع ۱۹، سورۂ انعام: ۱۰۸)

اسلام اچھائی کی دعوت دیتا ہے اور اس دعوت میں اچھائی کا طریقہ اختیار کرتا ہے اور کسی موقع پر اپنے نظریۂ حسن و جمال سے جدا نہیں ہوتا، یہ اسلام کی خصوصیت ہے، جس میں دنیا کا کوئی دین اس کا ہمسر نہیں ہے اور اس بارے میں اسلام تنہا نظر آتا ہے۔

یہ بات جس قدر بلند ہے کہ اسلام مسلمانوں کو بتوں کے بُرا بھلا کہنے سے روکتا ہے اور کہتا ہے کہ تم دعوت و اصلاح کے لیے ہرگز ایسا نہ کرو، کہ کوئی نامناسب بات پیدا ہو جائے اور بات بننے کے بجائے بگڑ جائے، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو بتاتا ہے کہ تم لوگ کبھی ان بتوں کو بُرا مت کہو، جن کو کفار و مشرکین پوجتے ہیں اور ان کو خدا کے مقابلہ میں اپنا معبود گردانتے ہیں، اگر تم ان بتوں کو کچھ کہو گے تو ان کے ماننے والے اللہ کو نشانہ بنائیں گے اور اپنی جہالت اور عداوت کو تمہارے سہارے اجاگر کریں گے۔

بات یہ ہے کہ قدرتی طور پر ہر فرقہ اپنے معتقدات کو بہتر سمجھتا ہے اور اس پر مارنے

مرنے کے لیے تیار رہتا ہے، اس لیے یہ نادانی ہے کہ کوئی فرقہ کسی دوسرے فرقہ کے خیالات کو غلط قرار دینے کے لیے ان کے بتوں کو برا بھلا کہنا شروع کر دے، یہ راہ افہام وتفہیم کی راہ نہیں ہے، اس سے تو بات اور بڑھے گی، اگر دوسرے کو ہم خیال بنانا ہے تو اس سے محبت اور پیار کے لہجے میں بات کرنی چاہیے اور اپنے محبوب ترین دوست یعنی مذہب کو نہایت محبوب رنگ میں دوسرے کے سامنے پیش کرنا چاہیے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ

اور تم لوگ ان لوگوں کو برا، بھلا مت کہو، جو اللہ کے علاوہ کو پکارتے ہیں کہ وہ لوگ اللہ کو بُرا، بھلا کہیں گے، بغیر علم کے دشمنی کی وجہ سے۔ (پ ۷ ع ۱۹، سورۂ انعام: ۱۰۸)

سچائی ساری انسانیت کا مشترک سرمایہ ہے، اس میں سب کا حصہ ہے، سب اس کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں، اور جس انسان کے پاس سچائی کی جو مقدار ہے، وہ اس کے بارے میں جواب دہ ہے، اور اسے دوسروں تک پہونچانا اس کے لیے ضروری ہے۔

پس اگر تمہارے پاس کوئی سچائی ہے اور تم اس کی حفاظت ونگرانی کے ساتھ اپنے دوسرے بھائیوں تک اس کو پہونچانے کی کوشش بھی کرتے ہو، تو تمہارے لیے کسی طرح جائز نہیں ہے کہ اس کام کی وجہ سے تم دوسروں کو بھلا برا کہنا شروع کر دو اور اپنے کو ناکام دیکھ کر دوسروں پر اس کا غصہ اتارو، کیوں کہ جب بات غصہ اتارنے تک پہونچے گی تو سچائی کی تبلیغ اور حفاظت کا ثواب سامنے سے ہٹ جائے گا اور اپنی ذات بیچ میں آ جائے گی اور جب ذاتیات پر معاملہ اتر پڑے گا، تو پھر بات حقانیت اور سچائی کی افہام وتفہیم سے گزر کر آگے بڑھ جائے گی۔

نتیجہ یہ ہوگا کہ باہمی کھینچا تانی، جھگڑے کو اور بڑھاوا دے گی اور تم ان کو بُرا کہہ کر اپنے خدا کے بارے میں بُرے الفاظ سنو گے۔

پس سچائی اور دین حق کی اشاعت کے لیے حکمت کی راہ اختیار کرو، نرم گفتگو، میٹھی بول اور شیریں زبان سے کام لے کر مقابل کو اپنا ہم نفس بنالو، یا پھر اس کی زبان بندی کر کے اس پر حجت تمام کر دو، یہ تو قرآن کا حکم کفار و مشرکین کو اسلام کی دعوت دینے کے بارے میں ہے اور ہم مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ آپس میں سچائی کی تبلیغ کے نام پر ایک دوسرے کو بُرا بھلا کہتے ہیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ۠ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۱۰۸

اور تم لوگ برا نہ کہو، جن کو وہ پکارتے ہیں اللہ کے سوا کہ وہ بُرا کہہ بیٹھیں اللہ کو بے ادبی سے، اس طرح ہم نے مزین کر دیا ہے ہر فرقے کے لیے اس کام کو، پر ان کے رب کی طرف ان کی واپسی ہے، پس وہ ان کو خبر دے گا، جو کچھ وہ کرتے ہیں۔

(پ ۷ ع ۱۹، سورۂ انعام:۱۰۸)

اسلام بڑا پاکیزہ دین ہے، اس میں سب سے پہلے رسولوں، نبیوں پر ایمان لانا ضروری ہے، اگر کوئی کسی ایک نبی، رسول کو نہ مانے تو مسلمان ہی نہیں ہوسکتا، تمام انبیاء و رسول کو نہ مانے تو وہ مسلمان ہی نہیں ہوسکتا، تمام انبیاء اور رسول کا احترام ایمان کا جزو ہے اور کسی نبی و رسول کی شان میں ذرا سی گستاخی کفر اور اسلام سے دوری ہے، مذہب اسلام میں تو کسی کو برا بھلا کہنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، حتیٰ کہ قرآن کا حکم ہے کہ کفار و مشرکین جو اسلام

کے دشمن ہیں اور جو اس کے لیے سب سے زیادہ خطرناک ہیں اور جن بھوتوں اور دیوتاؤں اور دیویوں کو پوجتے ہیں، تم ان کو برا بھلا نہ کہو، کیوں کہ اس کے نتیجے میں ان کی جہالت اور بے ادبی پھر جائے گی اور وہ دشمنی میں اللہ تعالیٰ کے بارے میں برے الفاظ کا استعمال کر بیٹھیں گے، جسے تم اپنا معبود سمجھتے ہو اور وہ بھی اسے مانتے ہیں، بل کہ اسے ماننے کے سلسلے میں وہ ان بتوں کی پوجا کرتے ہیں۔

اس لیے کسی کافر ومشرک کے بت اور دیوتا کو بھی مسلمان بُرا بھلا نہ کہیں اور اس سے کبھی سوچ سمجھ کی بات کی توقع ہی نہیں ہوسکتی، پھر یہ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر قوم اور ہر مذہب کو اس کے کام پسندیدہ بنائے ہیں اور وہ لوگ اسے پکڑ کے رہتے ہیں اور اس سے ہر قسم کی مدافعت کو اپنا فرض قرار دیتے ہیں، اب وہ جھوٹ ہو یا سچ، اس کا فیصلہ تو اسی وقت ہوگا، جب کہ وہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں حاضر ہوں گے، لہٰذا دنیا میں امن وسلامتی سے رہو اور اپنے عقائد ومسلمات کو عام کرنے کے لیے کفار ومشرکین کے بتوں کو بُرا مت کہو۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

# پارہ (۸)

## سورۂ انعام

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَ الْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ؕ وَ لَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَ مَا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۱۲﴾

اور اسی طرح ہم نے انس وجن کے شیطانوں کو ہر نبی کے لیے دشمن بنایا ہے، ان میں سے بعض بعض کی طرف جھوٹ اور تمام بعضی کی باتیں بعضوں کو پہونچاتے رہتے ہیں اور اگر اللہ چاہتا تو وہ ایسا نہ کرسکتے، پس تم ان کو اور ان کی افتراء پردازیوں کو چھوڑ دو۔

(پ۸ع۱،سورۂ انعام:۱۱۲)

خدا کے ہادیوں اور دین و دیانت کے رہبروں کی راہ میں آڑے آنے والے شیطان ہوتے ہیں، شرارت پسند سرکش ہوتے ہیں، ان کی طبیعت میں عدوان وطغیان کا مادہ ہوتا ہے، وہ تمرد ونخوت میں بھرے ہوتے ہیں، اور ان ہی خرابیوں کی وجہ سے روحانی صحت مندی وسلامتی کو بُرا مانتے ہیں اور اپنی بیمار فطرت اور مریض طبیعت کی وجہ سے انبیاء ورُسل وہداۃ ودعاۃ کی راہ میں روڑا نکالتے رہتے ہیں، ایسے بدباطن ضروری نہیں ہے کہ جنات ہی کی قسم سے ہوں، بل کہ انسان کی قسم میں بھی ایسے شریر وسرکش لوگ ہوتے ہیں اور شیطان کے بُرے لقب سے ان کو پکارا جاتا ہے۔

ایسے مریضوں کی زبان خوب چلتی ہے اور بات بنانے اور ادھر ادھر کرنے میں خوب خوب جولانی دکھاتی ہے، انسانی شیاطین اور جناتی شیاطین ایک دوسرے کے کام آتے ہیں، ان میں خوب چلتی ہے اور وہ ایک دوسرے کی مدد کر کے حق وصداقت کا خوب مقابلہ کرتے ہیں، چکنی چپڑی باتیں بنانا، برے خیالات کو اپنے رنگ میں پیش کرنا، غلط کاریوں کو صحیح سمجھانا، ان کی سب سے بڑی کوشش ہوتی ہے، اور ان میں انسانوں کے شیطان، جنوں کے شیطان کا پورا پورا ساتھ دیتے ہیں، اسی طرح جنوں کے شیطان انسانوں کے شیطان کا ہاتھ بٹاتے ہیں۔

تم روزانہ دیکھتے ہو کہ انسانوں میں سے شریر و بدطینت لوگ کس قدر حرام کاری و حرام خوری کے لیے کوشش کرتے ہیں اور جنات کے شیطان ان کے نفس میں گھس کر کس طرح ان کی مدد کرتے ہیں، اور انبیاء و رسل کی دینی تعلیمات کے خلاف کیا کیا اقدام کرتے ہیں۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ ایسے شیطانوں کی چالوں سے بچتے رہیں، وہ شیطان جنات کے گروہ سے ہوں یا انسانوں کے گروہ سے ہوں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ؕ

پس کیا میں اللہ کے علاوہ حکم اور فیصل تلاش کروں، حالاں کہ اسی کی ذات ہے، جس نے تمہارے پاس مفصل کتاب اتاری ہے۔ (پ ۸ ع ۱، سورۂ انعام: ۱۱۴)

اس کائنات کے تمام مسائل قدرت کے نقطۂ منشا سے متعلق ہیں، اور اس کی تمام گردشوں کا محور قدرت کا وہ حکم ہے، جس کے خلاف ایک پتہ بھی نہیں ہل سکتا، اسی لیے اس کائنات کی ذمہ دار مخلوق یعنی انسانیت اس بات کی مکلف قرار دی گئی ہے کہ وہ اپنے تمام کاموں کو قدرت کی منشا کے مطابق کرے۔

اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ میں انسان کو تنہا نہیں چھوڑا، بل کہ اس کے لیے ہر طرح کی آسانیاں بہم پہونچائیں، اسے عقل کے جوہر سے نوازا، رُشد و ہدایت کے لیے رسول و نبی مبعوث فرمائے، مرنے اور جینے کے اصول و قوانین کی شکل میں آسمانی کتابیں نازل فرمائیں، صحیح زندگی گزارنے کے لیے نشانیاں اُجاگر کیں، اور پھر ان تمام آسانیوں کے بعد انسان سے کہا کہ تم زندگی کی صحیح راہوں پر چل کر فلاح و نجاح اور کامرانی و کامیابی کے عواقب و نتائج سے فیض یاب ہو۔

انسان کے لیے اب اس کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہیں ہے کہ وہ ہر ہر قدم پر قدرت کے فیصلے کو محترم سمجھے اور اس پر عمل کرے اور اپنی خواہش کے طاغوتوں، ہوا پرستی کے شیطانوں اور گمراہی و غلط روی کے دیوتاؤں کی پیروی نہ کرے، جب اللہ نے کھول کھول کر انسانی ہدایت کے لیے اُصول وقوانین بیان کر دیے اور انبیاء و رُسل کے ذریعہ ہر ہر بات سمجھا دی تو پھر یہ جائز نہیں ہے کہ آدمی اس پروردگار کے علاوہ دوسرے سے فیصلہ کرائے، اور اپنی زندگی کو شرک و کفر کی جکڑ بندیوں کے حوالے کر دے۔

پس جو لوگ خدا کے علاوہ استھانوں، مزاروں اور دوسرے دروازوں پر اپنا فیصلہ لے جاتے ہیں، وہ لوگ اللہ کے علاوہ دوسرے حَکَم اور فیصل تلاش کرتے ہیں، اور قدرت کے اس تمام سلسلۂ رشد و ہدایت سے بغاوت کرتے ہیں، جو انسانی ہدایت کے لیے ابد سے شروع ہو کر ازل تک چلا گیا ہے، قرآن حکیم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے خدا کے علاوہ تمام دوسری عدالتوں کو ناقابل فیصلہ ہونے کا اعلان کر دیا ہے اور صرف ایک خدا کی عدالت میں ہر قسم کا مراقبہ کرنے کی تلقین کی ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ اِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿۱۱۶﴾

اگر آپ زمین کے اکثر لوگوں کی اطاعت کریں تو وہ آپ کو اللہ کی راہ سے گمراہ کر دیں، وہ صرف گمان کے پیچھے چلتے ہیں، اور صرف اٹکل پچو سے کام لیتے ہیں۔

(پ ۸ ع ۱، سورۂ انعام: ۱۱۶)

اَربابِ دین و ایمان کو دنیا بھر کی باتوں کی پرواہ نہیں کرنی چاہیے اور سب کو خوش کرنے کی پالیسی سے بالاتر ہو کر دین و ایمان کی زندگی بسر کرنی چاہیے، اگر کام کرنے والے

حضرات زید وعمرو کی باتوں کے پیچھے پڑے رہیں تو ان کی زندگی کا مقصد پورا نہ ہو اور وہ الجھ کر رہ جائیں، کیوں کہ دنیا میں بھانت بھانت کی بولیاں بولنے والے ہوا ہی کرتے ہیں، اگر ان کی بولیوں پر کان دھرا جائے اور ان سے اثر لیا جائے تو رات دن ان ہی کی باتوں میں پھنساؤ رہا کرے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب فرما کر بتایا ہے کہ عوام کی باتوں کو رکھنا اور ان کے کہنے پر چلنا آپ کا کام نہیں ہے، آپ اللہ کی راہ پر چلتے رہیے اور دین کا کام کرتے رہیے، اگر آپ نے دنیا والوں کی باتوں پر دھیان دیا تو یہ کوشش کریں گے کہ آپ کو اللہ کی راہ سے ہٹا دیں، اور ایمان ویقین کی روشنی سے نکال کر شک وشبہ اور ظن وگمان کی ظلمت میں ڈال دیں، اس لیے ان سے ہٹ کر آپ دین کی راہ پر جمے رہیے۔

اسی طرح مسلمانوں کو لازم ہے کہ وہ اَغیار واَشرار کے شور وغل سے یکسو ہو کر اپنے دین و ایمان پر عمل کرتے رہیں اور دوسروں کو خوش کرنے کے چکر میں نہ پڑیں، ورنہ وہ مسلمانوں کو کہیں کا نہیں چھوڑیں گے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ اِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿۱۱۶﴾

اور جو لوگ زمین میں ہیں، اگر ان میں سے اکثر کی تم پیروی کرو گے تو وہ لوگ تم کو اللہ کے راستہ سے گمراہ کر دیں گے، وہ تو صرف وہم وگمان کے پیچھے چلتے ہیں اور وہ تو صرف اٹکل پچو لگاتے ہیں۔ (پ ۸ ع ۱، سورۂ انعام: ۱۱۶)

واقعات وحقائق سے منہ پھیر کر صرف عوام کی خواہشوں کے مطابق کام کرنا، ان کے غلط جذبات کا احترام کرتے ہوئے بہت سی صحیح باتوں کو ظاہر نہ کرنا، وعظ ونصیحت کے موقع پر اس طرح کی مصلحت بے جا سے کام لینا، اور اپنے کو ایک ذمہ دار ظاہر کرتے ہوئے غیر ذمہ

دارانہ حرکت کرنا، بہت ہی ہلاکت اور تباہی کا باعث ہے۔

اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عوام کی اصلاح تو کیا ہوگی، خود اصلاح کے نام پر وعظ و نصیحت کرنے والے گمراہ ہو جاتے ہیں اور دین و دیانت کی راہ سے ہٹ کر نفس پرستی اور ہوا خواہی کی راہ پر لگ جاتے ہیں، اسی لیے اَربابِ تبلیغ وتذکیر ہمیشہ عوام کی باتوں سے بے پرواہ ہو کر کام کرتے ہیں اور مصلحت کے نام پر حق وحقانیت پر پردہ نہیں ڈالتے، بل کہ حکمت و موعظت سے کام لیتے ہوئے عوام کی موافقت ومخالفت سے بالاتر ہو کر اپنا کام کرتے ہیں۔

قرآن حکیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسے مبلغ اعظم، مذکرِ کائنات اور مصلح انسانیت کو خطاب کرتے ہوئے مسلمان مصلحوں اور واعظوں سے کہتا ہے کہ عوامی خواہشوں کے احترام میں ان کے کہنے پر چلنا بہت بڑی گمراہی ہے، اس صورت سے تم لوگ اللہ کی راہ سے خود بہک جاؤ گے، اور دوسروں کو ہدایت نہ کرسکو گے، اور یہ بات اس لیے ہوگی کہ عوام کو سوچنے اور سمجھنے کی بنیاد پختہ نہیں ہوتی، ان کی عقل وخرد گرد وپیش اور ماحول میں گھری رہتی ہے، وہ ہر بات کو وقتی اور مقامی نقطۂ نظر سے سوچتے ہیں، اور جہاں ان کے ماحول اور وقتی مصالح کے خلاف کوئی بات نظر آئی، وہ اس کی مخالفت میں اندھے بہرے ہو کر کام کرنے لگتے ہیں۔

آج کل کے بہت سے واعظین جو وعظ کے نام پر عزت وآبرو، روپیہ پیسہ اور کھانے کپڑے کے طالب ہوتے ہیں، اپنے عوام اور اپنی پارٹی کے احترام میں دین کی صحیح تعلیمات کو نہیں بیان کرتے اور اس طرح ان کے کہنے پر چل کر خود گمراہ ہو جاتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ان کے وعظ ونصیحت کا اثر بہت کم ہونے لگا ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ ذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَ بَاطِنَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۲۰﴾

اور تم لوگ ظاہری گناہ اور باطنی گناہ کو چھوڑ دو، جو لوگ گناہ کماتے ہیں، وہ یقیناً اپنی کمائی کا بدلہ عنقریب پائیں گے۔ (پ ۸ ع ۱، سورۂ انعام: ۱۲۰)

نیک بننے کے لیے ضروری ہے کہ آدمی اپنے کو ہر قسم کی بُرائیوں سے پاک کرے اور ہر قسم کی اچھائیوں کو قبول کرے، ایک انسان اسی وقت مکمل طور پر نیک بن سکتا ہے، جب کہ وہ چند چیزوں کو چھوڑے اور چند چیزوں کو قبول کرے، اگر کوئی شخص نیک بننے کا مطلب یہ سمجھتا ہے کہ وہ ظاہر میں لوگوں کو دکھانے کے لیے یا واقعی طور پر چند اچھی باتوں پر عمل کر لے اور باطن میں بُرائیاں کرتا رہے تو وہ غلطی پر ہے اور اس میں نیکی کا مادہ نہیں پیدا ہو سکتا، بل کہ نیک بننے کے لیے ضروری ہے کہ آدمی ظاہر و باطن دونوں میں نیک بن جائے، گھر کے اندر بھی نیکی کا کام کرے اور گھر کے باہر بھی نیکی کو اپنا شعار بنائے، تنہائی میں نیک رہے اور مجمع میں بھی نیک روی پر عمل کرے۔

چند برائیوں کو بظاہر ترک کر دینا اور اندرونی طور سے تمام برائیاں کرتے رہنا نیکی کے لیے کافی نہیں ہے، اور اس طرح سے آدمی نیک نہیں بن سکتا۔

اسلام انسان کو جس تزکیۂ نفس کی دعوت دیتا ہے، وہ اتنا جامع اور مکمل ہے کہ اس میں تمام خارجی اور داخلی بُرائیاں ختم ہو جاتی ہیں اور ظاہر و باطن کا امتیاز ختم کر کے آدمی اپنے ہر پہلو کو سراسر نیک بنا لیتا ہے۔

اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مسلمان کی روح پاک ہو جاتی ہے، اس کا جسم پاک ہو جاتا ہے، اس کی خانگی زندگی پاک ہو جاتی ہے اور وہ انفرادی اور اجتماعی حیثیت سے پاک و صاف ہو کر افراد اور عوام دونوں کے لیے یکساں مفید اور کارآمد بن جاتا ہے، اسلام اسی طرح انسان کی انسانیت کو مکمل طور پر پاک و صاف کر کے اسے ہر طرح سے کامیاب و بامراد بنا دیتا ہے، بہ خلاف اس کے دوسرے نظام زندگی میں انسانی پاکی کا اتنا جامع اور موثر اصول نہیں ہے،

اور جو لوگ ان ناقص و نامکمل نظاموں پر عمل کر کے اپنے کو ناکام بنائیں گے، اس کا وبال ان کے سر ہوگا اور اس کی سزا پائیں گے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ ذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَ بَاطِنَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۲۰﴾

اور تم لوگ گناہ کے ظاہر و باطن دونوں کو چھوڑ دو، بے شک جو لوگ گناہ کماتے ہیں، قریب اپنے کیے کی جزا پائیں گے۔ (پ ۸ ع ۱، سورۂ انعام: ۱۲۰)

معصیت بہرحال معصیت ہے، وہ اسے کوئی کھلم کھلا کرے، یا چھپ چھپ کر اس کا مرتکب ہو، اس کے بُرے نتائج دونوں حال میں یکساں مرتب ہوں گے، اور نتیجہ کے اعتبار سے دونوں ہی میں یکساں ہلاکت و بربادی ہوگی، انسان بڑا فریب خوردہ ہوتا ہے، اسے فریب میں آجانے میں بڑی لذت محسوس ہوتی ہے، وہ اپنے آپ کو دھوکہ دیتا ہے اور اپنی اس فریب خوردگی پر خوش ہوتا ہے، اور جانتا ہے کہ فلاں کام کا نتیجہ برا ہے، اس کا دل اس کی برائی کی گواہی دیتا ہے، اس کا ضمیر اس کے کرنے پر ملامت کرتا ہے، مگر وہ اپنی خواہش کے فریب میں مبتلا ہو کر طرح طرح کی باتیں بنانے کی کوشش کرتا ہے، اور اپنے کو دھوکہ میں رکھ کر خواہش کا بندہ بن جاتا ہے، اور سامنے سے ناک پکڑنے کے بجائے پیچھے سے ناک پکڑ کر سمجھتا ہے کہ میں نے ناک نہیں پکڑی ہے، کتنی معصیتیں ہیں، جن کو انسان دوسرے رنگ و روپ میں کرتا ہے، اور سمجھتا ہے کہ میرے پینترا بدلنے سے گناہ کی حقیقت بدل گئی۔

یہ چال بازی اور اپنے کو دھوکہ دہی بڑھتے بڑھتے انسان کو اس بات کے باور کرانے میں مجبور کر دیتی ہے کہ اگر کوئی گناہ چھپ چھپا کر کیا جائے تو گناہ نہیں ہوتا، بل کہ وہ سمجھتا ہے کہ یہ ایک فن ہے، جسے اس نے اپنایا ہے، حالاں کہ یہ صورتِ حال اس کی ذہنی

بدحالی اور قلبی بیماری کی آخری دلیل ہوتی ہے اور اس حقیقت کا پتہ دیتی ہے کہ انسان کے احساس وشعور کا دیوالیہ نکل چکا ہے اور اب اس میں باتوں کے سمجھنے کا مادہ باقی نہیں رہا۔

قرآن حکیم اس قسم کے اپنے کو فریب دہی سے آگاہ کر کے بتا رہا ہے کہ برائی بہرحال برائی ہے، تم اس کا نام بدل کر کوئی فن سمجھو، یا اسے برائی نہ سمجھتے ہوئے کوئی دوسری چیز سمجھو، یا پھر تم اسے لوگوں کے سامنے نہ کرو اور چھپ چھپا کر اس کا ارتکاب کرو، اس قسم کی چالوں سے حقیقت نہیں بدلے گی اور اس کا نتیجہ اپنی جگہ پر بحال رہے گا، لہٰذا جو لوگ برائی کا دھندا کریں گے، کھلم کھلا، یا چھپ چھپا کر، وہ برے نتائج کا منہ دیکھیں گے اور وہ دن دور نہیں ہے کہ اس فریب خوردگی کا پردہ چاک ہو اور حقیقت سامنے آجائے، دنیا میں بھی اس کا نتیجہ ظاہر ہوگا اور آخرت میں بھی اس کا ظہور ہو کر رہے گا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ ذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَ بَاطِنَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَیُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا یَقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۲۰﴾

اور تم ظاہری اور باطنی گناہوں کو چھوڑ دو، بے شک جو لوگ گناہ کی کمائی کرتے ہیں، عنقریب اپنے کیے ہوئے کی جزا دیے جائیں گے۔ (پ ۸ ع ۱، سورۂ انعام: ۱۲۰)

گناہ اور برائی بہرحال گناہ اور برائی ہے اور رہے گی، انسان اگر اپنی کم عقلی سے اس کی حقیقت بدلنا چاہے تو ایسا نہیں ہوسکتا، یہ تو ہوتا ہے کہ آدمی برائی کرتا ہے اور اپنی طرف سے اس کے جواز کی وجہ تلاش کر کے اپنے کو دھوکہ دیتا ہے اور سمجھتا ہے کہ میں نے برائی نہیں کی، مگر نفس کو اس طرح دھوکہ دے کر برائی کو نیکی سے بدلا نہیں جا سکتا، اسی سلسلہ میں بسا اَوقات ایسا ہوتا ہے کہ آدمی چھپ کر برائی کرتا ہے، تا کہ اپنے ضمیر کو نہیں تو عام لوگوں کو یہ دھوکہ دے کہ وہ برائی نہیں کر رہا ہے اور اس کی زندگی بہت صاف ستھری ہے۔

حالاں کہ یہ دوہرا گناہ ہے کہ ایک گناہ کر کے لوگوں کو دھوکہ دینا کہ اس نے گناہ نہیں کیا ہے، پھر یہ صورت دوام واستمرار اختیار کر کے آدمی کو معاصی پر جری بنا دیتی ہے، اور انسان گناہوں کا پتلا بن جاتا ہے۔

قرآن حکیم فرمارہا ہے کہ گناہ ظاہر میں ہو یا باطن میں بہر حال گناہ ہے، اگر تم امن و سکون اور عزت و عافیت کی زندگی گزارنا چاہتے ہو تو ظاہر و باطن میں نیک بنو اور دورنگی مت اختیار کرو کہ دنیا کی نظر میں تو نیکوں کے نیک بنو اور تنہائی میں بدکاروں کے بدکار بھی رہو، یہ پالیسی منافقوں کی زندگی کے شایانِ شان ہے، مسلمانوں کو اس گنہگار زندگی سے بچنا چاہیے، ظاہر میں گناہ کرو یا باطن میں، بہر حال جو کماؤ گے، اس کا اجر ملے گا، کیوں کہ برائی بہر حال برائی ہے، پردہ اسے بھلائی کے سانچے میں نہیں ڈھال سکتا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ؕ وَ مَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَ مَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

اور اسی طرح بنایا ہم نے ہر بستی میں ان کے بڑے بڑے مجرموں کو کہ اس میں مکر و فریب کریں اور وہ نہیں فریب دیتے ہیں مگر اپنے ہی کو حالاں کہ وہ نہیں سمجھتے ہیں۔

(پ ۸ ع ۲، سورۂ انعام: ۱۲۳)

کسی بستی میں برائی پہلے چند بڑے مجرموں میں پیدا ہوتی ہے، پھر آہستہ آہستہ پوری بستی کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے اور پوری بستی کے لوگ جرم میں مبتلا ہو کر سزا پاتے ہیں۔

یہ اکابر مجرمین کھاتے پیتے لوگ ہوتے ہیں، جن کے پاس اللہ کا دیا ہوا مال ہوتا ہے، بے فکری ہوتی ہے اور عیش وعشرت کی زندگی ہوتی ہے، یہ بے فکر لوگ بجائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں اور امن وسکون سے رہ کر دوسروں کو امن وسکون سے رہنے کی فضا پیدا

کریں، اپنی بستیوں میں طرح طرح کی برائی پھیلاتے ہیں، حرام خوری اور حرام کاری کے اڈے بناتے ہیں اور عوام کو اپنا ہم خیال بنا کر ان کو بے حیائی اور برائی کی دعوت دیتے ہیں۔

یہ لوگ اپنے کو بہت ہی چالاک اور کامیاب سمجھتے ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ ہم بہت عقل مند ہیں اور ہماری چالیں خوب خوب کامیاب ہیں، حالاں کہ مال و دولت کے ساتھ عقل و خرد کا جوڑ بہت ہی کم لگتا ہے۔

پس بستیوں کے یہی بڑے بڑے گنہگار برائی کی اصل جڑ ہوتے ہیں اور جب وہاں کے بدکاروں کو پکڑا جاتا ہے تو پہلے ان کی گردن ناپی جاتی ہے اور انجام کار وہ ایسے برے پھنستے ہیں کہ توبہ نہیں قبول ہوتی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ؕ وَ مَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَ مَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

اور ہم نے اسی طرح ہر بستی میں اس کے بڑے بڑے مجرموں کو بنایا ہے، تا کہ وہ مکر و فریب کریں اور ان کا یہ مکر ان کے اوپر ہوتا ہے، لیکن وہ شعور نہیں رکھتے۔

(پ ۸ ع ۲، سورۂ انعام: ۱۲۳)

ملکوں اور قوموں کی تباہی کا مادہ عوام سے نہیں پیدا ہوتا، بل کہ ہر بستی میں کچھ بڑے منڈھ قسم کے مجرم ہوتے ہیں، جن کا غلط رویہ عوام کو تباہ کر دیتا ہے، وہ حرام کاری کرتے ہیں، حرام خوری کرتے ہیں اور ہر معاملہ میں حرام روش اختیار کرتے ہیں، ان کی دیکھا دیکھی بستی کے عوام بھی اسی قسم کی باتوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں، وہ اپنی بڑائی کے زعم میں ہر اصلاحی تحریک کا مقابلہ کرتے ہیں اور ماتحت عوام کو استعمال کرتے ہیں، کیوں کہ ہر اصلاحی کام میں ان کی موت ہوتی ہے، یہ فرعون و نمرود کے قصے اور موسیٰ اور ابراہیم کی داستان ان ہی اکابر

مجرمین کی غلط روی کا نتیجہ ہے۔

ہر بستی میں تم آج بھی جا کر دیکھ لو، دو چار منڈھ ایسے ملیں گے، جو خود غلط رو ہو کر عوام کو گمراہ کرتے ہیں، ان کی گمراہی اور عوام کی گمراہی کا وبال بھی ان کے سر ہوگا، مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ عوام مجرم نہیں ہیں، ان کا جرم یہ ہے کہ وہ آزاد انسان پیدا ہوئے ہیں، خدا نے ہر آدمی کو آزاد زندگی دی ہے۔

لہٰذا اس سے اپنی زندگی کو غیر کے حوالے کر کے کیوں گمراہی مول لی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ؕ وَ مَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَ مَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

اور ایسے ہی بنایا ہے ہم نے ہر بستی میں اس کے بڑے بڑے مجرموں کو، تاکہ وہ اس بستی میں مکر و فریب کریں، اور وہ مکر و فریب اپنے ہی ساتھ کرتے ہیں، حالاں کہ وہ نہیں جانتے ہیں۔ (پ ۸ ع ۲، سورۂ انعام: ۱۲۳)

مثل مشہور ہے کہ ایک مچھلی سارے تالاب کو گندا کر دیتی ہے، اسی طرح ایک بدکار و بدعقیدہ آدمی پورے خاندان کو بدعقیدہ بنا دیتا ہے، بل کہ اگر وہ اثر و رسوخ کا مالک ہے تو پوری بستی کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے، اور ایک فاسق و فاجر کی زندگی پورے معاشرے کو تباہ کر دیتی ہے، پھر اگر کسی بستی میں دو چار فاسق و فاجر ہوں تو اس میں فسق و فجور کی اودھم مچ جاتی ہے اور اس سرے سے لے کر اس سرے تک بدی کا غلبہ ہو جاتا ہے، جہاں یہ صورت رونما ہو کہ چند بدمعاشوں کی وجہ سے پوری بستی مجرمانہ زندگی گزارنے لگے، وہاں کچھ تو "اکابر مجرمین" ہوتے ہیں اور زیادہ لوگ "اصاغر مجرمین" ہوتے ہیں، "اکابر مجرمین" وہی گھاگھ ہوتے ہیں، جو رات دن بدی میں ملوث رہتے ہیں، اور ان کے اثر و اقتدار کی وجہ سے

دوسرے لوگ ان کے ہمنوا بن کر برے ہو جاتے ہیں، یا دیکھا دیکھی برائی کے لیے ان کی ہمت بھی کھل جاتی ہے۔

جس بستی میں ایسے چند گھاگھ ہوتے ہیں، وہاں کی ساری ذمہ داری ان کے سر ہوتی ہے، عوام تو فسق و فجور کے جرم میں مجرم قرار پاتے ہیں اور "اکابر مجرمین" فسق و فجور کرنے کے ساتھ فسق و فجور کروانے کے جرم میں گرفتار ہوتے ہیں، اس طرح وہ بستی کو اپنے مکر و فریب میں مبتلا کر کے درحقیقت خود ہی اپنے مکر و فریب میں پھنس جاتے ہیں، اور چوں کہ خرمستی و خردماغی کے پاس عقل و شعور کی پونجی ذرہ برابر نہیں ہوتی، اس لیے وہ سمجھتے ہیں کہ ہم تو اپنے گھر میں بیٹھے اچھا برا کام کرتے ہیں، ہم اپنے کام کے ذمہ دار ہیں، دوسرے لوگ جو کچھ کر رہے ہیں، یہ ان کا فعل ہے، وہ جانیں، اسی طرح وہ بے عقلی کی بات بنا کر اپنے کو فریب میں مبتلا رکھتے ہیں، حالاں کہ جرائم و معاصی کے نتیجہ میں جب بھی برے حالات کا ظہور ہوگا تو ان کی گردن پہلے ناپی جائے گی، اس کے بعد دوسرے "اصاغر مجرمین" کی باری آئے گی۔

اے اثر و اقتدار میں سرمست بدکار اور فسق و فجور میں گرفتارو! انسانی حقائق کو سمجھو اور اپنے ان کارناموں سے توبہ کرو، جن کے ناپاک اثرات سے پوری آبادی میں زہر پھیلتا ہے، انسانیت دونوں جہان میں ذلیل و خوار ہوتی ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ؕ وَ مَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَ مَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

اور اسی طرح ہم نے ہر بستی میں وہاں کے بڑوں کو جرائم کا مرتکب بنایا، تاکہ وہ وہاں شرارتیں کیا کریں، اور وہ نہیں شرارت کرتے ہیں مگر اپنے ہی ساتھ، اور ان کو اس کی ذرا خبر نہیں۔ (پ ۸ ع ۲، سورۂ انعام: ۱۲۳)

دنیا میں بڑا ہو جانا خطرناک نہیں، مگر بڑا بننا بڑی ہی خطرناک بات ہوتی ہے، آدمی بڑا بننے کے لیے کیا کیا نہیں کرتا اور جب اس طریقہ سے بڑا بن جاتا ہے تو پھر ایسی ایسی حرکتیں کرتا ہے کہ خدا کی پناہ! کسی بستی میں اگر کوئی برائی عام طور پر نظر آ جائے اور عوام اس میں مبتلا ہوں تو آپ اس کا پتہ چلائیں تو معلوم ہوگا کہ محلہ کے بڑے لوگ اس کے بانی اول ہیں، اور برائی کا یہ جرثومہ ان ہی کے گھروں کی چہار دیواری سے نکل کر ساری بستی میں پھیل گیا ہے، اور وہ لوگ "اکابر مجرمین" کی فہرست میں نمایاں طور پر نظر آئیں گے۔

جب لوگ برائی پر آمادہ ہوں تو قدرت کا قانون بھی ڈھیل دیتا ہے اور انہیں آزادی دے دیتا ہے کہ خوب دل کھول کر برائی کریں، جس کی وجہ سے ساری بستی کو اپنی مجرمانہ حرکت سے شر و فساد کا گہوارہ بنا دیتے ہیں، بستی کی ساری شرارت کی ذمہ داری ان ہی چند بڑوں کے سر ہوتی ہے، اور ان کی شرارت کا وبال ان ہی کے سر ہوتا ہے، مگر وہ سمجھتے ہیں کہ ہم لوگ بڑے ہیں، ہمیں کون مجرم ٹھہرا سکتا ہے، اس خیال میں مگن ہو کر خوب برائی کرتے ہیں، اور ان کی اقتدا میں محلہ کے لوگ بھی شرارت کرتے ہیں، اور سارا وبال ان کے سر ہوتا ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ؕ وَ مَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَ مَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

اور اسی طرح ہم نے ہر بستی میں اس کے اکابر مجرمین بنائے ہیں، تاکہ وہ اس میں اپنی چال چلیں، حالاں کہ وہ اپنے ہی ساتھ چال چل رہے ہیں، مگر ان کو شعور نہیں ہے۔

(پ ۸ ع ۲، سورۂ انعام: ۱۲۳)

عوام کو صحیح راہ اور غلط راہ پر لے چلنے والے عوام کے لیڈر اور اکابر ہوتے ہیں اور وہی پوری بستی کے سیاہ و سفید کے مالک ہوتے ہیں، قبائلی زندگی سے لے کر آج کے جمہوری

دور تک یہ حقیقت اپنی جگہ ثابت ہے کہ ہر بستی میں کچھ نہ کچھ "بڑے لوگ" ہوتے ہیں، ان کی بڑائی اور چودھرائی کبھی مالداری اور زمینداری کی وجہ سے ہوتی ہے، کبھی بدمعاشی اور شرارت کی وجہ سے وہ بستی میں اس طور سے بڑے مانے جاتے ہیں کہ ان کے شر سے بچنے کے لیے لوگ ان سے راہ مشورہ لیتے ہیں، یا پھر کسی بستی میں کسی کو چودھرائی اس لیے ملتی ہے کہ وہ لکھا پڑھا ہے اور بستی کے جاہل عوام میں اس کا علمی اور مذہبی سکہ چل رہا ہے، لوگ اسے عالم سمجھتے ہیں اور اپنی بستی کے لیے اسے فخر گردانتے ہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ تقریباً ہر زمانہ میں اور ہر بستی میں اکابر ہوا کرتے ہیں، جن کے ہاتھ میں پوری بستی کی اصلاح یا افساد کی باگ ڈور ہوتی ہے اور ساتھ ہی یہ افسوسناک حقیقت بھی ہمیشہ سے پائی گئی ہے کہ ان اکابر کا رویہ قوم کی فلاح کے خلاف رہا ہے اور انہوں نے اپنی بڑائی کو باقی رکھنے کے لیے قوم کو نیچا دکھایا ہے اور اس کو تباہی و بربادی کے غار میں ڈھکیلا ہے، جب بھی اللہ کے رسولوں نے اصلاح کی دعوت دی تو قوم کے یہ لیڈر سامنے آئے اور طرح طرح کے حیلے اور بہانے سے اپنی چودھرائی کی نگرانی کرنے لگے اور اللہ کی دعوت کو ٹھکرانے کی ترکیب کرنے لگے، تاکہ ان کی ساکھ جمی رہے اور لوگ ان کی بڑائی کا دم بھرتے رہیں، ان کی یہ چالیں ان کے حق میں تباہی و بربادی کے باعث ہوئیں اور ان ناسمجھوں کو آخر وقت یہ کہنا پڑا کہ جو چال ہم دوسروں کے لیے چل رہے ہیں، وہ خود ہم ہی کو تباہ و برباد کر رہی ہیں۔

اصل وجہ یہ تھی کہ وہ صرف نام کے اکابر تھے، ان میں عقل و شعور کا مادہ نہیں تھا اور وہ بڑے احمق اور بے وقوف تھے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِیْ كُلِّ قَرْیَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِیْهَا لِیَمْكُرُوْا فِیْهَا ؕ وَ مَا یَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَ مَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

اور اسی طرح ہم نے ہر بستی میں اس کے بڑے بڑے مجرموں کو بنایا، تاکہ وہ چال چلیں، اور وہ نہیں چال چلتے ہیں، مگر خود اپنے ہی ساتھ، اس حال میں کہ وہ اسے سمجھتے نہیں۔

(پ ۸ ع ۲، سورۂ انعام: ۱۲۳)

دنیا میں خیر کے ساتھ شر کا بھی معاملہ چلتا ہے، اور اچھائی کے ساتھ برائی بھی چلتی ہے، اس دنیا میں ان ہی انسداد کی آویزشوں اور کشیدگیوں سے معرکۂ حق و باطل کا ظہور ہوتا ہے اور جس طرح خیر اور نیکی کے پھیلانے والے آسمانی احکام و اوامر کے ذریعہ اپنا کام کرتے ہیں، اسی طرح اس کے مقابلہ میں شر اور برائی کے پھیلانے والے زمین کے اثر و اقتدار سے فائدہ حاصل کر کے اُودھم مچاتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ آسمانی فرستادوں اور خدا کے رسولوں کے مقابلہ میں زمینی مفسدوں اور اثر و اقتدار کے بندوں کی ذات خم ٹھونک کر سامنے آتی ہے۔

اگر غور کرو گے تو معلوم ہوگا کہ دنیا میں "شر" کے سرچشمے وہی افراد و عناصر ہوتے ہیں، جن کو زمینی اثر و اقتدار حاصل ہے، بستیوں میں ان کی سرداری چل رہی ہے، اور عوام ان کو ان کے مال و دولت اور اثر و اقتدار کی وجہ سے اہمیت دیتے ہیں، یہ زمینی بڑے "آسمانی بڑوں" کی مخالفت میں وہ سب کچھ کرتے ہیں، جو ان سے ممکن ہے، نیز مقابلہ نہ ہونے کی صورت میں طرح طرح کی برائی پھیلاتے رہتے ہیں، عوام میں حرام کاری اور حرام خوری کی وبا پھیلاتے ہیں، ان کو مجرم بناتے ہیں، اور پھر خود ان مجرموں کے سردار بن کر "اکابر مجرمین" کی فہرست میں آجاتے ہیں، ایسے بڑے مجرموں کی چالیں بہت زیادہ دنوں تک اچاپت نہیں مچا سکتیں، بل کہ تھوڑے ہی دن میں قدرت کی پکڑ ان کی گردن ناپ دیتی ہے، اور ان کو معلوم ہو جاتا ہے کہ ہم جو چالیں چل رہے تھے، ان کا وبال ہمارے ہی سر آگیا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ؕ وَ مَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا

بِاَنۡفُسِهِمۡ وَمَا يَشۡعُرُوۡنَ ﴿۱۲۳﴾

اور اسی طرح بنایا، ہم نے ہر بستی میں اس کے بڑے بڑے مجرموں کو کہ اس میں مکروفریب کریں اور وہ نہیں فریب دیتے ہیں مگر اپنے ہی کو، حالاں کہ نہیں سمجھتے ہیں۔

(پ ۸ ع ۲، سورۂ انعام: ۱۲۳)

کسی بستی میں برائی پہلے چند بڑے مجرموں میں پیدا ہوتی ہے، پھر آہستہ آہستہ پوری بستی کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے اور پوری بستی کے لوگ جرم میں مبتلا ہوکر سزا پاتے ہیں۔

یہ "اکابر مجرمین" کھاتے پیتے لوگ ہوتے ہیں، جن کے پاس اللہ کا دیا ہوا مال ہوتا ہے، بے فکری ہوتی ہے، اور عیش وعشرت کی زندگی ہوتی ہے، یہ بے فکر لوگ بجائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں اور امن وسکون سے رہ کر دوسروں کو امن وسکون سے رہنے کی فضا پیدا کریں، اپنی بستیوں میں طرح طرح کی برائی پھیلاتے ہیں، حرام خوری اور حرام کاری کے اڈے بناتے ہیں، اور عوام کو اپنا ہم خیال بنا کر ان کو بے حیائی اور برائی کی دعوت دیتے ہیں۔

یہ لوگ اپنے کو بہت ہی چالاک اور کامیاب سمجھتے ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ ہم بہت عقل مند ہیں اور ہماری چالیں خوب خوب کامیاب ہیں، حالاں کہ مال ودولت کے ساتھ عقل وخرد کا جوڑ بہت ہی کم لگتا ہے۔

پس بستیوں کے یہی بڑے بڑے گنہگار برائی کی اصل جڑ ہوتے ہیں، اور جب وہاں کے بدکاروں کو پکڑا جاتا ہے تو پہلے ان کی گردن ناپی جاتی ہے اور انجام کار وہ ایسے برے پھنستے ہیں کہ توبہ نہیں قبول ہوتی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَاِذَا جَآءَتۡهُمۡ اٰيَةٌ قَالُوۡا لَنۡ نُّؤۡمِنَ حَتّٰى نُؤۡتٰى مِثۡلَ مَاۤ اُوۡتِىَ رُسُلُ اللّٰهِ ؔ

اور جب ان کے پاس ہماری کوئی نشانی آتی ہے تو کہتے ہیں ہم اس وقت تک ہرگز

ایمان نہیں لا سکتے، جب کہ ہمیں بھی اسی کے مثل نہ دیا جائے، جو اللہ کے رسولوں کو دیا گیا ہے۔

(پ ۸ ع ۲، سورۂ انعام: ۱۲۴)

دنیا میں لوگ ایک سے بڑھ کر ایک ہیں، ہر علم اور ہر فن میں مختلف مراتب کے لوگ ہیں، کوئی آدمی اس میں معمولی دسترس رکھتا ہے، کوئی اچھی سمجھ رکھتا ہے، کوئی درجۂ کمال تک پہونچا ہوتا ہے اور کوئی اس علم وفن میں اپنے وقت کا سب سے بڑا آدمی ہوتا ہے، ہر علم وفن سے یہ تعلق رکھنے والے لوگ اسے خوب سمجھتے ہیں اور اسی کے مطابق کام کرتے ہیں، اپنے بڑوں سے تعلیم حاصل کرتے ہیں، ان کی تقلید کرتے ہیں، ان کی تعظیم کرتے ہیں، ان سے مراجعت کرتے ہیں، ان کی باتوں کو ادب واحترام سے سن کر ان کو سند اور دلیل بناتے ہیں، اور اپنے دوسرے ہم پلہ لوگوں سے ان ہی بنیادوں پر جھگڑا تک کر بیٹھتے ہیں۔

یہ بات دنیا میں ہمیشہ سے رہی ہے اور ہر جگہ رہی ہے، آج بھی انسانوں میں ایک سے ایک اعلیٰ، بالا موجود ہیں اور یہ رویہ قائم ہے، بالکل اسی طرح انسانوں میں کچھ حضرات ایسے ہیں، جو اپنے غیر معمولی دل ودماغ اور صلاحیت کی بنا پر علم وعرفان کی اس منزل تک پہونچ جاتے ہیں جو "نبوت ورسالت" سے تعبیر کی جاتی ہے اور خدا کی طرف سے ان پر خاص فیضان ہوتا ہے۔

ایسا خصوصی فیضان کہ عام انسانیت اس مرتبہ کو نہیں پہونچ سکتی، ایسے حضرات اللہ کے رسول ہوتے ہیں، نبوت کی ذمہ داری سنبھالتے ہیں، مگر جب یہ حضرات اونچی بات کرتے ہیں، ان کے منکرین ان کی برابری کے لیے مچلنے لگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بھی تو انسان ہیں، ہمیں بھی وہ نظر ملنی چاہیے، جو انبیاء کو ملی ہے، وہ دل ودماغ ملنا چاہیے، جو اس نبی کو حاصل ہے، آخر ہم بھی تو آدمی ہیں، اگر نبوت ورسالت برحق ہے تو ہمیں بھی یہ مقام ملنا

چاہیے، اور اگر یہ بات نہیں ہے تو ہم نبی و رسول کی بات تسلیم نہیں کریں گے، حالاں کہ یہی احمق اپنی برادری میں، اپنی بستی میں، اور اپنی سوسائٹی میں یہ اصول مانتے ہیں کہ علم وفن میں تمام انسان برابر نہیں ہیں، بل کہ ایک سے اعلیٰ ایک ہے۔

آج کل کے کم عقل اور بے وقوف لوگ بھی اَنبیاء و رُسل کی تعلیمات کو اپنی شخصی عقل پر پرکھنے کی خواہش کرتے ہیں، جب بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی تو کہتے ہیں کہ یہ بات خلافِ عقل اور خلافِ فطرت ہے، جو بات خلاف عقل ہو، وہ ماننے کے قابل نہیں ہے، ایسے لوگوں کو اگلے منکروں کی ذہنی وراثت ملی ہے اور یہ بھی اس مقام پر اس اصول سے کام نہیں لیتے کہ ہر علم وفن میں فرق مراتب ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ اِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ ؔ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ؕ

اور جب ان کے پاس آیت آتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ہرگز ہرگز ایمان نہیں لائیں گے، یہاں تک کہ ہمیں بھی اس چیز کے مثل دیا جائے، جو اللہ کے رسولوں کو دیا گیا ہے، اللہ بہتر جانتا ہے، جہاں وہ اپنی رسالت و پیغمبری کو بنائے گا۔ (پ ۸ ع ۲، سورۂ انعام: ۱۲۴)

نبی و رسول اور بزرگ و ولی، اپنے اپنے مرتبے اور درجے پر ہیں اور سب اپنی ذات و صفات میں ممتاز ہیں، کوئی غیر نبی، نبی نہیں ہوسکتا، کیوں کہ نبوت و رسالت وہبی چیز ہے اور اللہ تعالیٰ جسے نبی و رسول بناتا ہے وہی ہوسکتا ہے، نبوت کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ جو چاہے اپنی محنت و ریاضت کے ذریعہ نبی اور رسول بن جائے۔

البتہ ولایت اور بزرگی کو انسان اللہ تعالیٰ کی عبادت کر کے حاصل کرسکتا ہے، یہ مسلمانوں کا مسلم عقیدہ ہے، مگر کفار و مشرکین ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان نہ لانے

کے سلسلے میں یہ بھی کہا کرتے تھے کہ ایسا کیوں نہیں ہوتا کہ جس طرح محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی اترتی ہے، ہم پر بھی اترے، تب ہم جانیں کہ وہ سچے نبی ورسول ہیں، ان کا خیال تھا کہ نبوت و رسالت کوئی ایسی چیز ہے کہ جو چاہے نبی ورسول بن جائے اور اس پر وحی اترنے لگے۔

اللہ تعالیٰ اسی کو بیان فرماتا ہے کہ رسالت اللہ کی خاص دین ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص خاص بندوں کو عطا فرمایا ہے، ہر شخص یہ مقام نہیں پا سکتا، آخر دور کے بگڑے ہوئے تصوف میں جن بعض صوفیاء نے کہا ہے کہ ولایت کا مرتبہ نبوت ورسالت سے بڑھا ہوا ہے، یہ خیال سراسر غلط اور اسلامی اصول کے خلاف ہے، ایسا عقیدہ رکھنا نبوت ورسالت کے مقابلہ میں ولایت کو بڑھانا ہے، جو سراسر غلط اور اسلامی عقیدہ کی روح سے باطل ہے، انسانوں میں نبی ورسول کا مرتبہ سب سے بلند ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ اِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ ؔ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾

اور جب ان کو کوئی آیت پہونچتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم ہرگز ایمان نہ لائیں گے، جب تک کہ ہم کو بھی ایسی چیزیں نہ دی جائیں، جو اللہ کے رسولوں کو دی جاتی ہیں، اس موقع کو خدا خوب جانتا ہے، جہاں اپنی رسالت کو بھیجتا ہے، عنقریب ان لوگوں کو جنہوں نے جرم کیا ہے، خدا کے پاس ذلت پہونچے گی اور سخت عذاب ہے، ان مکر وفریب کے بدلہ میں، جسے وہ کرتے تھے۔ (پ ۸ ع ۲، سورۂ انعام: ۱۲۴)

خدا کے قوانین واحکام کے مقابلے میں انسان کی شرارت کوئی نئی چیز نہیں ہے، ہمیشہ سے ہوتا رہا ہے، جب خدا کی طرف سے انسانوں کے پاس کوئی نشانی پہونچتی ہے تو

انسان کا دماغ اس کے مقابلہ کے لیے خوب چلنے لگتا ہے اور اپنی بڑائی کے گن گانے لگتا ہے، خدا کے مقرب بندوں کو سامنے رکھ کر یہ فاسق وفاجر اور کافر لوگ مطالبہ کرنے لگتے ہیں کہ ہم بھی انسان ہیں، ہمارے پاس بھی دو آنکھ، ایک ناک ہے، ہمیں بھی تو کچھ معجزے، کرامتیں اور خاص خاص رعایتیں ملنی چاہئیں، حالاں کہ یہ عقل کے بودے، گانٹھ کے پکے اتنا نہیں سوچتے کہ وہ رسول ومبلغ ہیں اور یہ منکر وکافر ہیں، پھر خدا کے انعام واکرام کی بارشیں ناپاک کھیتی پر کیسے برس سکتی ہیں، اللہ کا علم اس قسم کی محدود عقل وخرد سے بالاتر ہے، اسے خوب معلوم ہے کہ تبلیغ ورسالت کی امانت کون لوگ سنبھال سکتے ہیں اور اس کام کے لیے کن لوگوں کی ضرورت ہے۔

غرض کفار ومشرکین اور ان کی راہ پر چلنے والے لوگوں کی ہمیشہ یہی خواہش ہوتی ہے کہ ہمیں کوئی بڑائی یا عہدہ دیا جائے تو ہم اس تحریک میں شامل ہو سکتے ہیں، جو بات اور ذمہ داروں کے حصے میں آئی ہے اور وہ اسے اپنی بڑائی کے لیے پیش کرتے ہیں، وہی بات ہمیں بھی ملنی چاہیے، تاکہ ہم بھی اپنے کو ایک خاص انداز سے روشناس کرائیں، حالاں کہ ایسے بڑائی کے چاہنے والوں کا انجام خدا کے علم میں ذلت ورسوائی ہے اور پھر اس طریق فکر سے وہ لوگ جو عمل کرتے ہیں، اس پر انہیں عذاب شدید ہوتا ہے۔

خوب یاد رکھنا چاہیے کہ کسی دینی کام میں حصہ لیتے وقت یہ خیال نہ کرنا چاہیے کہ ہمیں کوئی عہدہ ملے گا اور ہم بھی بڑے بن جائیں گے، البتہ کام کرنے کے لیے اخلاص کے ساتھ اثر ورسوخ پیدا کرنا دنیا کی امداد کا بہترین ذریعہ ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ اِذَا جَآءَتۡهُمۡ اٰيَةٌ قَالُوۡا لَنۡ نُّؤۡمِنَ حَتّٰى نُؤۡتٰى مِثۡلَ مَاۤ اُوۡتِىَ رُسُلُ اللّٰهِ ‌ؕ اَللّٰهُ اَعۡلَمُ حَيۡثُ يَجۡعَلُ رِسَالَـتَهٗ‌ ؕ

اور جب ان کے پاس کوئی آیت اور نشانی آتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم ہرگز ہرگز ایمان نہیں لائیں گے، یہاں تک کہ ہمیں وہی دیا جائے، جو رسولوں کو دیا گیا ہے، اللہ خوب جانتا ہے کہ وہ اپنی رسالت کو کہاں دے۔ (پ ۸ ع ۲، سورۂ انعام: ۱۲۴)

جو لوگ اپنے آپ کو بہت ہی عقل مند اور بڑا آدمی سمجھتے ہیں، وہ لوگ عموماً دوسرے کی بات تسلیم نہیں کرتے اور کوئی بات کتنی ہی اہم اور حقیقت کے مطابق کیوں نہ ہو، اسے ماننے میں ان کو اپنی ذلت نظر آتی ہے اور وہ اپنے اندر اس سے زیادہ قابلیت سمجھتے ہیں، جب انسان میں قابلیت کا پارہ اس قدر بلند ہو جاتا ہے، تو پھر وہ بڑے آدمیوں کی صف میں آنے کی کوشش کرتے ہیں اور ان کی بات تسلیم کرنے میں اپنی چھٹائی محسوس کرتے ہیں۔

یہی حال صنادیدِ قریش اور کفارِ عرب کا تھا، وہ اپنے کو بہت ہی بڑا اور بہت ہی عقل مند گردانتے تھے، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کسی بات کو تسلیم نہیں کرتے تھے، بل کہ کہتے تھے کہ ہمیں بھی پہلے بڑائی ملنی چاہیے اور ہم پر بھی خدا کی وحی اور نشانی اترنی چاہیے، ان کو یہ حقیقت معلوم نہیں تھی کہ حقیقت کا اعتراف اور سچائی کا تسلیم کرنا بجائے خود ایک بہت بڑی بڑائی ہے اور چھوٹے چھوٹے لوگ اس کی وجہ سے بڑے ہو جاتے ہیں، اور ان کا مرتبہ عوام و خواص میں بہت بڑھ جاتا ہے، انسانی تاریخ میں ایسے بہت سے عالمی برگزیدہ انسان گزرے ہیں، جو بہت ہی چھوٹے تھے، مگر سچائی نے ان کو بہت بڑا بنا دیا، اور دنیا میں امامت کے مالک ہوئے، خصوصاً اسلام نے دنیا میں بے شمار چھوٹوں کو بڑا بنا دیا ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ یَّهْدِیَهٗ یَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ

پس جس شخص کو اللہ ہدایت دینے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے۔ (پ ۸ ع ۲، سورۂ انعام: ۱۲۵)

دنیا میں دین کی دولت بہت بڑی دولت ہے، اس کے ملنے کے بعد آدمی اس کائنات کا محتاج نہیں رہتا، بل کہ یہ کائنات اس کی محتاج ہوجاتی ہے اور قدم قدم پر دنیا کو اس کی ضرورت پڑتی ہے اور اس کے بغیر اس کا کام نہیں چلتا ہے، مقبولیت کی یہ سند جسے مل جاتی ہے وہ بہت ہی خوش نصیب ہوتا ہے اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے یہاں اس کا مرتبہ بہت بلند ہوتا ہے، پس جسے دین کی دولت ملی ہے تو اللہ تعالیٰ کا بے شمار شکر ادا کرے اور اس کی جناب میں اپنے جذبات واحساسات اور عواطف ورجحانات کی قدر کو بلا کم و کاست پیش کردے۔

جس کا سینہ دین کے لیے کھل جاتا ہے، اس پر برکاتِ خداوندی کے دروازے کھل جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی اس کے ساتھ رہتی ہے۔

اوپر اسی حقیقت کو واضح فرمایا جارہا ہے اور بتایا جارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ خاص طور سے جس کی ہدایت کرنا چاہتا ہے، اسے دین اسلام کے لیے تیار کردیتا ہے اور اس کا دل اسلامی عقائد واعمال کے لیے کھل جاتا ہے اور اسلام کے علاوہ جو شخص کوئی راہ تلاش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی مشیت کے خلاف چلتا ہے اور اس کے لیے خیر وفلاح کا کوئی موقع نہیں ملتا ہے۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ نہایت دلجمعی کے ساتھ اسلام پر جمے رہیں اور اسلامی عقائد پر جم کر اسلامی اعمال کا مظاہرہ کریں اور اس میں ذرہ برابر تنگی محسوس نہ کریں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ

پس جس شخص کو اللہ ہدایت دینے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے۔ (پ۸ ع۲، سورۂ انعام: ۱۲۵)

دنیا میں دین کی دولت بہت بڑی دولت ہے، اس کے ملنے کے بعد آدمی اس کائنات کا محتاج نہیں رہتا، بل کہ یہ کائنات اس کی محتاج ہوجاتی ہے اور قدم قدم پر دنیا کو اس کی ضرورت

پڑتی ہے اور اس کے بغیر اس کا کام نہیں چلتا ہے، مقبولیت کی یہ سند جسے مل جاتی ہے، وہ بہت ہی خوش نصیب ہوتا ہے اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے یہاں اس کا مرتبہ بہت بلند ہوتا ہے۔

پس جسے دین کی دولت ملی ہے تو اللہ تعالیٰ کا بے شمار شکر ادا کرے اور اس کی جناب میں اپنے جذبات واحساسات اور عواطف ورجحانات کی ہر مقدار کو بلا کم وکاست کے پیش کر دے۔

جس کا سینہ دین کے لیے کھل جاتا ہے، اس پر برکاتِ خداوندی کے دروازے کھل جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی اس کے ساتھ ساتھ رہتی ہے۔

اوپر اسی حقیقت کو واضح فرمایا جا رہا ہے اور بتایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ خاص طور سے جس کی ہدایت کرنا چاہتا ہے، اسے دین اسلام کے لیے تیار کر دیتا ہے اور اس کا دل عقائد واعمال کے لیے کھل جاتا ہے اور اسلام کے علاوہ جو شخص کوئی راہ تلاش کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ کی مشیت ورضا کے خلاف چلتا ہے اور اس کے لیے خیر وفلاح کا کوئی موقع نہیں ملتا ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ ۔

پس جس شخص کو اللہ تعالیٰ ہدایت دینے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے۔ (پ ۸ ع ۲، سورۂ انعام: ۱۲۵)

دنیا میں دین کی دولت بہت بڑی دولت ہے، اس کے ملنے کے بعد آدمی اس کائنات کا محتاج نہیں رہتا، بل کہ کائنات اس کی محتاج ہو جاتی ہے اور قدم قدم پر دنیا کو اس کی ضرورت پڑتی ہے اور اس کے بغیر اس کا کام نہیں چلتا ہے، مقبولیت کی سند جس کو مل جاتی ہے، وہ بہت ہی خوش نصیب ہوتا ہے اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے یہاں اس کا مرتبہ بلند ہوتا ہے۔

پس جسے دین کی دولت ملی ہے، وہ اللہ تعالیٰ کا بے شمار شکر ادا کرے اور اس کی جناب میں اپنے جذبات واحساسات اور رجحانات کی ہر مقدار کو بلا کم وکاست کے پیش کر دے۔

جس کا سینہ دین کے لیے کھل جاتا ہے، اس پر برکاتِ خداوندی کے دروازے کھل جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رضا اس کے ساتھ ساتھ رہتی ہے۔

اوپر اسی حقیقت کو واضح فرمایا جارہا ہے اور بتایا جارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ خاص طور سے جس کی ہدایت کرنا چاہتا ہے، اسے دین اسلام کے لیے تیار کر دیتا ہے اور اس کا دل اسلامی عقائد و اعمال کے لیے کھل جاتا ہے اور اسلام کے علاوہ جو شخص کوئی راہ تلاش کرتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت و رضا کے خلاف چلتا ہے اور اس کے لیے خیر و فلاح کا کوئی موقع نہیں ملتا ہے۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ نہایت دلجمعی کے ساتھ اسلام پر جمے رہیں اور اسلامی عقائد پر جم کر اسلامی اعمال کا مظاہرہ کریں اور اس میں ذرہ برابر تنگی محسوس نہ کریں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ؕ۔

اور ہر شخص کے لیے درجے ہیں، اپنے کیے ہوئے سے۔

(پ ۸ ع ۳، سورۂ انعام: ۱۳۲)

اسلام نے دنیا میں عمل اور کردار کی قدروں کو بلند کرنے کے لیے اور انسانوں کو پُرنشاط اور باعمل رکھنے کے لیے قانون مجازات پر بہت زیادہ زور دیا اور ہر ہر انسان سے مطالبہ کیا کہ وہ اچھے اچھے کام کر کے اچھے اچھے نتائج سے بہرہ اندوز ہو، اور بُرے بُرے کاموں سے بچ کر بُرے نتائج سے بچے، کیوں کہ ہر انسان کو اپنے عمل کے مطابق بدلہ ملے گا اور جو جیسا کرے گا، وہ ویسا ہی پائے گا، اسی لیے اسلام نے ہر ہر انسان کو بتایا کہ اس میں ان تمام کاموں کی قابلیت و صلاحیت موجود ہے، جو انسان کو بلند کر کے اعلیٰ سے اعلیٰ مقام پر پہونچاتی ہے، کوئی آدمی جھونپڑے میں پیدا ہو یا محل میں آنکھ کھولے، مزدور کے گھر پر آنکھ کھولے یا ناز و نعمت کی آغوش نے اسے پالا ہو، علم و فضل کے گہوارے میں اس کی زندگی ابھرے یا جہالت و

نادانی کے گڑھے میں وہ تربیت پائے، بہرحال اس میں قدرت نے مکمل انسان بننے کی پوری استعداد رکھی ہے اور اس کے ابھرنے کے لیے ہر قسم کے مواقع فراہم کیے ہیں۔

اب یہ آدمی کا کام ہے کہ وہ قدرت کی ودیعت سے کام لے اور اپنے کو انعام و اکرام کے مستحق ٹھہرائے یا اسے چھوڑ دے اور ناکامی اور خسران کا منہ دیکھے، اسلام نے ہر ہر شخص کے لیے مواقع فراہم کر دیے ہیں، اب وہ جانے اور اس کا کام جانے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ؕ

اور سب کے لیے ان کے کاموں کی وجہ سے مراتب ہیں۔

(پ ۸ ع ۳، سورۂ انعام: ۱۳۲)

یہ دنیا دارالعمل ہے اور اعمال کا بدلہ کچھ تو یہاں ملتا ہے اور پورا بدلہ قیامت کے دن ملے گا، جو شخص عمل کی جو مقدار جس قسم کی اپنے پاس رکھے گا، وہ اسی قسم کے مراتب و منازل پائے گا، کسی کے عمل میں کوئی کمی بیشی نہیں کی جائے گی، نہ کسی کا عمل دوسرے کے کام آ جائے گا، اور نہ کسی کو دوسرے کے عمل سے فائدہ پہونچے گا، بل کہ ہر شخص اپنے کیے کی جزا پائے گا اور اس کی جو مقدار اور جو حیثیت ہوگی، اسی مقدار اور اسی حیثیت سے اس کا مرتبہ ہوگا۔

دنیا میں بہت سے لوگ کم کام کر کے زیادہ چاہتے ہیں، یہ بات دنیا میں انسانوں کے مابین کسی نہ کسی وجہ سے کسی نہ کسی حد میں ہو جاتی ہے، اور اثر و رسوخ یا دباؤ کی وجہ سے لوگ بغیر استحقاق کے بعض مرتبہ اپنے کو حق دار بنا لیتے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ کے دربار میں اس کی مطلق گنجائش نہیں ہے اور اس کی میزان عدل میں ایک ذرہ کا فرق نہیں ہوگا، بل کہ ہر شخص کو اس کے عمل کے مطابق جزا ملے گی اور کوئی کمی، بیشی نہیں ہوگی۔

پس اے وہ لوگو! جو خود تو کچھ نہیں کرتے، مگر بزرگوں کا نام لے کر جزا اور ثواب کی

انتہائی منزل پر پہونچ جانا چاہتے ہو، تمہاری یہ آرزو کامیاب نہ ہوگی اور جب تک تم عمل نہ کرو گے، تم کو کوئی درجہ اور مرتبہ نہیں مل سکے گا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٣٢﴾

اور ہر ایک کے لیے درجات ہیں، ان کے عمل سے اور تیرا رب ان کے کام سے بے خبر نہیں ہے۔ (پ ۸ ع ۳، سورۂ انعام: ۱۳۲)

اللہ تعالیٰ کے علم اور نظام میں کسی انسان کے لیے کسی طرح کی ناانصافی نہیں ہے اور ہر انسان اپنے عمل، اپنے عقیدہ اور اپنے طرز حیات کے مطابق بدلہ پائے گا، پھر اللہ تعالیٰ کے قانونِ مجازات میں صرف ہر کام کی جزا اور سزا نہیں ہے، بل کہ جزا اور سزا کے درجات اور مراتب ہیں، جس طرح اچھے برے کاموں کے درجات اور مراتب ہیں، جس قدر گناہ ہوگا اسی قدر سزا ہوگی، جس درجے کی نیکی ہوگی، اسی درجہ کی جزا ہوگی۔

اور یہ نظامِ مجازات دنیا اور آخرت دونوں جگہ جاری اور ساری ہے اور آدمی ہر جگہ اپنے عمل اور عقیدہ کی مقدار جزا پاتا ہے، پس اگر تم آج اپنے کو سزا میں محسوس کر رہے ہو تو اس کی وجہ تلاش کرنا تمہارا کام ہے، تم پتہ چلاؤ کہ یہ پانی کس سوراخ سے آرہا ہے، اس سوراخ کو بند کرو، جس جرم سے تمہاری زندگی بے کیف ہے، اس جرم کا پتہ چلا کر توبہ کرو اور اسے چھوڑ دو، تم دنیا میں جس طرح اندھیر کرتے ہو، خدا کے بارے میں اس طرح کے اندھیر کا خیال مت کرو، خدا کے قانونِ مجازات میں اندھیر کا کوئی سوال ہی نہیں ہے اور اس کی رو سے ہر انسان پورے جزا کا مستحق ہوتا ہے، تم خود اندھیر مچاتے ہو اور خدا کے قانون اور اس کے نظام کو طعنہ دیتے ہو۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ رَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَ يَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَآءُ كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ﴿۱۳۳﴾

اور تیرا پروردگار بے نیاز رحمت والا ہے، اگر وہ چاہے تو تم کو ختم کر دے اور تمہارے بعد جس کو چاہے لائے، جس طرح اس نے تم لوگوں کو اوروں کی اولاد سے کھڑا کیا۔

(پ ۸ ع ۳، سورۂ انعام: ۱۳۲)

ہمارا پالن ہار سب سے بے نیاز ہے، اس کو کسی کی ضرورت نہیں ہے، اور سب کو اس کی ضرورت ہے، وہ سب سے بے پرواہ ہے اور سب اس کے محتاج ہیں، ایسی حالت میں اگر وہ جلال ہی جلال والا ہوتا اور اس کے یہاں رحم وکرم کی فراوانی نہ ہوتی، تو معلوم نہیں کس وقت جلال وغضب میں آ کر کیا سے کیا کر ڈالتا، مگر وہ بے نیاز ہونے کے ساتھ ساتھ رحمت والا ہے اور اس کے غضب وجلال پر اس کا رحم و جمال غالب ہے، اس لیے اس کی بے نیازی سے ہمیں زیادہ خطرہ نہیں ہے، اور اس کی رحمت ومغفرت سے جس قدر زیادہ امید ہے، اس کے مقابلہ میں اس کے غضب وجلال کا اتنا ڈر نہیں ہے، حالاں کہ جس طرح ہم اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کے امیدوار ہیں، اسی طرح ہمیں اس کے جلال وغضب سے بھی ڈرنا چاہیے، کیوں کہ وہ رحیم وکریم ہونے کے ساتھ ساتھ غنی اور صمد بھی ہے، اگر موجودہ نسل انسانی کو کسی ذریعہ سے ختم کر کے دوسری نسلی انسانی کو برپا کرے تو اسے کون روک سکتا ہے، آخر اسی نے تو ایک نسل انسانی کی جگہ موجود دوسری نسل انسانی کو برپا کیا ہے۔

پس خدا کے فضل وکرم سے پُر امید ہونے کے باوجود اس کے غضب وجلال سے ڈرنا چاہیے اور اس کی شانِ بے نیازی کی نظر دیکھنی چاہیے کہ کہیں اس میں برہمی نہ آئے، ورنہ اس کے لیے ایک نسل کو ختم کر کے اس کی جگہ دوسری نسل کا پیدا کرنا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

إِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَ يَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَآءُ كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ﴿۱۳۳﴾

اگر اللہ چاہے تو تم لوگوں کو ختم کر دے اور تمہارے بعد لائے، جسے چاہے، جس طرح خود تم لوگوں کو دوسری قوموں کی اولاد سے اس نے پیدا کیا۔ (پ۸ ع ۳، سورۂ انعام: ۱۳۲)

یہ کائنات اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے، وہ اس میں جسے چاہے، جیسے چاہے تصرف کرے، نہ اسے کوئی مشورہ دینے والا ہے اور نہ ہی کوئی گرفت کرنے والا ہے، مگر اس نے اس کے لیے ایک نظام مقرر فرمایا ہے اور اسی نظام کے مطابق اس کارخانے کو چلاتا ہے، جس میں کام اسباب وعلل پر ہوتا ہے اور اکثر کام کا وجود دوسرے کام کے وجود پر ہوتا ہے، یہ سلسلہ اسباب غیر متناہی نہیں ہے، بل کہ گھوم پھر کر اسی نظام میں اس کا ہست ونیست ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اچھائی میں اچھے نتائج رکھے ہیں اور بُرائی میں بُرے نتائج دکھائے ہیں، جیسی کرنی ہوتی ہے، ویسی بھرنی بھی ہوتی ہے، اس عام اصول میں کسی کے عمل کا دخل نہیں ہے۔

پس جو لوگ اس نظام کے ماتحت رہ کر اس سے بغاوت کرتے ہیں اور اپنے کاموں کے انجام سے نہیں ڈرتے، ان کو سوچنا چاہیے کہ بدعملی کی پاداش میں اگر ان کو نیست ونابود کر کے دوسرے لوگوں کو ان کی جگہ پر اللہ تعالیٰ لانا چاہے تو کیا چیز مانع ہو سکتی ہے، جب کہ اللہ تعالیٰ نے تاریخ انسانی کے ہر دور میں نااہلوں اور بدعملوں کو فنا کر کے اربابِ خیر وصلاح کو برپا کیا ہے اور ان کے ذریعے نظام کائنات کو برقرار رکھا ہے، یہ تو تم اس دور میں طرح طرح کی عظیم الشان تباہیوں کو دیکھتے اور سنتے ہو، یہی وہ نظارہ ہے، جسے دنیا کے جابروں نے دیکھا اور دیکھ کر اپنی موت آپ مر گئے اور دوسرے لوگوں نے آ کر نظام کائنات سے اپنا حصہ حاصل کیا ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ رَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَ يَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا

يَشَآءُ كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ﴿۱۳۳﴾

اور تیرا رب بے پرواہ رحمت والا ہے، اگر وہ چاہے تو تم لوگوں کو ختم کر دے، اور تمہارے بعد جسے چاہے جگہ دے دے، جس طرح تمہیں (بھی) اس نے دوسری قوموں سے پیدا کیا ہے۔ (پ ۸ ع ۳، سورۂ انعام: ۱۳۲)

یہ دنیا اور اس کے نظام کی پاسبانی کسی قوم کی وراثت نہیں ہے، بل کہ قابلیت واہلیت اس کی وارث ہے، جن قوموں میں دنیا کے انتظامی اُمور کی صلاحیت ہوگی، وہ اس کی پاسبانی کا حق ادا کریں گی، کوئی جماعت یا قوم برسراقتدار ہونے کے بعد یہ غرور نہ کرے کہ ہمارا اقتدار ہے، ہماری حکومت ہے اور ہم کائنات کی قسمت کے مالک ہیں اور ہم ہمیشہ اس کے مالک و وارث رہیں گے اور ہمارے اقبال وعروج کو کوئی طاقت ختم نہیں کر سکتی، خدا کی ذات بہت مستغنی ہے، مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس استغناء کے نتیجہ میں وہ قوموں اور جماعتوں کو پیس کر رکھ دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے، فنا کے گھاٹ اتار دیتا ہے، نہیں، بل کہ وہ لاپرواہی کے ساتھ رحمت والا بھی ہے، کسی کو اس کا قانون بلاقصور ابتلاء وآزمائش میں نہیں ڈالتا، حتی الامکان اس کی رحمت اور ربوبیت انتقام کو پاس نہیں آنے دیتی، مگر جب معاملہ حد سے گزر جاتا ہے اور قدرت کی حجت پوری ہو جاتی ہے تو پھر ایسا ہوتا ہے کہ اقبال مند قوم اِدبار کے گڑھے میں گر جاتی ہے، غرور وتکبر کا سر نیچے ہو جاتا ہے اور دم کے دم میں حکومت و سلطنت کے سارے ہنگامے خواب بن جاتے ہیں۔

یہی معاملہ ہمیشہ سے کام کر رہا ہے، جب کوئی قوم اپنی اہلیت کا ثبوت دیتی ہے تو اسے زمین میں عزت وحکومت ملتی ہے اور جب اس کی اہلیت جواب دے دیتی ہے تو اس کا اقتدار بھی دامن سمیٹ لیتا ہے، غور کرو کہ موجودہ اقتدار کی مالک قومیں اپنے آبا واَجداد کی جگہ پر کیوں کر قابض ہوئیں، خاندانوں، قوموں، نسلوں سے سلطنت کے خاتمہ کے یہی اَسباب ہوتے ہیں۔

پس اگر آج کے انسان اپنی نااہلیت سے زمین کے نظام کو نہ چلا سکے تو جس طرح ان کو دوسری قوموں کی جگہ دی گئی تھی، اسی طرح کسی دوسری جماعت کو ان کی موجودہ جگہ دے دی جائے گی، اگر مسلمان خدائی زمین کا انتظام چلانے کے لیے تیار ہو جائیں تو پھر نورٌ علی نور، اس سے بڑھ کر اور کیا چاہیے، ساری دنیا ان کی تھی، اب بھی ان کی ہو سکتی ہے اور اگر انہوں نے قابلیت کے جوہر نہ دکھائے تو رہی سہی حکومت بھی سلب ہو جائے گی اور کوئی دوسری قوم ان کی جگہ آ کر انتظام سنبھالے گی، مسلمان کا صرف لیبل لگا لینا دنیا اور آخرت میں سربلندی کا سبب نہیں بن سکتا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ رَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَ يَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَآءُ كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ؕ﴿۱۳۳﴾

اور تیرا رب بے نیاز رحمت والا ہے، اگر وہ چاہے تو تم کو ختم کر کے تمہارے بعد جس کو چاہے، لائے، جیسا کہ اس نے تم لوگوں کو اوروں کی اولاد سے پیدا کیا۔

(پ ۸ ع ۳، سورۂ انعام: ۱۳۳)

خداوند کریم بڑا ہی بے نیاز اور بے پرواہ ہے، اس کو کسی کی ضرورت نہیں ہے اور سب کو اس کی ضرورت ہے، مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ سراسر غضب کا مظاہرہ کرتا ہے اور اپنی بے نیازی کے نتیجے میں جسے چاہتا ہے، تباہ و برباد کر کے رکھ دیتا ہے، بل کہ اس کی بے نیازی میں رحم و کرم کی شان بھی ہے اور اس کی لاپرواہی اور بے نیازی کبھی کسی پر زیادتی نہیں کرتی ہے، لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ ثابت ہے اور واقعات و نتائج کی روشنی میں ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ دم کے دم میں ایک قوم کو صفحۂ ہستی سے مٹا کر اس کی جگہ دیکھتے ہی دیکھتے دوسری قوم کو پیدا کر دیتا ہے اور بستی بسی کی بسی ہی رہ جاتی ہے، ویران نہیں ہوتی۔

تاریخِ عالم میں اس قسم سے بسنے والی ویرانیوں کی ہزاروں مثالیں موجود ہیں، اسی

طرح اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو آج ہم کو آناً فاناً میں ختم کر کے دوسری تازہ دم قوم کو ہماری جگہ پیدا کردے اور وہ اس کے نظام ارضی کو سنبھالے، جیسا کہ ہم کو خود، اسی طرح اس نے برپا کیا ہے کہ ایک قوم ختم ہوئی تو اسی اولاد وذریات سے ہمیں پیدا فرمایا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾

آپ کہہ دیں کہ اے لوگو! تم اپنی جگہ کام کرو، میں بھی کام کرتا ہوں، عنقریب تم جان لوگے کہ کس کے لیے ہوتا ہے آخرت کا انجام، یقیناً ظالم فلاح یاب نہیں ہوتے۔

(پ ۸ ع ۳، سورۂ انعام: ۱۳۵)

جب افہام و تفہیم کے سارے درجے ختم ہو جاتے ہیں اور مخاطب کسی طرح سمجھنے کے لیے تیار نہیں ہوتا تو آخری مرحلہ یہی ہوتا ہے کہ اسے اتمام حجت کرنے کے بعد نتیجہ کے انتظار کی دعوت دے دی جائے اور کہہ دیا جائے کہ بھلا برا ہم نے سمجھا دیا، اب تم جانو، تمہارا کام جانے، انجام کا ثمرہ سامنے آنے والا ہے، اس سے تم نہیں بچ سکتے ہو، بل کہ ہم دونوں ہی اسے اپنی انکھوں سے دیکھیں گے اور جانبین کے لیے حقیقتِ حال کھل کر سامنے آجائے گی۔

یہاں پر کفار ومشرکین کو آخری تنبیہ کی جارہی ہے اور فرمایا جارہا ہے کہ افہام و تفہیم کی ساری منزلیں طے ہو چکی ہیں اور اتمام حجت کی گنجائش باقی نہیں رہی۔

لہٰذا اب ہم تم دونوں اپنے اپنے کام میں لگ جائیں اور نتیجہ کا انتظار کریں، یہ انتظار کی گھڑیاں ظالموں کے لیے تو غفلت وناعاقبت اندیشی کا مزید باعث بنتی ہیں، مگر مصلحوں کے لیے ان کے انتظار میں خوف ورجاء کی حالت ہوتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب وانتقام کی پناہ ڈھونڈتے ہوئے ان گھڑیوں کو کاٹتے ہیں۔

کسی قوم کے لیے ناصحوں اور مصلحوں کی طرف سے ایسے چیلنج کا ملنا، اس کی ہلاکت کی پیشن گوئی ہوتی ہے اور عام طور سے اس کا نتیجہ خراب ہی نکلتا ہے، پس ہمیں غفلت و نادانی کی اس منزل سے دور رہنا چاہیے، جہاں پر انبیاء و مرسلین نے اپنی اپنی امتوں کو خطرناک نتائج کے انتظار کی دھمکی دی ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّ حَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ ؕ قَدْ ضَلُّوْا وَ مَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۱۴۰﴾

جو لوگ بے وقوفی کی وجہ سے اپنی اولاد کو قتل کرتے ہیں، وہ علم سے کورے ہیں، اور خدا پر جھوٹ بول کر حلال چیزوں کو حرام قرار دیتے ہیں، وہ ٹوٹے میں رہیں گے، اور وہ یقیناً گمراہ ہیں اور ان پر ہدایت کی راہ گم ہوگئی ہے۔ (پ ۸ ع ۳، سورۂ انعام: ۱۴۰)

اللہ نے بچوں کو مارنے کی سخت ممانعت کی ہے اور فرمایا ہے کہ جو لوگ اس جرم کا ارتکاب کرتے ہیں، وہ اپنی حماقت اور جہالت کا ثبوت دیتے ہیں اور انہیں یقیناً اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا، ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ دنیا کے کسی مذہب نے اطفال کشی کی ممانعت نہیں کی ہے، یہ شرف اسلام ہی کو حاصل ہے کہ اس نے قتل اولاد کو بدترین قسم کا جرم قرار دیا ہے۔

پھر فرمایا کہ خدا نے جس رزق کو حلال کیا ہے، اس کو خدا ہی کے نام سے حرام قرار دینا اور خدا کی نعمتوں سے اپنے آپ کو محروم کر لینا بڑی ہی بدقسمتی ہے، اسلام نہ تو جوگیوں، راہبوں کا مذہب ہے اور نہ اس نے ترکِ دنیا کی تلقین کر کے تزکیۂ نفس کی غلط راہ بتائی ہے، وہ کہتا ہے کہ خدا کی تمام نعمتوں سے بہرہ اندوز ہو کر بھی تم باخدا بن سکتے ہو اور باخدا بننے کے لیے ضروری ہے کہ تم کائنات میں اپنا فرض ادا کرو اور دنیا کو صرف دارالمحن سمجھ کر اپنے قوائے عمل کو معطل نہ کر دو۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ هُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡشَاَ جَنّٰتٍ مَّعۡرُوۡشٰتٍ وَّ غَیۡرَ مَعۡرُوۡشٰتٍ وَّ النَّخۡلَ وَ الزَّرۡعَ مُخۡتَلِفًا اُکُلُہٗ وَ الزَّیۡتُوۡنَ وَ الرُّمَّانَ مُتَشَابِہًا وَّ غَیۡرَ مُتَشَابِہٍ ؕ کُلُوۡا مِنۡ ثَمَرِہٖۤ اِذَاۤ اَثۡمَرَ وَ اٰتُوۡا حَقَّہٗ یَوۡمَ حَصَادِہٖ ۫ۖ وَ لَا تُسۡرِفُوۡا ؕ اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الۡمُسۡرِفِیۡنَ ﴿۱۴۱﴾ۙ وَ مِنَ الۡاَنۡعَامِ حَمُوۡلَۃً وَّ فَرۡشًا ؕ کُلُوۡا مِمَّا رَزَقَکُمُ اللّٰہُ وَ لَا تَتَّبِعُوۡا خُطُوٰتِ الشَّیۡطٰنِ ؕ اِنَّہٗ لَکُمۡ عَدُوٌّ مُّبِیۡنٌ ﴿۱۴۲﴾ۙ

اور اسی نے پیدا کیے باغ، جن میں درخت ٹٹیوں پر چڑھائے جاتے ہیں اور وہ جو ٹٹیوں پر نہیں چڑھائے جاتے، اور پیدا کیے کھجور کے درخت اور کھیتی باڑی کہ ان کی غذائی پیداوار مختلف ہے، اور پیدا کیے زیتون اور رمان (انار) ایک دوسرے کے مشابہ اور صورت شکل میں الگ الگ، کھاؤ ان کے پھل اور میوے، جب پھلوں کا موسم آجائے، اور اس طرح پھلوں کا حق ادا کرو، اس دن جب ان کو درخت سے توڑو، مگر بے جا نہ توڑو، کیوں کہ غذا کو برباد کرنے والے اللہ کو پسند نہیں، اور اللہ نے پیدا کیے مویشی بار برداری کے لیے اور زمین سے لگے ہوئے، کھاؤ اللہ کے رزق میں اور مت چلو شیطان کے قدموں پر، اس لیے کہ وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔ (پ ۸ ع ۴، سورۂ انعام: ۱۴۱، ۱۴۲)

اللہ نے انسان کو عبادت کا حکم دیا، تاکہ وہ اپنے خالق اور مالک کا حق ادا کر سکے، اور اللہ ہی نے انسانوں کو دنیا داری کا سلیقہ عطا کیا اور اسے بتایا کہ یہ باغ اور باغ کی بہاریں یہ پھل اور پھول یہ سرسبز بیلیں اور شاداب درخت، کھجور کے درخت اور اناج کے کھیت، گیہوں، چنا، چاول، جوار، مکی، باجرہ، گنا، شکر قند، زیتون، انار، بہت سے ہم شکل پھل اور بہت سے مختلف رنگ اور شکل کے میوے۔

انسانوں کو چاہیے کہ وہ خوب کھائے اور ہر فصل کے موقع پر اس کا حق ادا کرے، مگر غذا کو فضول برباد نہ کرے، جیسا اس ملک میں چھوت چھات کی وجہ سے کھانا پھینک دیا جاتا

ہے اور خدا کی نعمت کو برباد کر دیا جاتا ہے، کیوں کہ غذا کا برباد کرنا ناشکری ہے۔

اللہ نے جانور بھی پیدا کیے تا کہ جو سواری کے قابل ہوں، انہیں سواری بنائے اور جو غذا کے قابل ہوں، ان کا گوشت کھایا جائے، اللہ چاہتا ہے کہ انسان اس کی نعمتوں میں سے خوب کھائے، مگر کھانے کے بعد اللہ کی تابعداری کرے، شیطان کا ہو کر نہ رہ جائے، کیوں کہ شیطان انسان کا کھلا ہوا دشمن ہے، قرآن نے انسان کو دین اور دنیا دونوں کی دولت عطا کی ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

كُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۴۲﴾

تم لوگ اس چیز سے کھاؤ، جسے اللہ نے تم کو روزی میں دیا ہے اور شیطان کے قدم کی پیروی مت کرو، بے شک وہ تمہارے لیے صریح دشمن ہے۔

(پ ۸ ع ۴، سورۂ انعام: ۱۴۱، ۱۴۲)

اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے بہتر سے بہتر کھانے پینے اور پہننے اوڑھنے کی چیزیں دیں، ذرائع معاش اور وسائل رزق میں وسعت دی، تجارت، ملازمت اور ہر قسم کی چیزیں مہیا کیں، جس انسان کے اندر جس بات کی صلاحیت ہے، وہ اسے آگے بڑھ کر لے، اور اس کے ذریعہ حلال وطیب چیزیں کھائے پیے، اوڑھے پہنے اور اپنی محنت کا پھل جس طرح چاہے، استعمال کرے، صرف یہ لحاظ رہے کہ پھل مضر اور نقصان دہ نہ ہو، یعنی کھانا حرام اور ناجائز نہ ہو، اور اس پھل کے حاصل کرنے کا ذریعہ جانا پہچانا ہو اور ناجائز طریقوں سے نہ حاصل کیا گیا ہو۔

ان ہی دونوں باتوں کا لحاظ کرنے سے انسان حرام خوری سے بچ سکتا ہے اور اس

کے شکم میں حلال وطیب غذا جاسکتی ہے، ورنہ پھر حرام خوری ہو جائے گی اور اس کے غلط نتائج مرتب ہوں گے، مثلاً یہی گندم اور چاول جو فی نفسہٖ حرام نہیں ہیں، اگر حرام طریقوں سے حاصل کیے جائیں، ان کی چوری کی جائے، ان پر ڈاکہ مار کر حاصل کیا جائے، یا چوری اور جوا بازی سے روپیہ پیدا کر کے اس سے غلہ خریدا جائے، تو یہی حلال وطیب غذا حرام اور خبیث بن جاتی ہے، اور اس کے کھانے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نجس، ناپاک خون اور گوشت بنتا ہے، حرام تمنائیں پیدا ہوتی ہیں، دیکھنے اور سننے میں حرام کاری سے زیادہ دلچسپی پیدا ہونے لگتی ہے۔

پس جس طرح حلال وطیب خون وگوشت اور حلال وطیب صحت اور جسمانیت کے لیے پاکیزہ غذا ضروری ہے، اسی طرح اس کے ذریعۂ حصول کا پاک ہونا بھی ضروری ہے، ورنہ یہی پاکیزہ غذا نجس وناپاک ہو جائے گی اور اس کے بل بوتے پر جو زندگی چلے گی، نہایت ہی غلط راستہ پر چلے گی۔

کھانے پینے کے بارے میں خواہ رزق ہو یا وسائلِ رزق ہوں، دونوں میں شیطانی مکروفریب سے بچنا چاہیے، نہ حرام غذا استعمال کرنی چاہیے اور نہ اس کے حصول کے حرام طریقوں کو اختیار کرنا چاہیے، یعنی نہ شراب وسور اور نجس وناپاک چیزیں کھانی چاہئیں اور نہ چوری، ڈاکہ زنی، جوا، قمار بازی، سٹا، ریس، سے روپیہ کما کر غذا حاصل کرنی چاہیے، کیوں کہ یہی باتیں اس سلسلے میں شیطان کی ہیں اور یہ دشمن ان ہی کو فروغ دینا چاہتا ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۴۷﴾

پس اگر کفار آپ کو جھٹلائیں تو آپ کہہ دیجیے کہ تمہارا پروردگار وسیع رحمت والا ہے،

اور ساتھ ہی یہ بات بھی ہے کہ مجرم قوموں سے اس کی شدت باز نہیں رکھی جاسکتی۔

(پ ۸ ع ۵، سورۂ انعام: ۱۴۷)

اللہ جل شانہ ایک طرف اگر رحیم و کریم اور ستار و غفار ہے اور اس کی رحمت و مغفرت عام ہے، تو دوسری طرف وہ قہار و جبار اور عزیزٌ ذوانتقام بھی ہے، اور اس کی پکڑ مجرموں کے لیے بڑی سخت ہے، نہ اس کی صفات میں نرا رحم و کرم ہی ہے کہ انسان جری و بے خوف ہوکر اور اس کی رحمت و مغفرت پر بھروسہ کرکے شتر بے مہار بن جائے اور دنیا میں مجرمانہ اودھم مچائے اور نہ اس کی صفات میں سراسر درشتی و سخت گیری اور شدت و دشمنی ہی ہے کہ انسان یاس وقنوط، خوف وڈر کی وجہ سے شل ہوکر رہ جائے اور زندگی کے دامن میں رہ کر مردوں سے ابتر حالات میں رہے، اگر وہ رحم و کرم کرنے پر آجائے تو پھر اس میں کسی کا اجارہ نہیں ہے اور نہ کوئی طاقت اس کے رحم و کرم کا ہاتھ پکڑ سکتی ہے اور اگر وہ بطش پر آجائے اور گرفت کرنے لگے تو کسی کی مجال نہیں کہ خدا پر دخل اندازی کر سکے۔

پس جب اس خدائے برتر و بالا کی شان بے نیازی کے یہ دو پہلو ہیں، تو اب تم جس میں چاہو، چلے جاؤ، یا اس کے اوامر ونواہی کو مان کر رحم و کرم کے قابل بنو، یا پھر عدوان وطغیان اور سرکشی و شرارت کرکے اس کے عذاب کی زد میں آجاؤ۔

اگر رسول کی تکذیب کرتے ہو تو اللہ تعالیٰ کے بندوں کے بارے میں معاملہ کی دونوں حالتوں کو معلوم کرلو، اور پھر فیصلہ کرلو کہ تم کس کے مستحق اور سزاوار ہو۔

خوب سمجھ لو کہ شرارت و بدعملی کرکے تم خدا کے انتقام سے نہیں بچ سکتے، چاہے تم مکروفریب اور تدبیر وحیلہ کے کتنے ہی پینترے بدلو اور چاہو کہ ہم بداعمالی کے نتائج سے بچ جائیں، خدا کی زد سے بچ جانا بہت ہی مشکل ہے۔

سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَ لَآ اٰبَآؤُنَا وَ لَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ ؕ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰى ذَاقُوْا بَاْسَنَا ؕ قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ؕ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ ﴿۱۴۸﴾

جلد ہی مشرکین کہیں گے کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہم کسی چیز کو اپنے اوپر حرام کرتے، اسی طرح ان لوگوں نے بھی تکذیب کی ہے، جو ان سے پہلے تھے، یہاں تک کہ انہوں نے ہماری قوت کا مزہ چکھ لیا، آپ کہیے کہ (اس بارے میں) تمہارے پاس کیا کوئی علم ہے، اگر ہے تو اسے نکالو، تم لوگ صرف وہم کا اتباع کرتے ہو اور تم لوگ صرف اٹکل پچو لگاتے ہو۔ (پ ۸ ع ۵، سورۂ انعام: ۱۴۸)

اللہ کی کھلی کھلی آیتوں سے انکار کر دینا اور ناصحوں کی نصیحتوں کو نہ سننا اور ان کے لائے ہوئے برہانی مظاہرے سے آنکھ بند کر لینا اپنی قوت سمع و بصر اور دل و زبان کے دیوالہ پن کا ثبوت دینا ہے، یہ جرم اس قدر خطرناک ہے کہ اس کی سزا میں عموماً تاخیر نہیں ہوتی، بل کہ تازہ بتازہ جرم و سزا کا معاملہ دنیا میں رونما ہو کر صفحۂ عالم پر غم ناک انقلاب کا رنگ اختیار کر لیتا ہے اور جب اس جرم کے ساتھ ساتھ دماغی عیاشی پر بھی شباب کا رنگ چڑھا رہتا ہے اور خدا کی نشانیوں اور اس کے ناصحوں کے مقابلے میں انسان اپنے بے مایہ ذہن کی جوانی دکھا کر اپنی جسارت بے جا کا ثبوت دیتا ہے تو پھر معاملہ اور سنگین ہو جاتا ہے۔

غور کرو! آج بھی کتنے لوگ ہیں، جو دین کی سیدھی راہ کو چھوڑ کر کج بختی اور کج روی کی راہ پر چل رہے ہیں اور بے عملی و تن آسانی کے ساتھ ساتھ اپنی دماغی قابلیت کے اظہار میں کبھی مسئلہ تقدیر کا حوالہ دے کر اپنی حرام زندگی کا جواز تلاش کرتے ہیں اور کبھی اپنے باپ دادا کی حرام سنتوں کو دلیل بنا کر اللہ اور رسول کے راستوں سے دور بھاگتے ہیں۔

ایسے لوگ کہتے ہیں کہ اگر ہماری تقدیر میں یہی لکھا ہے تو ہم نہیں بدل سکتے اور

دوسرا لکھا ہے تو ہمیں پہلے سے ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا، نیز ان کی دلیل یہ بھی ہے کہ اگلے وقتوں کے لوگ خاندان کے بڑے بوڑھے یہ کام کرتے آئے ہیں اور یہ کام چھوڑتے آئے ہیں، ہم اس کے خلاف نہیں کر سکتے، ایسے کج بخت اور کج فہم لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے، تم جن گزشتہ منکر قوموں کی تقلید میں یہ باتیں بنا رہے ہو۔

خوب یاد رکھو! اگر تم اس گمراہی سے باز نہیں آئے تو ان ہی کی تقلید میں ان حالات سے دوچار ہونا پڑے گا، جن سے تمہارے سردار کو ہونا پڑا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَ لَآ اٰبَآؤُنَا وَ لَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ ؕ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰى ذَاقُوْا بَاْسَنَا ؕ

اب مشرکین کہیں گے کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے اور نہ ہی ہمارے آباء واجداد شرک کرتے، اور نہ ہم کوئی چیز حرام کرتے، اسی طرح ان سے پہلے والوں نے تکذیب کی، یہاں تک کہ ہمارا عذاب چکھا۔ (پ ۸ ع ۵، سورۂ انعام: ۱۴۸)

اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں انسانی شرارت وعدوان کا یہ انتہائی خطرناک مظاہرہ ہے، اللہ کے رسولوں اور مصلحوں کی باتوں اور نصیحتوں کی جواب دہی کی جائے اور جسارت کا ایسا رویہ اختیار کیا جائے، جو مضحکہ خیز ہو، جب کوئی گمراہ قوم اس قسم کی حرکت کا مظاہرہ کرتی ہے، وہ تباہ وبرباد ہوئے بغیر نہیں رہتی، اور اسے اپنی زبان درازی، کج بحثی اور جسارت کا پورا پورا مزہ مل جاتا ہے، اللہ تعالیٰ اس قسم کے کچھ بدنصیبوں کی کہانی بیان کر کے ہمیں عبرت اور اثر پذیری کی دعوت دے رہا ہے، یہ بدبخت، انبیاء علیہم السلام کی دعوت پر لبیک کہنے کے بجائے اپنی اور اپنے باپ دادا کی ناکردنی کو بیان کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اگر ہم گمراہ، بت پرست اور کافر ہیں تو ہمارا کیا قصور ہے؟

اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایسا ہی بنانا چاہا تھا، ورنہ کیا مجال کہ ہم اور ہمارے آباء وواجداد مشرک ہوجاتے اور ہمیں کوئی گمراہ بتاتا، ہم کو سمجھانے کے بجائے خدا سے شکایت کرنی چاہیے، ان کی اس بدزبانی اور کج بحثی نے یہاں تک طول پکڑا کہ وہ اپنے نبی کی بتائی ہوئی راہ پر نہ چل سکے، اور دن بدن گمراہی میں آگے بڑھتے ہی رہے، حتیٰ کہ ایک دن خدا کے عذاب نے گردن دبادی اور پھر سر اٹھانے کے قابل نہ ہوسکے۔

آج بھی کتنے خرمست اسی قسم کی باتیں کرتے ہیں اور اپنی گمراہی کے لیے خدا، تقدیر اور مقدر کے الفاظ تلاش کرتے ہیں، یہ روش خطرناک ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ

اور تم فواحش میں سے ظاہر اور باطن کے قریب بھی مت جاؤ۔

(پ ۸ ع ۶، سورۂ انعام: ۱۵۱)

بُرائی چاہے چھوٹی ہو چاہے بڑی، فحش کاری ظاہر ہو یا باطن، بہر حال برائی اور فحش کاری ہے، آگ کم ہو یا زیادہ، بہر حال آگ ہے اور بستی کو پھونک سکتی ہے، تو زہر کم ہو یا زیادہ، بہر حال زہر ہے اور جان لیوا ہوسکتا ہے، کوئی چیز کمی یا زیادتی یا پھر پوشیدگی اور نمود کی وجہ سے اپنی حقیقت کو نہیں بدل سکتی، بل کہ جس چیز کی جو حقیقت ہوگی، وہ کمی یا زیادتی سے بالاتر ہوکر اس حقیقت کو ظاہر کرے گی اور زمان ومکان کی تبدیلی سے اس حقیقت میں کوئی تبدیلی نہیں پیدا ہوگی۔

پس اے لوگو! تم اس بات کو سمجھ کر ایسی چیزوں سے دور بھاگو اور ان کو کرنا تو درکنار، ان کے قریب بھی مت جاؤ، جو تمہارے لیے زہر قاتل ہیں، اور تمہاری بنیاد پر ضرب کاری لگانے والی ہیں، فواحش یعنی بے حیائی اور بے غیرتی کی حرکتیں کھل کر کی جائیں یا

چھپ چھپا کر ان کا ارتکاب کیا جائے، بہر حال انسانیت پر ان کا بُرا اثر پڑے گا اور اخلاق و روحانیت پر ان سے تباہی آئے گی۔

کوئی یہ نہ سمجھے کہ بُرائی وہی ہے، جو کھلم کھلا کی جاتی ہے، اگر چھپ کر حرام کاری کی جائے تو وہ حرام کاری نہیں رہ جاتی، بل کہ اس کا نام نیکی پڑ جاتا ہے اور اس کے کرنے والے کو دودھ مکھن ملیں گے، اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے تو اس لیے نہیں کہ اس کے پاس بھی عقل ہے، بل کہ اس لیے کہ اس کے دماغ پر حرام کاری کا قابوس سوار ہے اور ان کی عقل ماری جا چکی ہے اور اپنی حرام خواہشوں کی زد میں آ کر ہر عیب کو ہنر اور ہر ہنر کو عیب سمجھنے لگا ہے۔

جو لوگ جذبات و تاثرات سے آزاد ہیں، وہ ہمیشہ بُرائی کو بُرائی ہی سمجھتے ہیں اور اس سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں، اور جو لوگ جذبات و تاثرات کی ہر زد میں آ جاتے ہیں، وہ برائی کو موسمی اور وقتی چیز سمجھتے ہیں اور ان کے خیال میں کوئی ایسا موقع آ جاتا ہے، جب برائی برائی نہیں رہ جاتی، چاہے وہ منہ سے نہ کہیں، مگر عمل سے ضرور یہ بات ثابت کرتے ہیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ اَوۡفُوا الۡکَیۡلَ وَ الۡمِیۡزَانَ بِالۡقِسۡطِ ۚ

اور تم لوگ پوری کرو ناپ اور تول کو انصاف کے ساتھ۔

(پ۸ ع۶، سورۂ انعام: ۱۵۲)

عوامی زندگی کی بحالی اور اجتماعی معاشرہ کے زندہ رہنے کے لیے بازار کے نظام کی درستگی نہایت ضروری ہے، جب تک لین دین اور تجارت کے معاملات میں صفائی دیانت داری اور انصاف پروری نہ ہوگی، اس وقت تک عوام میں رفاہی حالت پیدا نہیں ہو سکتی اور امیر و غریب کی خلیج نہیں پٹ سکتی ہے۔

تجارتی معاملات میں ویسے تو بہت سی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں اور سب ہی مضر پڑتی

ہیں، لیکن بعض خرابیاں ایسی ہوتی ہیں کہ ان کا اثر فوراً عوام کی زندگی پر پڑ جاتا ہے اور وہ چیخ اٹھتے ہیں، مثلاً ناپ تول میں کمی اور ڈنڈی مارنے کی لعنت جب کسی شہر کے بازار میں اور تجارتی حلقوں میں گھس جاتی ہے، تو بیچارے عوام چند دنوں میں اپنے جائز حقوق سے خفیہ طور پر اس طرح محروم ہوجاتے ہیں کہ محنت کر کے پورا دام دینے کے باوجود پورا سودا نہیں پاتے، درآنحالیکہ ان کو یقین دلایا جاتا ہے کہ یہ سودا قیمت کے برابر ہے، اس طرح دھوکہ دہی اور بے ایمانی سے غریب عوام روزانہ پوری قیمت ادا کرنے کے باوجود اپنی پوری غذا یا اپنا پورا سودا نہیں پاتے اور دل ہی دل میں مچل کر رہ جاتے ہیں، کم ناپنا اور کم تولنا اس قدر خطرناک اور مفاد عامہ کے لیے مضر گنا جاتا ہے کہ اس کے خاتمے کے لیے مستقل طور سے انبیاء مبعوث ہوئے ہیں اور انہوں نے اپنی دعوت کی ابتدا اسی قبیح رسم کے خلاف جہاد سے کی ہے، مسلمانوں کو اس خفیہ بے ایمانی سے سختی کے ساتھ روکا گیا ہے اور ان کو تاکید کی گئی ہے کہ پورے طور پر ناپ تول کریں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ اِذَا قُلۡتُمۡ فَاعۡدِلُوۡا وَ لَوۡ کَانَ ذَا قُرۡبٰی ۚ

اور جب تم لوگ کہو تو عدل وانصاف کرو، اگرچہ مقابلہ میں قرابت دار ہو۔

(پ۸ ع۶، سورۂ انعام: ۱۵۲)

مسلمانوں کی ایک ایک حرکت اسلامی احکام واَوامر کی تفسیر ہوتی ہے، اس کی ایک ایک بات سے دنیا کو اسلام فہمی میں مدد ملتی ہے اور وہ اپنے ایک ایک معاملہ میں اسلامی زندگی کا نمونہ ہوتا ہے، اس لیے وہ اپنی ذات سے زید، عمر، بکر سے زیادہ مسلمان سمجھا جاتا ہے، اور دنیا اس کی باتوں سے اسلام کے معاملہ میں دلیل پکڑتی ہے، اس لیے مسلمان کی زندگی کے ایک ایک کام پر کڑی نگرانی کی گئی ہے اور اسے اسلامی حکم کا مقصد بتایا گیا ہے، مثلاً بات

چیت اور گفتگو میں مسلمانوں کی شان یہ ہونی چاہیے کہ وہ ہر بات دوٹوک کریں، دودھ اور پانی کو الگ الگ کردیں اور جو بات حق ہو، اس کے کہنے میں ذرہ برابر جھجک اور پس و پیش نہ کریں، اس عدل وانصاف کا رُخ اپنوں کی طرف یا غیروں کی طرف، حق گوئی کا نشانہ اپنے اہل وعیال ہوں یا دوسرے کے بال بچے، دوست ہوں یا دشمن، انصاف اندھا ہوتا ہے اور اس میں کسی کے لیے کوئی رعایت نہیں ہے۔

اس قدر عظیم الشان تعلیم اسلام کے علاوہ اور کسی مذہب میں مشکل ہے، اگر دنیا اسی ایک تعلیم پر عمل کرنے لگے، تو آج سارے جھگڑے ختم ہو جائیں اور ایٹمی دور میں امن و سلامتی کی روح پیدا ہو جائے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ اِذَا قُلۡتُمۡ فَاعۡدِلُوۡا وَ لَوۡ كَانَ ذَا قُرۡبٰی ۚ

اور جب تم لوگ بات کہو تو عدل وانصاف کرو، اگر چہ سامنے قرابت والا ہی کیوں نہ ہو۔

(پ ۸ ع ۶، سورۂ انعام: ۱۵۲)

اسلام کے امتیازات میں سے یہ امتیاز بہت ہی عام ہے کہ وہ حق اور سچائی کو نہایت بے باکی، نہایت جرأت اور نہایت صفائی سے بیان کرتا ہے اور سچائی کے برتنے یا کہنے میں کسی قسم کی پس و پیش اور گومگو نہیں کرتا، مسلمانوں کو حکم ہے، جو بات کہو، نپی تلی کہو، صاف اور بے لاگ ہو، ایسی بات کہو، جو دوست، دشمن، اپنے، بیگانے سب کے کام آسکے، منہ دیکھی بات کرنا اور اپنا، بے گانہ سمجھ کر جانب داری اختیار کرنا انسانیت وشرافت نہیں ہے، بل کہ بزدلانہ رویہ ہے، جس کے لیے کم از کم مسلمان کی حق گوئی و بے باکی ہرگز تیار نہیں ہے۔

قرآن حکیم فرماتا ہے کہ اے مسلمانو! جب تم گفتگو کرو تو اتنی اونچی بات کرو کہ اس میں اپنے، بے گانے کے امتیاز کا کوئی موقع نہ ہو، اور عدل وانصاف کا دامن کسی بھی حالت

میں نہ چھوٹے، اورتم لوگ اپنے رشتہ داروں اور قرابت مندوں کی پاسداری اور جانبداری سے کبھی اسلامی حق گوئی اور عدل پروری پر حرف نہ آنے دو۔

بل کہ سچائی کی حفاظت کے لیے باپ، بیٹے، بھائی، بہن کے رشتوں کو بھول جاؤ اور حق کی حفاظت کر کے عدل وانصاف کا سر اونچا کرو، اسی عظیم الشان کردار نے مسلمانوں کو دنیا میں سرداری دی تھی اور اسی عدل پروری کے نتیجے میں مسلمان دنیا کے وارث ٹھہرے تھے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ اَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ

اور پورا کرو ناپ اور وزن کو عدل وانصاف کے ساتھ اور ہم کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں کرتے۔(پ ۸ ع ۶، سورۂ انعام: ۱۵۲)

انسانی معاشرہ اور سماج میں لین دین کا معاملہ بہت ہی اہم ہے، اس کے ذریعہ انسانوں کی زندگی قائم رہتی ہے، لوگ آپس میں زندگی کی اشیاء کا تبادلہ کرتے ہیں اور اپنی اپنی ضروریات پوری کرتے ہیں، پھر لین دین میں خرید وفروخت اور بازاری کام دھام بہت ہی اہمیت رکھتا ہے، سودا سلف کا معاملہ اس قدر نازک ہے کہ اس میں ذرا سی خرابی آ جانے سے پورا معاشرہ خراب ہو جاتا ہے اور لوگوں کی ضروریات زندگی کے ملنے میں ابتری پیدا ہو جاتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ناپ تول اور خرید وفروخت کے سلسلے میں بڑی احتیاط اور ایمان داری کا حکم دیا ہے اور اس میں ذرا سی دیدہ ودانستہ غلطی پر بڑا سے بڑا مواخذہ رکھا ہے، حتیٰ کہ ناپ تول میں عدل برقرار رکھنے اور بے ایمانی کو ختم کرنے کے لیے ایک نبی کی بعثت ہوئی، جنھوں نے اپنی قوم کو خاص طور سے اس حرکت سے منع فرمایا اور قرآن حکیم میں ایک مستقل سورہ نازل ہوئی، جس میں دینے میں کم، ناپنے تولنے اور لینے میں زیادہ یا برابر

تو لنے والے کے حق میں جہنم اور ویل کا حکم سنایا گیا ہے۔

اسلام میں بازار کے نظام میں ابتری پھیلانا اور خرید و فروخت کے سلسلے میں بے ایمانی کرنا وہ عظیم جرم ہے، جس کی سزا دنیا و آخرت دونوں میں ملتی ہے، اچھا مال دکھا کر خراب دینا، فاحش منافع کمانا، ملاوٹ کرنا، مال روک دینا، گرانی کے لیے مال چھپا دینا، اور اس قسم کی بے ایمانی کرنا سخت ترین جرم ہے، جو لوگ ایسا کرتے ہیں، وہ بدترین انسان ہیں، جن کی وجہ سے عالمی زندگی میں قسم قسم کی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں، ایسے لوگوں کو دنیا میں رسوائی اور آخرت میں عذاب ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اور جب تم بات کہو تو حق اور عدل و انصاف کی کہو، اگر چہ وہ اپنا رشتہ دار ہو، اور اللہ کا وعدہ پورا کرو۔ (پ ۸ ع ۶، سورۂ انعام: ۱۵۲)

اسلام نے انسانوں میں صداقت پرستی، حق پسندی اور راست روی کی تعلیم اس قدر اہمیت و عظمت کے ساتھ دی ہے کہ ایک انسان اس پر عمل کرنے کے بعد اپنے اور بیگانے کی پرواہ کیے بغیر صرف حقانیت اور صداقت کا ساتھ دینے پر مجبور ہو جاتا ہے اور کسی قسم کا تعلق اس میں آڑے نہیں آتا، بل کہ مسلمان کو حق اور سچائی کی تکمیل میں اگر ذاتی تعلقات کو خیر باد کرنا پڑتا ہے تو وہ اس میں خوشی محسوس کرتا ہے اور اسے اپنے اسلامی کردار کی بلندی سمجھتا ہے۔

قرآن حکیم مسلمانوں سے فرما رہا ہے کہ جب تمہارے منہ سے کوئی بات نکلے تو حق اور سچائی کی بات نکلے اور عدل و انصاف کی ترازو پر وزن کی ہوئی نکلے، ایسا نہ ہو کہ حق گوئی میں رشتہ دار، جان پہچان والا، بھائی، باپ، بیٹا، دوست اور پڑوسی حائل ہو جائے اور تم عدل وانصاف اور سچائی سے دور ہو کر ان میں سے کسی کی قربت حاصل کرنے کے پھیر میں پڑ جاؤ۔

رشتہ داروں کے مقابلہ میں سچی بات اور عدل وانصاف کا ساتھ دینا بڑے اونچے اخلاق کا کردار ہے اور اتنا اونچا کردار اسلامی اخلاق ہی پیش کرسکتا ہے، جو انسان کو حق کے ساتھ ملانے کے لیے سب سے کاٹ دیتا ہے اور انسان حق کا ساتھی بن کر اپنے رشتہ داروں تک سے بے تعلق ہوجاتا ہے، جب اسلام انسانوں کے مابین حق وصداقت کو اس قدر اہمیت دیتا ہے اور عدل وانصاف کے آگے بڑے سے بڑے تعلق کو خیر باد کردیتا ہے، تو پھر وہ اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں بندوں سے کیوں نہ بلند کرداری اور عزیمت کا مطالبہ کرے، چنان چہ اسلام کہتا ہے کہ جب تم اپنے معاملات میں حق اور عدل وانصاف کے اس درجہ ذمہ دار قرار دیے گئے ہو، تو پھر اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں تمہاری ذمہ داری کس قدر زیادہ ہوگئی۔

لہٰذا تم نے اسلام کا کلمہ پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے جو وعدہ کیا ہے، اسے پوری طرح وفا کرو اور اس میں کسی قسم کی کمی یا نقصان نہ آنے دو۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ اِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَ لَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ

اور جب تم کوئی بات کہو تو حق کہو، اگر چہ اپنا قریبی ہو۔ (پ ۸ ع ۶، سورۂ انعام: ۱۵۲)

"عدل وحق" مسلمانوں کا طرۂ امتیاز ہے، مسلمان اس بات کا ذمہ دار ہے کہ اس کے منہ سے جو بات نکلے گی، عدل کی میزان میں تولی ہوگی، حق اور سچائی کے اظہار میں اسے کوئی چیز مانع نہیں ہوسکتی۔

قرآن مسلمانوں سے یہی مطالبہ کرتا ہے کہ سچ بات کہو، لگی لپٹی نہ کہا کرو، سچائی کے معاملے میں اپنے اور بیگانے کو ایک جانو، اپنی پارٹی، اپنی سوسائٹی، اپنے خاندان اور اپنے رشتہ دار کا منہ دیکھ کر سچائی سے منہ نہ پھیرو۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ اِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَ لَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ

اور جب تم بات کروتو عدل وانصاف سے کام لو، اگر چہ مقابل قرابت دار ہی کیوں نہ ہو۔(پ ۸ ع ٦، سورۂ انعام: ۱۵۲)

انسان کی زبان اگر چہ ایک چھوٹی سی چیز ہے، مگر درحقیقت وہ بڑے بڑے نتائج کی حامل ہے، اور اسی کی بدولت انسان بلند سے بلند تر ہوسکتا ہے اور گر بھی سکتا ہے، اسلام نے انسانی حرکات وسکنات پر اخلاقی پابندیاں عائد کی ہیں اور ہر حرکت وسکون کو ایک خاص افادی حیثیت سے ظاہر کرنے کی تعلیم دی ہے۔

اس سلسلہ میں عدل وانصاف کو اس نے بہت ہی اہمیت دی ہے اور اسے زندگی کے ہر مرحلے پر اپنانے کا حکم دیا ہے، خصوصیت کے ساتھ عدل وانصاف کی بات کہنے اور بلا کسی رو رعایت کے صاف صاف زبان کھولنے کو اس نے انسانی فلاح ونجاح کی بنیاد بتایا ہے۔

اسلام اپنے پیروؤں سے کہتا ہے کہ تم عدل کو کسی بھی حال میں ہاتھ سے نہ جانے دو، اور سچائی کے اجاگر کرنے میں اپنے اور بیگانے کا فرق تم کو غلط اقدام کا مرتکب نہ بنا سکے، اسلام نے اتنا بڑا کردار پیش کیا ہے کہ سچی انسانیت اور بے لاگ آدمیت اس پر جتنا بھی ناز کرے، کم ہے، اور جو شخص چاہے اس پر عمل کر کے بڑا سے بڑا انسان بنے، اسلام سچی بات کہنے میں نہ اپنوں کا لحاظ کرتا ہے، نہ غیروں کا پاس رکھتا ہے، نہ غریبوں پر ترس کھاتا ہے اور نہ امیروں کی طرف داری کرتا ہے، بل کہ اس بارے میں اپنے مقابل کو صرف ایک انسان سمجھ کر حقانیت وصداقت اور عدل وانصاف کی بات کرتا ہے۔

اے لوگو! اگر تم بڑے بننا چاہتے ہو تو اسی قسم کے اونچے احکام پر عمل کرو۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ اِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَ لَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ

اور جب بات کہو تو عدل و انصاف کرو، اگرچہ بالمقابل قرابت والا ہی کیوں نہ ہو۔

(پ۸ع۶، سورۂ انعام: ۱۵۲)

عدل و انصاف اور حق گوئی تو دنیا بھر کی اقوام اور اَدیان و مذاہب کے حسین دعووں میں بہت ہی جاذب اور خوش کن دعویٰ ہے، ویسے بھی کوئی باطل سے باطل تر طاقت حق و انصاف کے دعوے سے نہیں چوکتی اور علی الاعلان عدل و انصاف کے حسین و جمیل الفاظ کو بڑی دلیری کے ساتھ استعمال کرتی ہے اور اسے اپنا پیدائشی حق سمجھتی ہے، مگر اسلام اور قرآن نے عدل و انصاف کے معاملے میں اپنے پیروؤں کو جو تعلیم دی ہے اور جو مطالبہ کیا ہے، وہ دنیا بھر کے اَدیان اور اَقوام و اَحزاب سے نرالا اور اعلیٰ و بالا ہے، قرآن کا اعلان عام اور حکم عام ہے کہ اے مسلمانو! جب تم بات کرو تو تمہارے سامنے حق و صداقت ہونی چاہیے اور قرابت داری، رشتہ داری، باپ، بیٹا، بھائی، ماں وغیرہ کا خیال عدل و انصاف کی راہ میں حائل نہ ہو، اگر خویش و اقارب کی پاسداری کی گئی تو عدل و انصاف کا منہ کالا ہو جائے گا اور یہ حق کے ساتھ سب سے بڑی دشمنی ہوگی، جو کسی گئے گزرے مسلمان کے لیے بھی جائز نہیں ہے، اور کوئی شخص اسلام کا دعویٰ کر کے یہ حرکت نہیں کر سکتا ہے۔

جو لوگ مسلمان بن کر عدل و انصاف اور حق کا معاملہ نہیں کرتے اور ان کے اندر جنبہ داری، اقرباء نوازی اور خویش پروری، عدل و حق کے مقابلہ میں ہے، وہ اسلام تو کیا انسانیت سے بھی بے تعلق ہیں، ایسے لوگ ننگ آدمیت ہیں، ان سے انسانوں کی بستی میں بُرائی پیدا ہوتی ہے۔

وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَ لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۵۳﴾

اور بے شک یہ میرا راستہ سیدھا ہے، اسی کی اتباع کرو، اور دوسری راہوں کے پیچھے مت پڑو کہ وہ راہیں تم کو میرے سیدھے راستے سے ہٹا دیں، خدا نے اس بات کی تم کو وصیت کی ہے، شاید کہ تم متقی بن جاؤ۔ (پ ۸ ع ٦، سورۂ انعام: ۱۵۳)

اسلام ایک سیدھی راہ ہے، جس پر انسان چل کر دین و دنیا کی کامیاب منزل تک پہونچ جاتا ہے، دنیا میں دائیں بائیں ہزاروں راستے ہیں، سینکڑوں ملتیں ہیں، لاکھوں نظریے ہیں، کروڑوں رائیں ہیں، مگر اسلام کی صراط مستقیم ان کے بیچ میں اسی طرح واضح ہے، جس طرح ستاروں کے جھرمٹ میں چاند کی ذات، پس اس صراط مستقیم کے سامنے ہوئے دائیں بائیں کی دھندلی لکیروں پر چلنا، گویا اپنے کو گم کرنا ہے، یہ چھوٹی چھوٹی اور مٹی مٹی سی راہیں انسان کو حقیقی شاہ راہ سے الگ کر دیتی ہیں، وہ ان میں پڑ کر صحیح راستہ سے غافل ہو جاتا ہے۔

جب اسلام ایک شاہ راہ ہے، جس میں نہ اندھیرا ہے، نہ کجی ہے اور نہ وہ منزل سے پہلے ختم ہوتی ہے، تو پھر ایک مسلمان اس راستہ پر آ کر سنی، وہابی، مقلد، غیر مقلد، جیسی چھوٹی چھوٹی راہوں کا سوال کیوں کرتا ہے، کیا یہ راہیں اسے اصلی شاہ راہ سے نہیں روکیں گی۔

یاد رکھو! لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ایک شاہ راہ ہے، جس میں کوئی گرد و غبار نہیں، اس راستہ کا ہر راہی اسلام کی لغت میں "مسلمان" ہے اور وہ آگے چل کر مومن و متقی بن جاتا ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَ لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ ؕ

اور یہ میرا راستہ سیدھا ہے، پس تم لوگ اسی پر چلو، اور دوسرے راستوں کے پیچھے مت پڑو کہ وہ تم کو اللہ کے راستہ سے جدا کر دیں۔ (پ ۸ ع ٦، سورۂ انعام: ۱۵۳)

دنیا میں عبادت و بندگی کی بہت سی راہیں ہیں، جو کسی نہ کسی زمانے میں چلی گئی ہیں اور دنیا کے لوگوں نے ان سے کام لیا ہے، مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ تمام کی تمام راہیں اب بھی درست ہیں اور سب خدا تک پہونچا دینے والی ہیں، بل کہ ان میں صرف ایک راستہ صحیح ہے اور وہی صحیح عبادت و بندگی کی منزل تک پہونچا کر انسانوں کو خدا تک پہونچا سکتا ہے، ہمیں اسی راستے پر چلنا چاہیے اور دوسری تمام راہوں سے الگ ہو جانا چاہیے، کیوں کہ یہ راہیں انسانوں میں تفریق و اختلاف پیدا کرنے والی ہیں، اور ان پر چلنے کے نتیجے میں انسانیت مختلف خیالوں، متضاد جماعتوں اور چند در چند گروہوں میں بٹ جائے گی۔

اسی کو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے انسانو! تم دین وحدت کا راستہ اختیار کرو، جو خدا تک پہونچانے کا ضامن ہے اور نہایت سیدھا اور صاف ہے، اس میں کہیں کسی قسم کی پستی و بلندی نہیں ہے اور نہ کہیں روڑا اور تیڑھا پن ہے، بخلاف دوسرے راستوں کے کہ ان میں شدید قسم کے اندھیرے، خوفناک قسم کے گڑھے اور خطرناک قسم کی گمراہیاں ہیں، ان پر چلنے کی وجہ سے انسانیت مختلف ٹولیوں میں بٹ جائے گی اور ہزاروں لاکھوں افکار و نظریات اور اعمال و کردار کے تماشے پیدا ہو جائیں گے۔

اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ خدا اور اس کا ایک راستہ صحیح ہے اور دوسرے تمام راستے غلط ہیں اور اس پر چلنے سے نجات نہیں ہو سکتی، وہ صحیح راستہ اسلام اور صرف اسلام کا راستہ ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۵۵﴾

اور یہ کتاب ہے، جسے ہم نے نازل کیا ہے، برکت والی، پس تم اس پر چلو اور تقویٰ اختیار کرو، تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔ (پ ۸ ع ٦، سورۂ انعام: ۱۵۵)

قرآن حکیم متقیوں کے لیے لائحہ عمل اور نظام حیات ہے، جو لوگ اس دنیا میں

کامیابی کے ساتھ رہ کر آخرت کی کامیابی چاہتے ہیں، ان کے لیے ضروری ہے کہ دو کام کریں، ایک تو یہ کہ اس کتاب پر چلیں جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے انسانی فلاح ونجاح کے لیے اتری ہے اور جس میں برکت ہی برکت ہے اور جس کی کسی بات پر عمل کرنے سے انسان کامیاب ہوگا اور ناکامی کا منہ اسے نہیں دیکھنا پڑے گا اور خیر و برکت اس کی یاوری کرے گی، دنیا کی دوسری تمام تحریروں میں احتمال ہوسکتا ہے کہ اس پر عمل کرنے کے نتیجے میں کوئی خرابی پیدا ہوجائے، مگر قرآن وہ تحریر ہے، جس کی کسی سطر پر عمل کرنے سے خرابی نہیں پیدا ہوتی، بل کہ برکت اور خیر کا ظہور ہوتا ہے، اس لیے جو قوم اس پوری کتاب کو اپنے لیے نظام حیات بنائے گی، اس کے لیے خیر و برکت کا خزانہ عام ہوگا۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس کتاب پر پورے طور سے عمل کرنے کے ساتھ ساتھ تقویٰ کی زندگی اختیار کرنی پڑے گی، تاکہ ان برکتوں کے ظہور کی صورتِ حال پیدا ہو اور انسانی زندگی پوری استعداد و قابلیت کی حامل ہوجائے، جب تک یہ دونوں باتیں انسان کے اندر نہ ہوں گی، اس وقت تک پورے طور سے قرآنی برکتوں کا ظہور اس میں مشکل ہوگا، اور جزوی طور سے خیر وصلاح کی شکل رونما ہوگی۔

اب اگر کسی قوم میں نہ قرآن پر عمل ہو اور نہ اس میں تقویٰ ہو اور پھر دعویٰ کرے کہ وہ اس کتاب کی حامل ہے، تو اس دعوے سے کچھ نہیں ہوگا، زبانی دعوے تو ہر قوم اور ہر جماعت کرسکتی ہے کہ وہ سچائی پر عامل ہے، اور اسے قرآن میں یا کسی دوسری کتاب میں جہاں بھی سچائی مل جاتی ہے، اس پر عمل کرتی ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ صَدَفَ عَنْهَا ؕ سَنَجْزِی الَّذِیْنَ یَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰیٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا یَصْدِفُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

پس اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہوگا، جو ہماری آیتوں کو جھوٹا بتائے اور ان سے روکے، ہم بہت جلد ان لوگوں کو جو ہماری آیتوں سے روکتے ہیں، ان کے اس روکنے کے سبب سخت سزا دیں گے۔ (پ ۸ ع ۷، سورۂ انعام: ۱۵۷)

یہ حقائق کو تسلیم کرنے کے بعد ان پر عمل درآمد نہ کرنا انسانی کمزوری کا بدترین پہلو ہے اور اس کا انجام نہایت افسوسناک ہے، مگر اس سے زیادہ افسوسناک بات یہ ہے کہ حقائق کا سرے سے انکار کر دیا جائے اور ان پر عمل درآمد کرنا تو دور رہا، سرے سے ان کو تسلیم ہی نہ کیا جائے، ایسے لوگوں کے لیے جو حقائق کے منہ پر دھول ڈالنا چاہتے ہیں، سخت قسم کی ذلت و رسوائی اور ناکامی و نامرادی ہے، ان کے چہرے ناکامی و ندامت کی سیاہی سے سیاہ پڑ جاتے ہیں اور ذلت و رسوائی کی کالک ان کی پیشانی کو ہمیشہ کے لیے سیاہ فام کر دیتی ہے۔

یہاں پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس دنیا میں سب سے بڑا بدکار ظالم اور بدقسمت آدمی وہ ہے، جو خدائی حقائق و آیات کو تسلیم نہ کرے اور ان سے خود باز رہ کر دنیا کو ان سے باز رکھنے کی کوشش کرے، ایسے لوگوں کو اپنے رویہ کی پاداش بہت جلد مل جائے گی اور انجام کار ان کے لیے سخت سے سخت سزا تجویز کی جائے گی، جس سے ان کو مفر نہیں ہے۔

پس تم حقائق خداوندی کو پورے طور سے تسلیم کر کے ان پر عمل کرو اور دنیا کو ان کی طرف بلاؤ کہ یہی طریقہ کامیابی ہے اور اسی سے انسان دونوں جہاں میں سرخرو ہوتا ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَ كَانُوْا شِیَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِیْ شَیْءٍؕ اِنَّمَاۤ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ یُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾

جن لوگوں نے اپنے دین میں تفریق کر دی ہے اور وہ خود گروہ در گروہ ہو گئے ہیں، آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے، ان کا معاملہ خدا کے حوالے ہے، پھر خدا ان کو بتائے گا کہ

وہ کیا کرتے تھے۔(پ ۸ ع ۷،سورۂ انعام:۱۵۹)

بے شک تبلیغ ضروری ہے،امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام اعیان امت کے ذریعہ واجب ہے اور حق وحقانیت کی آواز کا دنیا کے کانوں تک پہونچانا ارباب حق کا فرض ہے، اگر یہ سلسلہ بند ہو جائے تو امت سے نیکی اور بدی کے بارے میں امتیازی شان ختم ہو جائے ،بل کہ باطل کے سامنے حق کی رسوائی ہونے لگے۔

مگر بتاؤ! قرآن حکیم کی اس آیت کا کیا مطلب ہے کہ اے ہمارے رسول! سب رسولوں کے سردار، تمام مبلغوں کے رہنما اور حق وحقانیت کے دنیا میں واحد علمبر دار، یہ جو یہود و نصاریٰ نے اپنی اپنی کتابوں میں تحریف کر کے ان کے غلط معنیٰ و مطالب سمجھا کر اور اپنے کام کی باتیں سنا سنا کر اپنے اپنے پیروؤں کو بہکا رکھا ہے اور ہر فرقہ نے اپنے اندر سینکڑوں گروہ پیدا کر لیے ہیں اور اپنی اپنی ٹولیوں کے لیے وہ اپنے مقابل کو کافر، مرتد، بد دین، گمراہ اور ملحد قرار دے رہے ہیں، آپ ان کے پھیر میں مت پڑیئے، بل کہ آپ اسلام کی تبلیغ کیے جایئے، آپ ان کی گمراہی میں دل چسپی لے کر اپنے فرض میں نعوذ باللہ سستی نہ پیدا کیجئے اور آپ آنکھ بند کر کے اپنا کام کیجئے، خدا ان گمراہوں، بد دینوں اور لڑنے والوں سے نپٹ لے گا، اللہ ان کی ایک ایک کرتوت کو دکھائے گا اور اس کا مزہ چکھائے گا، آپ تو بس اپنا فرض ادا فرماتے جایئے۔

معلوم نہیں، آج کے مبلغین وواعظین جو مسلمانوں میں کتاب وسنت کا نام لے کر افتراق پیدا کرتے ہیں اور پھر ان کی ٹولیاں بنا بنا کر گروہ بندی کرتے ہیں، وہ خدا کے اس حکم میں آتے ہیں کہ نہیں کہ مسلمان ان سے دلچسپی نہ رکھیں، اپنا اپنا کام کیے جائیں، اللہ تعالیٰ ان سے خود نپٹ لے گا، آپ بھی عقل رکھتے ہیں، اس بات کو آپ بھی سوچیے اور ہو سکے تو اس پر عمل کر کے اپنے پر اور اسلام پر رحم کیجیے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَ كَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ؕ اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾

بے شک جن لوگوں نے اپنے دین کو جدا جدا کر دیا اور گروہ گروہ بن گئے، آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں، پس ان کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے، وہ ان کو ان کا کیا ہوا بتا دے گا۔

(پ۸ ع۷، سورۂ انعام:۱۵۹)

اس دنیا میں بہت سے واقعات وحقائق ایسے ہیں، جن کو دیکھ کر یا سن کر انسانیت غمگین ہو جاتی ہے، کیوں کہ ان میں اس کی بنیاد پر ضرب کاری ہوتی ہے، ان ہی واقعات و حقائق میں سے مذہبی گروہوں اور دینی جماعتوں کی وہ کارستانیاں ہیں، جن کی وجہ سے انسان گروہ در گروہ ہوئے اور افتراق وانشقاق کی خلیج نے اولاد آدم میں عداوت ودشمنی پیدا کر دی۔

یہ عجیب بات ہے کہ ہر مذہب کا منشا انسان میں وحدت ویکتائی پیدا کرنا رہا ہے، مگر تقریباً ہر مذہب کے لوگوں نے مذہب ہی کے نام پر انسانیت کے ٹکڑے کیے ہیں اور اس کی ذمہ داری مذہب کے سر ڈالی ہے۔

یہ حقیقت اس قدر تلخ ہے کہ کسی عظیم مصلح کی نسبت اس کی طرف کرنا اس کی مصلحیت کے سخت منافی ہے اور ہر بڑے آدمی نے اس سے اپنی بیزاری ظاہر کی ہے۔

چنان چہ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ دنیا میں جو مذہب کے نام پر تفریق چل رہی ہے اور یہود ونصاریٰ وغیرہ مذہبی منافرت پھیلا کر جو انسانوں کو گروہ در گروہ میں تقسیم کیے ہوئے ہیں، اس سے آپ کا کوئی تعلق نہیں ہے، آپ کا کام انسانیت کو ایک کرنا ہے، اس کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا نہیں ہے، جو لوگ مذہب کا نام لے کر اسلام میں تفریق پیدا کرتے ہیں، وہ بدنصیب اپنی بدنصیبی کا ماتم کریں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَ كَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ؕ اِنَّمَاۤ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾

جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کیا اور وہ خود بھی گروہ در گروہ ہوئے، آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے، ان کا معاملہ اللہ کی طرف ہے، پھر وہ بتائے گا کہ وہ کیا کرتے تھے۔(پ ۸ ع ۷، سورۂ انعام:۱۵۹)

اسلام انسانوں کو ایک کرنے کے لیے آیا ہے، پیغمبر اسلام کی تشریف آوری انسانیت کو یکجا کرنے کے لیے ہے، اور رحمۃ للعالمین کے ظہور کا مقصد خداوندی یہ ہے کہ زمین پر انسانوں کی خلافت و حاکمیت کا اس طرح دور دورہ ہو کہ کمزور و قوی، ضعیف و ظالم، چھوٹے بڑے کا سوال ختم ہو جائے، اور تمام انسان ایک سطح پر زندگی بسر کر کے ہر فرد انسانی قدروں سے پوری طرح فائدہ حاصل کرے۔

جس وقت اس مقصد عظیم کو لے کر اسلام کی آمد ہوئی اور پیغمبر اسلام نے دنیا میں اسلام و ایمان کی دعوت عام کی، اس وقت یہود و نصاریٰ اور کفار و مشرکین مختلف جماعتوں اور مذاہب میں بٹ کر انسانیت کا قیمہ کر رہے تھے اور توریت و انجیل تک انہوں نے اپنی پارٹیوں اور جماعتوں میں بانٹ کر خداوندی رشد و ہدایت کو تقسیم کر دینے کی روش اختیار کی تھی، مگر اسلام نے اس کے خلاف انسانی اتحاد کا پرچار کیا، اور ان کے اس قبیح فعل سے صاف و صریح برأت اور انکار کا اظہار کیا، کہ ان گروہ بندیوں سے اسلام اور پیغمبر اسلام کو کوئی تعلق نہیں ہے، افسوس کی آج کے مسلمان اسی مقدس دین میں رہ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو رہے ہیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَ كَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ؕ اِنَّمَاۤ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾

جن لوگوں نے اپنے دین کو جدا جدا کیا اور خود گروہ در گروہ بن گئے، آپ ان کے کسی بھی معاملہ میں نہیں ہیں، ان کا معاملہ اللہ کی طرف ہے، پھر وہ ان کو بتائے گا، جو وہ کرتے تھے۔ (پ ۸ ع ۷، سورۂ انعام: ۱۵۹)

اسلام انسانیت و اجتماع کی خدمت کے لیے آیا ہے، اس کی دعوتِ توحید و رسالت کا لازمی نتیجہ انسانوں میں وحدت فکر و نظر اور یکجہتی عقیدہ و عمل ہے، اس لیے اسلام نے گروہی سیاست عائلی و قبائلی گروہ بندی، نسلی اور خاندانی فرق، قومی اور جغرافیائی اختلاف کو انسانی معاشرہ سے حرف غلط کی طرح مٹا دیا، اور کالے، گورے اور سیاہ و سفید سبھی اسلام لانے کے بعد ایک گروہ کے اَرکان اور ایک خاندان کے اَفراد قرار پائے۔

اسلام کی دعوت امن و اتحاد کے باوجود اگر بدنصیب و محروم، دین و مذہب کے نام پر آپس میں پارٹی بازی کرتے ہیں، لوگوں کو کاٹتے بانٹتے ہیں اور اللہ کے بندوں میں اختلاف و افتراق اور نفاق پھیلاتے ہیں، یہ ان کا کام ہے، اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اس سے کوئی تعلق نہیں ہے، اور نہ ہی اس سلسلے میں ان سے کوئی باز پرس ہوگی، جو لوگ اس لعنت میں بڑھ کر کام کرتے ہیں اور دلچسپی لیتے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کی عدالت میں ماخوذ و مسئول ہوں گے اور ان کو اپنے کام کی سزا ملے گی، اسلام اور پیغمبر اسلام کو اس سے کوئی سروکار نہیں، وہ اپنے اتحاد و توحید کے کام میں منہمک رہ کر دنیا کو یکجہتی، یکسانیت کی تعلیم دیتے ہیں، اللہ ان کو اس عمل خیر پر اجر عظیم دے گا، مسلمانوں کو اختلاف و افتراق سے کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہیے، بل کہ جہاں یہ لعنت سر اٹھائے وہیں، اس کو کچل دینا چاہیے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰىنِیْ رَبِّیْۤ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۚ۬ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۱۶۱﴾

آپ کہہ دیں کہ میرے رب نے مجھے سیدھی راہ دکھائی ہے، دین صحیح سیدھا ملت ابراہیم کا جو ایک ہی طرف جھکا تھا اور وہ شرک کرنے والوں میں سے نہیں تھا۔

(پ ۸ ع ۷، سورۂ انعام:۱۶۱)

اسلام کی راہ نہایت سیدھی سادی راہ ہے، اس میں نہ تو فلسفیانہ باریکیاں ہیں، نہ ذہن وفکر کے لیے بے جا الجھنیں ہیں، بل کہ چند ایسے عقائد کو تسلیم کر لینا اور چند ایسے اعمال کو اختیار کرنا ہے، جو پوری زندگی پر حاوی ہوں اور جن سے فکر ونظر سے لے کر فعل وعمل تک کی تمام حرکات وسکنات انسانیت کبریٰ کے قالب میں ڈھل جائے، اسلام چند پُرانی رسموں اور چند فرسودہ خیالات کا نام نہیں ہے اور نہ ہی وہ انسان کو ایسی راہ پر چھوڑتا ہے، جس میں نشیب و فراز اور زندگی کے لیے الجھاؤ ہو، اسلام کی راہ وہی جانی پہچانی راہ ہے، جس پر حضرت ابراہیمؑ چلے، جو استقامت واعتدال کا نمونہ تھے، اور جن کے فکر وعمل کا محور صرف خدا کی ذات تھی، اور اس کی طرف جھک جانے سے انہوں نے دنیا بھر کی الجھنوں سے اپنے کو بچالیا، ابراہیمؑ کا اعتدال دنیا کے مذاہب میں تسلیم ہے اور کوئی مذہب اعتدال ومیانہ روی میں ان کے ہمسر نہیں ہوسکتا۔

اسلام درحقیقت ملت ابراہیمی کا دوسرا نام ہے، جو اپنے عواطف ورجحانات میں دنیا بھر کے مذاہب سے ممتاز اور علیحدہ ہے اور اس سے کسی کا میل نہیں ہے، جو کہا جاتا ہے کہ تمام دین برابر ہیں، تعبیرات کا فرق ہے، یہ سراسر غلط ہے، اس سے گمراہی مقصود ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶۲﴾ لَا شَرِیْکَ لَهٗ ۚ وَ بِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۱۶۳﴾

آپ کہہ دو میری نماز، اور میری قربانی، اور میرا جینا اور مرنا، اللہ ہی کے لیے ہے،

جو سارے جہاں کا رب ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور مجھ کو یہی حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلے مسلمان ہوں۔ (پ ۸ ع ۷، سورۂ انعام: ۱۶۳)

کفار اور مشرکین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مطالبہ کرتے تھے کہ آپ اس قرآن کے بدلے دوسرا قرآن لائیے، یا پھر اس میں تبدیلی کر کے جہاں جہاں ہمارے خیالات و نظریات کے خلاف باتیں ہیں، ان کو حذف کر دیجئے یا ان کی جگہ دوسری باتیں درج کرائیے، تاکہ ہم جہاں اس کی اور باتیں تسلیم کرتے ہیں، وہاں ان خاص خاص باتوں کی بھی تصدیق کر سکیں، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ میں قرآن میں کسی قسم کی تبدیلی کا مجاز نہیں ہوں اور مجھے یہ حق نہیں پہونچتا کہ اللہ کے کلام میں اپنی طرف سے ردو بدل کروں، میں تو اسی بات کو پیش کرتا ہوں، جو میری طرف میرے رب کے حکم سے آتی ہے، اگر میں اس کے حکم سے سرتابی کروں تو پھر مجھے قیامت کے دن کا خوف گھیر لے گا اور میں اس دن سے بہت ہی زیادہ ڈرتا ہوں۔

اب اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرماتا ہے کہ آپ اعلان کر دیں کہ میں اور میری زندگی کی تمام باتیں صرف ایک ہی اللہ سبحانہ تعالیٰ کے لیے ہیں اور میری خواہشیں، میرے رجحانات، میری نقل وحرکت اور میرے تمام اعمال وافعال سب کے سب اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اور اس میں دوسرے کسی کو دخل انداز ہونے کا حق نہیں ہے اور نہ ہی مجھے اس قسم کی فرمائش کرنے کی ضرورت ہے، میں اپنی دعوت اسلام پر سب سے پہلے خود لبیک کہنے والا ہوں اور اس کے ہر ایک حکم پر عمل کرتا ہوں، اس کے بعد دنیا والوں کو اس کی طرف بلاتا ہوں، نفع، نقصان، مارنا، جلانا، روزی دینا، سب کچھ اللہ تعالیٰ کے قبضہ وقدرت میں ہے، پس ہر انسان کو اس کا ہو کر رہنا چاہیے، اور اسی کی پرواہ کرنی چاہیے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ هُوَ الَّذِیۡ جَعَلَکُمۡ خَلٰٓئِفَ الۡاَرۡضِ وَ رَفَعَ بَعۡضَکُمۡ فَوۡقَ بَعۡضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَبۡلُوَکُمۡ فِیۡ مَاۤ اٰتٰىکُمۡ ؕ اِنَّ رَبَّکَ سَرِیۡعُ الۡعِقَابِ ۫ۖ وَ اِنَّہٗ لَغَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۱۶۵﴾

وہی اللہ ہے، جس نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا اور تمہارے بعضوں کو بعضوں پر سر بلند درجات کے اعتبار سے کیا، تاکہ وہ تم کو اپنی دی ہوئی چیزوں کے بارے میں آزمائے، بے شک تیرا رب زود حساب ہے اور وہ غفور رحیم ہے۔ (پ ۸ ع ۷، سورۂ انعام: ۱۶۵)

سارے انسان آدم سے پیدا ہوئے ہیں، آدم کی پیدائش مٹی سے ہوئی، تمام بنی نوع انسان ایک ہیں، سب کے دو ہاتھ، دو پیر، دو کان، ایک ناک اور ایک منہ ہے، سب کے ہاتھ، پیر میں پانچ، پانچ انگلیاں ہیں، سب کے منہ میں ۳۲/ دانتوں کے درمیان ایک زبان ہے، سب کھاتے پیتے، سوتے جاگتے ہیں، سب کی صورتیں ایک ہیں، سب کے سینے میں دل وجگر ہیں اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سب میں موجود ہے، نہ کسی کے سونا پڑا ہے، نہ کسی کے دماغ میں پانی ہی پانی بھرا ہے اور نہ کسی کے دل وجگر میں پتھر رکھا ہوا ہے اور ایسا کوئی نہیں ہے، جو ہوا پی کر زندہ رہنے کی مشین اپنے شکم میں رکھتا ہے، سب کے سب مخلوق ہیں، زمین کے وارث ومورث ہیں، اس کے لیے زیب وزینت ہیں۔

لیکن ان تمام وحدتوں کے باوجود ایک دوسرے کے درمیان کچھ امتیازات بھی ہیں، جن کی وجہ سے ہر انسان دوسرے سے ممتاز ہے، اور ایک انسان دنیا میں ایسا نہیں مل سکتا، جو تمام انسانوں کے ساتھ ظاہری مشابہت رکھنے کے باوجود کسی ایک سے ملتا جلتا ہو، اور دونوں میں کوئی فرق نہ ہو، رنگ ونسل کا اختلاف، میل ومیلان کا اختلاف، زبان ومحاورہ کا اختلاف، ملک وطن کا اختلاف، عقل وفہم کا اختلاف، ادراک واحساس کا اختلاف، حیثیت اور شخصیت کا اختلاف، تمام وحدتوں کے باوجود ہر انسان کو دوسرے سے ممتاز کرتا ہے۔

پس خدا کی ان نوازشوں کے بارے میں درجات بہ درجات اختلاف کیوں ہے؟

کیا اس لیے کہ کالے گورے کا فرق کر کے انسانیت کو بدنام کیا جائے، کیا امیر وغریب کی خلیج کھود کر اودھم مچائی جائے؟ کہ عقل مند و بے وقوف کی آویزش میں ناحرکتی کا ثبوت دیا جائے، نہیں، یہ اختلاف ان باتوں کے لیے نہیں ہے، بل کہ اس لیے ہے کہ سب کے سب ایک ہونے کے باوجود، جو ایک دوسرے پر کسی حیثیت سے سربلندی حاصل ہے، تو سربلند آدمی اپنے مقابل کے ساتھ کیسا برتاؤ کرتا ہے، اس سے کس طرح پیش آتا ہے اور خود اپنے کو اس کے مقابلہ میں کیا سمجھتا ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَ رَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَبْلُوَكُمْ فِیْ مَاۤ اٰتٰىكُمْ ؕ اِنَّ رَبَّكَ سَرِیْعُ الْعِقَابِ ۖۚ وَ اِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۶۵﴾

اور اس نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا ہے اور تم میں سے بعض کے درجے بعض پر بلند کیے، تاکہ جو کچھ تم کو چاہے اس میں تم کو آزمائے، یقیناً تیرا رب جلد عذاب دیتا ہے اور وہ یقیناً غفور ورحیم ہے۔ (پ ۸ ع ۷، سورۂ انعام: ۱۶۵)

اللہ تعالیٰ نے یہ کائنات پیدا کی اور اس کے تمام نظام اپنے بندوں کو دیے، بہت سے کام اللہ کے فرشتوں کے سپرد ہوئے اور بہت سے کام انسانوں کو دیے گئے، علوی انتظامات اللہ کے حکم سے فرشتے سنبھالتے ہیں اور سفلی معاملات میں انسان کو ذمہ دار بنایا گیا ہے، انسان اللہ کی زمین پر اللہ کی طرف سے منتظم بن کر آیا ہے اور اس کی ذمہ داری ہے کہ آئینی نظام کی بہتری کے لیے اپنی پوری استعداد و قابلیت کو صرف کرے اور قدرت کی بخشی ہوئی عقل وقوت سے کام لے۔

یہ عقل، یہ قوت، یہ اقتدار اور یہ خلافت و نیابت کی تفویض اس لیے نہیں ہے کہ انسان خرمستی کرے، فتنہ وفساد پھیلائے اور اپنے کو غیر ذمہ دار بنا دے، تمام انسان آدم کی

اولاد ہیں، سب خدا کے بندے ہیں اور سب کے سب ایک ہی آسمان کے نیچے، ایک ہی زمین کے اوپر اور ایک فضا کے اندر رہتے ہیں، پھر بھی عقل میں، قوت میں، اقتدار میں اور مراتب میں ایک آدمی دوسرے سے جدا ہے، اور جس طرح سارے انسان ایک ہونے کے باوجود دو انسان ایک نہیں ہیں، اسی طرح سارے انسان ایک ہونے کے باوجود آپس میں بعض وجوہ سے ان میں فرق مراتب ہے، تاکہ ایک دوسرے کی مدد کریں اور ایک دوسرے کے کام آئیں، اگر وہ ان مراتب ومناصب سے کام لے کر اچھا کام کریں گے تو اجر وثواب ہے اور اگر بُرا کام کریں گے تو عتاب وعذاب ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَ رَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَبْلُوَكُمْ فِیْ مَاۤ اٰتٰىكُمْ ؕ اِنَّ رَبَّكَ سَرِیْعُ الْعِقَابِ ۖ

اور وہی اللہ ہے، جس نے تم کو زمین کا خلیفہ بنایا اور تم میں سے بعض کو بعض پر بلندی دی درجات میں، تاکہ جو چیز اس نے تم کو دی ہے، اس میں تم کو آزمائے، اللہ بہت جلد سزا دینے والا ہے۔ (پ ۸ ع ۷، سورۂ انعام: ۱۶۵)

اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان کو پیدا فرما کر اس کے انتظامی معاملات کے لیے انسانوں کا انتخاب فرمایا اور ان کو یہاں کی خلافت ونیابت دی، انتظامی معاملات میں بعض کو اہل اثر ورسوخ بنایا اور بعض کو تابع وفرماں بردار بنایا، تاکہ معلوم ہو کہ اونچے طبقہ نے کہاں تک اس کے نظام کی برقراری میں اپنی ذمہ داری پوری کی اور نچلے طبقہ نے کہاں تک اپنی ذمہ داری کو سنبھالا ہے، حاکم ومحکوم، تابع ومتبوع اور چھوٹے بڑے کا یہ فرق اس لیے نہیں ہے کہ ماتحت لوگوں کو بالادست لوگ استعمال کریں اور ان پر حاکمانہ رنگ جمائیں، جن کے پاس دولت ہے، وہ غرباء ومساکین کو ستائیں اور جن کو کسی حلقہ میں سیادت وقیادت حاصل

ہے وہ اس کے ذریعے انسانوں پر ظلم وزیادتی کریں۔

بل کہ اس کا مقصد آزمائش ہے اور دیکھنا ہے کہ کون آدمی اپنے ماحول میں رہ کر کہاں تک اپنی ذمہ داری پوری کرسکتا ہے، اس صورت حال کے بعد جو لوگ اپنی ذمہ داری پوری نہیں کریں گے، اللہ تعالیٰ کے قانون کی رو سے سخت مجرم قرار پائیں گے اور ان کو سخت سے سخت سزا ملے گی۔

آج پوری دنیا میں اس لیے بدنظمی اور بے اطمینانی عام ہے کہ کوئی طبقہ اپنی ذمہ داری پوری نہیں کررہا ہے اور ہر شخص اپنے کو دوسرے کا باغی بنائے ہوئے ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓىِٕفَ الْاَرْضِ وَ رَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَبْلُوَكُمْ فِیْ مَاۤ اٰتٰىكُمْ ؕ

اور وہی ذات ہے، جس نے تم لوگوں کو زمین کا نائب بنایا ہے اور تم میں سے بعض کے درجے کو بعض کے درجے پر بلند کیا، تا کہ اللہ تمہیں اس چیز میں آزمائے، جسے تم کو دیا ہے۔ (پ۸ع۷، سورۂ انعام:۱۶۵)

انسان کی حیثیت اس دنیا میں نگراں اور ذمہ دار کی ہے، وہ زمین کے اوپر اور آسمان کے نیچے اس لیے برپا کیا گیا ہے کہ اس کائنات ارضی کے نظم ونسق کو خدا کی مرضی کے مطابق بہتر سے بہتر طریقہ پر چلائے اور یہاں کی ہر چیز کو اس کے مقام پر رکھے اور جہاں کہیں بے اعتدالی کی کیفیت پیدا ہو، وہاں انسانی تدبیر، طاقت اور فکر سے کام لے کر صورت حال کو بہتر بنائے۔

اس سلسلے میں انسانوں کے ذمہ مختلف قسم کی ذمہ داریاں عائد کی گئی ہیں، کسی کو خاوند بنا کر عورت کے بارے میں ذمہ دار بنایا گیا، تو کسی کو باپ بنا کر بیٹوں کے بارے میں

جواب دہ بنایا گیا ہے،کسی کو خاندان کی بادشاہت دی گئی،تو کسی کو محلہ کی سرداری بخشی گئی، پھر کسی کو ایک علاقۂ زمین کا نظم ونسق دیا گیا اور کسی کو کسی ایک اقلیم اور ملک کا ذمہ دار قرار دیا گیا ہے۔

پس یہ درجات ومراتب، یہ ذمہ داریاں اور یہ الگ الگ شعبے اس لیے نہیں کہ انسانوں میں نیچ، اُونچ کی خلیج پیدا ہو، اور شریف ورذیل یا حاکم ومحکوم کا تصور جگہ پکڑے، اور دنیا میں بالادستی یا زیردستی کے نام پر خون خرابہ برپا ہو، بل کہ اللہ تعالیٰ نے زمینی نظم وضبط کے سلسلے میں یہ درجات ومراتب اس لیے قائم فرمائے ہیں کہ وہ معلوم کرے کہ ایک انسان شوہر بن کر کیا کرتا ہے، ایک آدمی مربی بن کر کے خاندان کو کس راہ پر لے جاتا ہے، ایک فرد قوم کا قائد بن کر اس کی کیا خدمت کرتا ہے، ایک شخص حاکم بن کر عوام کے بارے میں کیا رویہ اختیار کرتا ہے۔

اور اقتدار مند لوگ یہ ہرگز نہ سمجھیں کہ ہم اپنے وقت کے فرعون بن گئے ہیں اور ہماری خدائی چلنی چاہیے، آج کی دنیا میں یہ جو خون خرابہ برپا ہے، اس کی وجہ یہی ہے کہ بڑے لوگ اپنے کو خدا کا نمائندہ اور قانون قدرت کا نگراں نہیں سمجھتے، بل کہ خود کو فرعون و نمرود اور ہامان وشداد سمجھ کر دنیا میں بُرائیاں پھیلاتے ہیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓىِٕفَ الْاَرْضِ وَ رَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَبْلُوَكُمْ فِیْ مَاۤ اٰتٰىكُمْ ؕ

اور وہی اللہ ہے، جس نے تم لوگوں کو زمین کا نائب بنایا ہے اور اس نے تمہارے بعض کو بعض کے اوپر بلندی دی ہے، تاکہ وہ اپنے دیے ہوئے میں تم لوگوں کو آزمائے۔ (پ۸ع۷،سورۂ انعام:۱۶۵)

اللہ تعالیٰ نے یہ کائنات بنائی اور اس میں اپنی قدروں میں ایسے تصرف کرنے کا

حق دے دیا کہ یہ میری کائنات اور اس کی برکتیں ہیں اور تم انسان ہو، تم کو اچھائی اور برائی میں قوت تمیز دے کر ہم نے اس دنیا کی چیزوں کا حق دار بنایا ہے، اب تم جانو اور تمہارا کام، اس قبضہ اور اختیار کے سلسلہ میں نظامِ قدرت نے انسانوں کو ایک دوسرے پر فوقیت اور برتری دی ہے، کسی کو اثر و اقتدار زیادہ دیا، کسی کو مال و دولت کی زیادتی سے نوازا، کسی کو علم و فضل سے آراستہ کیا اور کسی کو اور کوئی امتیاز دیا، تاکہ کائنات کا نظام ارضی اور اس کی برکتوں کے حصول کا کام آسانی سے ہو سکے، اور ایک آدمی دوسرے کا رضا کارانہ طور پر ماتحت رہے، اور ایک آدمی دوسرے کو عزت و شرافت سے اپنا ماتحت گردان کر اس کے ساتھ وہی برتاؤ کرے، جو ایک ذمہ دار کو اپنی حد میں کرنا چاہیے۔

پس اگر انسان کسی وقت میں ان قدرتی حدود کو توڑ کر افراط و تفریط سے کام لے اور فرقِ مراتب کے حقوق کی پامالی کر کے باہمی زندگی کو ناکارہ بنا دے، تو پھر اس کا وبال اس دنیا میں بھی ظاہر ہوگا اور آخرت میں بھی۔

آج تم دنیا میں جو یہ انارکی، لاقانونیت اور بے ضابطگی انسانوں میں دیکھ رہے ہو، یہ اسی فرق مراتب کے نازک حدود کی پامالی کا نتیجہ ہے۔

غور کرو! تم جو تباہ و برباد ہو رہے ہو، اس کا سبب بھی کہیں یہی تو نہیں ہے کہ تم بھی اپنی ذمہ داری کو نہیں پورا کرتے ہو، کیوں کہ اللہ تعالیٰ اس طرح آزماتا ہے اور جزا و سزا دیتا ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَ لَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝۳

تم لوگ اس چیز کی اتباع کرو، جو تمہارے رب کی طرف سے تمہاری طرف نازل کی گئی ہے، اور اس کے علاوہ اور دوستوں اور ساتھیوں کی اتباع مت کرو، تم لوگ بہت کم

نصیحت پکڑتے ہو۔ (پ ۸ ع ۸، سورۂ اعراف: ۳)

جب پیدا کرنے والا ایک ہے، زندگی دینے والا ایک ہے اور پالنے والا ایک ہے، تو پھر انسان اس کی دنیا میں چل پھر کر، کھا پی کر، ہنس کھیل کر، کس لیے دوسروں کی طرف دیکھتا ہے، کیا موت وحیات کسی دوسرے کی ملکیت ہیں؟ کیا روزی پر کسی کا قابو ہے؟ کیا نفع اور نقصان کسی کے بس میں ہے؟

اگر ان باتوں میں کوئی اور بھی طاقت خدا کی شریک وسہیم ہے تو پھر بے شک اسے بھی پوجا جائے، اس کے احکام واوامر کو بھی مانا جائے اور زندگی کے مسائل کو حل کرنے کے لیے اس کی دہائی دی جائے، لیکن اگر ایسا نہیں ہے اور یقیناً نہیں ہے، تو پھر کوئی وجہ نہیں ہے کہ خدا کا کھا کر اس کی بخشی ہوئی حیات سے زندہ رہ کر اور اس کی نعمتوں کو اوڑھنا بچھونا بنا کر دوسروں کا دم بھرا جائے اور اپنی خودداروبے نیاز زندگی کو ذلیل ونیاز مند کیا جائے، قرآن حکیم ساری دنیا کو دعوت دے رہا ہے کہ جب بات یہ ہے تو اے لوگو! ان ہی طریقوں پر زندگی گزارو، جن کو اللہ نے بتایا ہے، اسی ضابطۂ زندگی پر چلو، جسے خدا نے اتارا ہے، اور اسی فکر وعمل کو اپناؤ، جسے خدا کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمہارے سامنے پیش کر کے اس پر عمل کرنے کی دعوت دی ہے۔

اس طریقۂ حیات کو اس طرح اپناؤ کہ اسلامی زندگی کے افکار واعمال میں غیر اسلامی تصورات کی رنگ آمیزی نہ ہونے پائے، ورنہ مسلمانوں کی قومی اور ملی زندگی مشرکانہ زندگی ہوگی، کیوں کہ اس میں کافرانہ زندگی کی شرکت ہوگی، اور اسلام کی وحدتِ حیات، وحدتِ خیال، اور وحدتِ اجتماع میں اغیار کی آمیزش ہوگی، اگر انسان عقل وشعور سے ذرا بھی کام لے، تو اسے یہ حقیقت نظر آجائے، مگر افسوس کہ وہ بات سن کر غور کرنے کا عادی بہت کم ہوتا ہے، حالاں کہ ایسا نہ ہونا چاہیے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ كَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ ۞

اور کتنی ہی بستیاں ہیں، جنھیں ہم نے ہلاک کر دیا، پس آیا اس پر ہمارا عذاب رات ہی رات یا وہ دو پہر کو سوئے ہوئے تھے۔(پ ۸ ع ۸، سورۂ اعراف: ۴)

عدوان وطغیان کا انجام ظاہر ہو کر رہتا ہے اور شرارت و بے راہ روی کی سزا مل کر رہتی ہے، یہ دوسری بات ہے کہ نظام مجازات کی رو سے اس کی نوعیت مختلف قسم کی ہوتی ہے، بسا اوقات انسان اپنی جہالت وشرارت کے غلبہ کی وجہ سے اس عذاب اور سزا کو دوسرا رنگ دے کر غلط فہمی میں مبتلا رہتا ہے اور بدی سے چوکنے اور باز آنے کے بجائے اس میں لگا رہتا ہے۔

درحقیقت ہوتا ہے یہ کہ اللہ کی تنبیہ اور سرزنش ابتدا میں بار بار ظاہر ہوتی ہے اور گنہ گاروں اور ظالموں کو چوکنا رہنے کا موقع دیا جاتا ہے، مگر جب یہ تنبیہ بھی بے کار ثابت ہوتی ہے اور ان کے دل ودماغ سے ظلم وغرور کا نشہ نہیں اترتا، تو ناگہانی طور پر ان کی ہلاکت ہوتی ہے اور بے شان وگمان وہ دم کے دم میں تباہ کر دیے جاتے ہیں۔

چنان چہ دنیا کے جن ظالموں کی ویرانی و بربادی ہوتی ہے، پہلے ان میں تنبیہی حالات رونما ہوئے اور جگاوے کے لیے نشانیاں ظاہر ہوئیں، مگر جب اہل بستی نہ جاگے تو انھیں بے خبری کے عالم میں بغیر کسی ظاہری سبب کے یکبارگی تباہ وبرباد کر دیا گیا، اور ایسا ہوا کہ ظالموں کو رات کی صبح نصیب نہیں ہوئی، اور دو پہر کی شام نہ مل سکی، انسانی زندگی کے لیے ہلاکت کا یہ فوری عمل اور دو چار گھنٹہ کی مہلت کا نہ ملنا اسی وقت ہوتا ہے، جب کہ سالوں سے ان کو مہلت دیتے دیتے حجت پوری ہو جاتی ہے اور ان کے لیے کوئی عذر باقی نہیں رہ جاتا ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ كَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ ۞ فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۞

اور کتنی ہی بستیاں ہیں کہ ہم نے ان کو ہلاک کر دیا ہے، پس آیا ان پر ہمارا عذاب رات ہی رات یا دو پہر کو سوتے ہوئے، پس نہیں تھی ان کی پکار جب ہمارا عذاب پہونچا، مگر ان کا یہ کہنا کہ بے شک ہم ہی ظالم تھے۔ (پ ۸ ع ۸، سورۂ اعراف: ۴، ۵)

دنیا میں تباہی و بربادی کی ذمہ داری بڑی حد تک ان کھاتے پیتے لوگوں کے سر ہے، جو اللہ کی نعمت پا کر شرارت وعدوان میں آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ جس قدر ان کو نوازتا ہے، اسی قدر بے ہودگی اور ناکردگی میں جری ہوتے چلے جاتے ہیں، ان ہی اکابر مجرمین کی دیکھا دیکھی عوام میں جرم کا مادہ پیدا ہوتا ہے، لوگوں کا مزاج بگڑ جاتا ہے اور وہ کھلم کھلا بُرائی کرنے لگتے ہیں۔

اس صورتِ حال کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پوری کی پوری بستی فاسقوں، فاجروں، بدکاروں اور شریروں کا اڈہ بن جاتی ہے، اور خدا تعالیٰ کا حلم وصبر اس بستی سے اٹھ جاتا ہے اور قدرت کا نوشتہ پورا ہو جاتا ہے کہ ظلم وشرارت کے لیے بقا نہیں ہے، عدوان وطغیان کا سر ہمیشہ اُونچا نہیں رہ سکتا ہے اور فاسد عناصر کو مٹنا پڑتا ہے۔

ایسی خطا کار بستیاں دیکھتے دیکھتے تباہ وبرباد ہو جاتی ہیں، ان کی تباہی کا کوئی خاص دن اور وقت نہیں ہوتا، بل کہ بے شان وگمان کسی بھی وقت تباہی وبربادی آجاتی ہے اور شدید بدمعاش سوائے سر پیٹ لینے کے اور کچھ نہیں کر سکتے، اقرارِ جرم کر کے بھی نجات نہیں پاتے اور قدرت کی مار پڑ کر دم لیتی ہے۔

وَ كَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ ۝ فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝

اور بہت سی بستیوں کو ہم نے تباہ کر دیا، پس ان پر ہمارا عذاب رات کے وقت

پہونچا، یااس حالت میں کہ بستی والے دوپہر کے وقت آرام میں تھے، پس جس وقت ان پر ہمارا عذاب آیا، بجزاس کے ان کے منہ سے اور بات نہ نکلی تھی کہ واقعی ہم ہی لوگ ظالم تھے۔

(پ ۸ ع ۸، سورۂ اعراف: ۴، ۵)

انسان بڑا ہی ظالم ہے اور ساتھ ہی اپنے عیوب کو چھپانے کا مرض بھی اس کے اندر موجود ہے، آدمی میں لاکھ عیب ہو، مگر جب اس کا اظہار ہوتا ہے تو پہلی کوشش یہی ہوتی ہے کہ اس کی تاویل کرلی جائے اور کوئی ایسی وجہ بیان کردی جائے کہ وہ عیب، عیب کی شکل میں باقی نہ رہ سکے، مگر عیب اور بُرائی بہر حال عیب اور بُرائی ہے، کسی کی کوشش سے نہ عیب کا نام ہنر رکھا جاسکتا ہے، اور نہ بُرائی، اچھائی کے قالب میں ڈھل سکتی ہے۔

بل کہ یہ کوشش کسی نہ کسی منزل پر پہونچ کرناکام ہوجاتی ہے اور آدمی کو کھلے لفظوں اپنی برائی کا اقرار بھی کرنا پڑتا ہے، رات کے کتنے سیاہ پردے اور دوپہر کی کتنی میٹھی نیندیں گواہ ہیں کہ جب انسان کا جذبۂ عیب پوشی متعدی بیماری میں بدل گیا اور قومی اور ملکی تباہی کا باعث بن چکا، تو پھر قدرت کے دست غیب نے انکار وتکبر کی گردن کو پکڑا، اور ایسے وقت میں پکڑا کہ انسانی زندگی لطف اندوزی کے شباب میں مست تھی۔

جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سینکڑوں بستیوں کی رات تباہی کی رات ہوگئی اور ان کی دوپہر بربادی کی دوپہر کے رنگ میں تبدیل ہوگئی، اور جب سر پر خداوندی عذاب کا سایہ ہوا، تو انسان نے اپنی ظالم زندگی اور ملعون طبیعت کا کھلے بندوں اعتراف کیا، اور عیب پوشی کا سارا ہنر دھرا کا دھرا رہ گیا، آج کے انسانوں کی مردود زندگی اور ظلم وعدوان کی آخری منزل پر پہونچ چکی ہے، اور جس بستی کو خدا کا عذاب، طوفان، سیلاب، زلزلہ اور طرح طرح کی آفتوں کی شکل میں نمودار ہوکر گھیر لیتا ہے، وہاں کے لوگ مرتے مرتے خدا کا نام لیتے ہیں اور توبہ کرنے لگتے ہیں، مگر یہ ایسا نازک وقت ہوتا ہے، جس میں اس قسم کی فوری توبہ اور وقتی خدا پرستی کام نہیں

دیتی، دیکھ لو، جب بیماری کا زمانہ ہوتا ہے، تو لوگ نمازی بن جاتے ہیں اور اپنے گناہوں کا اقرار کر کے توبہ کی طرف رجوع کرتے ہیں، اگر انسان پہلے ہی سے یہ کام کرے تو یہ بیماری ہی نہ آئے اور خدا کی زمین کو بے امنی اور بے اطمینانی کا منہ نہ دیکھنا پڑے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝

جب ان کے پاس ہمارا عذاب آیا، تو اس اقرار کے علاوہ ان کا کوئی دعویٰ نہ تھا کہ بے شک ہم ہی لوگ ظالم تھے۔ (پ ۸ ع ۸، سورۂ اعراف: ۵)

اللہ نے انسانوں کو پیدا کیا، ان کی تربیت فرمائی، روزی دی، زمین و آسمان کی برکتوں کو ان کے لیے ظاہر فرمایا، طرح طرح کی نعمتوں سے نوازا، کام کے لیے اسباب و علل فراہم کیے، آرام کے لیے آسانیاں مہیا کیں، یہ سب کچھ کرنے کے بعد انسانوں سے کہا کہ تم صرف میری عبادت کرو، توحید پرستی پر قائم رہو، اور دنیا میں اَخلاق و دیانت اور شرافت و انسانیت کا پرچار کرو، پھر ان تمام باتوں کے بعد انسانوں کی ہدایت کے لیے انبیاء و رسل مبعوث فرمائے اور انسانوں کے پاس گھر بیٹھے ہدایت کا نور بھیجا۔

اس کے بعد اگر انسانوں نے بے راہ روی، گمراہی، اور شرارت و عدوان کا رویہ رکھا، اور قدرت کی تمام نوازشوں کی پرواہ نہ کی، تو پھر ان پر قدرت کی مار پڑنی ضروری ہے، جس کی تمام تر ذمہ داری انسانوں ہی کے سر ہے، اس حال میں جو بھی تباہی آئے، وہ انسانی گمراہی اور بد عملی کا نتیجہ ہوگی، اور بستیوں کی بربادیاں، مکانوں کی ویرانیاں اور انسانوں کی تباہ کاریاں قدرت کا ظلم نہیں کہلائیں گی، بل کہ وہ اس ظلم کا نتیجہ ہوں گی، جسے انسان آپ اپنے اوپر کرتا ہے، اسے جتنی ملامت کرنی ہو، اپنے کو کرے، اور جس قدر کوسنا ہو، اپنے کو کوسے، دوسرے پر الزام رکھنا یا دوسرے کو ظالم بتانا اور خود کو معصوم و مظلوم گردانا، ایسے

وقت میں کام نہیں دے سکتا۔

قرآن حکیم ایسے ہی احسان فراموش، خدا فراموش اور خود فراموش بدبختوں کا ذکر فرما رہا ہے کہ ان کی بے راہ روی کے نتیجے میں جب ان پر خدا کی مار پڑی، تو سوائے اعتراف جرم کے کوئی دعویٰ نہ کر سکے، ان کو فریاد کا موقع نہ مل سکا اور کسی سے کہنے سننے کی فرصت نہ مل سکی، بل کہ ہاتھ ملتے رہ گئے، اور سوائے اس کے اور کچھ نہ کہہ سکے کہ یہ جو کچھ ہو رہا ہے، ہمارے کاموں کا نتیجہ ہے، ظلم ہمارا ہے، ہم ہی ظالم ہیں اور ہمیں اپنے ظلم کی سزا مل رہی ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَ لَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ ۝

پس ہم ضرور بالضرور ان لوگوں سے سوال کریں گے، جن کی طرف رسول بھیجے گئے تھے، اور ہم ضرور بالضرور رسولوں سے بھی دریافت کریں گے، پس ہم خود ان سے ان کے قصوں کو بتائیں گے اور ہم ان سے غائب نہیں تھے۔ (پ ۸ ع ۸، سورۂ اعراف: ۶، ۷)

اللہ نے انسان کو پیدا کیا، زندگی دی، زندگی کا سامان دیا، اور پھر اسے بہتر سے بہتر بنانے کے لیے انبیاء اور رسل مبعوث فرمائے، قوانین وضوابط نازل کیے اور رشد وہدایت کے دروازے کھول دیے، ان تمام باتوں کے بعد اگر انسان گمراہی میں مبتلا رہا تو پھر اسے اس کی سزا بھگتنی پڑے گی اور اس کی ساری ذمہ داری اسی کے سر ہوگی، قدرت بالکل بری اور غیر ذمہ دار ہوگی، مگر خدا کے قانونِ مجازات میں اتمام حجت کو آخر وقت تک برقرار رکھا گیا ہے اور عذاب وعقاب میں ڈالنے سے ذرا پہلے تک قانون قدرت یہ ثابت کرتا رہتا ہے کہ یہ جو کچھ ہو رہا ہے، انسانی دست وپا کی کمائی ہے اور قدرت نے بچانے کی بہت کوشش کی، مگر انسان نے ایک نہ مانا اور اپنی تباہی مول لی۔

اوپر کی آیتوں میں اتمام حجت کے آخری مرحلہ کا بیان ہو رہا ہے کہ ہم بدکار انسانوں کے نامۂ اعمال کو ان کے سامنے رکھ کر ان سے اور ان کے رسولوں سے دریافت کریں گے کہ کیا یہ ریکارڈ صحیح ہے؟ اور کیا نبی نے تمہیں نیک راہ نہیں دکھائی تھی؟ اور کیا تم نے اس کا انکار کر کے ان جرائم کا ارتکاب نہیں کیا تھا؟

انبیاء کہیں گے کہ ہم نے احکام واَوامر پہونچا دیے تھے، ان بدکاروں نے ان کو نہیں مانا اور پھول کا جواب پتھر سے دیا، بدکار اقرار کریں گے کہ ہماری بدبختی ہم پر غالب آئی تھی اور ہم نے یہ گناہ کیے تھے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم دنیا اور اس کے ذرے ذرے سے واقف ہیں، اور کارکنان قضاء وقدر ایک ایک ذرہ اور ایک ایک لمحہ کا حساب رکھتے ہیں، ہر انسان کی زندگی کی پوری فلم موجود ہے، جو میدانِ حشر میں حساب وکتاب کے پردے پر کھول دی گئی ہے۔

اے لوگو! جس طرح تم خود اپنی زندگی کے کردار کو فلماتے ہو، اور خود اس کا تماشہ دیکھتے ہو، اسی طرح تمہاری پوری زندگی کو قدرت کے کارندے ریکارڈ کر رہے ہیں اور تم کل ان کو دیکھو گے کہ تمہاری حرکات وسکنات اور اصوات وکیفیات ہو بہو تمہارے سامنے ہوں گی اور تم خود ہی فیصلہ کرو گے کہ اس کے بعد تمہارے ساتھ قانون مجازات کی رو سے کیا معاملہ کیا جائے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ ٱلْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝٨ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰٓئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوٓا أَنفُسَهُم بِمَا كَانُوا بِـَٔايَٰتِنَا يَظْلِمُونَ ۝٩

آج وزن حق ہے، پس جن کی نیکیوں کے وزن بھاری ہوں گے، وہ لوگ کامیاب ہیں اور جن کی نیکیوں کے وزن ہلکے ہوں گے، یہ وہ لوگ ہیں، جنہوں نے ہماری آیتوں کے

ساتھ ظلم کر کے اپنے کو نقصان میں رکھا۔ (پ ۸ ع ۸، سورۂ اعراف: ۸، ۹)

آج بارش تولی جاتی ہے، ہوا تولی جاتی ہے، روشنی تولی جاتی ہے، حرارت تولی جاتی ہے، رفتار تولی جاتی ہے اور کمیت کے ساتھ ہر قسم کی کیفیت ناپی تولی جاتی ہے، آلے لگے ہوتے ہیں، سوئیاں کام کیا کرتی ہیں، مشیر پتہ لگاتے رہتے ہیں، رصد گاہیں اپنا کرشمہ دکھایا کرتی ہیں۔

غرض ہماری نگاہوں کے سامنے رات دن کیفیات کا وزن ہوتا رہتا ہے اور اسی کے حساب سے دنیا کا کام چلتا رہتا ہے، اس بارے میں مشاہدات وتجربات ہمارے گرد و پیش ہوتے رہتے ہیں، اس میں ہمیں کوئی مشکل نظر نہیں آتی، کوئی استحالہ معلوم نہیں ہوتا، اور اس کے سمجھنے میں کسی قسم کا تردد درپیش نہیں ہوتا، لیکن ہم نے جہاں یہ مانا کہ انسانی زندگی کی کیفیات کا بھی وزن ہوگا، اس کے حسن و قبح کی قدریں بھی معلوم کی جائیں گی اور کھرے کھوٹے کو الگ الگ کیا جائے گا، تو طرح طرح کے شبہات آنے لگتے ہیں، اس پر یقین نہیں آتا اور دل میں یہ بات نہیں بیٹھتی۔

ایسا کیوں ہے کہ ہم کیفیات کو ناپ تول کر ان کی پوری قدر معلوم کر لیتے ہیں اور اس پر صرف نظریہ نہیں بتاتے، بل کہ عمل کرتے رہتے ہیں، اور جب قیامت اور خدا کے بارے میں یہی بات سامنے آتی ہے تو پھر ہمیں طرح طرح کے شکوک وشبہات گھیرنے لگتے ہیں، کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ دل کا چور یہ رنگ اختیار کرتا ہے اور اپنی مجرمانہ زندگی انکار پر آمادہ کر کے ہمیں اور زیادہ مجرم بنا رہی ہے۔

اگر آپ انصاف سے کام لیں اور اپنے نفس کے چور کے قبضے سے اپنا صحیح احساس حاصل کر لیں تو سب معلوم ہو جائے گا کہ دنیا کی طرح آخرت میں بھی کیفیات کا وزن بالکل یقینی ہے اور اس وزن میں جس کی نیکی کا پلہ بھاری ہوگا، وہ کامیاب ہوگا اور جس کی نیکی کا پلہ

ہلکا اور بدی کا بھاری ہوگا، وہ ناکام ہوگا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ ٍۨالْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ۝

اور آج وزن حق ہے، پس جس شخص کے اوزان بھاری ہوں گے، وہ لوگ کامیاب ہیں، اور جس شخص کے اوزان ہلکے ہوں گے، یہ وہ لوگ ہیں، جنہوں نے اپنے آپ کو نقصان پہونچایا، اس لیے کہ وہ ہماری آیتوں کے ساتھ ظلم کرتے تھے۔ (پ ۸ ع ۸، سورۂ اعراف: ۸، ۹)

قیامت کا دن برحق ہے اور اس دن مجازات کا جاری ہونا برحق ہے، ہر ہر شخص کے اعمال کا حساب ہوگا اور ہر ہر شخص کو اس کے اعمال کے مطابق بدلہ دیا جائے گا، جن کے نیکی کے اوزان بھاری ہوں گے، ان کے لیے فلاح ونجاح کی راہیں کھل جائیں گی اور جنت کی ابدی نعمتوں اور دائمی لذتوں میں ان کی لافانی زندگی بسر ہوگی اور جن کے نیک کاموں کا وزن ہلکا ہوگا اور گناہوں کا وزن زیادہ ہوگا، وہ ذلیل وخوار اور ناکام ونامراد ٹھہریں گے، اور ان کے لیے عذاب الیم کی دردمندیاں ہوں گی اور وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نارِ جہنم میں ڈال دیے جائیں گے کیوں کہ انہوں نے اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کے احکام سے منہ موڑا تھا اور سرکشی وشرارت کی وجہ سے اپنی زندگی کو برائیوں کا گہوارہ بنا رکھا تھا، انہوں نے اس دنیا کی چندروزہ زندگی میں اپنے اوپر ظلم کیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ابدالآباد تک کے لیے سزا کے مستحق ٹھہر گئے۔

یہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اور ہم تمام مسلمانوں کا عقیدہ ہے، اس میں شک وشبہ کفر ہے اور جو مسلمان اس کا قائل نہیں ہوگا، وہ دعوائے اسلام میں غلط ہوگا اور اسلام سے خارج تصور کیا جائے گا۔

پس ہم مسلمانوں کو چاہیے کہ آخرت کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھیں اور کسی وقت بھی

اللہ تعالیٰ کے قانونِ مجازات سے غافل نہ ہوں کہ یہ غفلت بڑی ہی محرومی ہے اور انسانیت کے لیے اس سے زیادہ بدبختی کسی چیز میں نہیں ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ الْوَزْنُ يَوْمَئِذِ ﹰالْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۸ وَ مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ۝۹

اور آج کے دن وزن حق ہے، پس جس کا وزن بھاری ہوگا، وہ لوگ کامیاب ہیں، اور جن کا وزن ہلکا ہوگا تو وہ لوگ وہ ہیں، جنہوں نے ہماری آیتوں کے ساتھ ظلم کر کے اپنی جانوں کو نقصان میں رکھا۔ (پ ۸ ع ۸، سورۂ اعراف: ۸، ۹)

اعمال تولے جائیں گے، نیکی اور بدی کا وزن ہوگا اور آخرت میں تولہ تولہ، ماشہ ماشہ کا حساب وکتاب ہوگا، جس کی نیکی کا پلہ بھاری ہوگا، اس کے لیے کامیابی ہی کامیابی ہے، اور جس کی نیکی کا پلہ ہلکا ہوگا، اس کے لیے نقصان ہی نقصان ہے، کیوں کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے اَحکام واَوامر کی پرواہ نہیں کی اور اپنے کو دنیا میں ظلم و جور اور کفر و شرک میں مبتلا رکھا، تم روشنی کی، ہوا کی، آواز کی، حرارت کی، برودت اور رفتار کی، ناپ تول کر لیتے ہو، تو اللہ تعالیٰ نیکی اور بدی کو کیوں نہیں تول سکتا ہے؟

ضرور تول سکتا ہے اور تولے گا، ایک ایک حرکت وسکون کا حساب لے گا اور اس کی جزا یا سزا بھگتنی پڑے گی، اگر کوئی بات تمہاری سمجھ میں نہ آئے تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ وہ ہو ہی نہیں سکتی، اگر کوئی ایسا سمجھتا ہے تو اس سے بڑھ کر کوئی شخص احمق نہیں ہوگا۔

لہٰذا اس حماقت سے نکل کر نیک کام کرو، تاکہ آخرت کی رسوائی اور ناکامی سے نجات ملے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ لَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَ جَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝۱۰

اور تحقیق کہ ہم نے تم کو تمکین ارضی دی، اور ہم نے تمہارے لیے اس میں روزی کے سامان بنائے، تم بہت کم شکرادا کرتے ہو۔ (پ۸ ع۸، سورۂ اعراف:۱۰)

قرآن حکیم انسانوں کو نصیحت کرنے کے لیے ان کے سامنے طرح طرح کے واقعات وحقائق رکھتا ہے، کبھی گزشتہ قوموں کی گمراہی اوران کی سزا کے عبرت ناک مناظر کو پیش کرتا ہے، اس طرزِ نصیحت کا نام "تذکیر بایام اللہ" ہے، اور کبھی انسانوں کو دعوت دیتا ہے کہ وہ اپنے اندراور گردوپیش پر نظر ڈالیں اور دیکھیں کہ اللہ نے ان کو کیسی کیسی نعمتوں سے نوازا ہے، اس طریقۂ نصیحت کو تذکیر باٰلاءاللہ کہتے ہیں۔

یہاں پر اسی طریقۂ نصیحت کو اختیار فرمایا گیا ہے اور کہا جارہا ہے کہ اے انسانو! تم کفران وکفر اور ناشکری وشرک کس طریقہ پر کرتے ہو، اور واقعات وحقائق سے آنکھیں بند کر کے کیوں گمراہی اور بے راہ روی کرتے ہو۔

اگر تم ذرا بھی خدا کی دی ہوئی عقل سے کام لو اور سمجھنے کے لیے تیار ہو جاؤ، تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ خدا نے تم کو وجود بخشا، زندگی دی، زندہ رہنے کے لیے سامان فراہم فرمایا اور پھر روئے زمین کی حکومت تمہیں دی، تم خدا کی زمین کے وارث بنے، تم کو اس نے اس میں حاکمانہ زندگی بسر کرنے کا موقع دیا، شیروں، ہاتھیوں، تیندؤں، سانپوں، بچھوؤں، اور طرح طرح کے وحشی اور زہریلے وحوش و بہائم کی موجودگی میں تمہیں بے خوف وخطر زندگی دی، اور ساری مخلوق کو تم سے ڈرنے والا بنایا، نہ سمندر اور پہاڑ تمہاری حکومت سے بچے، نہ وحوش و بہائم تمہارے قبضے سے باہر ہوئے، اور نہ ہوا وفضا آزاد رہ سکے، بل کہ زمین کے ذرے ذرے پر تمہارا قبضہ ہے، اور یہاں کی ایک ایک چیز کے تم مالک ہو۔

اتنی عظیم الشان برتری اور حاکمیت کے بعد تم کو اس نے روزی کے معاملے میں بھی

آزادی دی، اسی زمین سے جس پر تم قابض و دخیل ہو، تمہاری روزی کے سامان بہم پہونچائے، کھانے کے لیے دانے، پہننے کے لیے کپڑے اور باہمی تبادلہ اور لین دین کے لیے سونا چاندی اور دوسرے قیمتی اجسام نکالے، ان تمام حقائق کے مقابلہ میں تمہاری زندگی نہایت غیر ذمہ دار اور بہت ہی ناشکری و کفران کے ساتھ گزر رہی ہے، اگر تم ذرا بھی سمجھ بوجھ رکھتے ہو تو شکر و اطاعت کی زندگی گزارو، اور خدا کے نیک بندے بنو۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اور ہم نے تم لوگوں کو جگہ دی زمین میں اور بنائیں تمہارے لیے اس میں روزیاں، تم بہت کم شکر ادا کرتے ہو۔ (پ ۸ ع ۸، سورۂ اعراف: ۱۰)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا فرمایا اور اپنی زمین کو انسان کے لیے بخش دیا کہ وہ اس میں رہے، اس سے روزی حاصل کرے اور اپنی قسمت بھر اس سے فائدہ اٹھا کر اپنی راہ لے، اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی زمین دے کر گویا ساری کائنات دے دی، وہ اسی زمین پر رہ کر دانہ، پانی، ہوا، سردی، گرمی اور دھوپ، چھاؤں سے مستفید ہوتا ہے، اسی زمین پر رہ کر چاند، سورج کی بات کرتا ہے، اور طرح طرح کے احوال و کوائف اور اُمور و معاملات پیدا کر کے ان سے خاطر خواہ فائدہ و نفع حاصل کرتا ہے، یہ زمین قدرت کا سب سے بڑا انعام ہے، جو انسان کو دیا گیا ہے، مگر انسان اتنے بڑے فضل خداوندی کو پا کر اس کے فضل و کرم کا اعتراف و اقرار نہیں کرتا اور اس کی جناب میں شکر و حمد نہیں پیش کرتا، بل کہ طرح طرح سے کفران و ناشکری اور کفر و شرک کا ارتکاب کرتا رہتا ہے، اور اللہ کی زمین کو جو امن و سلامتی کا گہوارہ ہے، شر و فساد کی دوزخ بنا رکھا ہے۔

آج کے دور میں انسان کی ناسپاسی و ناشکری حد سے زیادہ بڑھ گئی ہے اور قدرت

کے مقابلہ میں اس کی جسارت و بے باکی بہت زیادہ ہوگئی ہے، اسی کی سزا میں آج انسانیت ہر زمانے سے زیادہ تباہ حال ہے، حالاں کہ اس زمانہ سے زیادہ خوش حال زمانہ شاید انسانیت کے لیے کبھی نہ تھا۔

وَ لَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَ جَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۰﴾

اور تحقیق کہ تمکنت اور قبضہ دیا ہم نے تم کو زمین میں، اور تمہارے لیے ہم نے اس میں جینے کے سامان بنا دیے، تم لوگ بہت کم شکر گزاری کرتے ہو۔

(پ ۸ ع ۸، سورۂ اعراف: ۱۰)

یہ زمین انسانوں کی بستی ہے، اس کے جینے کی ساری چیزیں یہیں سے ملتی ہیں، نظم و نسق کا کام تو آسمان پر ہوتا ہے، مگر اس کا ظہور زمین کی پشت پر ہوتا ہے، انسان جس گہوارے میں آنکھ کھولتا ہے، یہی زمین ہے، جس فرش پر پہلا قدم رکھا ہے، یہی زمین ہے، جس جگہ پر چلتا، پھرتا، سوتا اور جاگتا ہے، یہی زمین ہے، پھر وہ اسی کے اوپر رہ کر تجارت کرتا ہے، ملازمت کرتا ہے، کاروبار کرتا ہے اور اسی کے اندر سے نکلے ہوئے سونے چاندی کا سکہ حاصل کرتا ہے اور اس کے بعد اس سکے سے اسی زمین کی پیداوار کھاتا ہے، اسی کی پیدا کردہ روئی سے کپڑے پہنتا ہے اور اسی کے سینے سے نکلے ہوئے پانی کو پیتا ہے، پھر بیمار پڑتا ہے تو یہی زمین دوائیں دیتی ہیں اور صحت کی ترکیب پیدا کرتی ہیں۔

خود غور کرو کہ یہ زمین کا کرہ انسانی زندگی کی جملہ ضروریات کو کس طرح پورا کرتا ہے، پھر اگر یہ زندگی کا گہوارہ انسانی قبضے میں نہ ہوتا تو کیا ہوتا، اگر ایک ایک انسان اپنی زمین، اپنا مکان، اپنا کھیت، اپنی دکان، اپنا کارخانہ، نہ رکھتا تو کیا ایک دن بھی زندگی کا پہیہ چکر کاٹ سکتا تھا، آج اپنا اپنا حصہ کس طرح ہر وطن اور قوم کے لوگوں نے لے رکھا ہے اور آج زمین کی

بخششیں کس طرح ان کی ملکیت بن رہی ہیں۔

نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انسانی بستی روٹی کپڑے کے لیے مر رہی ہے اور بیماری میں مبتلا ہو کر ختم ہو رہی ہے، جو اسی ناشکری اور کفران نعمت کا نتیجہ ہے، جو انسانوں نے خدا کی زمین سے سب چیز حاصل کر کے خدا کی جناب میں کیا ہے، اور لامحدود دسترخوان انسانیت کو قوم اور وطن میں بانٹنے کی کوشش کی ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ لَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَ جَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝۱۰

اور ہم نے تم لوگوں کو زمین میں جگہ دی، اور تمہارے لیے اس میں روزیاں بنائیں، تم لوگ بہت کم شکر ادا کرتے ہو۔ (پ ۸ ع ۸، سورۂ اعراف: ۱۰)

کسی خطۂ زمین میں امن و عافیت کی زندگی اور پھر روزی کے وسائل کی وہیں پر فراہمی بڑی اہم بات ہے، اور انسان کے لیے یہ صورت حال بڑی ہی خوشگوار ہے، اس کی قدر وہی انسان کر سکتا ہے، جو بے وطن اور بے روزی ہو، یا اس کے وطن ہو، مگر روزی کا انتظام نہ ہو، یا پھر روزی تو ملتی ہو، مگر غریب الوطنی اور مسافرت کی زندگی ہو، اور اس سے پہلے یا اس کے بعد وہ ایک ہی جگہ پر امن و چین کی زندگی بسر کرے اور نہایت آرام سے صبح و شام شکم سیر ہوا کرے۔

اب اس مفہوم کو اسلام کے آفاقی نظریہ اور عالم گیر نقطۂ نظر سے سوچو تو معلوم ہو کہ یہ زمین انسان کی بستی بھی ہے اور یہی زمین اس کے لیے دسترخوان بھی ہے، انسان اسی میں رہتا ہے اور اسی سے روزی کھاتا ہے، یہ کتنی اہم بات ہے، اگر سوچا جائے تو فضل خداوندی کا یہ بڑا کرم ہے کہ ہم جس چیز اور مکان میں رہتے ہیں، اسی میں ہماری زندگی کی ساری ضروریات موجود ہیں اور جو چیزیں ہمارے لیے جس قدر ضروری ہیں، وہ اسی قدر ارزاں اور سہل الحصول ہیں، یہیں پر ہوا بھی بے قیمت افراط ہے، جس کی ہمیں ہر وقت اور ہر آن ضرورت ہے، یہیں

پر پانی بھی ہے، جس سے ہماری زندگی بنی ہے اور قائم ہے، یہیں پر آگ بھی ہے، جس سے ہم طرح طرح کے کام لیتے ہیں، یہیں پر سردی اور گرمی بھی ہے، جو ہمیں ایک خاص تناسب کے ساتھ ملتی رہتی ہے، یہیں پر ہر قسم کے غذائی سامان بھی ہیں، جن پر ہماری زندگی کا دارومدار ہے، اور یہیں پر ہمارے لباس تیار ہوتے ہیں، جس سے ہماری انسانیت کا بھرم قائم ہے۔

پھر سوچو کہ ان تمام نعائم وفضائل کے مقابلہ میں ہم کہاں تک اپنے رب کے شکر ادا کرتے ہیں اور اس کی بندگی کے لیے کیا کچھ کرتے ہیں؟

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَ مِنْ خَلْفِهِمْ وَ عَنْ اَيْمَانِهِمْ وَ عَنْ شَمَآئِلِهِمْ ؕ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ﴿۱۷﴾

پھر میں ان کے پاس آؤں گا ان کے آگے سے اور ان کے پیچھے سے اور ان کے دائیں سے اور ان کے بائیں سے اور تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہیں پائے گا۔

(پ ۸ ع ۹، سورۂ اعراف: ۱۷)

حضرت آدم علیہ السلام کو گمراہ کرنے کے نتیجے میں شیطان رجیم کو بھی جنت سے نکلنا پڑا، نکلتے وقت اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان جو بات چیت ہوئی، اس کا ایک حصہ شیطان کا اوپر کا قول بھی ہے، جس میں اس نے پوری انسانیت کو دھمکی دی ہے اور تمام انسانوں کو گمراہ کرنے اور شیطانی راہ پر لانے کو کہا ہے، اس نے کہا کہ میں انسانوں کو ہر طرح مکر و فریب دوں گا اور اس کے لیے ایسی ایسی شکلیں اختیار کروں گا کہ انسان کسی طرح بھی بچ نہ سکیں اور میرے پھندے میں آ ہی جائیں، انسانیت کے چاروں طرف اپنا اور اپنی ذریات کا پہرا بٹھاؤں گا اور ہر طرف سے چھینک کر اسے اپنے مکر و فریب کی حد سے نکلنے نہ دوں گا، بل کہ جیسا موقع محل ہوگا، ویسا ہی رویہ اختیار کروں گا اور جو جیسا ہوگا، اس کے لیے ویسا ہی جال بچھاؤں گا، علماء کے

لیے علم کا جال بچھاؤں گا، زاہدوں کے لیے زہد وتقویٰ کا پھندا لگاؤں گا اور جاہلوں کو جہالت کی راہ سے گمراہ کروں گا، غرض کہ ہر طبقہ کے لیے میں اپنی قوت تضلیل پوری طرح استعمال کروں گا، آگے، پیچھے، دائیں، بائیں، ہر سمت گمراہی کی راہ نکالوں گا، آخر انسان کدھر سے نکلے گا۔

شیطان نے انسان کو گمراہی کی دھمکی دینے کے سلسلے میں اپنی چالوں کو بھی بتا دیا اور جن جن راہوں سے وہ انسانوں کو گمراہ کرے گا، ان کی بھی نشان دہی کر دی، مگر ظلوم و جہول انسان ان کو پھر بھی نہ سمجھ سکا، اور اس طرح شیطانی پھندے میں پھنستا ہے، جیسے اسے کچھ معلوم ہی نہ تھا اور اس کی لاعلمی سے شیطان نے فائدہ اٹھایا، گمراہ کرنے میں جہاں شیطان مجرم ہے، وہاں گمراہ ہونے میں خود انسان بھی مجرم ہے کہ شیطان نے پہلے ہی اپنے شکار کو للکار کر آگاہ کیا، اس نے اس آگاہی سے فائدہ کیوں نہ اٹھایا، نیز اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء ورسل کے ذریعہ انسانوں کو شیطانی وسوسوں سے بار بار متنبہ کیا، مگر انسان کی غفلت رہی کہ وہ ایک نہ سمجھا، ایسے غافل ومجرم کو تو سزا ملنی ہی چاہیے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں شیطانی پھندے سے بچائے، اور علم وعمل کی روشنی سے ہمارے لیے نجات کی راہ روشن کر دے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَ طَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ؕ وَ نَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَ اَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۲﴾

پس جب ان دونوں نے درخت سے چکھا تو ظاہر ہوگئیں ان کے لیے ان کی شرمگاہیں، اور وہ دونوں ان کو چھپانے لگے، جنت کے پتوں سے، اور ان دونوں کو ان کے رب نے پکارا کہ کیا میں نے تم کو اس درخت سے روکا نہیں تھا اور کیا تم سے کہا نہیں تھا کہ

شیطان تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔(پ۸ع۹،سورۂ اعراف:۲۲)

یہ اس وقت کی بات ہے، جب کہ حضرت آدم اور حضرت حواء نے جنت کے درخت کا پھل غلطی سے کھالیا اور شیطانی پھندے میں آکر اللہ کے حکم وامر کی خلاف ورزی کی، اس غلطی کو ہوتے ہی اس کا اثر ان دونوں کی جسمانی حالت وکیفیت پر ظاہر ہونے لگا اور ذلت ورسوائی کا وہ منظر نظر آیا، جس سے اب تک واسطہ نہیں پڑا تھا، یہ پہلے انسانوں کا پہلا گناہ تھا اور اس گناہ کا جو پہلا فوری نتیجہ تھا، جو گنہگار کو محسوس ہوا، اور اس طور سے محسوس ہوا کہ گنہگاروں کو ندامت ہونے لگی اور وہ اس کے دفع کرنے کے لیے ہاتھ پاؤں مارنے لگے، بعد میں اس جرم کی سزا معاف ہوگئی، اور اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کی غلطی سے درگزر فرمایا۔

یہاں پر دیکھنے کی بات یہ ہے کہ جب انسان کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کی سزا فوری طور پر اس طرح مل جاتی ہے کہ اگر اس کا ضمیر زندہ ہے اور اس میں دین وایمان کی کوئی رمق باقی ہے تو اسے شرمندگی وندامت ضرور ہوگی اور وہ اپنے کیے پر افسوس کرے گا، یہ احساس بھی مجرم کے حق میں بہت مفید ہوتا ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ۫ وَ اِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾

دونوں نے کہا: اے ہمارے رب! ہم نے اپنے اوپر ظلم کیا اور اگر تو ہمیں نہیں بخشے گا اور رحم نہیں کرے گا، تو ہم ضرور تباہ حال لوگوں میں سے ہوجائیں گے۔

(پ۸ع۹،سورۂ اعراف:۲۳)

حضرت آدم اور حضرت حواء علیہما السلام جنت میں رہ کر عیش ومسرت کی زندگی بسر کررہے تھے اور تکلیف ورنج کے نام سے بھی ناآشنا تھے، مگر ان سے غلطی ہوئی، جس کے

نتیجے میں دنیا کے اندر انسانوں کا وجود ہوا، اور یہ دنیا آباد ہوئی، جب ہمارے ماں باپ سے غلطی ہوگئی اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نے ان کے اوپر اپنا اثر دکھایا، تو انہوں نے اپنے جرم کا اقرار واعتراف کیا اور نہایت صفائی اور معصومیت سے اپنے اس اقدام کی معافی چاہی، اور اللہ تعالیٰ کی جناب میں اپنے قصور کی معافی کے لیے عجز وانکساری کی ساری پونجی لاکر رکھ دی، اور برملا اقرار کیا کہ اے پروردگار!

ہمیں اقرار واعتراف ہے کہ ہم نے تیرے حکم سے ہٹ کر جرم کیا اور تیری سرکار میں ہم قصور وار ثابت ہوئے، اور عجز وقصور کے اعتراف کے ساتھ اس حقیقت پر ہمارا یقین ہے کہ اگر تو ہمیں معاف نہ فرمائے اور اپنے رحم وکرم سے ہماری غلطی کو معاف نہ کرے، تو ہم کہیں کے نہ رہیں گے، اور نہ صرف ہمارا وجود ختم ہوجائے گا، بل کہ اس کے بعد آدم اور حواء کے نام ونشان کا علم رکھنے والا بھی نہیں ملے گا، حضرت آدم اور حواء کی یہ مغفرت اور دعا اللہ تعالیٰ کی جناب میں مقبول ہوئی اور ان دونوں کے قصور کو معاف کر کے ان کو دنیا میں بھیج دیا گیا، جہاں ان کی نسل پھیلی اور دنیا ان سے آباد ومعمور ہوئی۔

یہ دعا اپنے اثر ومرتبہ کے اعتبار سے بہت ہی موثر اور آزمودہ ہے، اسے ہمارے باپ اور ماں آدم اور حواء نے آزمایا ہے اور کامیاب پایا ہے، ہمیں بھی چاہیے کہ تقصیر کے وقت ہم اسے پڑھیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کے طالب ہوں، انشاء اللہ قبولیت ہوگی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ۭ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ۭ

اے بنی آدم! ہم نے اتاری تم پر پوشاک، تاکہ چھپائے تمہارے عیب کو، اور رونق کو نازل کیا، اور یہ پرہیزگاری کا لباس بہتر ہے۔ (پ ۸ ع ۱۰، سورۂ اعراف: ۲۶)

انسان کے لیے قدرت نے ہر وہ چیز پیدا فرمائی اور اسے عطا کی جو اس کی ضروریات میں سے ہے، اس کے بغیر انسان اپنے پورے حقوق سے بہرہ مند نہیں ہوسکتا، ہوا، پانی، غذا، زمین وغیرہ تو اس کی بنیادی ضروریات ہیں، جو انسان کے زمین پر آنکھ کھولتے ہی اس کے لیے لازم ہیں، اور ان کے بغیر اس کا جینا دوبھر ہے، مگر کچھ ضروریات ایسی بھی ہیں جو اس کے لیے محسنات ومکملات کا درجہ رکھتی ہیں اور ان کے بغیر انسانیت کا کمال ظاہر نہیں ہوتا اور وہ اپنی قدروں کے اظہار میں رکاوٹ پاتی ہے۔

ان ہی مکملاتی ضروریات میں سے لباس بھی ہے، لباس انسان کو سردی، گرمی اور مضرصحت اثرات سے بچانے کے ساتھ ساتھ اس کے ظاہری جسم کے لیے آرائش وزیبائش کا کام دیتا ہے اور اس کی وجہ سے انسان کے جسم پر خوبی کے آثار نمایاں ہوتے ہیں، اس لیے جس جماعت کا تمدن جس قدر اونچا ہوتا ہے، اس کے لباس کا معیار بھی اسی قدر اونچا ہوتا ہے، اور معمولی کپڑا ایک گونا بے وقعتی کا باعث بنتا ہے، لباس سے انسانیت کی ستر پوشی ہوتی ہے، کپڑے کی وجہ سے انسان کے شرم وحیا کے تقاضے پورے ہوتے ہیں۔

پھر جس طرح ظاہر جسم کے لیے لباس عیب پوش ہونے کے ساتھ ساتھ ستر پوشی کرتا ہے اور مضرصحت اثرات سے بچانے کے ساتھ ساتھ زیب وزینت کا باعث بنتا ہے، اسی طرح تقویٰ اور خداترسی کا لباس انسان کی روح کے لیے مضر اثرات سے بچاؤ ہے اور اس سے انسانیت کی قدریں نشوونما پاتی ہیں اور باطنی عیوب اور کمزوریوں کی پردہ پوشی ہوتی ہے، اور اس اعتبار سے تقویٰ کا لباس جسم کے ظاہری لباس کے مقابلے میں مفید، بہتر اور پسندیدہ ہے، اس سے دل ودماغ اور فکر ونظر کی ستر پوشی ہوتی ہے اور ان کے عیوب پر پردہ پڑتا ہے اور روح ہر قسم کے سرد، گرم ماحول سے بے خوف وخطر گزرتی ہے اور کسی چیز کا اس پر غلط اثر نہیں پڑتا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَ قَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ؕ
حقیقت یہ ہے کہ شیطان اور اس کا گروہ تم لوگوں کو اس طرح دیکھتا ہے کہ تم ان کو نہیں دیکھتے ہو۔ (پ ۸ ع ۱۰، سورۂ اعراف: ۲۷)

شیطان کا لفظ قرآن حکیم اور حدیث نبوی میں موقع اور محل کے اعتبار سے مختلف، مگر قریب قریب معنوں میں استعمال ہوتا ہے، قرآن حکیم کی تصریح کے موافق جن اور انس دونوں مخلوقات میں شیاطین ہوتے ہیں اور اس اضافت کے وقت شیاطین الجن اور شیاطین الانس سے ان کو یاد کیا جاتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ دونوں گروہوں میں جو بد باطن، شریر، خبیث اور بدکار و بدحرکت ہوتے ہیں، ان کو شیطان کہا جاتا ہے، ان کا تعلق جسم ناری یعنی جنوں سے ہو، یا جسم خاکی یعنی انسانوں سے ہو، پھر احادیث میں اسی خباثت و شرارت کی وجہ سے دوسرے جانوروں تک کو شیطان کہا گیا ہے، مثلاً کالے کتے کو شیطان کہا گیا ہے، شریر اونٹوں کو شیطان کہا گیا ہے اور ان کے رہنے کی جگہوں میں نماز پڑھنے سے روکا گیا ہے۔

بعض احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی حیوانیت و بہیمیت کو بھی شیطان سے تعبیر کیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ شیطان انسان کی رگ رگ میں لہو کی طرح جاری و ساری رہتا ہے۔

اُوپر کی آیت میں جس شیطان اور اس کے گروہ کا ذکر ہے کہ وہ جنوں سے تھا اور جنوں کی طرح آگ سے پیدا ہوا تھا اور حکمِ خداوندی کے مقابلہ میں شرارت کر کے شیطنت کا مظاہرہ کیا اور چوں کہ اس کا سارا تقدس اور اس کی ساری زندگی نسل انسانی کی مورثِ اعلیٰ کی وجہ سے نہ صرف اکارت ہوگئی، بل کہ وہ مردود بارگاہِ رحمت وملعون قرار پایا، اس لیے اس کی نسل اور آدم کی نسل میں بغض وعداوت اور حسد و دشمنی کی آگ لگ گئی، اور یہ سلسلہ دونوں کی

نسلوں کی بقاء تک جاری رہے گا، چوں کہ شیطان اور اس کے متبعین شریر جنات ہیں، جو آگ سے پیدا ہیں، اس لیے وہ انسان کو نظر نہیں آتے اور انسان جو خاک کا عنصر غالب رکھتے ہیں، شیاطین کو نظر آتے ہیں۔

قرآن حکیم کہتا ہے کہ اے انسانو! تم اپنے دشمنوں سے بچتے رہتے ہو، تو اس بڑے دشمن سے بھی ڈرو، جو نظر بھی نہیں آتا اور نظر آنے والے دشمنوں سے زیادہ کام کرتا ہے، اور جس طرح وہ نظر نہیں آتا، اسی طرح اس کی خفیہ تدبیریں بھی تمہاری سمجھ بوجھ کو نظر نہیں آتیں اور تم خوشی سے اس کی چالوں میں آجاتے ہو۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

بے شک ہم نے شیاطین کو ان لوگوں کا دوست بنایا ہے، جو ایمان نہیں رکھتے ہیں۔

(پ ۸ ع ۱۰، سورۂ اعراف: ۲۷)

اوپر کی آیت میں بتایا گیا ہے کہ شیطان اور اس کا گروہ تم کو تو دیکھتا ہے، مگر تم اسے نہیں دیکھتے، پس تم اَن دیکھے اور سب سے زیادہ خطرناک دشمن سے بچنے کے لیے ہر وقت چوکنے رہو، اور جس طرح تم اسے نہیں دیکھتے ہو اور اس کے خارجی وجود اور شخصی تعارف سے بے خبر ہو، اسی طرح اس کی مہلک تدبیروں، خطرناک چالوں اور تباہ کن حرکتوں کو ان کی اصلی حالت میں نہیں دیکھ سکتے، بل کہ وہ ہر کام جو تمہارے لیے خطرناک ہے، تم سے چھپا کر کرتا ہے، بل کہ اپنے غیر مرئی اور ناری اثرات سے کام لے کر ہر بُرائی کو اچھائی کے رنگ میں پیش کرتا ہے، اور ایسے راستوں سے شیطان اور اس کا گروہ اپنے مہلک کارناموں کو لاتا ہے کہ تم کو اس کی صحیح خبر بہت کم ہوتی ہے، وہ کبھی تمہارے لیے عقیدت ومحبت کا جال پھیلا کر ناجائز و حرام امور کا اظہار کرتا ہے، کبھی باپ دادا کی حمایت کا جذبہ پیدا کر کے تم سے بُرائی کراتا ہے،

اور کبھی اخلاق و دیانت اور دین و دیانت کے خلاف تصورات پیدا کر کے تم سے واقعات و حقائق کا انکار کراتا ہے۔

تم سمجھتے ہو کہ ہم اللہ ورسول کی محبت وعقیدت میں فلاں کام کر رہے ہیں، اس لیے یہ کام بالکل صحیح ہے کہ ہم اپنے آباء واجداد کے مقدس کارناموں کو زندہ رکھنے کی کوشش کرتے ہیں اور اَسلاف کے نقش قدم پر چلتے ہیں، اس لیے یہی بات عین ثواب ہے اور ہم عقل وخرد میں پکے ہیں، ہم سے زیادہ سمجھدار کون ہوسکتا ہے، اس لیے ہم جو کچھ کہتے یا کرتے ہیں، اسی میں اچھائی ہے، غرض کہ شیطان اپنی ذریات کے ذریعہ انسانی عقل وشعور اور احساس ونظر پر پردہ ڈال کر ہر صحیح بات کو غلط اور ہر غلط بات کو صحیح باور کراتا ہے، اس کے لیے ناری نسل خاکی نسل سے اپنی ازلی دشمنی کا مظاہرہ کرتی ہے۔

اس سلسلہ میں فرمایا جارہا ہے کہ خوب یادرکھو، یہ شیاطینی خفیہ کاروائیاں ان ہی اولادِ آدم پر کارگر ہوں گی، جو اپنے کو شیطانی اَعمال وخیال میں مقید رکھتے ہیں اور جن کے عقیدہ وعمل میں توحید ورسالت کی عزیمت اور اسلام وایمان کی پختگی نہیں ہے، بالفاظ دیگر جو انسان مومن نہیں، وہ شیطان کی خفیہ تدبیروں کا بہترین شکار ہے، اگر انسان اپنے خفیہ دشمن کی مہلک اور خفیہ چالوں سے محفوظ رہنا چاہتا ہے تو اسے توحید و رسالت کی حدود میں آنا پڑے گا اور تصورات واَعمال کی حفاظت کرنی پڑے گی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا وَ اللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾

اور جب کچھ عیب کا کام کریں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اس پر اپنے باپ دادا کو پایا ہے، اور اللہ نے ہم کو اس کا حکم دیا ہے، کہو اللہ عیب کے کام کا حکم نہیں دیتا، کیا اللہ پر وہ بات

لگاتے ہو، جس کی تمہیں خبر نہیں۔ (پ ۸ ع ۱۰، سورۂ اعراف: ۲۸)

منکرین اپنی نامناسب اور غلط حرکتوں پر یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے، یہ درحقیقت خدا پر غلط الزام ہے، خدا کبھی بھی غلط کاری کی تعلیم نہیں دے سکتا، کوئی عمل محض اس لیے صحیح نہیں ہوسکتا کہ وہ باپ دادا کا عمل رہا ہے، اور یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ باپ دادا کے طریقے کو خدا کی تصدیق وتائید بھی حاصل ہو، معقول روش اگر ہوسکتی ہے تو وہ یہی ہے کہ آدمی سمجھ بوجھ سے کام لے اور حق کے بارے میں سنجیدگی کے ساتھ خود فیصلہ کرے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا وَ اللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾

اور جب وہ بُرائی کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی پر پایا ہے، اور اللہ نے ہمیں اس بات کا حکم دیا ہے، آپ کہہ دیں کہ اللہ بُرائی کا حکم نہیں دیتا، کیا تم لوگ اللہ پر وہ تہمت لگاتے ہو، جسے تم خود بھی نہیں جانتے۔ (پ ۸ ع ۱۰، سورۂ اعراف: ۲۸)

ظلم اور جہالت کا پارہ جب زیادہ چڑھ جاتا ہے، تو بے حیائی اور بے شرمی بھی انتہا درجہ کی آجاتی ہے، اسلام کے ابتدائی دور میں ایسے جاہل اور بے حیا لوگ تھے کہ وہ جب طرح طرح کی بُرائیوں پر روکے جاتے اور ان سے کہا جاتا کہ تم لوگ یہ حرام کاریاں کن دلائل کی بنا پر کر رہے ہو، تمہیں کیوں شرم وحیا نہیں معلوم ہوتی اور تم لوگ آخر اس قسم کی بُرائیوں سے کب رکو گے؟ تو ان باتوں کو سن کر وہ بے شرم نہایت ڈھٹائی سے کہا کرتے تھے کہ میاں یہ بات تو اپنے بڑے بوڑھے لوگوں کے وقت سے ہوتی آئی ہے، اس کی خرابی کا سوال ہی کیا ہے، ہمارے خاندان اور نسل کے لوگ بڑے خدارسیدہ بزرگ تھے، ان کو اللہ

نے ان باتوں کا حکم دیا تھا، ہم ان کی یاد میں ان کے کاموں کو دہرا رہے ہیں۔

پرانے بے شرموں کے اس جواب پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے رسول! ایسے جاہلوں سے کہہ دو کہ اللہ کبھی بُری بات کا حکم نہیں کرتا، جب تم جیسے احمق اتنی بات بھی نہیں سمجھ سکتے کہ بھلا اللہ حرام کاری کی تعلیم دے سکتا ہے، تو تم سے گفتگو بے کار ہے۔

آج کل بھی ایسے احمق، جاہل اور حرام کار لوگ موجود ہیں، جو اپنی ہر قسم کی بیہودگی کو اللہ اور رسول اور مذہب کے سر ڈالتے ہیں اور جب کوئی بُرائی کرتے ہیں، تو ان کی تاویل کر کے کسی بزرگ کا فعل بتاتے ہیں، یہ لوگ پُرانے لوگوں کے ہم ذہن ہیں اور ان ہی کی باتیں کرتے ہیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ.

اے اولادِ آدم! لو اپنی زینت ہر نماز کے وقت۔ (پ ۸ ع ۱۰، سورۂ اعراف: ۳۱)

اللہ تعالیٰ کی عبادت بندے کی اس سے سرگوشی ہے، نماز اور عبادت کے وقت بندہ اپنی عبدیت اور بندگی کی تمام قدروں کو لے کر حاضر ہوتا ہے اور اپنے پروردگار سے عبدیت کی ہر ادا کا مظاہرہ کر کے باتیں کرتا ہے، اس قسم کے کردار کا تقاضہ ہے کہ جس طرح اس کے لیے باطنی زیب و زینت، یعنی تقویٰ، خدا ترسی، خضوع، خشوع کا ہونا ضروری ہے، اسی طرح ظاہری زیب و زینت یعنی بدن اور کپڑے کی پاکی، لباس و ہیئت کی سلیقہ مندی اور جوارح و اعضاء کی درستگی بھی ضروری ہے۔

اس لیے مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ ہر نماز کے وقت تم اپنی پوری سلیقہ مندی اور آراستگی کا اظہار کرو، اور اُلڑھ پن کے ساتھ نماز کے لیے کھڑے نہ ہو جاؤ، بل کہ حد جواز و ناجواز سے گزر کر اپنے طور پر نماز کے لیے ایسا اہتمام کیا جائے، جو اس کے شایان شان

ہے، پس جو لوگ ننگے سر یا صرف بنیائن پہن کر یا معمولات سے بھی کمتر درجے کے کپڑے اور ہیئت میں نماز پڑھتے ہیں، ان کی نماز ہوجانے کے باوجود اس روح سے خالی ہے، جسے قرآن حکیم چاہ رہا ہے۔

پس مسلمانوں کو چاہیے کہ جب وہ نماز کے لیے جائیں تو اس کی عظمت واہمیت کے پیشِ نظر باطنی صفائی اور نفاست ونظافت کی طرح ظاہری صفائی ولطافت کا بھی پورا پورا لحاظ کیا کریں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّ لَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۴﴾

ہر امت کے لیے ایک وقت مقرر ہے، پس جب ان کا وقت آجائے گا، وہ نہ ایک گھڑی پیچھے ہوسکتے ہیں، نہ آگے ہوسکتے ہیں۔ (پ ۸ ع ۱۱، سورۂ اعراف: ۳۴)

جس طرح اس دنیا میں افراد کی زندگیاں ہوتی ہیں، ان کی ابتدا ہوتی ہے، انتہا ہوتی ہے، عمر کا حصہ ملتا ہے، اسی طرح قوموں اور ملتوں کے لیے پیدائش، موت اور درمیانی عمر ہوتی ہے، پھر جس طرح عوام واَفراد کی موت حق ہے، اس کے لیے ایک وقت معین ہے، اسی طرح قوموں اور امتوں کے لیے بھی موت کا وقت مقرر ہے، جس میں قانونِ قدرت کی طرف سے ایک منٹ کی دیر سویر نہیں ہوتی۔

نیز جس طرح افراد کی زندگی میں نیکی، احسان، اخلاق، خداترسی، عدل نوازی اور اُصول وقوانین کی پابندی کی وجہ سے برکت ہوتی ہے، اس میں خوبی آتی ہے اور دنیا میں کامیاب زندگی شمار کی جاتی ہے، اسی طرح قوموں کی زندگیاں بھی عدل وانصاف، احسان و سلوک اور نیکی کی وجہ سے درازئ عمر کی برکتوں سے مالا مال ہوتی ہیں اور ان کے خلاف

حرکات سے اپنی موت کے دن قریب لاتی ہیں، دنیا میں جن قوموں کو، جماعتوں کو، پارٹیوں کو زندگی یعنی اثر واقتدار کی نعمت ملتی ہے، اور وہ نیک کاری اور نیک کامی کی راہ پر چلتی ہیں تو ان کی قومی زندگی اور جماعتی حیات دراز ہوتی ہے، اور اگر وہ بدکاری و بدنامی کا طریقہ اختیار کرتی ہیں، تو پھر معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے۔

قرآن حکیم اعلان فرماتا ہے کہ جب قوموں کے دن آجاتے ہیں، تو ایک سیکنڈ کی دیر سویر نہیں ہوتی، پس جماعتی اور قومی زندگی میں جو کچھ کرنا ہے، کرلو۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَ اسْتَكْبَرُوْا عَنْهَاۤ اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۶﴾

اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان کے مقابلے میں تکبر کیا، وہ لوگ جہنمی ہیں اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ (پ ۸ ع ۱۱، سورۂ اعراف: ۳۶)

جو لوگ بُرائی کریں گے، ان کو بُرائی کا بدلہ مل کر رہے گا، نیکی اور بدی ایسی چیزیں نہیں ہیں، جن کی جزا بغیر ملے ہوئے رہ جائے، یوں تو ہر برائی قابل گرفت ہے، مگر جو برائی خدا کے مقابلے میں ہوتی ہے، وہ برائی سے گزر کر بغاوت اور خدا سے روگردانی بن جاتی ہے، اور اس کی سزا جہنم ہے، اور ایسے باغی اور سرکش لوگ ہمیشہ ذلت وخواری اور بے عزتی ورسوائی میں زندگی بسر کریں گے، چاہے وہ اس دنیا میں رہیں، چاہے اس کے بعد آنے والی دائمی زندگی میں رہیں، خدا کے مقابلے میں بڑا بننا بہت بڑی چھٹائی ہے، جس کی سزا بھی بہت بڑی ہے، جو لوگ اللہ تعالیٰ کے اَحکام واَوامر پر صرف عمل ہی نہیں کرتے، بل کہ سرے سے ان کا انکار کردیتے ہیں، اور عمل تو درکنار، ان پر ایمان تک نہیں لاتے، وہ پلے درجہ کے باغی اور طاغوتی ہیں اور ان کے لیے دونوں جہاں میں رُسوائی ہی رُسوائی ہے، اور کسی لمحہ ان کو اپنی ذلیل زندگی

سے نجات نہیں ہے، خدا کی آیتیں اس کے قوانین ہیں، خدا کے اُصول اس کی اولوالعزمی ہیں، اور خدا کی ضابطے اس کے بتائے ہوئے راستے ہیں، اور جو لوگ ان کا انکار کردیں گے، ان کے لیے خدا کی زمین پر کوئی رعایت نہیں ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَاۤ ۡ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۴۲﴾

اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے تو ہم کسی کو اس کی طاقت ہی کے مطابق مکلف کرتے ہیں، وہ لوگ جنتی ہیں، وہ لوگ جنت میں ہمیشہ رہیں گے۔

(پ ۸ ع ۱۱، سورۂ اعراف: ۴۲)

نیکی بہرحال نیکی ہے اور بُرائی ہر صورت میں بُرائی ہے، اور ایسا نہیں ہے کہ ایک بات ایک آدمی کے لیے تو نیکی کا حکم رکھتی ہو اور وہی بات دوسرے کے لیے بُرائی بن جاتی ہو، اس دنیا میں انسانیت کی فلاح و نجاح اسی بات میں ہے کہ وہ ایمان اور عمل صالح کے زیور سے آراستہ ہو، اس کا قلب اللہ و رسول کی محبت سے مامور ہو اور اس کے اَعمال اسی محبت کے موافق اپنا رنگ اختیار کریں، پھر جہاں تک ایمان کا تعلق ہے، وہ ہر انسان کے لیے یکساں اور ضروری ہے اور اس میں ایسا نہیں ہے کہ کسی کے حق میں کم ایمان ہو اور کسی کے لیے زیادہ مقدار میں ایمان درکار ہو۔

البتہ اعمال کے بارے میں ہر آدمی کا معاملہ اس کی حالت کے پیش نظر ہے، جس کے حالات جیسے ہوں، ان ہی کے مطابق اس سے عمل کا مطالبہ ہوگا، اور جو لوگ اس مطالبہ پر پورے احترام کے ساتھ توجہ دیں گے اور عمل کریں گے، ان کے لیے جنات النہار کا دائمی سرور ہے، وہ لافانی زندگی میں لافانی راحت و آرام سے رہیں گے اور ان کے لیے کسی وقت کسی قسم کی

کوئی تکلیف نہیں ہے، نہ اس دنیا میں اور نہ اس کے بعد آنے والی آخرت اور اَبدی زندگی میں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ نَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ۔

اور نکال لی ہم نے ان کے دلوں سے دشمنی۔ (پ ۸ ع ۱۲، سورۂ اعراف: ۴۳)

پہلے سے اہل جنت کی پُر بہار زندگی کا تذکرہ ہو رہا ہے اور بتایا جا رہا ہے کہ وہ اپنے عالی شان قصور و محلات میں چین کی زندگی بسر کریں گے، ان کے محلوں کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور عیش و عشرت کا نہایت ہی حسین و لطیف موسم ان کے لیے برپا ہوگا، اس ضمن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ منجملہ جنت کی ان نعمتوں کے ایک خاص نعمت یہ ہوگی کہ ہم جنتیوں کے دلوں سے ہر قسم کی باہمی دشمنی، کینہ، بغض و حسد، عداوت اور شکر رنجی نکال کر ان کو پاک و صاف کر دیں گے، اور کوئی کسی کے خلاف ذرہ برابر دشمنی کا جذبہ نہ رکھتا ہوگا، بل کہ سب اہل جنت شیر و شکر ہو کر زندگی کے لطف میں ہوں گے۔

یہاں پر غور کرنے کی بات یہ ہے کہ خفگی اور دشمنی کے جذبات کو فردوس کی زندگی کے خلاف قرار دے کر اسے فردوس والوں سے ختم کر دیا جائے گا، جس کا مطلب یہ ہوا کہ باہمی محبت دلوں کی صفائی اور اخلاص، اہل جنت کی صفت ہے، اور دنیا میں جو لوگ یہ پاک زندگی بسر کرتے ہیں، ان میں ان کو اہل جنت کی شان حاصل ہوتی ہے اور انہیں دنیا ہی میں جنت کی زندگی کا تھوڑا سا مزہ مل جاتا ہے، اس سے دشمنی، خفگی، بغض، حسد اور کینہ کی بُرائی اور دل کی صفائی، میل محبت اور اخلاص کی اچھائی کا اندازہ لگاؤ اور ہو سکے تو دنیا میں جنتی زندگی کا مزہ حاصل کرنے کے لیے آپس میں میل جول کی زندگی بسر کرو۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ نَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ ۚ

اور ہم نکال دیں گے جو بغض وکینہ ان کے دلوں میں ہوگا، ان کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔(پ۸ع۱۲، سورۂ اعراف: ۴۳)

یہاں پر اللہ تعالیٰ نے جنت کا ایک خاص وصف بیان فرمایا ہے اور بتا رہا ہے کہ ہمارا ایک بہت بڑا فضل اہلِ جنت پر یہ ہوگا کہ ہم ان کے دلوں کو ایک دوسرے کے لیے پاک وصاف کردیں گے اور کسی کے خلاف کسی کے دل میں کسی قسم کا کوئی خیال نہیں ہوگا، بل کہ سب کے دل پاک، صاف ہوں گے، سب ایک دوسرے سے محبت کریں گے اور ہر آدمی ایک دوسرے کی خیر خواہی کرے گا، جنت میں ہر جنتی اپنے حقوق سے آسودہ ہوگا، کسی کو کسی کی چیز کی حاجت نہیں ہوگی اور نہ کسی کا کوئی محتاج ہوگا، سب اپنی اپنی جگہ ایک دوسرے سے بالکل بے نیاز ہوں گے، مگر اس میں ایک چیز قدر مشترک کے طور پر ہوگی، وہ دلوں کی صفائی ہے اور اس کی وجہ سے تمام اہلِ جنت بے غبار رہیں گے، اور ظاہری پاکیزگی اور صفائی کے ساتھ ساتھ باطنی اور قلبی صفائی بھی ہوگی۔

غور کرنے کی بات ہے کہ دلوں کا پاک وصاف ہونا اور ان میں کسی کے خلاف غصہ، غضب، بغض، کینہ، حسد کا نہ ہونا، جنت کی زندگی کے بہترین اَوصاف میں سے ہے، اگر یہ زندگی دنیا میں حاصل ہو جائے اور لوگ آپس میں میل جول اور اخلاص ومحبت سے رہیں، تو اسی دنیا میں جنت کا مزہ مل سکتا ہے اور یہ زندگی جنت کا نمونہ بن سکتی ہے۔

اسلام نے زیادہ سے زیادہ زور دیا ہے کہ مسلمان آپس میں محبت واخلاص کی زندگی بسر کریں اور دل میں بغض وکینہ، دشمنی اور عداوت کا بیج نہ جمنے دیں، اس حکم کا یہی مطلب ہے کہ مسلمان دنیا میں بھی جنت کی زندگی بسر کریں اور آخرت میں تو ان کے نیک اعمال کے بدلے جنت ہے ہی۔

افسوس کہ مسلمانوں کا معاشرہ اس نعمت سے بُری طرح محروم ہوکر اپنے کو بغض و

عداوت کا آتش کدہ بنا لیا ہے اور نوادر خاندانوں اور گھرانوں میں بھی باہمی میل محبت ختم ہو رہی ہے اور چھوٹے چھوٹے افراد ایک دوسرے کے خلاف نفرت و عداوت کا جذبہ رکھتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ آج ہماری خانگی زندگی بھی جہنم بن رہی ہے اور یہ جنت ہماری کرامات سے جہنم میں بدل گئی ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ نَزَعۡنَا مَا فِیۡ صُدُوۡرِہِمۡ مِّنۡ غِلٍّ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہِمُ الۡاَنۡہٰرُ ۚ

اور ہم نکال دیں گے جو کچھ خفگی ان لوگوں کے دلوں میں تھی، ان کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ (پ ۸ ع ۱۲، سورۂ اعراف: ۴۳)

اہلِ جنت کی خوش بختی وخوش نصیبی کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان کے دلوں میں حسد، بغض، کینہ اور دشمنی کا شائبہ تک نہ ہوگا اور وہ نہایت محبت اور دوستی کے ساتھ عیش و مسرت کے دن بسر کریں گے، ان کے دل ایک دوسرے سے بے غبار اور پاک و صاف ہوں گے، نہ باہمی فراقِ مراتب کا خیال ہوگا، نہ جنت کی نعمتوں کی کمی بیشی کا سوال ہوگا اور نہ ایک کے مراتب و مدارج دیکھ کر دوسرے کے دل میں حسد اور کینہ پیدا ہوگا، اس طرح اہلِ جنت ان تمام کدورتوں اور کثافتوں سے پاک و صاف ہوں گے، جو دنیا میں ان کے دلوں میں ہنگامی طور سے پیدا ہو جایا کرتی تھیں، اور وہ جنت میں ایک دوسرے سے نہایت محبت سے ملیں گے اور آپس میں محبت والفت کی زندگی بسر کریں گے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ جنت میں، میں اور طلحہ، زبیر اور دوسرے حضرات میل محبت کی زندگی بسر کریں گے اور ہمارے دل اس طرح صاف ہوں گے، جیسے دنیا میں بھی کبھی ہنگامی طور سے کوئی بات ہی نہیں ہوئی تھی، گویا صفائی قلب اور باہمی عداوت اور شکر رنجی سے پاکیزگی جنت کی زندگی کا نمونہ ہے اور جو لوگ اس دنیا میں آپس میں محبت، پیار

اورمیل جول کی زندگی بسر کرتے ہیں،ان کواسی دنیامیں جنت کی زندگی کانمونہ مل جاتا ہے۔
واقعی باہمی میل، محبت کی زندگی دنیا میں جنت ہی ہے،میاں بیوی میں صفائی قلب ہوتو اَزدواجی زندگی جنت ہے،کنبہ میں میل، محبت ہوتو سارا گھرانہ جنت ہے،بستی میں باہمی الفت ورافت ہوتو پورا معاشرہ جنت ہے،اوراگر پوری دنیامیں باہمی محبت جاگ جائے تو یہ دنیا گویا جنت ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٤٢﴾ وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِنْ غِلٍّ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ ۖ

یہ لوگ جنتی ہیں، یہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اورنکال دیا ہم نے ان کے سینوں سے حسد وکینہ اور دشمنی کی کھوٹ سے جو کچھ تھا،ان کے محلات کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔

(پ۸ع۱۲،سورۂ اعراف:۴۲،۴۳)

جنتی حضرات کے اَوصاف وحالات بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ خاص بات کو بیان فرمارہا ہے،وہ یہ ہے کہ ہم ان کے سینوں سے ہرقسم کی کھوٹ،بغض وحسداورکینہ ودشمنی نکال دیں گے اوران کے دل ایک دوسرے کی طرف سے بالکل بے غباراورصاف ستھرے ہوں گے،اس کا مطلب یہ ہے کہ جنت کی زندگی کا حقیقی لطف جب ہی ہے، جب کہ اس کے رہنے والےمیل ومحبت کی خوش گوارفضامیں پھولتے پھلتے رہیں اورکسی کوکسی کے بارے میں کسی قسم کا کوئی شکوہ نہ ہو، یوں بھی جنت میں بغض ودشمنی اورکینہ اورحسد کا نام ونشان نہ ہوگا اورکوئی جنتی ایسا کام نہیں کرے گا، جوکسی قسم کی ناگواری کا باعث ہو۔

اس سے نتیجہ نکلتا ہے کہ اگرزندگی کو جنت بنانا ہوتو آپس میں میل ومحبت کی فضا پیدا کرواوراس دنیامیں جنت کی زندگی کی بنیادوں پراپنی اسلامی زندگی گزارو،اگرباہمی محبت کی

زندگی گزارو گے تو دنیا میں بھی خوش گوار زندگی پاؤ گے اور جیتے جی جنت کا مزہ چکھو گے اور مرنے کے بعد تو جنت کے تم وارث ہو ہی۔

پس اے مسلمانو! اپنی زندگی کو باہمی بغض و دشمنی کی وجہ سے جہنم نہ بناؤ اور اسلام نے میل و محبت اور مؤدت و اخوت کی بنیادوں پر اس دنیا کو تمہارے لیے جنت بنایا ہے، اسے اپنی ناکردنیوں سے جہنم نہ بناؤ، اگر ایسا کرو گے تو نعمت خداوندی کی بڑی ناشکری ہوگی اور ناشکری کی سزا میں گرفتار کیے جاؤ گے، تم ہر قسم کی باہمی عداوتوں کو ختم کر ڈالو اور اس بارے میں کسی کی بات نہ مانو، ورنہ خدا اور رسول کی نافرمانی ہوگی اور لڑانے والے ملّا ہوں، یا کافر گر، مولوی ہوں، اور یا پیری، مریدی کے نام پر ملتِ اسلامیہ کی اجتماعی زندگی میں اختلاف کا زہر گھولنے والے لوگ ہوں، جو بھی تم کو باہمی اختلاف اور ملی شگاف کی تعلیم دے، اس سے دور بھاگو، ورنہ یہ لوگ خود تباہ و برباد ہو کر تمہیں بھی تباہ و برباد کر ڈالیں گے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّ لَعِبًا وَّ غَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ نَنْسٰهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۵۱﴾

جن لوگوں نے کہ اپنے دین کو لہو و لعب بنا لیا اور حیات دنیا نے ان کو دھوکہ دے دیا تو ہم ان کو آج کے دن بھلا دیں گے، جس طرح کہ انہوں نے آج کے دن کے ملنے کو بھلا دیا تھا، اور وہ ہماری نشانیوں کا انکار کرتے تھے۔ (پ ۸ ع ۱۳، سورۂ اعراف: ۵۱)

لادینی اور بے اُصولی کی زندگی بے معنی اور بے نتیجہ زندگی ہوتی ہے، مگر وہ زندگی اور بھی مہلک اور تباہ کن ہوتی ہے، جو کسی ضابطۂ حیات کو قبول کر کے اس پر عمل نہ کرے، بل کہ الٹے اس میں کتر بیونت کر کے اپنی بد عملی سے اسے ناکام بنانے کی کوشش کرے، جس طرح قانون سے جہالت خطرناک غلطی ہے، مگر قانون کو جان بوجھ کر اپنی خر مستی سے اس کے لیے

معانی نکالنا، اس کا غلط مطلب بیان کرنا اور اپنی بدعملی کے مطابق اس کا مطلب سمجھنا، بہت ہی ہلاکت وخسران کا باعث ہے، اسی طرح بے دینی کی زندگی بسر کرنا ناکامی کی بات ہے، مگر دین کو قبول کر کے اسے اپنے جذبات ورجحانات کے مطابق ڈھالنا بڑا ہی مہلک اقدام ہے، اور عواقب ونتائج کے اعتبار سے نہ صرف صفر ہے بل کہ خطرناک مار کا باعث ہے۔

یہ خطرناک کام وہی لوگ کرتے ہیں، جو دنیا کی فوری لذتوں میں مست ہو کر انجام کی حقیقت سے منہ پھیر لیتے ہیں اور عیش وعشرت کی رنگینیوں میں انجام ونتیجہ کی کامیابی یا ناکامی بھول جاتے ہیں، قیامت کا انکار کرتے ہیں، جزاوسزا کا مذاق اڑاتے ہیں، دوزخ و جنت کو موہوم سمجھتے ہیں، بعث ونشر پر ایمان نہیں رکھتے، اور دنیا کی زندگی پر ریجھ کر آخرت کو فراموش کر جاتے ہیں، پس جو لوگ فراموشی وغفلت کوشی کر کے اس مہیب غار میں گر جاتے ہیں، ان کو غار سے کوئی حصہ نہیں ملے گا، اور وہ میدان جزاء وسزا میں پکارے جانے کے قابل بھی نہیں گردانے جائیں گے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

فَالْيَوْمَ نَنْسٰهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ

پس آج ہم ان کو بھلا دیں گے، جیسا کہ انہوں نے اس قیامت کے دن کے ملنے کو بھلا دیا تھا۔ (پ ۸ ع ۱۳، سورۂ اعراف: ۵۱)

اس دنیا میں جو چیزیں کام آنے والی ہیں، بتاؤ کہ تم ان میں سے کبھی کوئی چیز بھول جاتے ہو، کیا کبھی کھانے کو بھول گئے ہو، کیا کبھی روزی کمانے کو بھول گئے ہو، اور کیا کبھی اپنے مطلب کی بات کوئی اس طرح بھول گئے ہو کہ مدتوں تک تمہیں اس کی یاد نہ آئی ہو؟

یقین کرو! اگر تم اپنی ضروریات زندگی میں کسی چیز کو اس طرح بھول جاؤ گے تو وہ چیز تم کو یاددہانی کرانے کے لیے نہیں آئے گی، بل کہ وہ بھی تمہیں اس طرح بھول جائے گی،

جس طرح تم نے اسے بھلا دیا ہے، مثلاً اگر تم روٹی کھانا بھول گئے ہو تو روٹی کبھی تمہیں یاد کر کے تمہارے قریب نہیں آئے گی، واقعات اس کی شہادت دیتے ہیں، اور انصاف کا یہی تقاضا ہے، یہ ضروری بات ہے کہ کسی خاص وجہ سے کوئی خاص آدمی تمہاری بھول پر ترس کھائے اور تمہارا خیال کر کے محرومی سے بچائے، مگر یہ ایک مخصوص بات ہوگی، جس کے لیے تمہیں اہلیت اور صلاحیت پیدا کرنی پڑے گی۔

اسی طرح سے جو لوگ اللہ کی گرفت اور اس کے قانونِ مجازات کو بھلا کر کے اس سے بے نیاز ہو جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی نگاہ کرم بھی اسے نظر انداز کر دیتی ہے اور اسے ان کی حالت کی مطلق پرواہ نہیں ہوتی۔

ہاں اگر کوئی شخص قابل و صالح ہوتے ہوئے کبھی بھول چوک میں مبتلا ہو جائے تو فضلِ خداوندی اسے متنبہ کر دیتا ہے اور اسے محرومی سے بچا لیتا ہے۔

پس تم کو اگر قانونِ خداوندی کو اپنے بارے میں رحیم و کریم کرنا ہے، تو ہر وقت اسے یاد رکھو اور اسی کے مطابق عمل کرو۔

الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّ لَعِبًا وَّ غَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ نَنْسٰهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ۝۵۱

جن لوگوں نے اپنے دین کو لہو و لعب بنا لیا اور حیات دنیا نے ان کو دھوکہ دیا، آج ہم ان کو بھلا دیں گے، جس طرح انہوں نے اس دن کے ملنے کو بھلا دیا تھا، اور وہ ہماری آیتوں اور نشانیوں کا انکار کرتے تھے۔ (پ ۸ ع ۱۳، سورۂ اعراف: ۵۱)

دین ایک حقیقت ہے، افسانہ نہیں ہے اور وہ ایک واقعہ ہے، صرف سوچنے سمجھنے پر موقوف نہیں ہے، دین کچھ عقائد اور کچھ اعمال کے مجموعہ کا نام ہے، جو انسانوں کے لیے لائحہ

عمل بن کر آتا ہے اور انسان کو اس پر چلنا ہوتا ہے، تا کہ یہ دنیا کی چند سالہ زندگی کامیاب و بامراد ہو اور آخرت کی ابدی و دائمی زندگی عیش و مسرت کے ساتھ گزرے۔

مگر اس حقیقت کے علی الرغم اس دنیا میں کچھ لوگ شریر النفس، ہوا پرست اور ماحول کے پروردہ ایسے ہوتے ہیں، جو دین کو بھی اپنی خواہشوں کے لیے استعمال کرتے ہیں، دین کے نام پر تقریبات برپا کر کے ان میں سے اپنا حصہ وصول کرتے ہیں، مذہب کے نام پر عیش و مسرت کی محفلیں برپا کرتے ہیں اور دینی رسوم کے پردے میں اپنے عواطف و رجحانات کی پرورش کرتے ہیں، ایسے مطلب پرست، ہوا خواہ دین دار نہیں ہوتے، بل کہ وہ دین کو کھیل کود کا ذریعہ بناتے ہیں اور دنیاوی عیش و عشرت کے پنجہ میں وہ شکار کے مانند ہیں، جو صیاد کے قفس میں بند ہے اور صیاد اسے جو کچھ کھلا پلا رہا ہے، اسی کو وہ سمجھتے ہیں اور اس کی سیٹی پر اپنی اپنی بولیاں بولتے ہیں۔

ایسے لوگ آخرت سے غافل ہیں اور انہیں اپنے انجام کی ذرہ برابر فکر نہیں ہے، ان کی بے فکری اور لاپرواہی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بھی ان کو نظر انداز فرما دیا ہے، نگاہِ رحمت سے گرے ہوئے لوگ اس دنیا میں تکوینی قانون کے ماتحت کھا پی لیں، مگر آخرت میں ان کے لیے خیر نہیں ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَهُمْ لَهْوًا وَّ لَعِبًا وَّ غَرَّتْهُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا ۚ فَالْیَوْمَ نَنْسٰىهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ یَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ

جن لوگوں نے اپنے دین کو لہو و لعب بنا لیا اور کھیل تماشا بنا لیا ہے، اور حیات دنیا نے ان کو دھوکہ میں رکھا ہے تو آج ہم ان کو بھلا دیں گے، جیسا کہ انہوں نے آج کے اپنے اس دن کو بھلا دیا تھا۔ (پ ۸ ع ۱۳، سورۂ اعراف: ۵۱)

دین وایمان کو کھیل بنالینا اور دین کا نام لے کر اپنی خواہشوں کو پورا کرنا اتنا بڑا جرم ہے کہ بے عملی اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی ہے، دین پر عمل نہ کرنا بہت بڑا گناہ ہے، مگر اس سے بڑا گناہ یہ ہے کہ دین کا نام لے کر اپنی خواہشاتِ نفس کا کام لیا جائے اور کھیل کود پر دین کا اطلاق کیا جائے۔

آج کل مسلمانوں میں اس قسم کا ذوقِ بدشدت سے ابھر رہا ہے کہ وہ اپنی برائیوں کو دین کا نام دے رہے ہیں اور اپنے ذاتی مقاصد کے لیے اسلامی الفاظ ومحاورات سے کھیل کر خوش ہوتے ہیں کہ ہم نے دین کا پاس ولحاظ رکھا ہے اور ہم بھی دین داروں میں شامل ہیں، عام طور سے دین کو کھیل کود کے طور پر استعمال کرنے والے محلہ کے بڑے لیڈر، سرمایہ دار یا غنڈے ہوتے ہیں اور دین دار عوام کو اپنے جال میں پھنسانے کے لیے دین کے نام پر اپنا مقصد حاصل کرتے ہیں، یہ جو گانے بجانے کے لیے قوالی کا نام لیا جاتا ہے۔

کسی لیڈر کی آؤ بھگت کے لیے مجلس میلاد منعقد کی جاتی ہے، بریانی کھانے کے لیے بزرگوں کی نیاز کی جاتی ہے، یہ سب چیزیں بھی اسی قبیل سے ہیں، اور دینی الفاظ و محاورات کے پردے میں اپنی خواہشوں کی پرورش ہے، ورنہ یہ باتیں مذہبی حیثیت کی ہیں اور ان کا احترام ہوتا ہے، مگر ان کو آج استعمال کیا جارہا ہے، ایسے لوگوں کا انجام اوپر کی آیت میں بتایا جارہا ہے۔

الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّ لَعِبًا وَّ غَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ نَنْسٰىهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ وَ مَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۵۱﴾

جن لوگوں نے اپنے دین کو کھیل کود بنالیا، اور ان کو حیاتِ دنیا نے دھوکہ میں رکھا، تو آج ہم ان کو بھلا دیں گے، جیسا کہ وہ اپنے اس دن سے ملنے کو بھول گئے، اور وہ ہماری

آیتوں کا انکار کرتے تھے۔(پ ۸ ع ۱۳، سورۂ اعراف: ۵۱)

جو لوگ اپنے آپ کو اپنی حرکتوں سے ایسا گیا گزرا بنالیں کہ وہ کسی قطار وشمار میں نہ آسکیں، ان کی ناکامی ونامرادی یقینی ہے اور ان پر رحم وکرم کی امید عبث ہے، اللہ تعالیٰ نے زیادہ سے زیادہ توبہ اور عنایت انسانوں پر کی ہے، ان کو پیدا کیا، رزق ومعیشت کا انتظام فرمایا، امن وسلامتی کی راہ بتائی، رشد وہدایت کے لیے انبیاء مبعوث فرمائے اور ان کے پیچھے مصلحوں اور رہنماؤں کے ذریعہ انسانوں کی خیر خواہی کی، پھر سب سے اہم بات یہ فرمائی کہ ان کی انجانی لغزشوں اور ناسمجھیوں سے درگزر فرمایا اور اپنے دامن عفو وکرم میں ان کی غلطیوں کو چھپایا۔

پروردگار کی ان تمام تر توجہات وعنایات کے بعد بھی اگر انسان ظلم وعدوان اور سرکشی اور طغیان کی راہ اختیار کر کے اپنے کو بالکل ہی نالائق اور نااہل بنالے تو پھر اللہ تعالیٰ کی حجت تام ہے اور انسانوں کو اپنی ناکردنی کی سزا بھگتنی ضروری ہے۔

چنان چہ فرمایا جارہا ہے کہ جو لوگ رُشد وہدایت کے اُصولوں اور طریقوں کو اپنے عیش وعشرت کے لیے آلہ کار بنائیں گے اور دینی حقائق کو اپنی خواہشوں کے لیے استعمال کریں گے، ان کا انجام بُرا ہوگا، اور وہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ کرم سے اس طرح سے گرجائیں گے کہ مجازات کے دن ان کو رحمت کسی قطار وشمار میں تسلیم نہیں کرے گی، اور وہ لوگ اپنے کو بے سہارا پائیں گے، یہ کسمپرسی اور نامرادی اس لیے ہوگی کہ انہوں نے خود ہی اپنے ہاتھوں یہ صورتِ حال پیدا کی ہے اور وہ یومِ جزا کے عقیدہ سے ہٹ کر لذتِ دنیا میں اس طرح منہمک رہے کہ ایک دن بھی انہیں یاد نہ آیا کہ ایک دن اپنے رب کے سامنے پیش ہونا ہے۔

پس آج کے دن ان کی یہ حالت خود ان کی ان حرکتوں کا جواب ہے، جن کی وجہ سے نگاہ کرم سے بالکل ہی نظر انداز کردیے گئے اور رحمتِ خداوندی تک کو ان پر ترس نہ آیا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّ لَعِبًا وَّ غَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ نَنْسٰهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۵۱﴾

جن لوگوں نے اپنے دین کو لہو ولعب بنا لیا، اور حیات دنیا نے ان کو دھوکہ دے دیا تو ہم آج کے دن ان کو بھلا دیں گے، جس طرح کہ انہوں نے آج کے دن کے ملنے کو بھلا دیا تھا، اور وہ ہماری نشانیوں کا انکار کرتے تھے۔ (پ ۸ ع ۱۳، سورۂ اعراف: ۵۱)

لادینی اور بے اُصولی کی زندگی بے معنی اور بے نتیجہ زندگی ہوتی ہے، مگر وہ زندگی اور بھی مہلک اور تباہ کن ہوتی ہے، جو کسی ضابطۂ حیات کو قبول کر کے اس پر عمل نہ کرے، بل کہ الٹے اس میں کتر بیونت کر کے اپنی بدعملی سے اسے ناکام بنانے کی کوشش کرے، جس طرح قانون میں جہالت خطرناک غلطی ہے، مگر قانون کو جان بوجھ کر اپنی خرمستی سے اس کے لیے معانی کا نکالنا، اس کا غلط مطلب بیان کرنا اور اپنی بدعملی کے مطابق اس کا مطلب سمجھنا بہت ہی ہلاکت وخسران کا باعث ہے، اس طرح بے دینی کی زندگی بسر کرنا، ناکامی کی بات ہے، مگر دین کو قبول کر کے اسے اپنے جذبات ورجحانات کے مطابق ڈھالنا، بڑا ہی مہلک اِقدام ہے اور عواقب ونتائج کے اعتبار سے نہ صرف صفر ہے، بل کہ خطرناک بار کا باعث ہے۔

یہ خطرناک کام وہی لوگ کرتے ہیں، جو دنیا کی لذتوں میں مست ہو کر انجام کی حقیقت سے منہ پھیر لیتے ہیں اور عیش وعشرت کی رنگینیوں میں انجام ونتیجہ کی کامیابی یا ناکامی بھول جاتے ہیں، قیامت کا انکار کرتے ہیں، جزاء وسزا کا مذاق اڑاتے ہیں، دوزخ وجنت کو موہوم سمجھتے ہیں، بعث ونشر پر ایمان نہیں رکھتے اور دنیا کی زندگی پر ریجھ کر آخرت کو فراموش کر جاتے ہیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ لَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّ رَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾

اور تحقیق کہ ہم ان لوگوں کے پاس ایسی کتاب لائے، جسے ہم مومن قوم کے لیے جو علم و تحقیق کی بنا پر ہدایت و رحمت بنا کر مفصل بیان کیا ہے۔ (پ ۸ ع ۱۳، سورۂ اعراف: ۵۱)

اصول و ضابطہ کی زندگی اصل زندگی ہوتی ہے، جو دونوں جہان میں فلاح و نجاح کی وارث ٹھہرتی ہے اور افتراق و انتشار کے پُرخطر نتائج سے دور ہوتی ہے، وہ قوم دنیا میں سب سے زیادہ کامیاب قوم ہے، جس کے پاس اصولِ حیات سب سے مستحکم اور نتیجہ خیز ہے، اور وہ قوم فلاح و نجاح سے کوسوں دور ہے، جس کے پاس کوئی نظامِ زندگی اور جینے کا قانون نہیں ہے۔

دنیا میں بہت سی قومیں ہیں، بہت سے قانون حیات ہیں اور بہت سے ایسے ہیں جو ان پر چلتے ہیں، ان تمام ملتوں اور قوموں کا جائزہ لینے کے بعد فیصلہ کیجئے کہ اس دنیا میں آج کون سی قوم اپنا قانون و ضابطہ رکھتی ہے اور کون سی قوم اس بارے میں مسکین ہے، پھر عمل درآمد کے اعتبار سے کون سی قوم چست و چالاک ہے۔

قرآن حکیم بھی دنیا میں زندگی بسر کرنے کی ایک کتاب ہے، جس کا دعویٰ ہے کہ وہ دونوں زندگی کے لیے بہترین نظام عمل ہے، وہ رحمت ہے، ہدایت ہے، کامیاب زندگی گزارنے کے لیے تفصیلی پروگرام ہے، اس پر جو بھی عمل کرے گا، برکاتِ اَرضی و سماوی کا وارث ٹھہرے گا اور خدا کی بخششوں میں اس کا حصہ ہوگا، وہ کبھی غلط روی اور گمراہی کا شکار نہ ہوگا، مگر اس کے لیے شرط یہی ہے کہ آدمی مومن ہو، یعنی قرآن حکیم پر ایمان کامل رکھنے کے ساتھ مکمل طور سے اس پر عمل کرے، اگر یہ دونوں باتیں نہیں ہیں تو پھر یہ کتاب اس کے حق میں ہدایت و رحمت ہونے میں ذمہ دار نہیں ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۵۵﴾ وَ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَ ادْعُوْهُ خَوْفًا وَّ طَمَعًا ؕ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۶﴾

پکارو اپنے پروردگار کو عجز اور آہستگی کے ساتھ، بے شک وہ حد سے گزر جانے والوں کو پسند نہیں کرتا، اور مت فساد پھیلاؤ زمین کے اندر اس کی اصلاح کے بعد، اور پکارو اللہ کو امید کے ساتھ، بے شک اللہ کی رحمت نیک کاروں سے قریب ہے۔

(پ ۸ ع ۱۴، سورۂ اعراف: ۵۵، ۵۶)

انسان کو کائنات ارضی کی وراثت دی گئی ہے، تاکہ وہ امن وسکون شرافت ونجابت، دین ودیانت اور اصلاح واحسان کی فضا پیدا کرے، کائنات کو خدا کی حمد وثنا کے نغموں سے بھر دے، زمین کے اوپر اپنی سیادت وقیادت کے درخشاں نقوش قائم کرے اور اس دنیا کو ایسا دار العمل بنادے، جہاں جزاء کے لیے کامیاب سے کامیاب تر امکانات پیدا ہوجائیں۔

قرآن حکیم کہتا ہے کہ اے انسانو! اپنے پروردگار کی عظمت سے کبھی غافل نہ ہو اور اسے اس انداز سے پکارو کہ تمہاری انکساری اور اس کی کبریائی کا سماں بندھ جائے، عبادت کے نام پر ہنگامہ، قتل وغارت اور دنگا، فساد کر کے اپنی بدعملی کا مظاہرہ نہ کرو، خدا ایسے طریقۂ عبودیت کو پسند نہیں فرماتا ہے اور ایسے بندے اس کے نزدیک سزا کے قابل ہوجاتے ہیں، اللہ کی عبادت میں ہمیشہ خوف اور امید کا معاملہ رکھو اور اس کے عذاب سے ڈرتے رہو، اگر یہ طریقۂ کار اختیار کروگے تو خدا کی زمین مذہب کے نام پر فتنہ وفساد کی جہنم نہیں بنے گی، جس کے ایندھن انسان ہوتے ہیں، روئے زمین پر امن وامان کے بعد فتنہ وفساد کا پھیلانا خدا کے نزدیک بدترین کام ہے۔

لہٰذا اس سے بچو اور نیک نیتی اور نیک عملی کے ساتھ اچھے اچھے کام کرو، اللہ کی رحمت

نیک کاروں کو اپنے آغوش میں لیتی ہے اور وہی لوگ خدا کے مقرب بندے ٹھہرتے ہیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَ ادْعُوْهُ خَوْفًا وَّ طَمَعًا ؕ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ ۝۵۶

اور تم لوگ زمین کی اصلاح کے بعد فساد مت پھیلاؤ، اور خدا کو خوف اور اُمید کے انداز میں یاد کرو، بے شک اللہ کی رحمت نیکوکاروں سے قریب ہے۔ (پ۸ ع ۱۴، سورۂ اعراف: ۵۶)

فتنہ وفساد اور اُلڑھ پن اسلام کی بنیادی تعلیم کے سراسر خلاف ہے، خدا کے نزدیک سب سے پسندیدہ بات یہی ہے کہ اس کی زمین پر امن وامان کا نظام برپا ہو، اس پر بسنے والے سکون واطمینان کی زندگی بسر کریں، اللہ کی دی ہوئی روزی کھائیں اور اللہ کو یاد کریں، پھر اس کے بعد اس کی بخشی ہوئی جائز قدروں سے بہرہ مند ہوں۔

اس کے مقابلہ میں زمین پر فتنہ وفساد پھیلانا، خوف وہراس کی فضا پیدا کرنا، تشدد اور انتشار کی وجہ سے بے چینی برپا کرنا اور امن وسکون کے ساتھ کھاتی پیتی آبادیوں کو فقر وفاقہ اور بے روزگاری کا شکار کرکے جرائم پیشہ بنانا سخت ناگوار ہے، زمین کا امن خدا کی بہت بڑی نعمت ہے اور اس پر فساد اس کا بہت بڑا عذاب ہے، یہ دونوں باتیں اسی کے قبضہ وقدرت میں ہیں، انسان کے اَعمال وخیال جیسے ہوتے ہیں، وہ ویسے ہی حالات پیدا فرماتا ہے۔

پس اے انسانو! اگر زمین پر اَمن وسکون قائم ہے تو اس میں خلل مت ڈالو، اور اپنی ذات سے اَمن وامان کو خراب مت کرو، ورنہ بستیوں اور آبادیوں کی تباہی وبربادی کا وبال تمہارے ہی سر ہوگا، اور خدا کے قانون کی نظر میں تم ہی مجرم ٹھہروگے۔

لہٰذا خدا سے ہر وقت ڈرتے رہو کہ کہیں تم سے برائی نہ صادر ہوجائے اور تم خدا کے

عذاب کے شکنجے میں نہ کس دیے جاؤ، اور خدا سے یہ امید بھی رکھو کہ وہ تمھیں نیکی پر قائم رہنے کی توفیق دے اور اصلاحِ حال میں تمھاری کوششوں کو بار آور کرے۔

جو لوگ نیک ہیں اور نیکی کے کام پسند کرتے ہیں، ان پر خدا کی رحمت ہوتی ہے، اور وہ ثواب کے مستحق ہیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَ ادْعُوْهُ خَوْفًا وَّ طَمَعًا ؕ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۵۶﴾

اور تم لوگ زمین میں اس کی اصلاح کے بعد فساد برپا نہ کرو، اور اللہ سے ڈرو اور امید کے ساتھ پکارو، بے شک اللہ کی رحمت نیک کاروں کے قریب ہے۔

(پ ۸ ع ۱۴، سورۂ اعراف: ۵۶)

اللہ کی زمین پر اللہ کے بندے امن و امان اور سکون و اطمینان کی زندگی بسر کرنے کے لیے آئے ہیں اور ان کو حق حاصل ہے کہ وہ اس کرۂ ارضی پر جہاں چاہیں آئیں جائیں، رہیں، سہیں، ان پر کسی قسم کی کوئی پابندی اور سختی کرنے کا حق کسی فرد یا قانون کو نہیں ہے، اور جو لوگ اللہ کی زمین پر فتنہ و فساد برپا کر کے اس کے امن کو غارت کرتے ہیں، وہ انسانیت کے حق میں زہر اور اس کے لیے عار ہیں، وہ ایسے بدترین لوگ ہیں، جو نہ خود چین سے رہتے ہیں، نہ دوسروں کو چین سے رہنے دیتے ہیں، اسلام میں ایسے لوگوں کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے اور وہ ان کو ننگ انسانیت قرار دے کر ختم کرنے کا حکم دیتا ہے، اگر سمجھانے بجھانے سے کام نہ چلے اور وہ زمین میں قتل، غارت، جنگ و جدل، فتنہ و فساد برپا کرتے رہیں، تو ان سے باقاعدہ جنگ کرنی چاہیے اور اللہ کی زمین کو ایسے شریروں سے پاک کر کے اس کے بندوں کو

امن وامان کا مژدہ سنانا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے انسانو! تم اللہ کی زمین پر امن وامان قائم ہو جانے کے بعد بدامنی نہ پھیلاؤ، بل کہ امن وامان کی فضا پیدا کر کے اللہ کو یاد کرتے رہو، اس سے ڈرتے بھی رہو اور پُر امید بھی رہو، ان دونوں حالتوں کے درمیان ایمان وانسانیت کی قدریں ابھرتی اور پروان چڑھتی ہیں، دنیا میں اچھے کام کرو اور اللہ سے نیک جزا لو۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَ ادْعُوْهُ خَوْفًا وَّ طَمَعًا ؕ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۵۶﴾

اور تم لوگ زمین کی اصلاح کے بعد اس میں فساد برپا مت کرو، اور اللہ سے ڈرو اور امید کی حالت میں پکارو، یقیناً اللہ کی رحمت نیک کاروں سے قریب ہے۔

(پ ۸ ع ۱۴، سورۂ اعراف: ۵۶)

اللہ کی زمین اس لیے نہیں ہے کہ اس میں چند درندے جانور، چند خونخوار آدمی اور چند مہلک نظریات تباہی و بربادی برپا کیے رہیں اور زمین کی ساری برکتیں ان ہی چند مخلوقات کی وجہ سے ناپید رہے، بل کہ خدا کی یہ زمین ہر اس مخلوق کے لیے عام دستر خوان ہے، جسے خدا نے کھانے پینے اور زندہ رہنے کی صلاحیت سے نوازا ہے اور جسے حق دیا ہے کہ زمین سے اپنا حصہ حاصل کرے۔

اسلام نے دنیا میں انسانوں کو یہی بتایا ہے کہ اللہ کی زمین ہر مخلوق کی ہے، اس پر ہر انسان کا حق ہے اور ہر زندہ رہنے والا اس سے فائدہ اٹھانے کا حق رکھتا ہے، انسانوں کو چاہیے کہ وہ ایسا نظام چلائیں اور ایسی فضا پیدا کریں کہ کوئی کسی پر دست درازی نہ کر سکے اور زمین

کے کسی بھی گوشہ میں حق تلفی، ناانصافی، ظلم وفساد، خوں ریزی اور بے عزتی کا مظاہرہ نہ ہو، بل کہ تمام انسان آپس میں بھائی بھائی کی زندگی بسر کریں اور اپنے کو ایک بالا دست قوت کے سامنے جواب دہی کا یقین کر کے ہر وقت امید وبیم کے عالم میں اسے یاد کرتے رہیں، نہ سراسر امید ہو کہ جرأت بے جا پیدا ہو جائے اور نہ سراسر خوف ہو کہ ناامیدی اور محرومی کا تصور ستانے لگے، بل کہ امید وبیم کے امتزاج سے ایسی زندگی پیدا ہو، جو ہر معاملہ میں اللہ کی یاد سے معمور رہے، جو لوگ اس طرح کی نیک اور امن وسلامتی کی زندگی بسر کرتے ہیں، اللہ کا فضل وکرم ان کے ساتھ ہوتا ہے اور وہ خدا کی زمین پر ہر قسم کے انعام واکرام کے مستحق ہوتے ہیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَ ادْعُوْهُ خَوْفًا وَّ طَمَعًا ؕ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۵۶﴾

اور تم مت فساد پھیلاؤ زمین میں، اس کی اصلاح کے بعد، اور خدا کو خوف اور امید کی حالت میں یاد کرو، بے شک اللہ کی رحمت نیک کاروں سے قریب ہے۔

(پ ۸ ع ۱۴، سورۂ اعراف: ۵۶)

قدرت نے اس کائنات کی ہر چیز کو ایک خاص توازن اور قدر کے ساتھ پیدا فرمایا اور اس میں اعتدال وانصاف قائم رکھنے کے لیے زمان ومکان کو ہموار کیا، اسی اعتدالی نظام کے ماتحت آسمان کو اور جو کچھ اس کے اوپر نیچے ہے اور زمین کو جو کچھ اس کے اوپر نیچے ہے، انسان کے حصے میں دے دیا اور کہہ دیا کہ قدرت کی منشاء کے پیش نظر تم وصولِ حیات اختیار کرو، جس سے کائنات کے توازن میں فرق نہ پڑ جائے اور یہ کارخانۂ عالم پُرامن وپُرسکون حالت میں جاری وساری رہے۔

زمین وآسمان کی ایک ایک چیز نظم وضبط کے ماتحت چل رہی ہے، زمین کے اندر صلاح وامن کے مادے رکھ دیے گئے ہیں، مناسب وقت پر بارش ہوتی ہے، مناسب طریقہ پر اس سے روئیدگی پیدا ہوتی ہے اور مناسب حالت میں اس سے پانی نکلتا ہے، اس میں تناسب کی برقراری سے معدنی ذخائر تکوینی منزلیں طے کر کے طرح طرح کے قیمتی اجرام و اجسام بنتے ہیں اور ہزاروں قسم کی معدنی اشیاء انسانوں کے کام آتی ہیں، آسمان کے نظام میں اعتدال وتناسب کی وجہ سے شب وروز کا پھیرا ہوتا ہے، سردی، گرمی کے زمانے آتے ہیں اور واقعات وحالات کی رفتار جاری ہوتی ہے، اوراس معتدل و باضابطہ کائنات کے اندر امن وسکون کے گہوارے میں حیات ونمود کی خوشگواری مسکراتی ہے۔

پس اے انسانو! تم قدرت کی اس پُرامن و باوقار دنیا میں صلاح وسکون کو ٹھیس مت پہنچاؤ اوراپنی قومی خواہشوں، اجتماعی چال بازیوں، انفرادی بدخصلتوں، ملکی نفرتوں اور قبائلی عداوتوں کی وجہ سے زمین کی پُرسکون زندگی میں بےقراری وبدمزگی مت پیدا کرو، اگر کبھی کسی وجہ سے زمینی سکون کا توازن کچھ بگڑ جائے اور پھر حالات اپنی جگہ پر آجائیں تو تم اپنی قومی، ملکی، جماعتی اور ذاتی اغراض کی وجہ سے فتنہ وفساد کی آگ مت بھڑکاؤ، اس خطاب میں ملکوں اور حکومتوں سے لے کر ملّا اور پیر تک آگئے، ان سب کو یہی حکم ہے کہ زمین کے امن وسکون میں فتنہ وفساد کی آگ مت لگاؤ اور خدا کی مخلوق میں تباہی مت ڈالو، آپ حضرات بھی اسی نقطۂ نظر سے اس مسئلہ پر غور کریں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ الْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۚ وَ الَّذِیْ خَبُثَ لَا یَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ؕ كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّشْكُرُوْنَ ﴿۵۸﴾

جوزمین اچھی ہوتی ہے، وہ اپنے رب کے حکم سے خوب پھل پھول لاتی ہے اور جو زمین خراب ہوتی ہے، اس سے ناقص پیداوار کے سوا کچھ نہیں نکلتا، اس طرح ہم نشانیوں کو بار بار پیش کرتے ہیں، ان لوگوں کے لیے جو شکرگزار ہونے والے ہیں۔

(پ ۸ ع ۱۴، سورۂ اعراف: ۵۸)

رسول کی آمد اور خدائی تعلیم و ہدایت کے نزول، بارانی ہواؤں کے چلنے اور ابر رحمت کے چھا جانے اور امرت بھری بودوں کے برسنے سے تشبیہ دی گئی ہے، پھر بارش کے ذریعہ سے مردہ پڑی ہوئی زمین کے یکا یک جی اٹھنے اور اس کے بطن سے زندگی کے خزانے ابل پڑنے کو اس حالت کے لیے بطور مثال پیش کیا گیا ہے، جو نبی کی تعلیم و تربیت اور رہنمائی سے مردہ پڑی ہوئی انسانیت کے یکا یک جاگ اٹھنے اور اس کے سینے سے بھلائیوں کے خزانے ابل پڑنے کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔

پھر یہ بتایا گیا ہے کہ جس طرح بارش سے فائدہ صرف اسی زمین کو حاصل ہوتا ہے، جو حقیقت میں زرخیز ہوتی ہے، اسی طرح رسالت کی ان برکتوں سے بھی صرف وہی انسان فائدہ اٹھاتے ہیں، جو حقیقت میں صالح ہوتے ہیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ ضَلٰلَةٌ وَّ لٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦١﴾ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَ اَنْصَحُ لَكُمْ وَ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٦٢﴾

نوح نے کہا: اے قوم! میں کچھ بہکا نہیں ہوں، لیکن پروردگار عالم کا فرستادہ ہوں، میں تم لوگوں کے پاس اپنے رب کے احکام پہونچا رہا ہوں اور تمہاری خیرخواہی کر رہا ہوں، اور میں من جانب اللہ ایسی بات جانتا ہوں، جسے تم نہیں جانتے۔

(پ ۸ ع ۱۵، سورۂ اعراف: ۶۱، ۶۲)

آدمی کے اندر شرارت وعدوان اور نافرمانی کا مادہ اسی وقت ابھرتا ہے، جب اس کے دماغ میں خلل پیدا ہوتا ہے اور قلب ونگاہ پر رشد وہدایت کی روشنی کے بجائے ضلالت و سفاہت کی ظلمت چھا جاتی ہے، مگر سیاہ کارانِ زمانہ ہمیشہ اپنے کو روشن دماغ اور عقل مند گردان کر اربابِ بصیرت کو گمراہ بتاتے رہے ہیں، اور اس طرح اپنی ضلالت وگمراہی کو اور زیادہ پائیدار کرتے رہے ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام پہلے پیغمبر ہیں، جنہوں نے انسانوں کے سامنے دین و دیانت کے عام اصول پیش کیے، اور ان کی عام گمراہی کے مقابلہ میں عام ہدایت کا درس دیا، مگر جب گمراہوں نے اپنی اصلاح کرنے کے بجائے الٹا ان ہی کو بے راہ بتایا اور ان پر ضلالت کا الزام باندھا، تو انہوں نے نہایت صفائی سے بتادیا کہ میں گمراہ نہیں ہوں، میں تو تمہارے پاس پروردگار عالم کے احکام لاتا ہوں اور تمہیں ایسی باتیں بتاتا ہوں، جو تمہارے کام آنے والی ہیں، ان باتوں کی افادیت اور ضرورت کا علم مجھے ہے، اللہ نے مجھے نبوت ورسالت کی بصیرت دی ہے، تم اندھے ہو، تمہیں ان میں اگر کوئی افادیت نظر نہیں آتی تو نہ آئے۔

اصل بات یہ ہے کہ غلط جذبات، باطل خیالات اور گمراہ کن رویہ کے سامنے ہر اچھی بات عبث معلوم ہوتی ہے، مگر غلط جذبات سے مغلوب ہونے والوں کا یہ فیصلہ سراسر غلط ہوتا ہے، اور حق بات وہی ہوتی ہے، جو پاک ذہن حضرات پیش کرتے ہیں۔

فَكَذَّبُوْهُ فَاَنْجَيْنٰهُ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَ اَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ ﴿۶۴﴾

پس ہم نے نوح اور ان کے ساتھیوں کو کشتی میں نجات دی، اور ان لوگوں کو غرق

کر دیا، جنھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا، بے شک وہ لوگ اندھی قوم تھے۔

(پ ۸ ع ۱۵، سورۂ اعراف: ۶۴)

اولادِ آدم ایک زمانہ تک اپنے باپ کے طریقہ پر چلتی رہی، اور اس دور میں شریعت کا جو مفہوم تھا، اس پر عمل کرتی رہی، جب اس کی کثرت ہوئی اور سلف وخلف کا معاملہ آیا تو ناخلف لوگ پیدا ہو گئے اور انہوں نے آبائی دین کے مفہوم وعمل میں کتر بیونت شروع کر دی، حتیٰ کہ ایک ایسا دور آیا، جب تمام اولادِ آدم گمراہی میں مبتلا ہو کر آدم کی روحانی وراثت سے محروم ہو گئی۔

اللہ تعالیٰ نے اس دور کے انسانوں کی ہدایت کے لیے آدم ثانی حضرت نوح علیہ السلام کو نبی بنایا اور انسانوں کی رہنمائی کے لیے اسباب فراہم کیے، حضرت نوح علیہ السلام نے انسانوں کو خدا کا واسطہ دیتے ہوئے کہا اے قوم! اللہ کی عبادت کرو، اللہ کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں ہے، قیامت کے بڑے دن کا تمہارے بارے میں مجھے خطرہ ہے، حضرت نوح علیہ السلام کی صاف ستھری اور نفع بخش باتوں پر قوم کے کچھ لوگوں نے جواب دیا کہ اے نوح! تم یہ کیا باتیں کر رہے ہو، تم ہمیں گمراہ اور اندھا قرار دینا چاہتے ہو، ہم تو خود تم کو کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا دیکھ رہے ہیں۔

انجام کار وہی ہوا، جو اوپر کی آیتوں میں ذکر ہے کہ طوفان آیا، حضرت نوحؑ اور ان کے ہمراہی نجات کے مستحق ٹھہرے اور منکرین ہلاکت وخسران کے سزاوار ٹھہرے، ہلاکت وخسران کی واحد وجہ یہی تھی کہ وہ لوگ جو حضرت نوحؑ کو کھلی ہوئی گمراہی میں دیکھتے تھے، وہ خود اندھے تھے، ان کی آنکھوں پر جہل وتعصب کے پردے پڑے ہوئے تھے، ان کو خدا کی نشانیاں دکھائی نہیں دیتی تھیں، ان کی آنکھوں سے زیادہ ان کے دل اندھے تھے، ان کی

روح پر اندھاپن چھایا ہوا تھا، اور وہ عقل وشعور کی روشنی سے سراسر محروم تھے۔

آج بھی رہنماؤں کو گمراہ سمجھنے والے، ہادیوں کو بے راہ دیکھنے والے اور خیر خواہوں کو بدخواہ گردانتے والے موجود ہیں اور قلب وروح کے اندھے پن کی وجہ سے ان کے تمام حواسِ ظاہرہ و باطنہ اندھے ہو چکے ہیں، ایسے اندھے اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے کبھی قدرت کی روشنی نہیں پاتے اور ان کی بدنصیبی وبدبختی ان کو لے ڈوبتی ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ وَّ اِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۶۶﴾ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّ لٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۷﴾ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَ اَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ ﴿۶۸﴾

ہودؑ کی قوم میں سے جس گروہ نے کفر کیا، اس نے کہا کہ ہم تم کو بے وقوف سمجھ رہے ہیں اور ہم یقیناً تم کو جھوٹے لوگوں میں سے جانتے ہیں، ہودؑ نے کہا میں بے وقوف نہیں ہوں، لیکن میں رب العالمین کا رسول ہوں، اپنے رب کے پیغاموں کو تم لوگوں تک پہونچاتا ہوں اور تمہارے حق میں امانت دار، خیر خواہ اور ناصح ہوں۔ (پ ۸ ع ۱۶، سورۂ اعراف: ۶۶، ۶۷، ۶۸)

حضرت ہود علیہ السلام نے جب اپنی قوم کو توحید اور خدا پرستی کی تعلیم دی اور ان کو بتوں کی پرستش اور زمین میں فتنہ وفساد کرنے سے روکا تو اس قوم کا مزاج اور بھی برہم ہو گیا، اور حماقت و نادانی کی باتیں ان کے منہ سے نکلنے لگیں، انہوں نے برملا اپنے خیر خواہ اور مصلح و ناجی کو بے وقوف اور سفیہ کہنا شروع کیا اور آپ کی باتوں پر غور کرنے کے بجائے اپنے ایک جملہ میں اس کی افادیت اپنے حق میں ختم کر دی، کیوں کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کو اپنے کام سے کام ہوتا ہے، اور وہ دنیا والوں کی بکواسوں کی طرف دھیان دے کر اور ان کی باتوں میں

پڑ کر اپنے منصب کو نہیں چھوڑتے اور نہ اپنے کام میں الجھاؤ پیدا کرتے ہیں۔

اس لیے حضرت ہود علیہ السلام نے بھی ان کو نہایت صاف اور سیدھا سادہ جواب دیا اور بتایا کہ تم مجھے جو چاہو سمجھو، مگر میں تو تمہاری خیر خواہی اور اصلاح کے لیے آیا ہوں، اللہ نے مجھے تمہارا رہبر بنایا ہے، میرا کام تبلیغ ہے اور بس، تم سے لڑنا جھگڑنا اور تمہاری باتوں کے جواب میں پڑ کر اپنے منصب کے خلاف بات کرنا میرا کام نہیں ہے، اصلاح و تبلیغ کا یہی اصول آج بھی مفید اور کارگر ہے اور مصلحوں اور مبلغوں کو اسی پر عمل کرنا چاہیے، اصلاح کے سلسلے میں کسی فساد میں حصہ نہیں لینا چاہیے، بل کہ فساد کے ختم کرنے کی تدبیر کرنی چاہیے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ وَّ اِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿٦٦﴾ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦٧﴾

کہا ایک جماعت نے نوح کی قوم سے کہ ہم تو تم کو کھلی ہوئی گمراہی میں دیکھ رہے ہیں، نوح علیہ السلام نے کہا: اے میری قوم! میرے ساتھ گمراہی نہیں لگی ہے، لیکن میں تو رب العالمین کا رسول ہوں۔ (پ۸ ع۱۶، سورۂ اعراف: ۶۶، ۶۷)

رہبروں کو گمراہ بتانا اور گمراہوں کا اپنے کو راہ راست پر سمجھنا انسانیت کی بڑی کٹھن بیماری ہے، جس قوم میں یہ بیماری پھیل جاتی ہے، اس کا پتہ کٹ ہی جاتا ہے، اور کسی قیمت پر اسے دنیا میں زندہ رہنے کا حق نہیں ملتا، حضرت نوح علیہ السلام نے جب اپنی مخاطب قوم اور امت کو دین کی طرف بلایا تو بجائے اس کے کہ وہ قوم اپنی گمراہی پر نفرت کر کے راہ راست پر آ جاتی، الٹے اس نے اپنے مصلح و محسن حضرت نوحؑ کو گمراہ بتانا شروع کر دیا، جس کے بعد ان کے لیے ہدایت کا کوئی سوال ہی نہیں رہ جاتا تھا، حضرت نوح علیہ السلام نے نہایت

صاف اور سیدھے انداز میں بتا دیا کہ میں گمراہ تو کیا ہوں گا، پروردگار عالم کا وہ رسول ہوں، جو تمہاری ہدایت کے لیے آیا ہوں، میری باتوں کو ماننا نہ ماننا تمہارا کام ہے، میرا کام حق کی طرف دعوت دینا تھا، جسے میں نے پورا کر دیا۔

قوم نوح کی شرارت اور خود پسندی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک عظیم الشان طوفان کی رو میں دنیا سے ان ناپاک خش و خاشاک کو بہا دیا گیا، اور ان میں کوئی جرثومہ نہ بچ سکا کہ اس سے پھر دنیا میں ضلالت و گمراہی کی بیماری پیدا ہو، یہ دوسری بات ہے کہ وہاں سے بُرائی ختم ہونے کے بعد پھر بعد میں دوسری بستیوں میں اس ذہن و دماغ کے لوگوں کی وجہ سے گمراہی آئی اور دوسرے انبیاء نے آ کر کام کیے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّ لٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦٧﴾ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَ اَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ ﴿٦٨﴾

ہودؑ نے کہا اے میری قوم! مجھ میں ذرا کم عقلی نہیں ہے، میں پروردگار عالم کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوں، تم لوگوں کو اپنے پروردگار کا پیغام پہونچاتا ہوں اور میں تمہارا سچا خیر خواہ ہوں۔

(پ ۸ ع ۱۶، سورۂ اعراف: ۶۷، ۶۸)

اپنے خیر خواہوں کو جھٹلانا، ان کو ذلیل و خوار کرنا اور ان کی دعوت کو ٹھکرانا قدیم زمانہ سے انسانوں کی عادت رہی ہے، اور یہ مذموم سلسلہ ہر دور کے انسانوں کو عام ہے اور ہر چھوٹے بڑے مصلح کے ساتھ یہ رویہ دوامی رہا ہے۔

اس معاملہ میں یہ بات عجیب رہی ہے کہ جو مصلح اور خیر خواہ جس قدر بڑا رہا ہے، اس کی مخالفت اور بُرائی اسی قدر شدت کے ساتھ کی گئی ہے، مگر ساتھ ہی یہ حقیقت بھی ہمیشہ سے

قائم رہی ہے کہ ناصحوں کے ساتھ یہ سلوک نہایت خطرناک نتائج کا حامل رہا ہے، اور حق و باطل کی اس آویزش کے نتیجے میں انسانوں کو ہر طرح کا نقصان رہا ہے۔

قوم عاد نے اپنے ناصح حضرت ہود علیہ السلام کے ساتھ یہ رویہ اس بری طرح اختیار کیا کہ وہ دنیا کے لیے ایک مثال بن گیا، اور قرآن حکیم نے قوم عاد اور حضرت ہودؑ کی گفتگو کو عبرت کے طور پر مشتمل فرمایا ہے، تاکہ بعد کے لوگ اس سے نصیحت حاصل کریں۔

یہ صورتِ حال آج بھی برپا ہے، اور انسان اپنے خیر خواہوں کو بے وقوف، کمینہ، جاہل ثابت کر کے اپنی زندگی کو طرح طرح کے پُرخطر حالات سے دوچار کرتا ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اَوَ عَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ ؕ

کیا تعجب کیا تم نے کہ تمہارے رب کی طرف سے تمہارے میں سے ایک آدمی پر نصیحت آئی، تاکہ وہ تمہیں ڈرائے۔ (پ ۸ ع ۱۶، سورۂ اعراف: ۶۹)

حضرت ہود علیہ السلام نے جب اپنی قوم عاد کو دین کی دعوت دی اور خود ساختہ بتوں کی پرستش سے منع کیا، تو قوم عاد اچنبھے میں پڑ گئی کہ یہ خوب نبی اور رسول ہیں کہ ہمارے خاندان میں پیدا ہوئے، ہمارے سامنے بڑھے، چلے، پھرے اور اب ہمیں کو توحید کی دعوت دے کر خاندانی طریقۂ عبادت اور روایت سے روکتے ہیں، ہمارے گھر میں ایسا کوئی نبی آئے، اس کی توقع نہ تھی، یہ ہود ہماری نسل سے نبی کیسے بن گئے، جو کہ خاندان کی بغاوت پر اتر آئے ہیں، حضرت ہودؑ اپنی قوم سے فرماتے ہیں کہ تم کو اس بات پر تعجب کیوں ہے کہ تمہارے ہی قبیلہ میں ایک مصلح پیدا ہو گیا ہے اور وہ تمہیں اچھی راہ پر لے چل رہا ہے، یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے، اس پر تعجب کرنا اور حیرت سے مبہوت ہونا محرومی کی دلیل ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ جب کوئی قوم بُری طرح گر جاتی ہے اوراس کا ذہنی اور مزاجی معیار حد سے زیادہ خراب ہو جاتا ہے، تو وہ اسی قسم کی باتیں سوچتی ہے اور احساس کمتری کی وجہ سے اپنے جوہر قابل کو بھی نہیں پہچان سکتی، مگر جو ہر قابل اپنی طاقت سے اپنا لوہا بنواتا ہے، اور اپنوں اور غیروں کو اپنی طرف متوجہ کرتا ہے۔

پس مخالفوں کی مخالفت بذاتِ خود کوئی چیز نہیں ہے، اصل چیز خود داعی و مبلغ کی اپنی طاقت وقوت ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اَتُجَادِلُوْنَنِیْ فِیْٓ اَسْمَآءٍ سَمَّیْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ۔

کیا تم لوگ ایسے ناموں کے بارے میں مجھ سے جھگڑا کرتے ہو، جن کو تم اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیا ہے، خدا نے ان کے لیے کوئی دلیل نہیں اتاری ہے۔

(پ۸ ع۱۶، سورۂ اعراف:۷۱)

اس دنیا میں جو چیز جس قدر مشہور ہوگی، وہ اسی قدر بے اصل اور مبالغہ آمیز ہوگی، دیوار قہقہہ، داستان امیر حمزہ، الف لیلہ، قصوں، کہانیوں میں، اور لیلیٰ مجنوں، حاتم طائی، رستم، انسانوں میں اسی قسم کی چیزیں ہیں، جو قصے اور کہانیاں ان کتابوں میں ہیں، ان کا واقعہ سے کوئی تعلق نہیں ہے، لیلیٰ مجنوں، حاتم، رستم، کے بارے میں اکثر و بیشتر مبالغہ ہے، اور ان کے اکثر واقعات جو مشہور ہیں، بے بنیاد ہیں، اسی طرح اور بہت سے مشہور نام ہیں، جو اسم کی حد سے آگے نہ بڑھ سکے کہ ان کی مسمیات بھی موجود ہوں، کوہ قاف کی پری، سیمرغ پرندہ، عنقا چڑیا کے بھی صرف نام، نام تک ہیں، ان کی ذات کا وجود نہیں ہے۔

اسی طرح بہت سی باتیں ہیں، جو ہمارے معاشرے میں پُرانے زمانے سے چلی آرہی ہیں اور خارج میں ان کا کوئی وجود نہیں ہے، اگر بے اصل ناموں اور بے حقیقت کہانیوں سے دل چسپی لینی ہو تو آج بھی کسی دیہات کے جاڑے کی رات میں شریک ہوجایئے، اور چوپال میں بھوت پریت، سایہ، جن، شیطان، پری، دیو، سانپ، چور کے نام اوران کی قسمیں معلوم کرلیجیے۔

پس جس طرح اپنے گردوپیش میں انسانوں نے ہزاروں نام تجویز کرلیے ہیں اور ان کا یاتو سرے سے وجود ہی نہیں ہے، یا اگر ہے تو ان میں مبالغہ کی بھرمار ہے، اسی طرح دین ومذہب کے بارے میں بھی انسانوں نے طرح طرح کی بے بنیاد باتیں گڑھ لی ہیں اور واقعات وحقائق سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے، یہ صورتِ حال آج ہی نہیں برپا ہے، بل کہ پرانے زمانہ سے یہ چیز چل رہی ہے۔

یہاں پر حضرت ہود علیہ السلام اپنی قوم سے فرمارہے ہیں کہ یہ جو تم نے فرضی نام اور فرضی صفات تجویز کرلیے ہیں اور پھر تم ان پر ایمان رکھتے ہو، ان کا واقعہ سے کوئی تعلق نہیں ہے، پھر غضب یہ ہے کہ تم ان ہی بے بنیاد باتوں کو بنیاد بنا کر مجھ سے جھگڑا کر رہے ہو، میں جو بات کہتا ہوں، حقائق کی روشنی میں دلیل کے ساتھ کہتا ہوں، مگر تم لوگ بے دلیل باتوں پر اَڑکر آمادۂ فساد ہو، یہ حرکت چھوڑ دو، ورنہ تباہ ہوجاؤ گے۔

آج بھی لوگ جھوٹی روایات اور خرافات میں لڑتے ہیں اور دین کے حقائق پر نظر نہیں کرتے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

فَاَنْجَيْنٰهُ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَ قَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ مَا

كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۲﴾

اور ہم نے کاٹ دی نسل ان لوگوں کی جنہوں نے ہماری نشانیوں کی تکذیب کی اور وہ ایمان والے نہ تھے۔ (پ ۸ ع ۱۶، سورۂ اعراف: ۷۲)

اللہ تعالیٰ نے زمین بنائی، آسمان بنایا اور دونوں کے درمیان انسان بنایا، تاکہ وہ نہایت ہی امن وچین کی زندگی گزارے اور اپنے پروردگار کا شکرادا کرے، اس دنیا کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اس میں آدم کی اولاد انسانیت کی حدود میں رہ کر اپنے اور اپنے پروردگار کے مابین تعلقات کو استوار و بحال رکھے، پھر جس طرح قدرت انسانوں کو اپنی زمین پر زیادہ سے زیادہ امن اور سکھ دینا چاہتی ہے، بشرطے کہ وہ طغیان وعدوان اور ظلم و شرارت کا رویہ اختیار کرے، اسی طرح قدرت نافرمانوں، سرکشوں اور ظالموں کو زیادہ سے زیادہ عبرت ناک سزا دیتی ہے، تاکہ ظلم وشرارت کا سلسلہ انسانی نسل میں نہ چل سکے اور انسان اپنے پروردگار کے مقابلہ میں زیادہ سے زیادہ جرأت اور دلیری نہ دکھائے۔

چنان چہ جب بھی کوئی قوم انسانیت کے حدود کی پامالی کرتی ہے اور خدا کے خلاف طوفان برپا کرتی ہے، تو اسے قدرت فنا کے گھاٹ اتار دیتی ہے اور اس کی جڑ بنیاد کھود کر پھینک دیتی ہے۔

آج تم دیکھتے ہو کہ انسان ظلم وستم میں کس قدر آگے ہے اور اس کی تباہی و بربادی کس تیزی سے ہو رہی ہے، یہ جو کچھ تمہارے سامنے برپا ہو رہا ہے، سب انسانی عمل کا پھل ہے۔

جب کسی قوم یا بستی میں ظلم وفساد کی وبا عام ہو جاتی ہے، تو اس پر خدا کی مار پڑتی ہے، اور عبرت ناک سرکوبی ہوتی ہے، جن لوگوں میں وقتی شرارت اور ہنگامی گمراہی آ جاتی ہے، ان کے ساتھ یہ معاملہ نہیں کیا جاتا، البتہ جن کی فطرت ہی ظلم وفساد بن جاتی ہے اور ان

سے کوئی اچھی امید باقی نہیں رہ جاتی، ان کو ختم کر دیا جاتا ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

فَاَنْجَیْنٰهُ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِیْنَ ﴿۷۲﴾

پس ہم نے ہودؑ کو اور ان کے ساتھیوں کو اپنی رحمت سے نجات دی اور ہم نے ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی، جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے تھے اور ایمان لانے والے نہیں تھے۔

(پ ۸ ع ۱۶، سورۂ اعراف: ۷۲)

انداز و تبشیر کا یہ سلسلہ ہمیشہ سے جاری ہے اور سنت اللہ ہمیشہ سے انسانوں کی خیر خواہی فرماتی ہوئی انبیاء و رسل علیہم السلام کو مبعوث فرماتی ہے، کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ زمین فتنہ و فساد سے بھر جائے اور خدا کا کوئی فرستادہ اصلاح حال کے لیے نہ آئے، آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک بے شمار انبیاء انسانی ہدایت کے لیے تشریف لائے اور سب نے انسان کی خیر خواہی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی راہ دکھائی، مگر انسانی گروہ نے اپنی فلاح و نجاح کی راہ قبول کرنے میں ہمیشہ پس و پیش کیا، اور کچھ لوگ راہ راست پر آئے اور کچھ لوگ اپنی گمراہی پر جمے رہے، جو لوگ رشد و ہدایت کی راہ پر آئے، اللہ تعالیٰ نے ان کو ہر طرح کا اطمینان دیا اور دنیا و آخرت میں ان کے لیے بھلائی ثابت ہوئی اور جن لوگوں نے گمراہی کو پسند کیا اور اللہ کی راہ نہیں قبول کی، ان سے زمین کو صاف کیا گیا اور بدی کے ان جرثوموں سے انسانی فضا کو پاک رکھا گیا۔

آج بھی بدکاری کی تباہی و بربادی طرح طرح سے اجاگر ہو رہی ہے اور زمین گنہگاروں سے پاک ہو رہی ہے۔

یہ جو تم روزانہ دیکھتے ہو کہ طوفان آتے ہیں، زلزلوں سے تباہ کاریاں پیدا ہوتی ہیں، جنگوں کی ہولناکیاں ابھرتی ہیں، معاشی اور اقتصادی بحران کے بھیانک مناظر سامنے آتے ہیں اور معاشی و معیشت کی دست وگریبانیاں رونما ہوتی ہیں، یہ سب بدکاروں کی سرکوبیاں ہیں، جو مختلف رنگ میں نمایاں ہوتی ہیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ اِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ

اور ہم نے قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو رسول بنا کر بھیجا، انہوں نے کہا اے میری قوم! تم لوگ اللہ کی عبادت کرو، تمہارے لیے اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔

(پ۸ ع۱۷، سورۂ اعراف: ۷۳)

قوم ثمود نہایت ہی خوش خور، خوش پوش اور خوش حال قوم تھی، ان کے مکانات کھلے صحرا میں پہاڑوں میں تھے، جس کی وجہ سے ان کی جسمانی صحت وتندرستی بہت ہی اچھی تھی، کھلے صحرا کی ہوا اور محفوظ پہاڑی بستی ان کا ماحول تھا، نہ بیماری کا خطرہ تھا، نہ دشمنوں سے خوف، رات دن بڑے چین وسکون سے گزر بسر ہوتی تھی، کھانے پینے کی طرف سے بے فکری تھی، مگر عیش وعشرت کی ہی زندگی نے قوم ثمود کو سرکش بنایا اور وہ کھا پی کر اللہ تعالیٰ کو بھول گئے۔

صرف یہ نہیں ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو بھول گئے، بل کہ بتوں کی پوجا کرنے لگے اور شرک وکفر کی دلدل میں پھنس کر اپنی روح کو طرح طرح کے روگ میں مبتلا کر دیا، تو اس قوم کی ہدایت کے لیے ان ہی میں سے حضرت صالح علیہ السلام پیدا کیے گئے، تا کہ وہ لوگ غلط

روی سے باز آجائیں اور رشد وہدایت کی راہ پر چلنے لگیں، حضرت صالح علیہ السلام نے سب سے پہلے اپنی قوم کو خطاب کرتے وقت توحید وخدا پرستی کی دعوت دی، اور فرمایا کہ سب سے پہلے تم لوگ اپنے دلوں سے بیماری کی جڑ کو کاٹ دو، اور شرک سے باز آجاؤ۔

واقعہ یہ ہے کہ شرک ایسی منحوس بیماری ہے، جس کے پیدا ہوجانے کے بعد بڑی عقل مند، بڑی باشعور، بڑی تنومند اور بڑی طاقت ور قوم طرح طرح کے اخلاقی، روحانی اور باطنی امراض میں مبتلا ہوکر ذلیل موت مر جاتی ہے اور اس کا سارا کا سارا جاہ وجلال دھرا کا دھرا رہ جاتا ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَاذْكُرُوْۤا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّ بَوَّاَكُمْ فِی الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّ تَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُیُوْتًا ۚ فَاذْكُرُوْۤا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَ لَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ﴿۷۴﴾

(حضرت صالح نے قوم ثمود سے کہا کہ) اور یاد کرو، جب کہ اللہ نے تم کو قوم عاد کے بعد نائب بنایا اور انھیں میں تم کو جگہ دی، تم لوگ نرم زمین سے محلات بناتے ہو اور پہاڑوں کو تراش کر مکانات بناتے ہو، اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو اور زمین میں مفسد بن کر مت پھرو۔

(پ ۸ ع ۱۷، سورۂ اعراف: ۷۴)

انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات نہایت صاف، سیدھی اور بے لگی لپٹی ہوتی ہے، ان میں ایچ پیچ نہیں ہوتا، اور نہ ہی کوئی ایسی بات ہوتی ہے، جو کسی طرح انسان کے لیے غیر مفید ہو، یا کسی طرح سمجھ میں نہ آسکے، لیکن چوں کہ یہی باتیں جب عمل میں آتی ہیں، تو ان کے نیک نتائج سے دنیا میں خوش حالی آتی ہے، انسانوں کو چین نصیب ہوتا ہے اور ہر آدمی اپنے

حقوق کو پالیتا ہے، اس لیے کچھ ہوا خواہوں، عیش پرستوں، شہوت رانوں اور عزت و وقار کے بھوکوں کو صاف ستھری باتوں سے تکلیف ہوتی ہے اور وہ بڑھ کر ان باتوں کی مخالفت پر اتر آتے ہیں، اور سلیم الطبع، شریف اور معاملہ فہم لوگوں کو ان تعلیمات سے استفادہ کرنے کی راہ میں رکاوٹ پیدا کرتے ہیں۔

دیکھو کہ حضرت صالح علیہ السلام نے قوم ثمود کے سامنے جس قدر کھلی کھلی باتیں رکھیں، ان کے عیش و عشرت اور آرام و سکون کو ان کے سامنے رکھ کر صرف اتنا کہا کہ تم لوگ امن و سکون سے زندگی بسر کرنے کی وجہ سے اللہ کی زمین میں بدامنی اور فساد مت پھیلاؤ اور خدا کے بندوں کو امن و سکون اور عزت و آبرو سے جینے دو، مگر اس بات کا صاف جواب قوم ثمود نے اباء و انکار کی صورت میں دے کر اپنی ازلی بدبختی کو مول لیا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ اسْتَکْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قَالُوْۤا اِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۷۵﴾ قَالَ الَّذِیْنَ اسْتَکْبَرُوْۤا اِنَّا بِالَّذِیْۤ اٰمَنْتُمْ بِهٖ کٰفِرُوْنَ ﴿۷۶﴾

حضرت صالح علیہ السلام کی قوم میں سے جنہوں نے اپنی بڑائی ظاہر کی، انہوں نے اپنی جماعت کے کمزور مومنوں سے کہا کہ کیا تم لوگوں کو علم ہے کہ صالح اپنے رب کی طرف سے رسول بن کر آئے ہیں، تو ان مومنوں نے جواب دیا کہ ہم تو ان کی رسالت پر ایمان لائے، اور ان متکبروں نے کہا کہ تم لوگ جس چیز پر ایمان لائے ہو، ہم اس کے منکر ہیں۔

(پ ۸ ع ۱۷، سورۂ اعراف: ۷۵، ۷۶)

حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم ثمود کے سامنے چند حقائق کو پیش کر کے ابھی

اتنا ہی فرمایا تھا کہ تم لوگ خدا کا شکرادا کرو اور اس کی زمین میں فتنہ وفساد اور دنگا مت مچاؤ، ورنہ نرم زمینوں کے یہ قصور ومحلات اور پہاڑوں کے یہ سنگین مکانات تمہاری حفاظت نہ کر سکیں گے اور تم اپنے کو محفوظ پاتے ہوئے بھی غیر محفوظ رہو گے اور خدا کی گرفت تم کو مہلت نہ دے گی، تو انہوں نے اس سیدھی بات کا جواب نہایت متکبرانہ لہجے میں دیا اور اپنی قوم کے ان غریبوں، مسکینوں اور کمزوروں کو ستانا شروع کیا، جو حضرت صالح علیہ السلام پر ایمان لا چکے تھے اور ان کی دعوت حق پر لبیک کہہ چکے تھے، کفار نے ان مومنوں سے حجت کی اور کہا کہ تم لوگ صالح علیہ السلام کو رسول برحق گردانتے ہو، جب انہوں نے ہاں میں جواب دیا تو وہ کہنے لگے کہ ہم لوگ تو ان کو رسول نہیں تسلیم کرتے، تم ہر کام میں ہمارے پیچھے چلتے ہو اور ہمارے قدم بہ قدم رہتے ہو، پھر اس معاملہ میں تم کیوں ہم سے اختلاف کر رہے ہو، اور ہماری رائے کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنی الگ راہ اختیار کرتے ہو، اگر کوئی بات ہوئی تو ہم تمہارا ساتھ نہ دیں گے اور تم اکیلے رہ جاؤ گے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قَالُوْۤا اِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝ قَالَ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْۤا اِنَّا بِالَّذِیْۤ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝

حضرت صالح علیہ السلام کی قوم میں سے جنہوں نے اپنی بڑائی ظاہر کی، انہوں نے اپنی جماعت کے کمزور مومنوں سے کہا کہ کیا تم لوگوں کو علم ہے کہ صالح اپنے رب کی طرف سے رسول بن کر آئے ہیں، تو ان مومنوں نے جواب دیا کہ ہم تو ان کی رسالت پر ایمان لائے، اور ان متکبروں نے کہا کہ تم لوگ جس چیز پر ایمان لائے ہو، ہم اس کے منکر ہیں۔

(پ ۸ ع ۱۷، سورۂ اعراف: ۷۵، ۷۶)

حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم ثمود کے سامنے چند حقائق کو پیش کر کے فرمایا تھا کہ تم لوگ خدا کا شکر ادا کرو اور اس کی زمین میں فتنہ وفساد اور دنگا مت مچاؤ، ورنہ نرم زمینوں کے یہ قصور و محلات اور پہاڑوں کے یہ سنگین مکانات تمہاری حفاظت نہ کر سکیں گے اور تم اپنے کو محفوظ پاتے ہوئے بھی غیر محفوظ رہو گے، اور خدا کی گرفت تم کو مہلت نہ دے گی، تو انہوں نے اس سیدھی بات کا جواب نہایت متکبرانہ لہجے میں دیا اور اپنی قوم کے ان غریبوں، مسکینوں اور کمزوروں کو ستانا شروع کیا، جو حضرت صالح علیہ السلام پر ایمان لا چکے تھے اور ان کی دعوت حق پر لبیک کہہ چکے تھے، کفار نے ان مومنوں سے حجت کی اور کہا کہ تم لوگ صالح کو رسول برحق گردانتے ہو، جب انہوں نے ہاں میں جواب دیا، تو کہنے لگے کہ ہم لوگ تو ان کو رسول تسلیم نہیں کرتے، تم ہر کام میں ہمارے پیچھے چلتے ہو اور ہمارے قدم بہ قدم رہتے ہو، پھر اس معاملے میں تم کیوں ہم سے اختلاف کر رہے ہو، اور ہماری رائے کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنی الگ راہ اختیار کرتے ہو، اگر کوئی بات ہوئی تو ہم تمہارا ساتھ نہ دیں گے اور تم اکیلے رہ جاؤ گے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٧٧﴾ فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿٧٨﴾

پس انہوں نے اونٹنی کو مار ڈالا اور اپنے پروردگار کے حکم سے نافرمانی کی اور بولے کہ اے صالح! جس کی آپ ہم کو دھمکی دیتے ہیں، اس کو منگوائیے، اگر آپ پیغمبر ہیں، پس پکڑ لیا ان کو زلزلہ نے، پس وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔

(پ ۸ ع ۱۷، سورۂ اعراف: ۷۷، ۷۸)

دنیا میں سب سے بڑی ناعاقبت اندیشی انسان کی یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کی تحقیر وتوہین کا مظاہرہ کرے، اور نڈری اور بے خوفی کی وجہ سے اس درجہ جری ہو جائے کہ خدا کے وعدہ اور وعید کے ساتھ کھیلنے لگے، حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کو سمجھایا اور بتایا کہ اللہ کی توحید اور میری رسالت کا اقرار کرو، مگر قوم نے شرارت وعدوان کی راہ نہ چھوڑی اور وہ لوگ اباء وانکار کا شغل کرتے رہے، آخر صالح علیہ السلام نے دعا کی تو ایک اونٹنی ظاہر ہوئی جو قوم صالح کے لیے ابتلاء وآزمائش کا سب سے بڑا ذریعہ تھی اور اسی کے ساتھ احسان و سلوک یا بدسلوکی کرنے پر ان کی تباہی و بربادی موقوف تھی، جو لوگ شریر ہوتے ہیں، وہ کسی وقت شرارت سے باز نہیں آتے اور ہر موقع پر اپنی باطنی خباثت کو ظاہری بدعملی کے لیے استعمال کرتے ہیں۔

چنان چہ سب کچھ کہنے سننے اور سمجھانے بجھانے کے باوجود قوم صالح نے اس اونٹنی کو مار ڈالا اور عذاب خداوندی کے آنے کی راہ خود بخود صاف کر لی، اور اسی پر بس نہیں کیا، بل کہ جرأت و بے باکی کی وجہ سے کہنے لگے کہ اے صالح! کہاں ہے تمہارا عذاب، ہم نے اونٹنی ذبح کر دی، اگر خداوندی عذاب آنے والا ہے تو وہ آئے ذرا ہم بھی دیکھیں کہ عذاب کیسا ہوتا ہے، جب ان کا یہ حال ہوا تو عذابِ خداوندی بے حجاب آیا اور خدا کے منکر اس طرح منہ کے بل تباہ ہو گئے کہ ان کا پتہ نہ چلا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

فَتَوَلّٰی عَنۡهُمۡ وَ قَالَ یٰقَوۡمِ لَقَدۡ اَبۡلَغۡتُکُمۡ رِسَالَةَ رَبِّیۡ وَ نَصَحۡتُ لَکُمۡ وَ لٰکِنۡ لَّا تُحِبُّوۡنَ النّٰصِحِیۡنَ ﴿۷۹﴾

پس حضرت صالح علیہ السلام ان سے منہ موڑ کر چلے اور فرمانے لگے کہ اے میری

قوم! میں نے تم کو اپنے پروردگار کا حکم پہونچا دیا اور تمہاری خیر خواہی کر دی، لیکن تم لوگ خیر خواہوں کو پسند ہی نہیں کرتے تھے۔ (پ ۸ ع ۱۷، سورۂ اعراف: ۷۹)

جب قومِ صالح عذاب خداوندی میں گرفتار ہو کر تباہ و برباد ہونے لگی اور اپنے کیے کی سزا اسے ملنے لگی، تو خیر خواہی کرنے والے کے لیے خیر خواہی و بہی خواہی کا کوئی موقع نہیں رہا اور اس قوم کی بھلائی کے خواہاں حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے منہ موڑ لیا اور چلتے چلاتے کہتے گئے کہ اے لوگو! اب تم جانو اور تمہارا کام جانے، میں نے بڑی کوشش کی کہ تم اپنی روش بدل ڈالو اور انسانیت و شرافت کی راہ اختیار کر کے اپنے اوپر رحم کرو، مگر تم نے ایک نہ سنی اور اپنی ہی کرتے رہے، اب تم پر رحم کھانے کا کوئی موقع باقی نہیں رہا۔

انسان یوں تو بڑا دور اندیش بنتا ہے، مگر اس کی عقل عام طور سے ایسے موقعوں میں ماری جاتی ہے، جن میں اس کی خیر خواہی کرنے والے فکر و غم میں گھلے جاتے ہیں اور انسان اس کی نافرمانی کر کے اسے اپنا سب سے بڑا بدخواہ گردانتا ہے، اور اپنے ناصحوں اور خیر خواہوں کی دشمنی کر کے اپنی ذات سے دشمنی کرتا ہے، آج بھی کتنے لوگ ہیں، جو دینی معلموں اور خیر خواہوں کو اپنا دشمن جانتے ہیں اور دشمن جیسا ان کے ساتھ برتاؤ کرتے ہیں، ایسے ناعاقبت اندیش اپنے وجود کے لیے وبال ہیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ اِلٰی مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًاؕ

اور مدین کی طرف ہم نے ان کے بھائی شعیب کو بھیجا۔

(پ ۸ ع ۱۸، سورۂ اعراف: ۸۵)

حضرت شعیب علیہ السلام اللہ کے برگزیدہ نبی ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو جس قوم میں

رشد و ہدایت کے لیے بھیجا تھا، ان میں شرک و کفر کے بعد سب سے کھلی ہوئی اور عام برائی یہ تھی کہ وہ ناپ تول میں کمی کرتے تھے اور لوگوں کو پوری قیمت لے کر سودا کم دیتے تھے، اس بنیادی خرابی کی وجہ سے پورے علاقہ اور سماج میں فساد، بے اطمینانی، نایابی اور پریشانی تھی، ضروریات زندگی اور روزمرہ کی چیزیں لوگوں کو آسانی سے نصیب نہیں ہوتی تھیں اور ہر جگہ ہر چیز کی نایابی اور کمی پائی جارہی تھی، اس صورت حال کو ختم کرنے کے لیے حضرت شعیبؑ نے آواز بلند کی اور اپنی قوم سے برملا کہا کہ اے لوگو! تم صرف اللہ کی عبادت کرو اور باٹ اور ترازو میں کمی نہ کرو اور نہ ہی لوگوں کو چیزیں کم دو، مگر جب قوم نے اس کمینہ پن اور گراوٹ کو نہیں چھوڑا، تو عذابِ خداوندی نے ان پر خدا کی زمین تنگ کردی اور وہ تباہ و برباد ہوگئے۔

بازار کے نظام میں الجھن پیدا کرنا اور انسانوں کی عام ضروریات میں رخنہ ڈالنا خدائے رزاق و رحیم کو سخت ناپسند ہے، اور ایسا کرنے والے کبھی آرام سے نہیں رہنے پاتے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ لَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ

اور تم لوگ ہر راہ میں نہ بیٹھو، دھمکاتے ڈراتے ہوئے، اور اس شخص کو اللہ کی راہ سے روکتے ہوئے، جو اس پر ایمان لا چکا ہے، اور نہ بیٹھو اس میں عیب ڈھونڈتے ہوئے۔

(پ ۸ ع ۱۸، سورۂ اعراف: ۸۶)

بد عقیدگی اور بد عملی کی زندگی گزارنا بجائے خود ایک منحوس ترین المیہ ہے، اور وہ قوم یا شخص سخت نقصان میں ہے، جو بد عقیدگی اور بد عملی کی زندگی بسر کرے، پھر اس سے زیادہ خطرناک صورتِ حال یہ ہے کہ خود گمراہ ہو کر دوسروں کو گمراہی کی دعوت دی جائے، اور عقیدہ

وعمل کی ہر اچھی راہ کو روکنے کے بعد اس پر چلنے والوں کو اپنی طاقت اور اپنے اثر سے ڈرایا دھمکایا جائے۔

جو لوگ نیکی کی راہ پر چل رہے ہیں، انہیں طرح طرح کی سازشوں، قسم قسم کی چالوں اور نوع نوع کی مکاریوں سے بہکایا جائے، ہر وقت نیکی میں عیب جوئی کی جائے، اور اس کی بُرائی کر کے دوسروں کو بہکایا جائے، حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کے لوگوں کا یہی حال تھا اور حضرت شعیبؑ پر صرف ایمان ہی نہیں لائے، بل کہ ان کی راہ میں طرح طرح کے روڑے اٹکائے، مسلمانوں کے خلاف سازشیں کیں، ان کے خلاف محاذ قائم کیے، اور ہر امکانی کوشش سے خدا کی راہ میں رکاوٹ ڈالی، اس ناکردنی کا نتیجہ یہ ہوا کہ قوم مدین پاش پاش کردی گئی، اور اس کی ساری اکڑفوں دھری کی دھری رہ گئی۔

اے لوگو! بدعقیدگی اور بدعملی میں اس قدر آگے نہ بڑھو کہ سچائی کی راہ تمہاری وجہ سے بند ہونے لگے، اگر ایسا کرو گے تو راستہ کے روڑے کی طرح ختم کر دیے جاؤ گے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

# پارہ (۹)

# سورۂ اعراف

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ یٰشُعَیْبُ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْیَتِنَاۤ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِیْ مِلَّتِنَاؕ قَالَ اَوَ لَوْ كُنَّا كٰرِهِیْنَ ۟ۚ

قوم شعیبؑ کے متکبرین کی ایک جماعت نے کہا کہ اے شعیب! تجھ کو اوران لوگوں کو جو تمہارے ساتھ ایمان لائے، ہم ضرور بالضرور اپنی بستی سے نکال باہر کردیں گے، اِلاّ یہ کہ تم لوگ ہماری ملت میں واپس آجاؤ، (حضرت شعیبؑ) نے کہا ہم ناپسند کرنے والے ہوجائیں گے۔ (پ ۹ ع ۲ سورۂ اعراف ۸۸)

حق و باطل کی آویزش آج کی کوئی نئی بات نہیں ہے، انسانی زندگی کے گزشتہ دور میں بھی یہ حالات پیش آچکے ہیں، ایمان و یقین کو کفر و فسق نے ہمیشہ دبانے کی کوشش کی ہے۔

حضرت شعیبؑ کی قوم نے ان کو اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ جو برتاؤ کیا ہے، وہ اس قوم کی ہلاکت کے ساتھ ختم نہیں ہوگیا، بلکہ اس کے باقیات سیئات آج بھی کام کررہے ہیں، باطل پرستوں کا آج بھی وہی دعویٰ ہے، اور اربابِ صلاح کو وہی نازک حالات درپیش ہیں۔

اگر تم کو یقین نہ آئے تو اپنے گردوپیش پر نظر دوڑاؤ، اور دیکھو کہ آج بھی متکبرین، ہٹ دھرموں، اور شرارت پسندوں کی ایک بھیڑ مسلمان قوم سے مطالبہ کرتی ہے کہ تم اور تمہارے تمام ہم قوم اگر عزت وآبرو کی زندگی چاہتے ہو، تو اپنے تصورات وخیالات کو خیرباد کہہ کر ہمارے اندر ضم ہوجاؤ، ہمارا مذہب قبول کرو، ہمارے تہذیب کو اپنالو، اور ہماری وفاداری کا دم بھرو، ورنہ اس ملک میں تمہیں سکون نہیں مل سکتا، ہم تمہیں یہاں سے نکال دیں گے۔

جس طرح قوم شعیبؑ کا ایک طبقہ اس طرح کا مطالبہ کررہا تھا، اسی طرح آج بھی ایک طبقہ بعینہٖ وہی مطالبہ کررہا ہے، پس آج کے ہنگامۂ حق و باطل میں کیا کرنا ہے، یہی سوال

ہے، جسے حل کرنا ہر حق پرست ذی شعور کا کام ہے، اس کا حل مرعوبیت نہیں ہے، بڑھ بڑھ کر اظہار وفاداری نہیں ہے، اور ذلیل زندگی پر قناعت نہیں ہے، بلکہ اتباعِ شعیبؑ اس کا علاج ہے، پیروئ حق اس کا درمان ہے، اور صداقت پر جم جانا اس کا جواب ہے۔

قرآن حکیم نے آج کے حالات کا نقشہ پہلے ہی سے مرتب کر رکھا ہے، اگر مسلمان قوم کے پاس اس کی روشنی ہے تو آج کی راہ آسان ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا ؕ وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ؕ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ؕ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ؕ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ﴿۸۹﴾

(حضرت شعیبؑ نے کفار سے کہا) خدا نے ہمیں تمہاری ملت سے نجات دی ہے، اگر اس کے بعد ہم پھر اس میں لوٹ جائیں، تو ہم اللہ پر جھوٹ کا بہتان باندھیں گے، تمہاری ملت میں ہماری واپسی ہمارے بس میں نہیں ہے، مگر اللہ ہمارا پروردگار ہے، وہ جو چاہے، ہمارے پروردگار کا علم ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے، خدا ہی پر ہمارا توکل ہے، اے ہمارے رب! ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان سچائی کو فتح دے، اور تو بہترین فاتح ہے۔

(پ۹ ع۱ سورۂ اعراف ۸۹)

قوم شعیبؑ کے متکبروں اور بڑائی جتلانے والوں نے تقاضا کیا کہ اگر اپنی خیر چاہتے ہو تو ہمارے افکار و خیالات، اخلاق و اطوار اور تہذیب و تمدن سے وابستہ ہو کر ایمان و یقین کی تمام راہوں کو چھوڑ دو، ورنہ ہم تم کو اور تمہاری جماعت کو اپنی بستی سے نکال کر باہر کر دیں گے۔

حضرت شعیبؑ نے ان کو صاف صاف جواب دیا کہ ایمان کو چھوڑ کر کفر کے دامن

میں پناہ لینے کا مطلب یہ ہے کہ ہم خدا کی بتائی ہوئی تمام حقیقتوں کا انکار کردیں، اور دین ودیانت کے نظام حق کو باطل گردان کر باطل پرستی کو وظیفۂ حیات بنالیں، اور حق پر ثابت قدمی کے جن نتائج کا خدا نے ہم سے وعدہ کیا ہے، انھیں ہم غلط قرار دیں۔

پس خوب یاد رکھو! یہ روگ ہمارے بس کا نہیں ہے، کفر و باطل کی دھمکی سے ہم خوف کھا کر حق کو خیر باد کردیں، ہمارے جسم وروح پر ایمان ویقین کا اس قدر غلبہ ہے کہ ہم ان پر یہ کافرانہ قابو قبول نہیں کر سکتے، ہماری ہر حرکت خدا کی مرضی پر ہوتی ہے، اگر اس کے علم ومشیت میں یہی ہے تو پھر ہمیں کوئی اعتراض نہیں، ہمارا رب تمام حقیقتوں سے آگاہ ہے، ہمارا معاملہ اسی کے حوالہ ہے، وہ جو چاہے، کرے۔

حضرت شعیبؑ نے اسی بے بسی اور کس مپرسی کے عالم میں پروردگار کی جناب میں فریاد کی کہ خدایا! اس معاملہ میں حق وصداقت کو فتح دے، تیرا فیصلہ ہمارے لیے آخری فیصلہ ہے۔

قرآن حکیم کی اس تمثیلی حکایت پر مسلمان غور کریں، اور موجودہ حالت میں اس سے کام لیں، آج قرآن کا یہی نسخہ ہمارے درد کا درماں بن سکتا ہے، اِدھر اُدھر تانکنے جھانکنے کے بجائے ہم صرف قرآن کو دلیل راہ بنائیں، انھیں نتائج کا انتظار کریں، جو حضرت شعیبؑ اور ان کی قوم کے بارے میں ظہور پذیر ہو چکے ہیں۔

وَ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَىٕنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَیْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۹۰﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ﴿۹۱﴾ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا شُعَیْبًا كَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْهَا ۚۛ اَلَّذِیْنَ كَذَّبُوْا شُعَیْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۹۲﴾ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَ قَالَ یٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَ نَصَحْتُ لَكُمْ ۚ فَكَیْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِیْنَ ﴿۹۳﴾

قومِ شعیبؑ کے متکبروں نے کہا کہ اگر تم لوگ شعیب کا اتباع کروگے تو ہر حالت میں یقیناً نقصان میں رہوگے، (ان کی اس حرکت کے نتیجہ میں) زلزلہ نے ان کو پکڑا، اور وہ اپنے گھروں میں برباد ہوگئے، شعیب کی تکذیب کرنے والے گویا اپنے گھروں میں کبھی آباد ہی نہیں تھے، شعیب کی تکذیب کرنے والے خود ہی نقصان میں پڑ گئے، حضرت شعیبؑ یہ کہہ کر اس برباد قوم سے ہٹ گئے کہ اے قوم! میں نے اپنے رب کے پیغاموں کو تمہارے پاس پہونچا دیا، اور تمہاری خیر خواہی کر دی، اب میں کافر قوم پر کیوں افسوس کروں۔

(پ۹ ع۱ سورۂ اعراف: ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳)

قومِ شعیب کی سرکشی کا پارہ اس قدر چڑھ چکا تھا کہ ان کا جنون کسی طرح نہ اترتا تھا، ان کا تقاضا مسلمانوں سے صرف یہی تھا کہ شعیب کی پیروی تمہارے لیے نقصان دہ ہے، اس میں تمہارا قومی نقصان ہے، ملی نقصان ہے، ثقافتی نقصان ہے، اور سب سے بڑھ کر نقصان یہ ہے کہ ہم کسی قیمت پر تم لوگوں کو اپنے ملک اور اپنی بستی میں رہنے نہ دیں گے، حضرت شعیبؑ نے لاکھ سمجھایا، خدا کے احکام پہونچائے، اور نتائج سے اگاہ کیا، مگر جب کسی قوم کا مزاج ٹیڑھا ہوجاتا ہے، تو قدرت کے سیدھا کیے بغیر آسانی سے سیدھا نہیں ہوتا ہے۔

چنان چہ قدرت کا دست انتظام ظاہر ہوا، اور حق و باطل میں حق کی یاری و مددگاری میں قانونِ انتقام نے اپنا رنگ دکھایا، اور کفر و فسق کے تمام منصوبے خاک میں مل گئے، بڑے بڑے دعویٰ کرنے والے اپنے اپنے گھروں میں زلزلہ کی زد سے تباہ ہوگئے، اور ان کی وہ بستی جس سے مسلمانوں کو اپنی بستی سمجھ کر نکال رہے تھے، اس طرح زلزلہ سے تباہ و برباد ہوگئی کہ دیکھنے والوں کو یقین نہیں آتا تھا کہ اس میں کبھی ایسے انسان آباد رہے ہوں گے، جن کو اپنی بستی اور اپنی قوم پر ناز رہا ہوگا۔

ایسا کیوں ہوا؟ اس لیے کہ دنیا میں حق کے مقابلہ میں سرکشی اچھی نہیں ہوتی،

اوراس کا انجام اچھا نہیں ہوتا ہے، حضرت شعیبؑ نے بھی ان کی بے جان لاشوں اور جاندار لاشوں کو سنا دیا کہ تمہاری اس بربادی کا مجھے کوئی غم نہیں ہے، کیوں کہ میں نے تم کو راہ دکھائی، مگر تم نے نہیں دیکھی، اپنی تباہی کے ذمہ دار تم ہو۔

آج کے حالات میں مسلمان اگر صاحب ایمان ویقین ہیں، اور پھر اسی کے بدلے ان پر زیادتی ہو رہی ہے، تو ذرا صبر کریں، اور یہ نظارہ دیکھیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّ قَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝۹۵

پھر ہم نے بدحالی کی جگہ خوش حالی لکھ دی، یہاں تک کہ انھوں نے خوب ترقی کی، اور کہنے لگے کہ ہمارے آباء واجداد کو بھی تنگی اور راحت پیش آئی تھی، تو ہم نے ان کو دفعۃً پکڑ لیا، اور ان کو خبر بھی نہ لگی۔ (پ۹ ع ۲ سورۂ اعراف: ۹۵)

انسانی اعمال وکردار کے اثرات جزاوسزا کے رنگ میں ان کی زندگی پر بھی ظاہر ہوتے ہیں، اور آخرت میں اجروثواب یا سزاوعقاب ملنے کے ساتھ ساتھ اس دنیا میں بھی ان کی وجہ سے خوش حالی اور بدحالی آتی ہے۔

مگر بدبخت وشریر انسان خدا کے قانون مجازات کے منکر بن کر اپنی کم عقلی، کم مائیگی کا ثبوت دیتے رہتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ نیکی اور بدی کے اثرات کچھ نہیں ہیں، اور جو کبھی ہم پریشانی میں مبتلا ہو جاتے ہیں، اور کبھی عیش وآرام سے زندگی بسر کرتے ہیں، یہ نیک کام کرنے یا بُرے کام کرنے کی وجہ سے نہیں، بلکہ حالات کی وجہ سے ہیں، اور ایسا ہی ہمیشہ سے ہوتا چلا آیا ہے، ہم جس طرح اچھے اور برے حالات سے دوچار ہوتے ہیں، اسی طرح ہمارے پہلے کے لوگ بھی ان حالات سے دوچار ہوتے تھے۔

اس میں بُرائی کی سزا یا نیکی کی جزا کی کوئی بات نہیں ہے، اور جب یہ ذہن پیدا ہوجاتا ہے، اور جزا و سزا سے ہٹ کر گناہ پر انسان جرأت دکھانے لگتا ہے، تو ایسی حالت میں اللہ تعالیٰ کی گرفت اس طرح ہوتی ہے کہ برے حالات مسلسل چلے آتے ہیں، اور اچھائی کی ہر کوشش برائی کا پیش خیمہ بنتی ہے۔

آج اسی باغی اور شریر ذہنیت کی وجہ سے ہم طرح طرح کی پریشانیوں میں مبتلا ہیں، اور اصلاحِ حال کی ہر کوشش مزید برائی کا ذریعہ بنتی ہے، اور ہمارے سارے پروگرام اور پلان دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں، اور قدرت کا قانون اپنا کام کرتا رہتا ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۹۶﴾

اور اگر بستی کے لوگ ایمان اور تقویٰ اختیار کریں، تو ہم یقیناً ان پر آسمان زمین سے برکتوں کے دروازے کھول دیں، لیکن انھوں نے تکذیب کی، اس لیے ان کی کرتوت کے بدلے، ہم نے ان کو گرفت میں لے لیا۔ (پ۹ ع ۲ سورۂ اعراف:۹۶)

خدا نے نعمتیں پیدا کیں، ان نعمتوں کے وارث انسان پیدا کیے، آنکھیں دیں، تاکہ سیاہ و سفید کو دیکھ سکیں، ہاتھ پیر دیئے، تاکہ چلیں پھریں، اور کام کاج کریں، غرض قدرت نے نعمتیں دیں، ان کے استعمال کے طریقے سکھائے، اور پھر اس سلسلہ میں آسانیاں فراہم کیں، پھر انسانوں کے لیے شہر اور آبادیاں بنا دیں، تہذیب و تمدن کا ان میں رشتہ پیدا کردیا، نسل و کنبہ کا تعلق قائم فرما دیا، اور اجتماعی زندگی کے اسباب مہیا کردیئے۔

قرآن کہتا ہے کہ اگر انسان فطرت سلیمہ کی انھیں حدود میں رہتے ہوئے قدرت کی منشا کا احترام کرتے، قوانین الٰہیہ کو نہ جھٹلاتے، سرکشی کی فضا نہ پیدا کرتے، بغاوت سے ہم

آغوش نہ ہوتے ، بلکہ امن وسلامتی ، میل ومحبت کی خوشگواری کر کے ایمان وتقویٰ کی شاہراہ پر چلتے ،تو زمین وآسمان سے برکتوں کی بارش ہوتی ، انعام واکرام کے دھارے بہتے ، زمین کے اوپر اور آسمان کے نیچے کی بستیاں جنت بنی رہتیں۔

لیکن افسوس کہ انسان کی سرکشی وبغاوت نے کفر وعناد کی راہ اختیار کی ،تکذیب وتحقیر کا مشغلہ جاری کیا، اور خدا کی تمام آیتوں اور نشانیوں کو دیکھ کر ان دیکھی کر دیا، اس کے رسولوں اور نبیوں کی تمام باتوں اور ہدایتوں کو سن کر ان سنی کر دیا۔

اس لیے قدرت نے انسانی بستی کو نتائج کے شکنجے میں کس دیا، عواقب کے غار میں ڈال دیا، اور مجازات کی سزا میں گرفتار کرلیا۔

آج جو کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو، اور اپنے کانوں سے سن رہے ہو، نہ کوئی نیا منظر ہے، اور نہ کوئی نئی آواز ہے، ظالم وکافر بستیوں کے خوف ناک مناظر اب سے بہت پہلے نظر آ چکے ہیں، مجرموں کی چیخ وپکار، اب سے پہلے سنی جا چکی ہے۔

پس خوب یاد رکھو، اور یقین کے دامن میں گرہ دے لو کہ خدا کا یہی نظام آج بھی کام کر رہا ہے، اور اس کی پکار آج بھی یہی ہے کہ اگر دنیا کے باشندے ایمان وتقویٰ کی زندگی اختیار کرلیں، تو پھر انھیں انعام واکرام سے پُر ہوسکتی ہے، قدرت کا یہ اعلان اس بات کا ذمہ دار نہیں ہے کہ انسانوں کو پکڑ پکڑ کر اپنی راہ پر چلائے ، اور ان کے منہ میں خداوندی نعمتوں کے نوالے ٹھوسے، اس کا کام صرف آگاہی ہے، اس میں کمی نہیں کرتا ، بلکہ انبیاء ومرسلوں کے ذریعہ اس کی یقین دہانی کراتا ہے، اور حالات کے ذریعہ ہر زمانہ میں یاد دلاتا رہتا ہے، ماننا اور نہ ماننا ان کا کام ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ لَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَ اتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ

وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۹۶﴾

اور اگر بستی کے لوگ ایمان اور تقویٰ اختیار کریں، تو ضرور ہم ان پر آسمان زمین سے برکتوں کے دروازے کھول دیں، لیکن انھوں نے تکذیب کی، تو ہم نے ان کی کرتوت کی وجہ سے پکڑ لیا۔ (پ۹ ع۲ سورۂ اعراف:۹۶)

یہ جو آج تم ہر طرف بدبختی اور نحوست کی سزا چھا رہی ہے، اور ہر طرف جو تباہی و بربادی کے نظارے برپا ہیں، ان کی بڑی وجہ انسانی زندگی کی بے راہ روی اور خدا پرستی کا فقدان ہے۔

آج سیلاب کی تباہ کاریاں، طوفان کی ویرانیاں، زلزلوں کی بربادیاں، اور طرح طرح کی بیماریوں کی ہلاکت آفرینیاں برسرِعام ہیں، ان کی وجہ یہ ہے کہ انسانوں کے دل خراب ہو چکے ہیں، اللہ پر ایمان وتوکل کے بجائے قدرت سے مقابلہ کا باغیانہ ذہن وعمل کام کر رہا ہے، اور اپنے اسباب ووسائل کو اصل قرار دے کر ان ہی کو سب کچھ سمجھانے لگا ہے، اور مسبب الاسباب کی ذات کو درمیان سے ہٹانے کا کام کر رہا ہے۔

اس بغاوت وشرارت کا نتیجہ یہ ہے کہ آج جو کام بھی عمومی فائدہ کے لیے کیا جاتا ہے، اس سے عمومی نقصان ہوتا ہے، اور ہر بات کا اثر الٹا پڑتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر انسانوں کی آبادیاں ایمان کی زندگی بسر کریں، اور دنیا میں خدا پرستی اختیار کر کے امن وعافیت سے رہیں، تو ہم ان پر زمین وآسمان سے اپنی برکتوں اور رحمتوں کے دروازے کھول دیں، اور ان کو اوپر سے نیچے تک نواز دیں، مگر انسانوں نے ایسا نہیں کیا، اور بُرائی اختیار کی، تو ہم نے ان کو سزا میں مبتلا کر دیا، اور دنیا میں بے برکتی آ گئی، یہ جو سب کچھ تباہی وبربادی نظر آتی ہے، سب انسانوں کی کرتوت کا پھل ہے، اور اسی کا نتیجہ سامنے آ رہا ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ لَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤى اٰمَنُوْا وَ اتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَیْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ وَ لٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ﴿۹۶﴾

اور اگر بستی کے لوگ ایمان اور تقویٰ اختیار کریں، تو ضرور ہم ان پر آسمان و زمین سے برکتیں کھول دیں، لیکن انھوں نے تکذیب کی، پس پکڑ لیا ہم نے ان کو ان کی کمائی کی وجہ سے۔ (پ۹ ع۲ سورۂ اعراف:۹۶)

نیک روی اور انسانیت کی جزا دنیا میں بھی ملتی ہے، اور آخرت میں بھی، البتہ اس دنیا کی جو جزا ملتی ہے، وہ دنیا کے حالات کی بنا پر آخرت کے مقابلہ میں کم اور معمولی ہوتی ہے، اور حقیقی سزا آخرت میں ملے گی، جب کہ وہ واقعی جزا کا مقام ہوگا، اور انسان اس کے لیے بڑا ہی محتاج ہوگا۔

تم جو دنیا میں روزانہ تباہی و بربادی کا سماں دیکھتے ہو، ہر طرف کشت وخون کا نظارہ برپا ہے، ہر طبقہ دوسرے طبقہ کی گردن پر سوار ہے، پیداوار کی کثرت کے باوجود ہر طرف بھوک کا شور ہے، ہر جگہ صحت و مرض میں ہنگامہ برپا ہے، اور ہر بستی کش مکش میں مبتلا ہے، تباہی و بربادی کا یہ سماں کیوں پیدا ہو رہا ہے اور دنیا مصائب وآلام کے غار میں گرتی جا رہی ہے؟

ہر طبقہ، ہر بستی، اور معاشرہ کفر و کفران اور فسق وعصیان سے معمور ہے، ہر جگہ بے خوفی کا دور دورہ ہے، اور ہر شخص اپنی بالا دست طاقت سے نڈر اور بے نیاز بنا ہوا ہے۔

انسانی دنیا کی یہ عام حالت اس قدر مہلک ہے، اسی کے باعث تمام برائیاں عام ہیں، اگر اس کا تجربہ کرنا ہو تو پوری دنیا ایک مرتبہ موجودہ زندگی سے کنارہ کش ہو کر انسانیت اور ایمان داری اور دیانت داری کی زندگی کو اپنا کر دیکھ لے کہ کس طرح نظامِ کائنات اس کے حق میں مفید اور خوش انجام بن جاتا ہے۔

خوب سمجھ لو کہ انسانی حرکتوں اور نیتوں کا اثر انسانی زندگی پر پڑتا ہے، اور نیکی کا اثر

نیک ہوتا ہے اور بُرائی کا اثر بُرا ہوتا ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ لَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤى اٰمَنُوْا وَ اتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَیْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ وَ لٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ﴿۹۶﴾

اور اگر بستیوں کے رہنے والے ایمان لے آتے، اور پرہیزگار بن جاتے تو ہم ان پر آسمان و زمین سے برکتیں کھول دیتے، لیکن انھوں نے پیغمبروں کی تکذیب کی، تو ہم نے ان کے اعمال کی وجہ سے ان کو پکڑ لیا۔ (پ۹ ع۲ سورۂ اعراف:۹۶)

اللہ تعالیٰ انسانوں کو تباہ و برباد کرنا پسند نہیں کرتا، اور ان کو زیادہ سے زیادہ پھلتا پھولتا دیکھنا پسند فرماتا ہے، اور انھیں اپنی برکتیں اور نوازشوں سے مالا مال کرنے کی تدبیریں کرتا ہے، مگر اسے کیا کیا جائے کہ انسان خود طغیان وعصیان کی وجہ سے اپنے کو محروم کرتا رہتا ہے، اور انعامِ خداوندی کی صلاحیت کو کھو کر اس کے غضب کا مستحق بنتا رہتا ہے۔

اسی کو فرمایا جا رہا ہے کہ اگر انسان اچھی راہ پر چلتے، ایمان لاتے، اور اللہ تعالیٰ کے ڈر سے تقویٰ اور پرہیزگاری کی زندگی بسر کرتے، تو ان کے لیے زمین و آسمان کی برکتوں کے دروازے کھل جاتے، اور وہ بڑے سکون واطمینان سے اپنے گھر معمولی محنت سے عیش کی زندگی بسر کرتے، اور دنیا امن وامان کا گہوارہ بنی رہتی۔

انسانوں نے اللہ کے احکام و اوامر کی پرواہ نہیں کی، اور اللہ کے فرستادوں کو بلا سوچے سمجھے غلط قرار دیا، اور ان کی مخالفت کو اپنی زندگی کا نصب العین قرار دیا۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خیر و برکت کی ایک ایک راہ بند ہوگئی، اور انسان تباہی و بربادی کی زندگی میں پھنس گیا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ لَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤى اٰمَنُوْا وَ اتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَیْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ وَ لٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ﴿۹۶﴾

اور اگر بستیوں کے لوگ ایمان اور تقویٰ اختیار کریں، تو ضرور ہم کھول دیں گے ان پر زمین اور آسمان سے برکتیں، مگر انھوں نے تکذیب کی، تو ہم نے ان کو ان کی کرتوت کی وجہ سے پکڑ لیا۔ (پ۹ ع۲ سورۂ اعراف:۹۶)

ایمان وتقویٰ کی زندگی بڑی ہی پاکیزہ اور صاف ستھری زندگی ہوتی ہے، امن وامان اور سکون واطمینان کی برکتیں ہوتی ہیں، قدرت کی بخشی ہوئی آسانیاں ہوتی ہیں، انسان بے فکری اور امن سے اچھی زندگی بسر کرتا ہے، اس کے مقابلہ میں کفر وطغیان اور شرارت وعدوان کی زندگی میں بے اطمینانی، لاقانونیت اور انتشار و پراگندگی کا عام رواج ہوتا ہے، عوام وخواص سب ہی غیر مطمئن ہوتے ہیں۔

بظاہر زندگی کے تمام سامان موجود رہتے ہیں، مگر حرص وتمنا کی جنگ نایابی اور کم یابی کا عالم برپا کیے رہتی ہے، اور سب کچھ ہونے ملنے کے باوجود آسودگی، خوش حالی، سیر چشمی، اور بے نیازی کا نام ونشان کہیں نہیں ہوتا۔

اور ایمان اور خدا پرستی سے دور زندگی کا عالم آج دنیا کے اکثر حصوں میں برپا ہے، اور انسان سب کچھ پانے کے باوجود اپنے کو محروم ہی خیال کر رہا ہے، حالاں کہ اللہ تعالیٰ کا قانونِ قدرت ہے کہ جب بستیوں اور آبادیوں کے لوگ اخلاق وانسانیت، دین ودیانت، خدا پرستی و وحدانیت کی زندگی بسر کر کے امن وامان کی زندگی آباد کرتے ہیں، اور اپنے اندر قدرت کے فیضان واحسان کی استعداد وصلاحیت پیدا کرتے ہیں، تو ان پر زمین وآسمان کی برکتوں کے دروازے کھل جاتے ہیں، اور وہ دینی اور اسلامی زندگی میں امن وراحت اور لطف وعشرت کی نہایت پروقار پُرسکون زندگی بسر کرتے ہیں۔

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے اسی حقیقت کو یہاں واضح فرمایا ہے، اور بتایا کہ جب انسانی آبادیوں میں ایمان و دیانت کی روح پیدا ہوتی ہے، تو رحمت خداوندی کے دروازے کھل جاتے ہیں، اور کفر وکفران اور شرارت کی وجہ سے بستیوں اور آبادیوں پر محرومیت و بدنصیبی چھا جاتی ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ لَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَ اتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ وَ لٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝٩٦

اور اگر بستیوں کے لوگ ایمان اور تقویٰ کی زندگی اختیار کرتے، تو ہم ضرور کھول دیتے، ان کے اوپر زمین اور آسمان سے برکتیں، مگر انھوں نے جھٹلایا، پس ہم نے پکڑا ان کی کمائی کی وجہ سے۔ (پ ۹ ع ۲ سورۂ اعراف: ۹۶)

آج دنیا کی بستیوں میں قیامت برپا ہے، زلزلہ، قحط، سیلاب، خشک سالی، فاقہ، زمین سے عذاب آرہا ہے، آسمان سے عذاب اتر رہا ہے، فضا میں عذاب پھیلا ہوا ہے، انسان کو نہ گھر میں چین، نہ جنگل میں آرام، نہ ریل میں اطمینان، نہ ہوائی جہاز میں امن، آخر یہ کیا ہے؟

قرآن یہ کہتا ہے:

یہ انسانی کسب کا نتیجہ ہے، انسان کی بدکرداری، بدنیتی، بدچلنی، بددینی کا وبال ہے، اگر انسان ایمان و دیانت کی راہ پر چلتے، خدا سے ڈرتے تو آسمان وزمین کی برکتیں، ان کے لیے کھل جاتیں، وہ دیکھتے کہ خدا کی لمبی چوڑی زمین پر کس بے فکری سے آدمی زندگی بسر کرتے ہیں، خدا نے امن و اطمینان کا موقع دیا، تو انسان نے کفر و فسق کی گرم بازاری کی، خدا نے کھانے پینے میں آسودگی دی، تو انسان نے کفرانِ نعمت کیا۔

خدا نے ساری دنیا کو ایک کنبہ بنا دیا، تو شیر چیتے بھیڑیئے بن گئے، پس برکاتِ خداوندی کی بارشیں رک گئیں، رحمتوں کی روئیدگی بند ہوگئی، فیضان واحسان کا نزول ختم ہوگیا۔

اب سزائیں ہیں، اور انسانی بلائیں، اور ابنائے آدم! ہلاکت آفرینیاں ہیں، خدا کی اشرف ترین مخلوق ہیں، آج بھی قرآن کا اعلان ہے کہ اگر بستیوں کے لوگ ایمان وتقویٰ کی زندگی اختیار کریں تو ہم برکات کے دھارے زمین وآسمان سے بہا دیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ ﴿۹۷﴾ اَوَ اَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿۹۸﴾

کیا بستی والے بے خوف ہوگئے کہ ان کے پاس ہمارا عذاب رات کو آجائے، جب کہ وہ سوئے ہوئے ہوں، یا بے خوف ہوگئے، بستی والے کہ ان کے پاس ہمارا عذاب دن چڑھے آجائے، جب کہ وہ کھیل کود میں ہوں۔ (پ ۹ ع ۲ سورۂ اعراف: ۹۷،۹۸)

کھاتی پیتی بستیاں جب شرارت وعدوان کا رنگ اختیار کر لیتی ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے فضل واحسان اور انعام واکرام کے نتیجہ میں ان کے اندر غرور ونخوت کا مادہ پیدا ہوجاتا ہے، تو پھر اللہ تعالیٰ کے حلم وضبط کو غیرت آتی ہے، اور معاملہ برعکس ہوجاتا ہے، اور عالم یہ ہوتا ہے کہ عیش وعشرت میں زندگی گزارنے والے دانے دانے کے محتاج ہوجاتے ہیں، امن وامان کی دنیا خوف وہراس سے بھر جاتی ہے، ہواؤں اور بادلوں سے زندگی کی نمود کی کیفیت ختم ہوجاتی ہے، اور ہوا کا ہر جھوکا اور بادل کا ہر ٹکڑا بجائے رزق ومعیشت کے تنگی لاتا ہے، اور آگے چل کر عالم یہ ہوتا ہے کہ کھاتے پیتے شہر بلا کسی شان وگمان کے اچانک کسی وقت بھی تباہ وبرباد ہوجاتے ہیں، اور اس طرح مٹ جاتے ہیں کہ نہ کوئی ایک گھونٹ پانی دینے والا ہوتا ہے، اور نہ کوئی رونے والا ہوتا ہے، حتیٰ کہ زمین وآسمان کے مابین کوئی چیز مرنے والوں پر

آنسو نہیں بہاتی۔

آج کے کھاتے پیتے نڈر لوگ ڈریں کہ کہیں ان کے ساتھ بھی قدرت کا یہی معاملہ نہ ہو جائے کہ ان کی شرارت بہت آگے جا چکی ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اَوَ اَمِنَ اَهۡلُ الۡقُرٰٓى اَنۡ يَّاۡتِيَهُمۡ بَاۡسُنَا ضُحًى وَّهُمۡ يَلۡعَبُوۡنَ ﴿۹۸﴾ اَفَاَمِنُوۡا مَكۡرَ اللّٰهِ‌ ۚ فَلَا يَاۡمَنُ مَكۡرَ اللّٰهِ اِلَّا الۡقَوۡمُ الۡخٰسِرُوۡنَ ﴿۹۹﴾

پس بستیوں کے باشندے اس بات سے بے خوف و خطر ہیں کہ ہمارا عذاب ان کے پاس دن چڑھے آجائے، جس وقت کہ وہ لوگ کھیل کود میں ہوں، کیا یہ لوگ اللہ کی خفیہ تدبیر سے لاپرواہ اور بے خوف ہو گئے؟ اللہ کی خفیہ تدبیر سے ناکام قوم ہی غافل اور لاپرواہ ہوتی ہے۔ (پ ۹ ع ۲ سورۂ اعراف: ۹۸، ۹۹)

اگر کفر و عصیان برپا کرنے کے باوجود انسانی بستیاں غفلت ولا پرواہی کی نیند سو رہی ہیں، اور اس بات کی مطلق پرواہ نہیں کہ ہماری غلط کاری کا نتیجہ خطرناک صورت میں رونما ہونے والا ہے، تو یہ غفلت پھر اس قابل ہو جاتی ہے کہ اسے خدا کا عذاب بیدار کرے، انسانی غفلت و جسارت کی انتہا ہے کہ ضلالت و گمراہی میں سینہ زوری کی روش قائم رہے، اور توبہ و استغفار اور رجوع و انابت کے بجائے انکار و جحود کا معاملہ اور بڑھتا ہی ہے، جب کسی بستی کا یہ حال ہو جاتا ہے تو قدرت کی حجت تمام ہو جاتی ہے اور عذاب الٰہی کے آجانے میں دیر نہیں لگتی، سرکش و ظالم لوگ غفلت شعاری کے عالم میں نہایت ہی بے اطمینانی اور بے خوفی کے ساتھ کام کاج، سودا سلف، کاروبار کھیل کود، ہنسی مذاق، سیر و تفریح، اور عیش و عشرت میں مبتلا رہتے ہیں، اور اسی عیش و عشرت کے خرمن پر قہر الٰہی کی بجلی گر جاتی ہے۔

آج کی باغی دنیا کے کسی گوشہ پر نظر دوڑا کر دیکھ لو کہ کس طرح چلتے پھرتے لوگ دم

کے دم میں طوفان، زلزلوں، اور حادثوں کی نذر ہو کر سمندروں کی تہہ میں اور ملبوں کے نیچے اور خوف ناک مناظر کے اندر گم ہو جاتے ہیں۔

پس سمجھ لو کہ آج کی اقتصادی پریشانیاں، طبقاتی بدحالیاں، قومی تباہیاں، ملکی خرابیاں، اور قومی بُرائیاں ان ناپاک حرکتوں کے نتائج ہیں، جن کا خمیازہ دنیا میں بھگتنا پڑتا ہے، اور جن کے بارے میں سنت اللہ ہمیشہ سے جاری ہے، قوموں کی علی الاعلان برائیوں کے نتیجے میں قدرت نے دنیاوی سزا کے جو خفیہ اسباب بہم پہونچائے ہیں، اور جن کا تجربہ انسانی بستیاں اپنی تاریخ کے روز اول سے کر رہی ہیں، ان سے غافل ہو جاتا ہے، تباہی اور ناکامی کا ذمہ دار یہ المیہ ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّ هُمْ نَآئِمُوْنَ ﴿٩٧﴾ اَوَ اَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّ هُمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿٩٨﴾

پس کیا بستیوں والے بے خوف اور نڈر ہو گئے کہ ان کے یہاں ہماری گرفت رات میں آجائے، اور وہ سوئے ہوئے ہوں، یا بستیوں والے بے خوف اور نڈر ہو گئے کہ ان کے یہاں ہماری گرفت دن چڑھے آجائے، اور کھیل کود میں مصروف ہوں۔

(پ ۹ ع ۲ سورۂ اعراف: ۹۷ و ۹۸)

اللہ تعالیٰ کے عذاب و گرفت سے نڈر ہو کر غفلت اور لاپرواہی کی زندگی ہر وقت شدید ترین خطرات میں رہتی ہے، اور نہیں کہا جا سکتا ہے کہ کب کیا ہو جائے، اور ایسی زندگیوں کی صبح و شام بڑی خطرناک حالت میں رہا کرتی ہے، اور ان کے عیش و عشرت کے لمحات اس ایٹمی گولے کے مانند ہوتے ہیں، جو اپنے وقت پر پھوٹ جاتا ہے، اور ان کے امن و سکون کا گھروندا تباہ و برباد ہو جاتا ہے، ہم روزمرہ دیکھتے ہیں کہ بڑے بڑے شہر اپنی

سنگینی اور آہنی عمارتوں کے ساتھ ایک منٹ سے کم زلزلے میں مٹی کا ڈھیر بن جاتے ہیں، اور شہر کے کھاتے پیتے نڈر باشندے اس ڈھیر میں یوں دب جاتے ہیں کہ ان کے کفن دفن کی نوبت نہیں آنے پاتی۔

اسی طرح گزشتہ زمانہ میں مجرم اور گناہ گار باشندے دن کی روشنی میں کھیلتے کودتے، اور رات کی تاریکی میں سوتے دم کے دم میں خدا کی گرفت میں آ گئے، اور ان کو سانس لینے کی فرصت نہ مل سکی، قرآن حکیم اس بدترین وقت سے ہمیں ڈراتا ہے کہ تم بھی خدا کی گرفت سے نڈر ہو کر اور جرائم پیشہ زندگی مت بسر کرو، ورنہ سنتِ خداوندی کی زد سے نہیں بچ سکو گے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اَوَ لَمۡ یَهۡدِ لِلَّذِیۡنَ یَرِثُوۡنَ الۡاَرۡضَ مِنۡۢ بَعۡدِ اَهۡلِهَاۤ اَنۡ لَّوۡ نَشَآءُ اَصَبۡنٰهُمۡ بِذُنُوۡبِهِمۡ ۚ وَ نَطۡبَعُ عَلٰی قُلُوۡبِهِمۡ فَهُمۡ لَا یَسۡمَعُوۡنَ ﴿۱۰۰﴾

جو لوگ زمین کے وارثوں کی بربادی کے بعد اس کے وارث ہوئے ہیں کہ کیا ان کے لیے اس بات میں ہدایت نہیں ہے کہ اگر ہم چاہیں تو انھیں بھی ان کے گناہوں کے بدلہ میں اپنی گرفت میں لے لیں، اور ان کے قلوب کو مہر کر دیں، اور وہ لوگ نہ سن سکیں۔

(پ۹ ع ۳ سورۂ اعراف:۱۰۰)

کسی حصۂ زمین کی سلطنت کا ملنا بہت ہی بڑی ذمہ داری کی بات ہے، اگر اس میں ذرا بھی غفلت ہوئی، تو پھر حکومت و سلطنت کی کشتی انقلاب و ادبار کے سمندر کی تہ میں ملک و قوم کو لے کر بیٹھ جاتی ہے، حکومتوں کا انقلاب سلطنتوں کا ردوبدل، بادشاہوں کا الٹ پھیر اور ذہنی اقتدار کا اِدھر اُدھر ہونا، اپنے اندر عبرت اندوزی اور سبق آموزی کے بے شمار ابواب رکھتا ہے، کام یاب ہے، وہ حکمراں طبقہ جو برسر اقتدار آنے کے بعد اپنے پیش رو طبقہ کی تباہی بربادی اور اس کے اسباب و دواعی سے ڈرتا ہے، اور ناکام ہے، وہ جماعت جسے کسی

حکمراں طاقت کو ختم کر کے ملک کی زمام دی گئی، مگر اپنے غرور ونشہ میں عواقب ونتائج کی تمام فتح مندیوں، اور ساری زبوں حالیوں سے آنکھ بند کر لی۔

اگر طاقت واقتدار پانے کے بعد کوئی قوم یا جماعت اپنی تمام دماغی صلاحیتوں کو بالائے طاق رکھتی ہے، اور خدا کی زمین پر سرکشی وسیاسی فتنہ وفساد کا تخم بوتی ہے، تو اس سے وہ پھل نکلتے ہیں، جن سے قحط اور گرانی عام ہوتی ہے، اور وہ غذا حاصل ہوتی ہے، جن کو کھا کر لوگ فتنہ فساد کرتے ہیں، اور سرسبزی وشادابی میں قوم سوکھ جاتی ہے، اور اسے خدا کی وہی گرفت آ کر دبوچتی ہے، جس نے اس سے پہلے طبقہ کو ملیا میٹ کر کے اسے وراثت دی تھی، اس تباہی کا عام تماشہ یہ ہوتا ہے کہ عقل وہوش پر تالے لگ جاتے ہیں، دل ودماغ پر مہر کر دی جاتی ہے، اور سمجھ کے تمام راستے بند کر دیئے جاتے ہیں۔

نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ قوم اندھی، بہری، اور گونگی ہو کر نکبت وادبار کے غار میں دھڑام سے گر جاتی ہے، اور اس کی جگہ دوسری قوم آتی ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

فرعون نے کہا کہ تم لوگ قبل اس کے کہ میں اجازت دوں، موسیٰ پر ایمان لائے، یقیناً یہ ایک چال ہے، جسے تم شہر میں چلے، تا کہ تم اس سے باشندوں کو نکال دو، پس عنقریب تم جانو گے۔ (پ۹ ع۴ سورۂ اعراف: ۱۲۳)

یہ اس وقت کی بات ہے، جب فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ کے لیے مصری قلم رَو کے تمام نامی گرامی جادوگروں کو جمع کیا، اس زمانہ میں یوں بھی مصر کامل طلسمات اور جادو میں دنیا بھر سے آگے تھا، پھر وہاں کے شہنشاہِ اعظم فرعون کے حکم سے چیدہ

چیدہ جادوگروں کو بلایا گیا، میدان میں مقابلہ کی ٹھہری، پہلے فرعون کے بلائے جادوگروں نے اپنے اپنے کرتب دکھائے، رسیوں کو سانپ ظاہر کیا۔

ان کے بعد حضرت موسیٰ نے اپنی لاٹھی زمین پر ڈالی، اور وہ سانپ بن کر تمام فرعونی سانپوں کو نگل گئی، اس واقعہ سے جادوگروں کے آنکھ کی پٹی کھل گئی، اور وہ ماہرین فن سمجھ گئے کہ یہ جادو نہیں ہے، بلکہ معجزہ ہے، اور اس کے آگے ہمیں سپر انداز ہو جانا چاہیے، چنان چہ سب کے سب ربِ موسیٰ اور ہارون پر ایمان لائے اور فرعون کی طرف پھر کر بھی نہیں دیکھا۔

اس صورت حال سے فرعون کا وہ بنا بنایا گھروندا بگڑ گیا، اور اس کے رعب وداب کی ساری قلعی کھل گئی، اور وہ بہت گھسیانا اور کہنے لگا کہ میری اجازت کے بغیر تم مسلمان ہو گئے ہو، میں تم کو اس کی سخت سزا دوں گا، مطلب یہ ہے کہ فرعون کو خود مسلمان ہونا نہیں تھا مگر اپنی شان جتانے کے لیے کم از کم اتنا چاہتا تھا کہ وہ مجھ سے اجازت لے کر یہ کام کرتے، اجازت لینے کے بعد وہ اس کی اجازت دیتا، یا نہ دیتا، مگر اس کی یہ خواہش ضرور تھی کہ میری بڑائی کا مظاہرہ کیا جائے۔

گویا اہل اثر واقتدار کے نزدیک ضروری ہے کہ ایمان ودین کا کام بھی اس کی مرضی اور اجازت سے کیا جائے، آج بھی ایسے ہوسناک موجود ہیں، جو اس کے خواہش مند ہیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

فرعون نے کہا کہ تم لوگ میرے اجازت دینے سے پہلے ایمان لائے، یقیناً یہ ایک چال ہے، جسے تم شہر میں چلے ہو، تا کہ تم اس طرح شہر والوں کو نکال دو، عنقریب تم جانو گے۔

(پ ۹ ع ۴ سورۂ اعراف: ۱۲۳)

یہ اس وقت کی بات ہے، جب فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مقابلہ کے لیے ملک کے نامی گرامی جادوگروں کو بلایا، اور انھوں نے اپنے ساحرانہ کرتب دکھائے، پھر حضرت موسیٰؑ نے اپنے عصا کے معجزہ سے ان کے کرتبوں کو ختم کر دیا۔

ان پر یہ بات واضح ہوگئی کہ موسیٰ برحق ہیں، چنان چہ وہ سب نظر بندی، اور قوت ارادی کے ماہر تھے، مگر دل پاک تھا، جب حق نظر آیا تو فوراً اس کے سامنے سپر انداز ہو گئے، اور فرعون کی طاقت و جبروت سے بالکل خائف نہیں ہوئے۔

اس وقت فرعون نے اپنی اس رعایا پر حاکمانہ انداز میں شدت کرنے کی دھمکی دی، اور اس طرح کی بات کی جیسے اس کی اجازت سے ایمان لانا چاہیے تھا، اور یہ سخت غلطی ہوگئی کہ اس دشمن دین وایمان سے مشورہ کیے بغیر ایمان لانے کا کام کیا گیا۔

یہ فرعون کی احمقانہ بات ہے کہ ان سے کہتا ہے کہ میری اجازت سے پہلے تم کیوں ایمان لائے، گویا وہ اس سے اجازت طلب کرتے، تو اپنی بڑائی سمجھ کر اجازت دے دیتا، پھر فرعون نے اپنے مقصد کی بات کہی کہ تم میری حکومت میں بغاوت کرنا کرانا چاہتے ہو، اور لوگوں کو میری غلامی سے نکالنا چاہتے ہو، یہ ہے حکومت کا مزاج جو دین وایمان کے مقابلہ میں ہمیشہ ظاہر ہوتا ہے۔

قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَ مَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ؕ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّ تَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ﴿۱۲۶﴾

فرعون نے کہا کہ میرے تمہیں اجازت دینے سے پہلے ہی تم لوگ موسیٰ پر ایمان

لائے، بے شک یہ ایک چال ہے، جو تم شہر میں چلے تھے، تاکہ تم شہر سے باشندوں کو نکال لے جاؤ، عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا، میں ضرور بالضرور تمہارے ہاتھوں اور تمہارے پیروں کو مخالف انداز سے کاٹ دوں گا، پھر تم سب کو یقیناً سولی دے دوں گا، تب انھوں نے کہا کہ ہم اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں، اور تم ہم سے صرف اس لیے انتقام لے رہے ہو کہ ہم اپنے رب کی نشانیوں پر جب وہ ہمارے پاس آ گئیں، تو ایمان لائے، اے ہمارے رب! ہم کو صبر دے، اور ہمیں مسلمان اٹھالے۔ (پ ۹ ع ۴ سورۂ اعراف: ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶)

یہ اس وقت کی بات ہے، جب فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں مصر کے جادوگروں کو جمع کر کے مقابلہ کرایا تھا، اور حضرت موسیٰؑ تمام جادوگروں پر فتح پا گئے، جادوگر مغلوب ہو جانے کے بعد گھبرا گئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حق پر ہیں، اور ہم جھوٹے ہیں، اس لیے وہ سب کے سب حضرت موسیٰؑ پر ایمان لائے، اور آپ کے متبع ہو گئے۔

فرعون نے جب یہ تماشا دیکھا تو اپنی برہمی کا اظہار کرتے ہوئے ان مسلمانوں کو ڈرانے دھمکانے لگا، اس وقت ان لوگوں نے فرعونی شوکت وطاقت کے سامنے ایمان کی حرارت سے کام لے کر نہایت جرأت مندانہ اقدام کیا، اور نہایت صفائی سے کہہ دیا کہ تم ہمیں یہ جو دھمکی دیتے ہو، اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم اللہ پر ایمان لے آئے، تم اپنی طاقت کا مظاہرہ کرو، ہم ایمان ویقین اور صبر واستقامت کا مظاہرہ کرتے ہیں، پھر دیکھیں کہ کون ہارتا ہے، اور کون جیتتا ہے۔

مسلمانوں کو اسی طرح ایمان ویقین کی قوت کو ساتھ لے کر غرور وطاقت کے مقابلہ میں ڈٹ کر آجانا چاہیے، اور ہر وقت مصلحت اندیشی سے کام نہیں لینا چاہیے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي

الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ ۚ وَ مَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ۭ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّ تَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ﴿۱۲۶﴾

فرعون نے کہا کہ تم لوگ میری اجازت سے پہلے ہی ایمان لے آئے، بے شک یہ ایک فریب ہے، جسے تم نے شہر میں رچا ہے، تاکہ تم شہر سے اس کے باشندوں کو یہاں سے نکال دو، عنقریب تمہیں معلوم ہوگا، یقیناً میں تم لوگوں کے ہاتھ، پیر کاٹ کر رکھ دوں گا، پھر تم سب کو سولی دے دوں گا، یہ سن کر ان لوگوں نے کہا کہ اب ہم اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں، اے فرعون! تم اس لیے ہم سے انتقام لینا چاہتے ہو کہ ہم اپنے رب کی آیتوں اور نشانیوں پر ایمان لائے ہیں، اے ہمارے رب! ہم پر بہادے صبر کو، اور ہمیں مسلمان وفات دے۔

(پ ۹ ع ۴ سورۂ اعراف: ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶)

یہ اس وقت کا مکالمہ اور واقعہ ہے، جب حضرت موسیٰؑ کے مقابلہ میں فرعون نے جادوگروں کو جمع کیا، اور معجزۂ موسوی دیکھ کر سارے جادوگر حضرت موسیٰؑ پر ایمان لائے، اس اندازِ گفتگو اور واقعہ پر غور کرو، بنی اسرائیل کی اقلیت فرعونی شہنشاہیت کے پنجے میں بند ہے، حضرت موسیٰؑ اسے چھڑانے کے لیے ایک نظام لے کر آئے، اور فرعون کو اس نظام کی دعوت دیتے ہیں، شہنشاہیت اور نظامِ حق میں مقابلہ ہوتا ہے۔

ایک طرف حق پرستی کی مجبور و مظلوم تنہائی ہے، اور دوسری شہنشاہوں، فوجوں، اور جادوگروں کا ٹھاٹھ باٹ ہے، مگر اس عالم میں بھی حق کا بول بالا رہا، اور حق پرست روحیں شیطنت کے قالب سے نکل بھاگیں۔

فرعون نے کیا کیا دھمکی نہ دی، ہاتھ پیر کاٹنے کو کہا، زندہ سولی پر چڑھانے کی سنائی، مگر ابھی بالکل نئے نئے حق میں آنے والے جادوگر کسی کی پرواہ کیے بغیر اپنے رب کی جناب

سے "صبر" کی دولت مانگنے لگے، اور اسلامی موت کی دعا کرنے لگے، ان نومسلموں سے اسلام کی طاقت کا اندازہ ان کے ان جملوں سے بخوبی ہورہا ہے۔

آج ہم قدیمی مسلمان ہیں، اور خاندانی ایمان دار ہیں، مگر مصائب وقت پر صبر اور اسلامی موت کی دعا کس کے لب پر ہے، اور کون ہے، جو اپنے ہاتھ پیر کٹوا کر بھی زندگی کے میدان سے بھاگنا نہیں چاہتا ہے، اور صبر کی طاقت سے ڈٹے رہنے کی دعا کرتا ہے، اور مسلمان موت کا طالب ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ؕ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ﴿۱۲۶﴾

انھوں نے کہا کہ ہم اپنے رب کی طرف رجوع کرنے والے ہیں، تو ہم سے صرف اس لیے انتقام لیتا ہے کہ ہم اپنے رب کی نشانیوں پر ایمان لائے ہیں، جب کہ وہ ہمارے سامنے آگئیں، اے ہمارے رب! ہم پر صبر ڈھال دے، اور تو ہمیں دنیا سے مسلمان اٹھا۔

(پ ۹ ع ۴ سورۂ اعراف: ۱۲۵، ۱۲۶)

یہ اس وقت کی بات ہے، جب موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں فرعون کے جادوگر ناکام ہوکر سب کے سب ایمان لائے، اور بلا خوف وخطر اسی بھرے مجمع میں اپنے ایمان کا اعلان کیا، اور فرعون نے ان کی جرأت ایمانی کے مقابلے میں اپنی دھمکی سے کام لینا چاہا کہ ابھی تم لوگوں کو سولی دے دوں گا، اور جان سے مار ڈالوں گا۔

فرعون کی اس دھمکی کے جواب میں ان حضرات نے یہ جواب دیا کہ اب ہم تو خدا پر ایمان لا چکے ہیں، تو جو چاہے، کرے، ہماری فریاد تو صرف اپنے رب سے ہے، ہمارا جرم اگر تیرے نزدیک ہے اور تو اس کا بدلہ لینا چاہتا ہے تو صرف یہ کہ ہم نے خدا پرستی کی راہ

اختیار کرلیا ہے۔

حالاں کہ یہ کوئی جرم نہیں ہے، بل کہ حق وصداقت کی بات ہے، اب ہم تجھ سے کوئی عذر معذرت کرنا نہیں چاہتے، بل کہ خدا سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہم پر صبر کی بارش کردے، تاکہ ہر ظلم بیکار ہوجائے، اور ہم دنیا سے مسلمان جائیں۔

اہل ایمان ناگوار حالات میں ایمان کو چھپاتے نہیں، بل کہ اس پر جم کر مصائب کا مقابلہ کرتے ہیں، اور دنیا سے باایمان جاتے ہیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ مَا تَنْقِمُ مِنَّاۤ اِلَّاۤ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰیٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ؕ رَبَّنَاۤ اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا وَّ تَوَفَّنَا مُسْلِمِیْنَ ﴿۱۲۶﴾

ان لوگوں نے کہا کہ اے فرعون! تو ہم سے صرف اس بات کا انتقام لے رہا ہے کہ جب ہمارے پاس ہمارے رب کی نشانیاں آئیں تو ہم ان پر ایمان لائے، اے ہمارے پروردگار!! ہم پر صبر ڈھال دے، اور تو ہمیں مسلمان موت دے۔

(پ ۹ ع ۴ سورۂ اعراف:۱۲۶)

یہاں پر اس وقت کا واقعہ بیان ہو رہا ہے، جب کہ فرعون نے حضرت موسیٰؑ کے مقابلہ کے لیے اپنے سلطنت کے نامی گرامی جادوگروں کو بلایا، اور نتیجہ کے طور پر سب نے ہتھیار ڈال کر حضرت موسیٰؑ کی اتباع منظور کرلی، اور سب کے سب فرعونی مسلک سے توبہ کرکے دین موسیٰ کے پیروکار بن گئے۔

یہ حال دیکھ کر فرعون نے ان کو ڈرایا دھمکایا، اور طرح طرح کی اذیت دینے کو کہا، اس پر ایمان لانے والوں نے فرعون کی آنکھ سے آنکھ ملاتے ہوئے، نہایت نڈری سے کہا کہ اے فرعون! ہمارا تصور کچھ نہیں ہے، تو ہمیں اس لیے ستانا چاہتا ہے کہ ہم نے حق وحقانیت کے

سلسلہ میں اپنے باطل خیالات اور گندے اعمال سے دست برداری کرلی ہے، اور اپنے پروردگار کی نشانیوں کو ہم نے تسلیم کرلیا ہے۔

اگر ہمارا یہ کارنامہ جرم ہے، جو چاہے ہمارے ساتھ کرلے، اس کے بعد ان بزرگوں نے خدا سے دعا کی کہ اے ہمارے رب! ظلم وستم کی بے پناہ طاقت سے مقابلہ ہے، ہم مسکینوں، محتاجوں، اور بے یارومددگار لوگوں سے ظلم کا پہاڑ ٹکر لینے والا ہے، اب تو ہمیں صبر وشکر کی موسلا دھار بارش سے نہلا دے، اور ہمارے اوپر صبر ورضا کی اس طرح بارش فرما کر تکلیف اور مصیبت کے سارے گرد وغبار خود بخود دھل جائیں، اور اس آزمائش میں ہمیں ثابت قدم رکھ، اور موت دے صرف اسلام پر۔

اس دور کے مسلمان ان باتوں کو غور سے دیکھیں، اور عبرت حاصل کریں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰی وَ قَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَ يَذَرَكَ وَ اٰلِهَتَكَ ؕ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَ نَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ۚ وَ اِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَ اصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ۫ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۸﴾

فرعون کی قوم میں سے ایک جماعت نے کہا کہ کیا تم موسیٰ اور اس کی قوم کو چھوڑتے ہو، تاکہ وہ لوگ زمین میں فساد کریں، اور تم کو اور تمہارے معبودوں کو چھوڑ دیں، فرعون نے کہا کہ ہم ان کے بچوں کو قتل کر ڈالیں گے، اور ان کی عورتوں کو زندہ چھوڑ دیں گے، تو موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ تم لوگ اللہ سے مدد چاہو، اور صبر کرو، زمین اللہ کی ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے، اس کا وارث بناتا ہے، اور انجام کی خوشگواری متقیوں کے لیے ہے۔ (پ۹ ع۵ سورۂ اعراف: ۱۲۷، ۱۲۸)

مصر کے فراعنہ نے بنی اسرائیل کو بُری طرح غلام بنا رکھا تھا، اوران کی زندگی اورموت پر وہ قابض دخیل تھے، اورفرعون اور اس کے آدمیوں نے یہاں تک کیا کہ نبی اسرائیل کی نسل کشی کرنے پر آمادہ ہوگئے، تاکہ ان کی تعداد کم ہوجائے، اور ہماری حکومت کو ان سے خطرہ نہ رہے، انسانیت کے خلاف اس اِقدام کی وجہ انھوں نے اپنے کو مطمئن کرنے کے لیے یہ اسکیم نکالی کہ اگر یہ بڑھیں گے، تو مذہبی انتشار ہوگا، اورزمین پر فتنہ وفساد کی آگ بھڑکے گی۔

فرعون کی اس اسکیم پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے دو باتوں پر عمل کرنے کی اپیل کی:

(۱) اللہ پر بھروسہ کرکے اس معاملہ میں اسی سے مدد چاہو، اور دنیا بھر کی سیاست سے الگ ہوکر صرف خدا سے تعلق پیدا کرو۔

(۲) صبروضبط اور تحمل سے کام لو۔

حالات کی نزاکت میں گھبرانے سے کام نہیں چلتا، بل کہ ناکامی ہوجاتی ہے، مستقبل بنانے لیے حالات پر صبر کرنا بنیادی پتھر ہے، اور کسی قوم کی تعمیر اس کے بغیر نہیں ہوسکتی۔

آج مسلمانوں کو بھی ان دونوں باتوں پر عمل کرنا ان کی زندگی کے لیے ضروری ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰى وَ قَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَ يَذَرَكَ وَ اٰلِهَتَكَ ؕ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَ نَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ۚ وَ اِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَ اصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ۫ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۸﴾

فرعون کی قوم کی ایک جماعت نے کہا کہ اے فرعون! کیا تم موسیٰ اوراس کی قوم کو

چھوڑ دو گے، تا کہ وہ لوگ زمین میں فساد کرتے رہیں، اور تم کو اور تمہارے معبودوں کو چھوڑ دیں، فرعون نے جواب دیا: عنقریب ہم ایسا کریں گے کہ ان کے بچوں کو قتل کر دیا کریں گے، اور ان کی عورتوں کو زندہ رہنے دیں گے، اور ہم ان کے اوپر مسلط رہیں گے، ادھر موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ تم لوگ اللہ سے استعانت چاہو، اور صبر سے کام لو، یہ زمین خدا کی ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے، اس کا وارث بنا تا ہے، اور انجام کی بہتری تو متقیوں کے لیے ہے۔ (پ۹ ع۵ سورۂ اعراف: ۱۲۷، ۱۲۸)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں فرعون نے جادوگر بلائے، بعد میں وہ سب کے سب حلقۂ اسلام میں آ گئے، اور فرعون سے صاف صاف کہہ دیا کہ اگر تو ہمیں خدا پر ایمان لانے کی وجہ سے تنگ کر رہا ہے، تو ہم اپنے رب سے مدد کے طلب گار رہوں گے، اور صبر و رضا کے دامن تھامیں گے۔

یہ دیکھ کر فرعونی ذہنیت نے فرعون سے مطالبہ کیا کہ یہ مسلمان ہونے والے جادوگر اور موسیٰ اور قوم بنی اسرائیل اگر آزاد رہی تو یہ جماعت تمہاری برتری کو ختم کر دے گی، بل کہ موسوی تحریک تمہارے معبودوں تک کو ختم کر دے گی، فرعون نے کہا کہ نہیں ہم اس تحریک کو قتل و قید کے ذریعہ دبا دیں گے، نسل کشی کے ذریعہ ہم ان کی قوت پر کنٹرول کر دیں گے، ان کی عورتیں ہمارے کام آئیں گی، اور مرد قتل کر دیئے جائیں گے۔

اِدھر یہ مشورہ ہو رہا تھا اور اُدھر حضرت موسیٰؑ نے اپنی قوم کو دو تعلیم دی:

(۱) استعانت باللہ یعنی خدا سے امداد طلب کرنا۔

(۲) صبر کرو۔

اگر یہ دو باتیں تم میں پیدا ہو گئیں، تو سمجھ لو کہ بیڑا پار ہے، زمین فرعون کی وراثت نہیں ہے، بلکہ یہ ملک خدا کا ہے، اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے، اس کی وراثت دیتا ہے۔

غور کرو کہ تمام فرعونی منصوبوں کے مقابلہ میں حضرت موسیٰؑ نے خدا سے مدد اور حالات کی نزاکت پر صبر و رضا کا سبق دیا یہ سبق تم بھی یاد کرلو۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَ اصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۸﴾

موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ تم لوگ اللہ سے مدد چاہو، اور صبر اختیار کرو، زمین اللہ کی ہے، وارث بناتا ہے، جسے چاہتا ہے، اپنے بندوں میں سے اور انجام کی خوبی متقیوں کے لیے ہے۔ (پ ۹ ع ۵ سورۂ اعراف: ۱۲۸)

فرعون اور اس کی قوم نے حضرت موسیٰؑ اور ان کی قوم کے ساتھ جو ظلم و زیادتی کی، اور ان کو تباہ و برباد کرنے میں جو جو کام کیے، ان کے جواب کے لیے نہ تو بنی اسرائیل کے پاس طاقت تھی، اور نہ حضرت موسیٰؑ طاقت استعمال کرنا چاہتے تھے۔

ایسی حالت میں جب کہ ایک طرف مجبور مخلوق کی بھیڑ ہو، اور دوسری طرف ظلم و ستم کے شیر ہوں، مقابلہ کا تصور بھی نہیں ہوسکتا، ایسے وقت میں حضرت موسیٰؑ نے بنی اسرائیل کو سمجھایا، اور تسلی دی کہ یہ ظالموں کا ظلم وقتی ہے، اور اس میں کوئی دم نہیں، ظلم تو ویسے بہت زور آور معلوم ہوتا ہے، مگر اس کی جڑ نہیں ہوتی، اور ایک ہی ضرب میں اس کی ہوش اڑ جاتی ہے، تم لوگ مجبور و مظلوم ہو، اور مظلوموں کے لیے بہتر یہ ہے کہ وہ اللہ سے مدد مانگیں، ظالموں کے مقابلہ میں اسی کو پکاریں، اور اسی کی دہائی دیں، اور ساتھ ہی صبر اور قوت سے برداشت کریں۔

صبر بہت ہی کام یاب حربہ ہے، اور ظلم و ستم کو پاش کرنے کا کام یاب آلہ ہے، اس لیے تم لوگ استعانت باللہ اور استعانت بالصبر پر عمل کرو، اور یقین کرو کہ مصر پر فرعونی قبضہ وقتی ہے، یہ زمین خدا کی ہے، کسی انسان کی ذاتی ملکیت نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے، زمین پر قبضہ دیتا ہے، مگر جو لوگ نیک اور متقی ہیں، ان کے لیے اس میں افادیت ہوتی ہے، اور فساق و فجار جب زمین پر غلبہ حاصل کرتے ہیں، تو خدا کی زمین پر غلبہ حاصل کرتے ہیں، خدا کی زمین شر و فساد سے بھر جاتی ہے، اور ان سے زمین پاک کر دی جاتی ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَ اصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ۫ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۸﴾

موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ تم لوگ اللہ سے استعانت چاہو، اور صبر اختیار کرو، زمین اللہ کی ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے، وارث بناتا ہے اور انجام کار کی بھلائی متقیوں کے لیے ہے۔ (پ ۹ ع ۵ سورۂ اعراف: ۱۲۸)

فرعونی حکومت نے وادیٔ نیل میں انسانی قتل و غارت کی گرم بازاری مچا رکھی تھی، انسان کا احترام فرعونی غرور کے سامنے ہیچ تھا، اور آدمیت کی تمام قدریں چند بڑے لوگوں کے ہاتھ میں ختم کی جا رہی تھیں۔

حضرت موسیٰؑ نے اس صورت حال کے خلاف آواز بلندی کی، ایک اللہ کی تقدیس وعظمت کا سبق سنایا، اور تمام انسانوں کو ایک سطح پر سمجھانے کی کوشش کی، معاملہ بہت مشکل تھا۔

ایک طرف حکومت کا غرور تھا، دوسری طرف عوام تھے، مگر انھیں عوام میں ایک جماعت نے موسیٰؑ کی آواز پر لبیک کہہ کر فرعونیت کے خلاف قدم اٹھایا، اس موقع پر حضرت موسیٰؑ نے اپنی قوم کے سامنے وہ ٹھوس باتیں رکھیں، جو ایسے نازک وقت میں کمزوروں اور مظلوموں کے کام آتی ہیں، اور جن کی وجہ سے بڑی بڑی طاقت پاش پاش ہو جاتی ہے۔

حضرت موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ تم لوگ فرعونی ظلم و ستم کے مقابلہ میں پہاڑ کی

طرح جم جاؤ، اور تمام ظاہری تدابیر سے الگ ہو کر صرف ایک اللہ سے مدد چاہو، اسی کی دہائی دو، اور اسی سے ہر معاملہ میں استقامت چاہو، تب تمہاری فتح یقینی ہے۔

یہ زمینی اقتدار کسی انسان کے بس کی بات نہیں ہے، زمین اللہ کی ہے، وہ جسے چاہتا ہے، اسے دیتا ہے، تم اللہ کے ہو جاؤ گے تو کل دنیا تمہارے قدموں میں ہوگی، جب فرعون جیسے بڑے بڑے کافر و مشرک ہنگامی طور سے زمین پر قابض ہو گئے ہیں، تو تم متقی بن کر اس کے وارث بنو۔

خوب یاد رکھو! انجام کار میں خدا پرستوں کی فتح ہوتی ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَ اصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ۬ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۸﴾

موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ تم لوگ اللہ سے اعانت چاہو، اور صبر اختیار کرو، بے شک زمین اللہ کی ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے، اسے اس کی وراثت میں دے دیتا ہے اور انجام تو صرف متقیوں کے لیے ہے۔ (پ۹ ع۵ سورۂ اعراف:۱۲۸)

حضرت موسیٰؑ نے اپنی قوم کی مظلومیت کا علاج پہلے خود انھیں کے اندر سے کیا، اور فرعون سے مقابلہ نہ کر سکنے کی صورت میں مظلوم قوم کے اندر صبر و استقلال، اور خدا پرستی کی فضا اور قوت پیدا کی، تا کہ مظلومیت کی مردہ لاش میں جان آجائے، اور ظالم سے مقابلہ کی جرأت پیدا ہو جائے، اس کے لیے آپ نے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ تم لوگ اپنے اندر دو باتوں کو پیدا کرو، ایک یہ کہ تعلق مع اللہ پیدا کرو، اور صرف خدا ہی سے امداد و اعانت چاہو، دنیا کی ہر چیز سے کٹ کر رہو، اور ایک خدا کے ہو جاؤ۔

تا کہ تمہاری مظلوم جمعیت انتشار و اختلاف سے نکل کر توحیدِ الٰہی کے مرکز پر آجائے، اور تم ایک دیوار بن جاؤ، دوسرے یہ کہ صبر و استقامت کی خو بو اپنے اندر پیدا کرو،

حالات کے مقابلہ کے لیے پوری طرح تیار ہو جاؤ، اور عزیمت و پختگی میں بے مثل بن جاؤ، ان دونوں باتوں کے بعد دنیا تمہاری ہے، زمین پر غلبہ اور اقتدار کسی نسل یا خاندان کا حق نہیں ہے، بل کہ یہ زمین اللہ کی ہے، وہ جسے چاہتا ہے، اس میں اپنی نیابت و خلافت دیتا ہے، اس کی استعداد و صلاحیت پیدا کرنے کی ضرورت ہے، اور یہ تمہارا کام ہے کہ تم اپنے اندر خدا پرستی اور صبر کی قوت سے استعداد و صلاحیت پیدا کر لو۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَ اصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ۫ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۸﴾

موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ تم لوگ اللہ سے مدد چاہو، اور صبر اختیار کرو، بے شک زمین اللہ کی ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے، وارث بناتا ہے اور انجام کی خوش گواری متقیوں کے لیے ہے۔ (پ ۹ ع ۵ سورۂ اعراف: ۱۲۸)

اس دنیا میں سر بلندی اور مملکت حاصل کرنے کے لیے دو باتیں بنیادی ہیں، اگر کوئی قوم اس دنیا میں تمکنت حاصل کرنا چاہتی ہے، زمینی نظام پر قبضہ کر کے اپنی سیادت و سرداری منوانا چاہتی ہے، اور دنیا میں سلیقہ مندی سے زندہ رہ کر آنے والی دنیا کے لیے نیک مثال بننا چاہتی ہے، تو اسے دو باتوں پر عمل کرنا چاہیے:

(۱) ہر بات میں خدا پر اعتماد اور ہر معاملہ میں اللہ کی ذات سے وابستگی ہونی چاہیے۔

(۲) اس کے بعد صبر کی دولت ضروری ہے، خدا پرستی اور صبر کے امتزاج سے جو زندگی تیار ہوتی ہے، وہ سراسر سرداری اور سیادت کی زندگی ہوتی ہے۔

زمین خدا کی ہے، اس کے وارث وہی لوگ ہو سکتے ہیں، جو خدا کی نیابت کرنے کی اہلیت کا ثبوت دیں، اور اس ثبوت کے لیے بنیادی چیز صبر ہے، اگر صبر و عزیمت کی بنیاد نہیں

ہے، تو پھر نہ خدا پرستی کا وجود باقی رہ سکتا ہے، اور نہ ہی کوئی دوسری زندگی نشونما پا سکتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت موسیٰ نے بنی اسرائیل کو ان ہی دو باتوں کی بنیادی تعلیم دی، اے مسلمانو! ان دو باتوں کو اپنا کر دنیا کے وارث بنو۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَ اصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۸﴾

موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ تم لوگ اللہ سے استعانت طلب کرو، اور صبر سے کام لو، زمین اللہ کی ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے، وارث بناتا ہے اور انجام کی بھلائی متقیوں کے لیے ہے۔ (پ ۹ ع ۵ سورۂ اعراف: ۱۲۸)

بنی اسرائیل فرعونی شکنجہ میں کسے ہوئے مصر میں نہایت ذلت و عسرت اور ہلاکت وتباہی کی زندگی بسر کر رہے تھے، پوری فرعونی طاقت اس قوم کی نسل کشی کر رہی تھی، مگر اس میں دم مارنے تک سکت نہیں تھی، حضرت موسیٰؑ نے بنی اسرائیل کو اپنی دعوت کا مخاطب بنا کر ان کو ہر طرح ابھارنا چاہا، اور فرعونی طاقت سہنے اور اپنے حالات سازگار بنانے کی ترکیب بتائی، اس کے لیے ان کو بنیادی باتیں بتائیں:

ایک یہ کہ ہر معاملہ میں صرف اللہ کی طرف رجوع کریں، اور ہر طرح کی مدد صرف اسی سے چاہیں، خدا کو پشت پناہ بنانے کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ اللہ تعالیٰ ظالم کو تباہ و برباد کر دے گا، اور مظلوم کی ہر طرح مدد فرمائے گا، دوسری بات یہ ہے کہ صبر و استقامت سے کام لیں، اور حالات کے مقابلہ کی طاقت پیدا کریں، جب تک کسی قوم یا جماعت میں اپنے اندر صبر و استقامت کے ساتھ ناگوار حالات کے مقابلہ کے لیے قوت پیدا نہیں ہوتی، وہ قوم مظلومیت کے جال سے باہر نہیں نکل سکتی۔

واقعہ یہ ہے کہ غلط اثر واقتدار کے تسلط وغلبہ کے موقع پر یہ دونوں باتیں مظلوموں کو نجات دیتی ہیں، اور رجوع الی اللہ اور صبر واستقامت کے ذریعہ قومیں ہرنا گوار حال کو خوش گوار بنالیتی ہیں۔

ہم مسلمانوں کو بھی اس نسخہ پر عمل کر کے زندہ اور باعزیمت قوم بننا چاہیے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَ اصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ۫ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۸﴾

موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ تم لوگ اللہ سے مدد مانگو، اور صبر اختیار کرو، زمین تو اللہ کی ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے، اس کا وارث بناتا ہے اور انجام کی بہتری تو متقیوں کے لیے ہے۔ (پ ۹ ع ۵ سورۂ اعراف: ۱۲۸)

یعنی اگر تم خدا سے مدد طلب کرو گے، اور صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑو گے، تو پھر تم کو کوئی ناکام نہیں بنا سکتا، خدا کے ساتھ کسی خاص گروہ کی رشتہ داری نہیں ہے، جس میں جس بات کی اہلیت ہوگی، وہ کام اس کے سپرد کیا جائے گا، زمین کا مالک خدا ہے، وہ جس کو حکمرانی کا اہل دیکھتا ہے، اسے حکمراں بنا دیتا ہے، اور اسباب ایسے پیدا ہو جاتے ہیں کہ قدرت اصلی صلاح کو چن لیتی ہے، اور ناکارہ لوگوں کو نکال کر پھینک دیتی ہے۔

یہ خیال کرنا کہ مسلمان نااہل ہوں، تب بھی انھیں زمین کی وراثت ملے گی، غلط ہے، کائنات کا نظام اس جانبداری کے ساتھ نہیں چلا کرتا، اگر ایسا ہوتا تو مسلمانوں سے حکومتیں چھین کر دوسروں کو نہ دی جاتیں، اور دوسرے لوگ آزادی اور خودمختاری سے فائدہ نہ اٹھاتے۔

پس یاد رکھو کہ خدا اہلیت کو دیکھتا ہے، اور ان کے ساتھ اسی کی روشنی میں سلوک کرتا ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۸﴾

موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ تم لوگ اللہ سے مدد چاہو، اور صبر سے کام لو، زمین اللہ کی ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے، اس کا وارث بناتا ہے اور انجام کی خوبی متقیوں کے لیے ہے۔ (پ۹ ع۵ سورۂ اعراف: ۱۲۸)

بنی اسرائیل مصر میں فراعنہ کی غلامی میں نہایت ابتر زندگی بسر کر رہے تھے، اور ان کی قومی اور مذہبی زندگی ختم ہو چکی تھی، اخلاق و روحانیت سے کورے ہو چکے تھے، حضرت موسیٰؑ نے فرعون کی فرعونیت کے مقابلہ میں ان کی مدد فرمائی، اور ان کو دین و دیانت کی تعلیم دے کر اچھی اور ہر اعتبار سے صحت مند قوم بنانے کا ارادہ فرمایا۔

اسی سلسلہ میں اس پٹی ہوئی قوم کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دو باتوں کی تلقین فرمائی: ایک یہ کہ فرعون کے ظلم و ستم اور اپنی بے کسی و مظلومی کے دفع کرنے کے لیے اللہ سے مدد چاہو، اور اسی کو سب کچھ جانو اور مانو، دوسری بات یہ ہے کہ حالات کے مقابلہ میں صبر وثبات اور قوتِ برداشت سے کام لو، اگر ان دونوں باتوں پر جم جاؤ گے تو اللہ تم کو نہ صرف فراعنہ کے ظلم و ستم سے نجات دے گا، بل کہ تم کو اپنی زمین میں اقتدار و تمکنت دے گا، اور تم اس کی زمین کے وارث، منتظم بن جاؤ گے۔

کیوں کہ وقتی حالات کچھ بھی ہوں اور آخر میں فتح اہل ایمان اور اہل تقویٰ کی ہوتی ہے، اور باطل طاقتیں اور طاغوتی قوتیں پاش پاش ہو کر ختم ہو جاتی ہیں، مسلمانوں کو ہر زمانہ میں اللہ سے تعلق اور ثابت قدمی پر عمل کرنا چاہیے، یہ دونوں باتیں آخر میں کام یابی کی کھلی ہوئی دلیل ہیں۔

قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَ مِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ؕ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَ يَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ ع

لوگوں نے کہا کہ آپ کے آنے سے پہلے اور آپ کے آنے کے بعد ہمیں اذیت دی گئی، موسیٰؑ نے کہا عنقریب تمہارا پروردگار تمہارے دشمنوں کو ہلاک کر دے گا اور زمین میں تم کو نائب بنا کر دیکھے گا کہ تم کیسے کام کرتے ہو۔ (پ۹ ع۵ سورۂ اعراف:۱۲۹)

حضرت موسیٰ نے جب بنی اسرائیل سے خدا پرستی اور صبر کی تلقین کی، تو انھوں نے اپنی مظلومیت کی بساط ان کے سامنے رکھتے ہوئے کہا کہ آخر ہم کہاں تک صبر سے کام لیں، ہمیں مدت دراز سے ستایا جا رہا ہے، آپ سے پہلے ہم آل فرعون کے ہاتھوں تباہ و برباد تھے، آپ کے بعد بھی ہمارا یہی حال ہے کہ مظلومیت کے دور سے گزر رہے ہیں، اس پر حضرت موسیٰ نے تسلی دی کہ گھبراؤ نہیں، اللہ کی ذات سے بعید نہیں ہے کہ وہ ظالموں کو نیست و نابود کر دے، اور تمہارے دشمنوں کو تباہ و برباد کر دے گا، اور تم کو زمین میں اقتدار و غلبہ دے گا، اور پھر دیکھے گا کہ تم اقتدار پا کر زمین میں کیا کرتے ہو؟

فرعونیت کے نقش قدم پر چل کر جرائم و معاصی کی زندگی بسر کرتے ہو، یا انسانیت و عدالت اور صالحیت و نیکی کے کام کرتے ہو۔

اس دنیا میں ہمیشہ ظالموں کو زیر ہونا پڑا ہے، اور قدرت نے ان کو تباہ و برباد کیا ہے، اور مظلوموں کو موقع دیا گیا ہے کہ وہ اپنے حالات کو درست کر لیں، اور اچھے دن بسر کریں، اللہ تعالیٰ زمانہ کو یکساں نہیں رکھتا، بلکہ بدلتا رہتا ہے۔

لَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَ نَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳۰﴾

اور تحقیق کہ ہم نے پکڑا فرعونیوں کو قحطوں اور پھلوں میں نقصان سے، تا کہ نصیحت

حاصل کریں۔(پ۹ع۵ سورۂ اعراف:۱۳۰)

جب کسی قوم کے عوام وخواص اللہ کی نعمت میں پل کر شرارت کرنے لگتے ہیں، اور صبر وشکر کرنے کے بجائے مجرمانہ حرکتیں کرتے ہیں، اور حرام کاری اور بدکاری کو اپنا شیوہ بنا لیتے ہیں، تو ان کا مزاج درست کرنے کے لیے قدرت پیداوار میں کمی کر دیتی ہے، پورا ملک ایسی مار میں پڑ جاتا ہے کہ توبہ قبول نہیں ہوتی۔

یہی حال مصر میں فرعونی دورِ حکومت کا تھا، مصر کے فرعونی دل ودماغ والے خوب ٹھاٹھ سے زندگی گزارتے تھے، عیش وعشرت کے دنوں میں بے فکری کی باتیں کرتے تھے۔

یہی نہیں بل کہ شرارت وعدوان کی ایسی ایسی حرکتیں ظاہر کرتے تھے کہ انسانیت کو ان کے تصور سے شرم آتی ہے، اس بے راہ روی کی سزا میں اہل مصر قحط اور خشک سالی اور پیداوار کی کمی کی بدحالی میں پکڑے گئے اور دانہ دانہ کے محتاج ہونے لگے۔

دنیا میں جب بھی ناقدری اور ناشکری کی شرارت کی گئی ہے، تو قدرت کی طرف سے خشک سالی، اور قحط کا وبال آیا ہے، آج بھی اللہ کی یہ سنت جاری ہے، خود ہمارے ملک میں مسلسل اس کا مظاہرہ ہو رہا ہے، اور پیداوار کی اشد ضرورت کے زمانہ میں جب کہ ہر طرف پیداوار بڑھانے کی بھاری بھاری اسکیمیں کام کر رہی ہیں، قدرت کی ایک مار پڑتی ہے، اور سب کچھ کیا دھرا خاک میں مل جاتا ہے، جب تک فرعونیت کا وہ دور رہے گا، اس وقت تک قدرت کی مار پڑتی رہے گی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

لَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِیْنَ وَ نَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ یَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳۰﴾

اور ہم نے آل فرعون کو قحط سالیوں اور پھلوں کے نقصان میں گرفتار کیا، تاکہ وہ نصیحت پکڑیں۔(پ۹ع۵ سورۂ اعراف:۱۳۰)

جب با اثر اور صاحبِ اقتدار قومیں اور جماعتیں دنیا میں شر و فساد پھیلاتی ہیں، اور ان کا وجود زمین والوں کے لیے منحوس اور نا برکت ثابت ہوجاتا ہے، تو ان کی مثال اس سڑے مردار کی ہوتی ہے، جس سے راہ گیروں کا دماغ پھٹنے لگتا ہے، اور گزرنے والے ناک بند کرلیتے ہیں۔

جب کسی قوم کی یہ حالت ہوجاتی ہے، اور اس کے اثر و اقتدار کا جنازہ اس طرح نکل جاتا ہے تو قدرت بھی اس سے نظر پھیر لیتی ہے، اور اس کے حلقۂ اقتدار میں طرح طرح کی خرابیاں پیدا ہوجاتی ہیں، اور خاص طور سے ایسے نازک حالات پیدا ہوتے ہیں کہ جن سے عوام گھبرا اٹھتے ہیں، اور اپنے با اقتدار طبقہ کا تختہ الٹنے کی تیاری کرنے لگتے ہیں۔

مصر کے فراعنہ کی عیاری و عیاشی اور فخر و غرور کی وجہ سے یہی معاملہ پیش آیا، اور اللہ تعالیٰ نے قحط سالی، گرانی اور پیداوار میں کمی عام فرمادی، اور مصر کے عوام بُری طرح فرعونیوں کی آوارگی کی سزا میں پکڑے گئے، پھر ان ہی عوام نے فرعونی حکومت کا تختہ پلٹ کر رکھ دیا، کیوں کہ ان حالات میں فراعنہ سنبھل نہ سکے، یہی حال ہر غلط اور با اثر قوم کا ہوتا ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

لَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَ نَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳۰﴾

اور تحقیق کہ گرفت کی ہم نے آل فرعون کی قحطوں کے ذریعہ اور پھلوں میں کمی کے ذریعہ، شاید کہ وہ نصیحت حاصل کرسکیں۔ (پ ۹ ع ۶ سورۂ اعراف: ۱۳۰)

فرعونی حکومت دنیا میں ایک قدیم متمدن اور مہذب حکومت رہ چکی ہے، جس کا پایۂ تخت مصر تھا، یہ حکومت اپنی طاقت، وسعت اور آثار و علائم کے اعتبار سے اس قابل تھی کہ آج کے امریکہ برطانیہ اور روس سے اسے تعبیر کیا جائے، لوٹ گھسوٹ بے رحمی، بے انصافی، جبر و طاقت، ظلم و استبداد۔

غرض کہ اس حکومت میں وہ تمام بُرائیاں موجود تھیں اور اچھائیاں مفقود تھیں، جو دنیا کے قدیم دور میں ہونی چاہئیں، اور جن کی طرف دور جدید چل رہا ہے، اور بڑی تیزی کے ساتھ چل رہا ہے، چوں کہ فطرت کا قانون اٹل ہے کہ جب زمین کے وارث یعنی انسان زمین پر بدامنی وشرارت، قتل وغارت، سلب ونہب، اور جبر واستبداد کا معاملہ کریں گے اور خدا کی ہنستی کھیلتی دنیا کو اپنی ناکردنی کی وجہ سے جہنم کدہ بنائیں گے، تو پھر زمین کی ساری برکت سلب کرلی جائے گی، اس کی پیداوار کی فراوانی کمی سے بدل جائے گی، خوش حالی اور ارزانی بدحالی اور گرانی سے بدل جائے گی۔

چنان چہ اس فرعونی حکومت کی ناکردنی کے باعث قدرت نے قحط سالی، خشک سالی، گرانی اور غذا کی کمی کا وبال ڈالا، تاکہ نازونعم کے بل بوتے پر عدل وانصاف کو فراموش کرنے والے راہ راست پر آجائیں، حکومت وسلطنت کا نشہ کچھ کم ہو، اور ظلم وستم کی بے پناہ قوت کم ہو۔

غور کرو! آج کی خشک سالی، غلہ کی گرانی، اور سامان زندگی کی نایابی اور انسانیت پر خدا کی مار اسی قدیم سنت کے پیش نظر تو نہیں ہے؟ جب انسان سرکشی کرے گا تو اسے ان حالات سے دوچار ہونا پڑے گا۔

اے کاش! غلہ زیادہ پیدا کرنے کی اسکیم کے بجائے آج کی دنیا ظلم وستم اور لوٹ گھسوٹ کم کرنے کی اسکیم پر عمل کرتی اور امن وچین کی زندگی بسر کرتی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

لَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَ نَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳۰﴾

اور پکڑ لیا ہم نے آل فرعون کو قحط سالیوں اور پھلوں میں کمی کے ذریعہ، شاید کہ وہ نصیحت حاصل کرسکیں۔ (پ۹ ع۶ سورۂ اعراف: ۱۳۰)

وادیٔ مصر کی فرعونی تہذیب بڑی جان دار اور زندہ تہذیب تھی، فرعونی حکومت کا

آفتاب بام عروج کی انتہا بلندیوں پر پہونچ گیا تھا، ایک اونچی تہذیب کا آخری نتیجہ کو کچھ ظاہر ہونا چاہیے، ظاہر تھا، ہر طرف لوٹ گھسوٹ، ظلم وستم، قتل ونہب جاری تھا۔

بنی اسرائیل کی اقلیت پر فرعونی اکثریت کا شاہین چنگل مار رہا تھا، انسانیت تیرہ دستیوں کے ہاتھوں تباہ ہو رہی تھی، عیش وعشرت کے ترانوں میں نالہ وبکا کی آوازیں گم تھیں، فرعونی نقارہ خانے میں اسرائیلی طوطی کی آواز بے کار تھی۔

انھیں حالات میں خدا نے بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰؑ کو برپا فرمایا، جنھوں نے فرعونی تہذیب کا پانسا پلٹ دیا، اور اس کی کمر اس طرح توڑ دی کہ آج تک وہ پھر سر نہ اٹھا سکی۔

اللہ تعالیٰ خبر دے رہا ہے کہ فرعونی سامراجیت کی بے راہ روی روکنے لیے ہم نے خشک سالیوں کا طوفان برپا کیا، غلوں کی پیداوار گھٹا دی، اور تمام چیزوں سے برکت سلب کر لی کہ شاید یہ ناخدا ترسی کا سیلاب تھم جائے، پھر بھی فرعونی اقتدار کا نشہ کم نہ ہوا، آخر کار وہی ہوا، جو ظلم وستم کے خاتمہ کے لیے ہوتا ہے۔

غور کرو! آج کیا حالات برپا ہیں، انسانیت تمہارے گرد و پیش کس انداز سے کراہ رہی ہے، اور اس کی مظلومیت کا تقاضا کیا ہے؟ پھر یہ خشک سالیاں کیوں نہ ہوں، غذائی بحران کیوں نہ سر اٹھائے، "زیادہ اگاؤ"، "کم کھاؤ"، "اور جینے کے لیے مر جاؤ۔" کی تحریک کیوں ناکام نہ ہوں، ان تمام حقیقتوں کا ظہور اسی لیے ہے کہ تم اپنی کرتوتوں سے باز آجاؤ، اگر ایسا نہیں کرو گے تو پھر آخر نتیجہ کے لیے تیار رہو۔

لَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِیْنَ وَ نَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ یَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳۰﴾

اور تحقیق کہ پکڑا ہم نے آل فرعون کو قحط سالیوں اور پھلوں میں کمی کے ذریعہ، شاید کہ وہ نصیحت حاصل کریں۔ (پ ۹ ع ۶ سورۂ اعراف: ۱۳۰)

یہ صحیح ہے کہ تباہی وبربادی پریشانی وبدحالی کے ظاہری اسباب ہوتے ہیں، اور انھیں ظاہری اسباب ووجوہ کو سامنے رکھ کر کہا جاتا ہے کہ فلاں خرابی فلاں بات کی وجہ سے پیدا ہوئی، خشک سالی بارش نہ ہونے کی وجہ سے ہوئی، خشک سالی کی وجہ سے قحط پڑا، قحط کی وجہ سے انسانی آبادی اور حیوانی زندگی تباہ وبرباد ہورہی ہے، درختوں اور کھیتوں میں پھل پھول تو آئے، مگر اولا پڑنے سے، ہوا چل جانے سے، پانی نہ ملنے سے اس کے پھل بڑے نہ ہوسکے، کتنے ابتدا ہی میں گر کر ختم ہوگئے، اور پکنے کے وقت باغبان اور کسان زیادہ فائدہ حاصل نہ کرسکے۔

یہ باتیں کہی جاتی ہیں، اور عالمِ اسباب میں رہ کر اپنے کو تسلی دی جاتی ہے، مگر غور کرو کہ نظام قدرت کا رخ کیوں بدل گیا، مان سون کیوں نہیں آئی، وقت پر بارش کیوں نہ ہوسکی؟ پھلوں اور بیجوں کو زندگی کی بشارت کیوں نہ مل سکی؟ ان کی تروتازگی اور قوت نمو کیوں مسلوب ہوگئی؟ انسان اپنی زندگی کی چیزوں سے کیوں محروم ہوگیا؟

قرآن حکیم کہتا ہے:

عالمِ اسباب کی ظاہر داریوں ہی میں نظامِ قدرت کی استواری نہیں ہے، بل کہ انسانی اَعمال واَخلاق کی اچھائی اور برائی سے بھی عالم اسباب میں برائی اور اچھائی آتی ہے، انسانی اَعمال کا اثر تکوینی حالات واسباب پر پڑتا ہے، دنیا میں آج کی طرح ہمیشہ اچھے اعمال کی سزا کا کچھ قحط وخشک سالی، باہمی قتل وغارت، گرانی وافلاس کی صورت میں چکھا ہے، مگر اس کے دماغ کی راہ بندرہی ہے، اوراس نے حقیقتِ حال سمجھنے کی کوشش بھی نہیں کی، ان کے واقعات کو سن کر مسلمان عبرت حاصل کریں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

لَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَ نَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳۰﴾

اور تحقیق کہ پکڑا ہم نے آلِ فرعون کو قحطوں اور پھلوں میں کمی کے ذریعہ، شاید کہ وہ اس طرح نصیحت حاصل کریں۔ (پ ۹ ع ۶ سورۂ اعراف: ۱۳۰)

جب ہادیوں کی ہدایتیں اور رہنماؤں کی رہنمائیاں کارگر نہیں ہوتیں، اور سرکشی اور سرمستی کے ہوش ٹھکانے نہیں لگتے، تو پھر قدرت کی طرف سے راہ راست پر لانے کا غیبی انتظام کیا جاتا ہے، اور اس غیبی انتظام کے ظہور کے بعد تو طغیان وعدوان یا شرافت وانسانیت کی راہ پر لگ جاتا ہے، یا پھر ہلاکت وخسران کا منہ دیکھتا ہے۔

انسانی فہمائش کی یہ آخری صورت بڑی ہی خطرناک اور نتائج کے اعتبار سے بڑی ہی دوررس ہوتی ہے، اس آزمائش کے وسیع دامن میں اچھے بُرے سبھی آجاتے ہیں، اور ظالموں اور نالائقوں کے ساتھ انصاف پسندوں اور صالح لوگوں بھی وقت کی تلخی سہنی پڑتی ہے۔

یہ آخری بات اس وقت ظہور میں آتی ہے، جب کہ ظالموں کی شرارت زمان ومکان کی قیود سے نکل کر ہمہ گیر صورت اختیار کرنے لگتی ہے، اور ان کی بُرائی سے بستی میں اقتصادی، معاشرتی، تمدنی اور معاشی ابتری پھیلنے لگتی ہے، اور عوام اپنی لاپرواہی یا اپنی بے کسی کی وجہ سے اس کے مقابلہ کی تاب نہیں لاسکے، تو پھر شیروں کی گردن ناپی جاتی ہے، ان کے نظم ونسق میں خلل پیدا ہوتا ہے، ان کے انتظامی معاملات میں ابتری پھیلتی ہے، اور ان کی حکمرانی اور وبالادستی پر مجبوری کی مہر لگ جاتی ہے، اور دیکھتے ہیں کہ ہمارے ہزاروں انتقامات کے باوجود بات ایک نہیں بنتی اور ہمارے سارے پلان دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔

جب ملکی انتظامات کی باگ دوڑ شریروں اور نااہلوں کے ہاتھ میں ہوگی، اور ان کی وجہ سے بستیاں پریشان ہونے لگیں گی، اور ان کی لوٹ گھسوٹ سے عوامی انتظام درہم برہم ہوجائے گا، تو پھر عوامی ضروریاتِ زندگی میں کمی ہوگی، اور روزمرہ کی زندگی دوبھر ہونے لگے گی۔

آلِ فرعون کی شرارت کے مقابلہ میں آخری اعلان یہی اختیار کیا گیا کہ ان کی حدودِ

سلطنت میں قحط، گرانی، خشک سالی، اور پیداوار میں کمی کا دار دورہ ہوگا، کھانے کے لیے دانے، اور پینے کے لیے پانی نایاب ہوگئے، ہر قسم کی پیداوار گھٹ گئی، اور لوگ ہائے ہائے کرنے لگے، اور یہ اس لیے کیا جاتا ہے کہ شاید اسی سے انسانوں کا مزاج ٹھکانے لگے، اور وہ صحیح حالات پیدا کرنے کی کوشش کرنے لگیں۔

آج ہمارے ملک میں بھی ابتلاء و آزمائش کا یہ دور چل رہا ہے، یہ حالات جو برپا ہیں، ان کا رخ بھی اسی طرف ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

لَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَ نَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳۰﴾ فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَ اِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَ مَنْ مَّعَهٗ ؕ

اور تحقیق کہ ہم نے آل فرعون کو قحطوں اور پھلوں میں کمی سے پکڑا، تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں، پس ان کے پاس اچھائی آتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ ہمارے لیے ہے، اور اگر ان کو بُرائی پہونچتی ہے تو موسیٰ اور ان کے ساتھیوں سے بدشگونی لیتے ہیں۔

(پ ۹ ع ٦ سورۂ اعراف: ۱۳۰، ۱۳۱)

ظلم و ستم کی ٹہنی سدا پھیلتی نہیں ہے، اور ظالموں کو ہمیشہ ظلم کرنے کا موقع نہیں ملتا، بلکہ جب ان کے ظلم کی انتہا ہوجاتی ہے تو ان کے دل لرزنے لگتے ہیں اور بُرے حالات کا سامنا ہوتا ہے۔

یہ حال مصر کے فراعنہ کا ہوا کہ انھوں نے شوکت و غلبہ پا کر اللہ کے بندوں پر زیادتی کرنی شروع کردی، اور فخر و غرور کے انتہائی درجہ پر پہونچ کر اللہ کی زمین پر فتنہ و فساد برپا کردیا، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ ان کو راہ راست پر آنے کا موقع

دیا، مگر جب وہ راہ راست پر نہیں آئے، تو قدرت نے اپنا کام کرنا شروع کر دیا۔

زمین و آسمان کی برکاتِ خداوندی ان کے حق میں ختم ہونے لگی، ضروریاتِ زندگی کی نایابی و گرانی شروع ہو گئی، اور قحط اور خشک سالی اور پیداوار میں کمی ہونے لگی، یہ حکمران وقت کے حق میں موت ہے، اور عوامی زندگی میں خلل پیدا ہونا حکومت کی ناکامی کا پیش خیمہ ہے۔

چنان چہ فراعنہ کی حکومت بھی سب سے پہلے اسی سے دوچار ہوئی، اور عوام میں حکومت کے خلاف بے چینی پیدا ہونے لگی، اس حال میں فرعون کے لوگ بات بنانے کے لیے طرح طرح کی چالیں چلتے تھے، اور عوام کو بیوقوف بنانے کی فکر کرتے تھے، مگر جب بات بگڑ جاتی ہے تو پھر نہیں بنتی۔

فَإِذَا جَآءَتۡهُمُ ٱلۡحَسَنَةُ قَالُواْ لَنَا هَٰذِهِۦۖ وَإِن تُصِبۡهُمۡ سَيِّئَةٞ يَطَّيَّرُواْ بِمُوسَىٰ وَمَن مَّعَهُۥٓۗ

اور جب ان کے پاس اچھائی آتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ ہمارے لیے ہے، اور اگر ان کو بُرائی پکڑتی ہے تو موسیٰ اور ان کے ساتھیوں سے بدفالی لیتے ہیں۔

(پ ۹ ع ۶ سورۂ اعراف: ۱۳۱)

بنی اسرائیل بڑے چالاک، مطلب پرست اور خود غرض تھے، اور ہمیشہ اپنی خود غرضی اور چالاکی کی وجہ سے پریشان رہتے تھے، مگر اپنی چال سے باز نہیں آتے تھے، حتیٰ کہ حضرت موسیٰ کے ساتھ بھی ان کی وہی روش تھی، اور جب کوئی اچھا موقع آتا تو بڑھ کر ہاتھ مارنے کی کوشش کرتے، اور جب کوئی ناگوار معاملہ درپیش ہوتا تو حضرت موسیٰؑ اور ان کے ساتھ کام کرنے والوں کے سر تھوپنے کی کوشش کرتے۔

اس قسم کے لوگ ہر زمانہ میں ہر طبقہ اور ہر جگہ ہوتے ہیں، ان کا کام یہ ہوتا ہے کہ

جہاں کہیں اچھا موقع ملا، بڑھ کر ہاتھ مارنے کی کوشش کی، اور جہاں کوئی ایسی ویسی بات ہوئی، اوران پر بھی کچھ چھینٹا آنے کا خطرہ ہوا کہ بس دوسروں کی بُرائی کرنے لگتے ہیں، اوراس سلسلہ میں عجیب عجیب کھیل کھیلنے لگتے ہیں، ایسے بزدل اور نامراد لوگ کھل کر سامنے نہیں آتے۔

البتہ اپنے حلقہ میں ڈھکے چھپے غلط باتیں کرتے رہتے ہیں، اور جب ان سے باز پرس کی جاتی ہے، تو بہت ہی معصوم بن جاتے ہیں، جیسے سارے جہان کا درد انھیں کے جگر میں ہے۔

اگر ہم اور آپ غور کریں تو ہمارے آپ کے حلقہ میں بھی ایسے لوگ ملیں گے، اور ان کا یہی شیوہ ہوگا، مگر ان سے دور رہنا چاہیے، یہ یہودیت ہے، اور بڑی خوشی کے ساتھ ہر سرد وگرم میں ثابت قدم رہ کر خود کام کرنا چاہیے، اور دوسروں کی ہمت بڑھا کر کام لینا چاہیے، خاص کر دینی کاموں میں اس کی بڑی ضرورت ہے، اور مصلحت بینی وخود غرضی سے اس میں کام نہیں چل سکتا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَ اِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ؕ

اور جب ان کے پاس اچھائی آتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ ہمارے لیے ہے، اوراگر ان کو بُرائی پہونچتی ہے تو موسیٰ اوران کے ساتھیوں سے بدفالی لیتے ہیں۔

(پ۹ ع۶ سورۂ اعراف: ۱۳۱)

بنی اسرائیل کے لوگ بڑے ہٹ دھرم، ضدی اور چالاک بنتے تھے، اور سمجھتے تھے کہ ساری چالاکی ہم پر ختم ہے، وہ اس خود فریبی میں مبتلا ہوکر نہایت احمقانہ باتیں کرتے تھے، کہتے تھے کہ ہم لوگ اللہ کے محبوب بندے ہیں، اوراس کے چہیتے ہیں، ہمیں جہنم کی آگ نہیں جلائے گی، اور اگر اتفاق سے ایسا ہوا تو دو چار دن کے بعد ہم اس سے نکل کر جنت

میں چلے جائیں گے، غرض کہ بنی اسرائیل کے لوگ اس قسم کی باتیں کرتے تھے، یہ تو ہمارے زمانے کے یہودیوں اور بنی اسرائیل کی باتیں تھیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت اس کی نادانی اور زوردار قسم کی تھی، اس وقت انھوں نے چالاکی دکھانے کی حد کردی۔

جب اچھے حالات سے نفع اٹھانے کا موقع ہاتھ آتا تو آگے بڑھ کر ہاتھ مارتے تھے، اور اس میں اپنا حق ثابت کرتے تھے، اور جب بدحالی آتی، اور کٹھن وقت پڑتا تھا تو پھر کہتے کہ موسیٰؑ اور ان کے ساتھیوں کی وجہ سے ہوا اور ہمیں خواہ مخواہ کی پریشانی ہوئی، اور اس طرح اپنے کو نیک فالی کی وجہ بتانے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں سے بدفالی اور بدشگونی لیتے تھے۔

یہ بدشگونی اور بدفالی کا ذہن یہودیت کی وراثت ہے، اور جو لوگ اس ذہن کے حامل ہوتے ہیں، وہ توہم پرستی میں مبتلا ہوکر اسی طرح کی لغو اور بے اصل باتیں کرتے ہیں، ایک سچے مسلمان اور پکے موحد کے نزدیک ہر اچھی بُری چیز اللہ کی طرف سے ہوتی ہے، اور خیر و شر اسی کی طرف سے آتے ہیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمُ الطُّوْفَانَ وَ الْجَرَادَ وَ الْقُمَّلَ وَ الضَّفَادِعَ وَ الدَّمَ اٰیٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ ۟ فَاسْتَكْبَرُوْا وَ كَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِیْنَ ﴿۱۳۳﴾

بھیجا ہم نے ان (آل فرعون) پر طوفان، ٹڈی، چچڑی، مینڈک اور خون الگ الگ نشانیاں بنا کر پھر تکبر کیا ان لوگوں نے اور مجرم گروہ بن گئے۔ (پ۹ ع۶ سورۂ اعراف: ۱۳۳)

حکومتِ مصر فراعنہ کے دورِ اقبال میں وہ مہذب حکومت شمار ہوتی تھی کہ آج دنیا دعویٰ کرتی ہے کہ مصر کی تہذیب دنیا کی قدیم ترین تہذیب ہے، اور وادیٔ نیل کا علاقہ دنیا کا متمدن ترین علاقہ ہے، مگر اس دورِ تمدن میں انسانی کردار اس قدر گر گئے تھے کہ چند اَرباب

اثر واقتدار کے شکنجہ استبداد میں ساری دنیا مجبور تھی، خدا کی زمین شر وفساد، بدامنی، بدحالی اور قتل وجنگ کا گہوارہ بنی ہوئی تھی، اوراس ظلم وستم کی تلواروں کی چمک میں مظلوموں کی آہ وبکا میں مصر کی تہذیب اپنی ارتقائی منزل طے کررہی تھی، لیکن خدا کا قانون وراثت اس دورِ جبر واستبداد سے بے خبر نہ تھا، اس نے حکومتِ مصر کی گردن اس طرح دبوچی کہ تہذیب وتمدن کی ساری اکڑ ختم ہوگئی۔

خدا نے طوفان بھیجے، پانی کے طوفان، ہوا کے طوفان، مرض کے طوفان، قحط ووبا کے طوفان جن کی وجہ سے انسانی عیش وعشرت بھنگ پڑ گئی، خدا نے ٹڈی بھیجی، جس نے پکی زراعتوں کو، لہلہاتی کھیتیوں کو اور قد آدم آئے خوشوں کو ختم کردیا، اور پوری سلطنت قحط کے غذائی بحران میں پڑ گئی۔

خدا نے چچڑی کے ذریعہ ان کے کپڑوں، جسموں، بالوں، اور تمام سامان عیش کو مکدر فرمادیا، خدا نے مینڈک بھیجے، جن کی کثرت کا یہ عالم تھا کہ کھاتے پیتے وقت ناممکن تھا کہ چنے ہوئے دسترخوان پر پہونچ کر وہ مینڈک زینت لقمہ بن سکیں، پھر خدا نے خون بھیجا، خون کی بارش، خون کی گرم بازی اور خون کی ہولی سے انسانیت تنگ آ گئی۔

غور کرو! آج کی دنیا ان اسباب کے پیدا کرنے کی وجہ سے تو گرفتار بلا نہیں ہے؟ اور ٹڈی، قحط، طوفان، چوہے، مینڈک، نیل گائے، جنگلی ہرن، کوئے کی کثرت فرعونی زندگی کے باعث تو نہیں ہے۔

وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ؕ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ بِمَا صَبَرُوْا ؕ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ.

اور ہم نے وارث بنادیا، ان لوگوں کو جو کمزور اور ناتواں بنائے جا رہے تھے، اس زمین کے مشرق و مغرب کا، جس میں ہم نے برکت دی تھی، اور تیرے رب کا کلمہ حسنیٰ بنی اسرائیل پر ان کے صبر کرنے کی وجہ سے پورا ہو گیا، اور فرعون اور اس کی قوم جو کچھ بنا رہی تھی، اور بلند کر رہی تھی، ہم نے اسے برباد کر دیا۔ (پ۹ ع۶ سورۂ اعراف: ۱۳۷)

خدا کا قانون ہے کہ جب کوئی قوم میں حیث القوم دنیا میں تباہ کی جاتی ہے، دوسری زبردست قومیں اسے آلۂ کار اور تختۂ مشق بناتی ہیں، تو خدا اس ناتواں کمزور قوم کو ابھرنے کا موقع دیتا ہے، اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہی جابر و ظالم طاقت جو اس کمزور قوم پر مسلط ہو کر عذاب دے رہی تھی، تباہ و برباد ہو جاتی ہے، اور کمزور مظلوم قوم کو اقتدار حاصل ہوتا ہے۔

بنی اسرائیل فرعونیوں کے ہاتھوں کس قدر پٹے، کس قدر ذلیل کیے گئے، اور کس قدر مظلوم ٹھہرائے گئے، مگر قدرت کا قانونِ اقتدار بے آواز بن کر آیا، اس نے فرعونیوں کو دریائے نیل کے موجوں کے حوالہ کر کے بنی اسرائیل کو ان کے تخت و تاج کا وارث ٹھہرایا۔

ایک مثال ہے، جو دنیا میں تاریخی حیثیت سے نمایاں مقام رکھتی ہے، ورنہ عام قانونِ قدرت یہ ہے کہ کسی قوم کے ستانے اور ظلم کرنے کے بدلہ میں اسے برتی ملتی ہے، اور ظالم کو نیچا دیکھنا پڑتا ہے۔

پس آج کے کمزور بے بس انسان جن کو ملکوں اور قوموں کے سامراج نے دبو چا ہے، جن کو سرمایہ کچا کھا رہا ہے، جن کو سوسائٹی زیر کر رہی ہے، اور جن کو نفرت و حقارت ذلیل نگاہوں سے دیکھتی ہے، کل کے زندہ رہنے والے دیکھیں گے کہ یہ برسر اقتدار آئیں گے، ان کی حکمرانی ہوگی، اور بالا دست قوتیں ایک ایک کر کے ٹوٹ جائیں گی، مگر کمزور قوم کی سربلندی کے لیے ایک شرط ہے، یعنی صبر سے کام لینا، اگر ظلم و جبر پر صبر سے کام نہیں لیا گیا، تو پھر وراثت اَرضی نصیب نہ ہوگی۔

دوسری بات یہ ہے کہ ان کو وقتی اقتدار ہو، اور اپنا بدلہ لے کر یہ بھی دوسروں کی تباہی کا سبب بنیں، جس کی وجہ سے انھیں بھی ادبار کا منہ دیکھنا پڑے، اور کوئی دوسری پٹی ہوئی قوم اور جماعت حکومت پر قبضہ کرے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ اَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَ مَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ؕ

اور ہم نے ایسی قوم کو جو کمزور اور ذلیل کی جارہی تھی، اس زمین کے مشرق و مغرب کا وارث بنادیا، جس میں ہم نے برکت دی۔ (پ۹ ع۶ سورۂ اعراف: ۱۳۷)

پہلے سے مصر کے فراعنہ جور و ظلم اور بنی اسرائیل کی مظلومیت کا بیان ہو رہا تھا، اور بتایا گیا تھا کہ مصر کے اس خاندان نے کس طرح کمزروں اور ناتوانوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑ کر اپنی بالا دستی اور بادشاہی قائم کی تھی، پھر بتایا جارہا ہے کہ اس طرح خدا کی زمین پر خدا کے بندوں کا کام نہیں چلا کرتا، اور اس طرح کی تفریق قانون قدرت کے سراسر خلاف ہے۔

اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قدرت مظلوموں کو ابھرنے کا موقع دیتی ہے، اور ظالم کی گردن ناپی جاتی ہے، ضعیفوں کو طاقت ملتی ہے، اور ظالم دبائے جاتے ہیں، کمزوروں کو زمین پر تمکنت کی دستاویز ملتی ہے، اور طاقت وروں کے ہاتھ شل کردیئے جاتے ہیں، ستائے ہوئے انسانوں کو خیر و برکت ملتی ہے، اور ستانے والے طبقہ کو نحوست و ہلاکت ملتی ہے۔

چنان چہ یہی ہوا کہ فرعونی نسل کا قلع و قمع ہوا، اور بنی اسرائیل کو زمین میں طاقت و شوکت ملی، یہ دوسری بات ہے کہ بنی اسرائیل خود اسے سنبھال نہ سکے، اور اپنی اندرونی خرابی کی وجہ سے ان کو زوال و انحطاط سے دوچار ہونا پڑا۔

یہ قانون قدرت دوامی ہے، اور جس زمانہ میں بھی طاقت ور کمزور کو ستائیں گے،

اوراس کے نتیجہ میں کمزوروں کو فتح ہوگی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ اَوۡرَثۡنَا الۡقَوۡمَ الَّذِیۡنَ کَانُوۡا یُسۡتَضۡعَفُوۡنَ مَشَارِقَ الۡاَرۡضِ وَ مَغَارِبَهَا الَّتِیۡ بٰرَکۡنَا فِیۡهَا ؕ وَ تَمَّتۡ کَلِمَتُ رَبِّکَ الۡحُسۡنٰی عَلٰی بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ ۬ۙ بِمَا صَبَرُوۡا ؕ

اور ہم نے اس قوم کو جو زمین کے مشرق ومغرب میں کمزورکی جارہی تھی، اس زمین کا وارث بنایا، جس میں ہم نے برکت دی ہے اور تمہارے پروردگار کا کلمہ حسنیٰ بنی اسرائیل پران کے صبر کی وجہ سے پوراہوا۔ (پ۹ع۶سورۂ اعراف: ۱۳۷)

حالات وماحول کی سازگاری کے باوجوداپنے دھن میں لگارہنا،اورزمانہ اوراہل زمانہ کے مصائب وشدائد پرصبرکرنااپنی عزیمت پر پامردی کا ثبوت دینا،اس دنیامیں کام یابی اورکام رانی کی سب سے بڑی دلیل ہے،صبروضبط کی جومقدارکسی قوم کے حصہ میں آئے گی،اسی مقدارمیں اسے کام یابی وکام رانی نصیب ہوگی،زندگی کے اس رخ کا کوئی دقیقہ ضائع نہیں ہوتاہے،اوراس کی کوئی حرکت بے نتیجہ نہیں ہوتی،پس جوقوم جس قدرحالات سے دوچارہوکرجس قدرصبروتحمل اورضبط وبرداشت کا ثبوت دے گی،اس قدراسے نصرت خداوندی سے حصہ ملے گا۔

قدرت کا یہ قانون اس دنیامیں ہرقوم اور جماعت پرلاگوہوتاہے،اس میں کافر ومومن کی بنیادی تفریق نہیں ہے،البتہ ایمان کی دولت کےساتھ ساتھ اگرکسی قوم میں حالات کے مقابلہ کا یہ مقام حاصل ہے،توپھرنورعلیٰ نورہے،اسے نصرتِ خداوندی کی چادرڈھانک لےگی،اورتائیدایزدی اس پراپناسایہ کرلےگی۔

پھر وہ قومیں خداکے قانون کی نظرمیں بہت ہی قابل رحم اورلائق توجہ ہوتی ہیں،جن کو دنیاکے طاقتورکمزورسمجھ کر پیستے ہیں،اورانھیں دنیا کی جائز قدروں سے فائدہ

حاصل نہیں کرنے دیتے، ان کی تہذیب وثقافت پر ڈاکہ ڈالتے ہیں، ان کے عقائد و نظریات کو فنا کرتے ہیں، اوران کے وجود کواپاہج کر کے صرف اپنے استعمال کے قابل بنا کر چھوڑ دیتے ہیں۔

ایسے مظلوموں اور کمزوروں میں اگر احساس وشعور کی کوئی رمق باقی رہتی اور وہ اپنی مظلومی میں فنا نہیں ہوجاتے تو قدرت ان کا ہاتھ پکڑتی ہے، اور دنیا میں باعزت زندگی گزارنے کا موقع دیتی ہے، اس انقلاب کے نتیجہ میں طاقت ور کمزور، عزت والے بے عزت کردیئے جاتے ہیں۔

اس کے بعد یہ مظلوم ومقہور قوم کے ذمہ ہے کہ وہ نصرتِ الٰہی کے سہارے راست روی اختیار کرے، اور آزادی کامل کی دولت سے مالامال ہو، یا تنگ ظرفی کا ثبوت دیتے ہوئے بے راہ روی اختیار کرے، اور پھر دوبارہ اسی ذلت وخسران کے غار میں گرجاتی ہے، پس دنیا میں خدا کا کلمہ حسنیٰ اوراس کی اچھی بات ہر قوم پر صادق آتی ہے، اب اس قوم کا یہ ذمہ ہے کہ اسے باقی رہے، یا پھر اسے ختم کردے۔

بنی اسرائیل کا واقعہ قرآن حکیم یاددلا کر قوموں اور ملتوں کے عروج کو سمجھایا جارہا ہے، کیا مسلمان بھی احساس وشعور کو باقی رکھتے ہوئے تعلق مع اللہ کے بل بوتے صبر ورضا اور جدوجہد کر کے پھر اپنے اوپر خدا کا کلمہ حسنیٰ جو صادق کرانا چاہتے ہیں، تو اس کے مطابق زندگی بنائیں، اور زمین کی برکتوں سے فیض حاصل کریں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ دَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَ قَوْمُهٗ وَ مَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ ﴿۱۳۷﴾

ہم نے فرعون اوراس کی قوم کو جو کچھ کررہی تھی، اسے ملیامیٹ کردیا۔

(پ ۹ ع ۶ سورۂ اعراف: ۱۳۷)

باطل پرستی کے دماغ میں جو کیڑا رینگتا ہے، وہ آخر قدرت کی دوا سے مرجاتا ہے، ظلم وستم کے جسم میں جو بخار روح بن کر حرکت کرتا ہے، وہ بہر حال اتر جاتا ہے، اور شرارت وعدوان کی کٹھ پتلی میں جو انگلی ہلتی رہتی ہے، وہ آخر میں رک جاتی ہے، کاغذ کی ناؤ سدا نہیں چلتی، اور کھوکھلے درختوں سے زیادہ دنوں تک پھل نہیں حاصل کیے جاسکتے۔

ظالموں کے خوفناک ارادے زیادہ دنوں تک نہیں چل سکتے، مکر وفریب کی چالیں زیادہ دنوں تک نہیں چل سکتیں، اور مظلوموں کی مظلومیت زیادہ دنوں تک تختۂ مشق نہیں رہ سکتی۔

مصر کی فرعونی شہنشاہیت نے جو اچاپت مچا رکھی تھی، اسے دیکھ کر کون کہہ سکتا ہے، کبھی بنی اسرائیل کے دن بھی پھریں گے، اور ظالموں کے ہاتھ سے مظلوموں کی زندگی نجات پائے گی، مگر جب مظلوموں کی زندگی رنگ لائی، تو بڑے بڑے دعویٰ داروں کے رنگ اڑ گئے، اور معاملہ نیچے کا اوپر ہو گیا، مظلومیت کا ایک ایک گوشہ چمک اٹھا، زندگی کی قدروں سے بھر پور ہو گیا، اور ظلم وستم کے تمام منصوبے خاک میں ملا دیئے گئے، ہر قسم کے پلان ناکامی کی نذر ہو گئے، اور تدبیر وسیاست کی ایک ایک چوکڑی کو ذہن ودماغ نے بھلا دیا، قدرت نے فرعونی شہنشاہیت کا ستیاناس کر کے رکھ دیا، اور اس کی شوکت وقوت کو اس طرح توڑ دیا کہ فرعونیت کا جوڑ توڑ ڈھیل پڑ گیا، اور بنائے ایک نہ بنی۔

تم اگر کسی مجبور ومعذور مخلوق پر زبردستی کرتے ہو، اور اپنی ذمہ داری کا لحاظ نہیں کرتے ہو، تو خوب سمجھ لو کہ تمہارا نشہ ٹوٹ جائے گا، اور ہوش ٹھکانے لگ جائیں گے، اسی طرح اگر کوئی قوم کسی دوسری قوم پر اپنی خرمستی کا مظاہرہ کرتی ہے، تو پھر اسے ظلم کا بدلہ ملتا ہے، اور عذر ومعذرت کی پیش کش کام نہیں دیتی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ جٰوَزْنَا بِبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰی قَوْمٍ یَّعْكُفُوْنَ عَلٰۤی اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ

قَالُوْا یٰمُوْسَی اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰـهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِیْهِ وَ بٰطِلٌ مَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۹﴾ قَالَ اَغَیْرَ اللّٰهِ اَبْغِیْكُمْ اِلٰـهًا وَّ هُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۴۰﴾

اور ہم نے گزار دیا بنی اسرائیل کو سمندر سے تو ایک ایسی قوم کے پاس پہونچے، جو اپنے بتوں پر دھرنا مارے ہوئے تھی، یہ دیکھ کر بنی اسرائیل نے کہا کہ اے موسیٰؑ! تم ہمارے لیے بھی ایسے ہی خدا کو بنا دو، جیسا کہ ان لوگوں کے پاس خدا ہیں، حضرت موسیٰؑ نے فرمایا: تم لوگ جاہل قوم ہو، یہ لوگ گمراہی میں مبتلا ہیں، اور جو کام کررہے ہیں، وہ باطل ہے، نیز آپ نے فرمایا کہ کیا خدا کے علاوہ میں تم لوگوں کے لیے خدا چاہوں، حالاں کہ خدا ہی نے تم لوگوں کو سارے عالم پر فضیلت دی ہے، (پ ۹ ع ۶ سورۂ اعراف: ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰)

جب کسی قوم پر مخالف قوم کی مار پڑتی ہے تو وہ قوم اپنے ذہن ودماغ کے اعتبار سے بالکل گرجاتی ہے، اور جو بات سوچتی ہے، کمینہ کی، جو کام کرتی ہے کمینہ کا، نہ اس کے اندر بلند خیالی باقی رہتی ہے، نہ عالی حوصلگی کا سرمایہ اس کے پاس ہوتا ہے، بنی اسرائیل زمانہ دراز سے مصر میں غلامی کی زندگی بسر کررہے تھے، فراعنۂ مصر ان کو غلام بنائے ہوئے تھے، ان کے لڑکے قتل کیے جاتے تھے، ان کی بچیاں لونڈی اور باندی بنائی جاتی تھیں، ان کے ذہن پر فرعون کی خدائی کا پردہ پڑا ہوا تھا، اور آگے چل کر بہترین دل ودماغ رکھنے والے قوم یہود اس وقت فکر ونظر اور یقین وعمل کی تمام تر بلندیوں سے گر کر ختم ہوچکی تھی۔

انھیں حالات میں قوم یہود کی زندگی کو دوبارہ واپس لانے کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ظہور ہوا، اور آپ نے بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر فرعونی شہنشاہیت سے مقابلہ کیا، بنی اسرائیل کو فرعونی پنجہ سے چھڑایا، اور ان کو دریائے نیل سے پار لے کر چلے آئے، مگر چوں کہ بنی اسرائیل کا ذہن گر چکا تھا، ان کا دل کمینہ پن کی گہرائی میں ڈوب چکا تھا، ان کی

نظر بلندیوں کی طرف دیکھنے سے عاجز ہو چکی تھی۔

اسی لیے جب بنی اسرائیل کو لے کر نیل کے پار آئے، اور قومِ یہود نے بت پرستوں کو دیکھا، تو پھر وہی غلامانہ ذہن لوٹ آیا، اور حضرت موسیٰؑ سے کہنے لگے کہ ہمارے لیے بت پرستی کا انتظام کیجئے، انھوں نے سوچا کہ ہمیں توحید پرستی کے لیے فرعونی حکومت سے نجات ملی ہے، اور ہمیں اس کی وجہ سے آئندہ بھی عزت ملے گی۔

آج ہندوستان کے مسلمان غور کریں کہ بالا طاقتوں کی مار کس طرح قوموں کے دل و دماغ کو شل کر دیتی ہے، اور مرعوبیت انسانی گروہ کے لیے کس درجہ خطرناک بیماری ہے۔

آج سب سے زیادہ ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمان ذہنی حیثیت سے گرنے نہ پائیں، اور بے خطرہ کا خطرہ اپنے ذہن سے پیدا کر کے اس میں الجھ کر نہ رہ جائیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ جٰوَزْنَا بِبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰی قَوْمٍ یَّعْكُفُوْنَ عَلٰۤی اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ قَالُوْا یٰمُوْسَی اجْعَلْ لَّنَاۤ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِیْهِ وَ بٰطِلٌ مَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۹﴾ قَالَ اَغَیْرَ اللّٰهِ اَبْغِیْكُمْ اِلٰهًا وَّ هُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۴۰﴾

اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر سے گزار دیا تو ایک ایسی قوم کے پاس آئے، جو اپنے بتوں پر دھرنا مار کر بیٹھے تھے، بنی اسرائیل نے کہا کہ اے موسیٰؑ! آپ ہمارے لیے بھی معبود بنا دیں، جیسا کہ اس قوم کے پاس معبود ہے، موسیٰؑ نے کہا: بے شک تم لوگ جاہل قوم ہو، یہ لوگ غلط کار ہیں، اور باطل کام کر رہے ہیں، موسیٰؑ نے کہا کہ کیا خدا کے سوا میں تم لوگوں کے لیے خدا تلاش کروں، حالاں کہ اسی نے تم کو دنیا والوں پر فضیلت دی ہے۔

(پ ۹ ع ٦ سورۂ اعراف: ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰)

جب کسی قوم کا مزاج بالکل خراب ہو جاتا ہے، اور مدت کی غلامی اور جہالت سے ان کی طبیعت زنگ آلود ہو جاتی ہے، اور اس میں اَخلاق وانسانیت اور دین و دیانت کی کوئی تصویر منعکس نہیں ہونے پاتی، بڑے بڑے مصلح بھی بعض اوقات ناکامی محسوس کرنے لگتے ہیں، اس کی مثال یہودی قوم سے دی جاسکتی ہے، جو مصر میں صدہا سال تک فراعنہ کی غلامی میں رہ کر ہر طرح کی خوبی سے خالی ہو چکی تھی، اور گراوٹ میں مبتلا ہو کر اچھی باتوں کے سننے اور سمجھنے کی اہمیت تک سے محروم ہو گئی تھی۔

چنان چہ جب فرعون کی گرفت سے بچ کر اور دریا پار کر کے یہ قوم دوسرے پار پہونچی، تو پھر وہی غلامانہ ذہنیت کا مظاہرہ کرنے لگی، اور کفر وشرک کا مزاج پھر انگڑائیاں لینے لگا، دوسروں کو دیکھ کر بت برستی کا ذوق یوں ابھرا کہ حضرت موسیٰ سے بت مانگنے لگے، حضرت موسیٰ نہایت مجبوری کے عالم میں فرمانے لگے کہ میں یہ بھی کروں کہ تمہارے شرک کرنے کے لیے بت لا کر دوں، تم کو عقل وہوش کی بات کر کے اس قسم کی حرکت سے باز آجانا چاہیے، یہ باتیں عزت کی نہیں، ذلت کی ہیں، خدا نے تم کو عزت دی ہے، اس قدر ذلیل ذہنیت کو کیوں ظاہر کرتے ہو۔

قَالَ یٰمُوۡسٰۤی اِنِّی اصۡطَفَیۡتُکَ عَلَی النَّاسِ بِرِسٰلٰتِیۡ وَ بِکَلَامِیۡ ۫ۖ فَخُذۡ مَاۤ اٰتَیۡتُکَ وَ کُنۡ مِّنَ الشّٰکِرِیۡنَ ﴿۱۴۴﴾ وَ کَتَبۡنَا لَہٗ فِی الۡاَلۡوَاحِ مِنۡ کُلِّ شَیۡءٍ مَّوۡعِظَۃً وَّ تَفۡصِیۡلًا لِّکُلِّ شَیۡءٍ ۚ فَخُذۡہَا بِقُوَّۃٍ وَّ اۡمُرۡ قَوۡمَکَ یَاۡخُذُوۡا بِاَحۡسَنِہَا ؕ سَاُورِیۡکُمۡ دَارَ الۡفٰسِقِیۡنَ ﴿۱۴۵﴾

اللہ نے کہا: اے موسیٰ! میں نے لوگوں پر تم کو اپنی رسالتوں اور ہم کلامی سے فضیلت دی ہے، پس جو میں نے تم کو دیا ہے، اسے پکڑو، اور شکر گزار لوگوں میں سے بنو، اور ہم نے موسیٰ کے لیے الواح میں ہر بات کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل لکھ دی، پس تم ان

الواح کو مضبوطی سے پکڑو، اور اپنی قوم کو حکم کرو کہ وہ ان میں سے اچھی بات کو اختیار کرے، عنقریب میں تم لوگوں کو فاسقوں کا ٹھکانہ دیکھاؤں گا۔ (پ ۹ ع ۷ سورۂ اعراف: ۱۴۴، ۱۴۵)

یہاں پر حضرت موسیٰ علی نبینا علیہ السلام کو خطاب کر کے اللہ تعالیٰ چند بنیادی باتیں بتارہا ہے، جب حضرت موسیٰؑ کو طور سے تورات کے مضامین الواح مل گئے، تو سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ان ہی کو اس پر عمل کرنے اور اسے نہایت مضبوطی کے ساتھ پکڑنے کی تاکید فرمائی، پھر اس کے بعد کہا کہ جب تم ان الواح پر عمل کرلو، تو اپنی قوم یعنی بنی اسرائیل سے کہو کہ وہ اس پر عمل درآمد کرے، اور اسے نجات کے لیے آخری نسخہ سمجھ کر لائحہ عمل بنائے۔

یہاں پر حضرت موسیٰؑ پر اللہ نے احسانات گنوائے، اور ان کو خلعت رسالت سے سرفراز کیا، اور ان سے ہم کلام ہونے کا ذکر کیا، اور بعد میں کہا کہ پہلے تم اپنی ذمہ داری کو سمجھو، اور ان کے احسانات ونعائم کے لیے شکر گزاری کرو، اور اس کا عملی ثبوت تورات پر عمل کر کے پیش کرو، یہ الواح تورات تمہارے لیے اور تمہاری قوم کے لیے کافی ہے، ان میں ہر قسم کی نصیحت وعبرت کی باتیں ہیں، اور تمہاری زندگی جن مسائل میں الجھی ہوئی ہے، ان کی اور دوسری تمام معلومات ومسائل کی تفصیل الواحِ تورات میں موجود ہے، تم ان تمام حقیقتوں پر عمل کر کے نمونہ بنو، اور پھر قوم سے کہو کہ وہ بھی تمہارے نقش قدم پر چل کر تورات پر عمل کرے۔

یہاں پر غور کرنے کی بات یہ ہے کہ ایک جلیل القدر نبی کو خاص طور سے فرمایا جارہا ہے، تم اپنی کتاب کو مضبوطی سے پکڑو، (خذھا بقوۃ) اور خدا کی جناب میں شکر گزار بنو، (و کن من الشاکرین)

پس ایسے عام لوگوں کا کیا حال ہوگا، جو جماعت میں اس کتاب کا علم رکھتے ہیں، اور علمائے دین بن کر قوم کے ہادی اور رہنما بنتے ہیں۔

ان علماء کے لیے اس تصریح میں قدرت کا کھلا ہوا چیلنج ہے، جو بے عملی کا شکار ہیں،

اورعوام میں وعظ ونصیحت کی گرم بازاری کرتے ہیں،اورخود برف کی طرح جمے ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں علم کے ساتھ عمل کی توفیق دے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ وَ اِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ وَ اِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ وَ اِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ كَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۴۶﴾

عنقریب میں ان لوگوں کواپنی نشانیوں کی طرف سے پھیردوں گا،جوزمین کے اندر ناحق تکبرکرتے ہیں،اوراگر یہ لوگ تمام نشانیوں کودیکھ بھی لیں توان پرایمان نہیں لائیں گے ،اوراگررشدوہدایت کی راہ دیکھیں گے،تواسے راستہ بناکرنہیں اختیارکریں گے،اوراگرگمراہی کی راہ کودیکھیں گے،تواسے اپناراستہ بناکراختیارکریں گے،یہ بات اس لیے ہے کہ انھوں نے ہماری آیتوں کوجھٹلایا،اوروہ ان سے غافل رہے ہیں۔ (پ ۹ع ۹سورۂ اعراف: ۱۴۶)

جولوگ جان بوجھ کرانجان بنتے ہیں،دیکھ کراَن دیکھی کرتے ہیں،اورسن کراَن سنی کی روش اختیارکرتے ہیں،وہ ہراچھائی سے بھاگنے اور بُرائی کے اپنانے کے خوگرہوتے ہیں،ان کی ذہنی اورطبعی کجی ،ہمیشہ الٹی راہ چلاتی ہے ،اوررشدوہداہت کی روشنی ان کی آنکھوں کونہیں بھاتی ہے۔

پھراس غلط روش اورالٹی چال کے باوجودوہ بہت ہی روشن دماغ ،روشن ضمیر، اورروشن خرد بنتے ہیں،صداقت وحقانیت کے نام سے دور بھاگتے ہیں،اورجس پر واقعی نازکرنا چاہیے،اس پرنفرت کرتے ہیں،اپنی کج روی اورالٹی سمجھ کی وجہ سے زمین کے اُوپر فخروغروراورنخوت کا مظاہرہ کرتے ہیں،اوراپنے کوسب سے اونچا،سب سے بلند،اورسب سے بالاتر سمجھتے ہیں۔

اس مجرمانہ زندگی کے لیے ہمیشہ محرومی وخسران نصیبی ملتی ہے، اور کبھی نیکی اور بھلائی کی توفیق نہیں ملتی ہے، چنان چہ جب انسان بدفہمی اور کج روی کی اس حد تک پہونچ جاتا ہے، تو پھر اللہ تعالیٰ کو بھی اس کی پرواہ نہیں ہوتی ہے، اور وہ اس سے فہم وخرد اور عقل وہوش کی ساری پونجی سلب فرمالیتا ہے، عبرت ونتائج کے مظاہروں سے اس کی نگاہوں کو پھیر دیتا ہے۔

ایسے لوگوں کی نظر میں گناہ گناہ نہیں رہتا، بُرائی کی بُرائی نہیں ہوتی، ان کا دماغ الٹا ہوجاتا ہے، اور نگاہیں ٹیڑھی ہوجاتی ہے، اچھی راہوں سے بھاگتے ہیں، بُری راہوں پر چلتے ہیں، اور ہمیشہ الٹی چال چلتے ہیں، یہ سارا وبال اس لیے آتا ہے کہ انھوں نے غفلت وسرمستی کی روش اختیار کی تھی، اور خدا کی انداز وتبشیر کی نشانیوں کو ہیچ جانا تھا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

سَاَصۡرِفُ عَنۡ اٰيٰتِىَ الَّذِيۡنَ يَتَكَبَّرُوۡنَ فِى الۡاَرۡضِ بِغَيۡرِ الۡحَـقِّ ؕ وَاِنۡ يَّرَوۡا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤۡمِنُوۡا بِهَا ۚ وَاِنۡ يَّرَوۡا سَبِيۡلَ الرُّشۡدِ لَا يَتَّخِذُوۡهُ سَبِيۡلًا ۚ وَاِنۡ يَّرَوۡا سَبِيۡلَ الۡغَىِّ يَتَّخِذُوۡهُ سَبِيۡلًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوۡا عَنۡهَا غٰفِلِيۡنَ ﴿۱۴۶﴾

عنقریب میں پھیر دوں گا اپنی نشانیوں سے ان لوگوں کو جو زمین کے اندر بغیر حقانیت کے تکبر کرتے ہیں، اور اگر یہ لوگ تمام نشانیوں کو دیکھ بھی لیں تو ان پر ایمان نہیں لاسکتے، اور اگر رُشد وہدایت کی راہ دیکھ بھی لیں، تو اسے اپنا راستہ نہیں بناسکتے ہیں، اور اگر وہ گمراہی کی راہ کو دیکھ لیں، تو اسے البتہ اپنی راہ بنالیں گے، یہ بات اس لیے ہے کہ انھوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا، اور وہ ہمیشہ ان سے غفلت برتتے رہے۔

(پ ۹ ع۹ سورۂ اعراف: ۱۴۶)

اللہ تعالیٰ کسی فرد یا قوم سے عقل وبصیرت کی پونجی چھین کر اسے دنیا میں بالکل بے مایہ اور بے بضاعت نہیں فرماتا، قدرت نے انسانوں کی تخلیق اس لیے نہیں کی کہ اسے

عقل وہوش کی تمام سربلندیوں سے گرا کر جنون ودیوانگی کے جنگل میں سرگرداں بنا دے، جہاں پر وہ طغیان وعصیان اور تمرد وسرکشی کی زندگی گزارے بل کہ انسان کی تخلیق کا منشا ہی خدا کے نزدیک یہ ہے کہ انسان اپنے جوہر عقل اور سرمایہ ہوش میں زیادہ سے زیادہ بہرہ مند ثابت ہو۔

اسی واسطے قدرت نے انسانوں کے گردوپیش اپنی ایسی ایسی نشانیاں اور علامتیں رکھ دی ہیں، جن سے انسان اپنے عقل وہوش وکو بڑھا کر سلامت روی، اور عاقبت بینی کی راہ اختیار کرے، پھر قدرت نے ایسا نہیں کیا کہ اپنی نشانیوں میں انسان کو پیدا کر کے چھوڑ دیا ہو، اور کہہ دیا ہو کہ تم جانو تمہارا کام جانے، بل کہ اس نے اپنے انبیاء ورُسل بھیجے، صُحف وکُتب نازل فرمائیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ؕ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۷﴾

اور جنھوں نے ہماری آیتوں اور لقاء آخرت کی تکذیب کی، ان کے اعمال اکارت ہیں، ان کو اس کا بدلہ ملے گا، جو انھوں نے کیا۔ (پ ۹ ع ۷ سورۂ اعراف: ۱۴۷)

اللہ تعالیٰ کے اَحکام واَوامر اور قیامت پر ایمان اس بات کی ضمانت ہے کہ دونوں جہان میں انسانیت کے لیے فلاح ونجاح ہے، اور اس کے لیے کہیں بھی ناکامی اور ہلاکت نہیں ہے، حقیقت یہ ہے کہ وحی الٰہی کی بتائی ہوئی راہوں پر چلنا، اور عقیدۂ مجازات پر ایمان لانا اور بُرائی سے بچنا ہی نجات کا ذریعہ ہے، اور اس کے خلاف زندگی بسر کرنا سراسر ہلاکت وناکامی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں بتارہا ہے کہ جن لوگوں نے ہمارے اَحکام واَوامر کو نہیں مانا،

اور قیامت کے عقیدۂ مجازات کو تسلیم نہیں کیا، ان کی زندگی اکارت ہے، ان کے تمام اعمال بے کار ہیں، اور قیامت میں ان کو غلط روی کا نتیجہ مل جائے گا۔

بات یہ ہے کہ کسی انسان میں اللہ تعالیٰ سے خوف اور رجاء کی روح بیدار نہیں ہوگی، تو وہ آدمی گو زندہ ہے، مگر درحقیقت مردہ ہے، اور جب تک اس کے اندر یہ عقیدہ کام نہ کرتا ہو کہ اسے ایک دن اٹھنا ہے، اور ایک ایک حرکت کا حساب دینا ہے، اور اسی کے مطابق اچھا یا بُرا بدلہ پانا ہے، اس وقت تک نہ اس کی زندگی ذمہ دار ہوگی، اور نہ وہ کسی موقع پر نیکی اور بُرائی میں تمیز کرے گا، اور نہ اس میں کسی بڑے مقصد کی طلب پیدا ہوگی، بل کہ اس کی زندگی بہیمیت، درندگی، وحشت اور بربریت میں گزارے گی، اور وہ بُرائیوں کی کھیتی کا سانڈ بن کر دنیا میں رہے گا اور آخرت میں ناکام ہوگا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ؕ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۷﴾

اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں اور آخرت کی ملاقات کا انکار کیا، ان کے اعمال محبوط کر لیے گئے ہیں، وہ بھی بدلہ پائیں گے، جو کرتے تھے۔ (پ۹ ع۷ سورۂ اعراف: ۷ ۱۴)

یہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے، یہاں پر جو شخص جیسی چیز بوئے گا، آخرت میں ویسی ہی کاٹے گا، جَو بونے سے جَو اگتا ہے، اور گیہوں بونے سے گیہوں اگتا ہے، پس جو آدمی اس کھیت میں نیکی کی کاشت کرے گا، وہ نیکی کا پھل پائے گا، اور جو برائی بوئے گا، وہ برائی دیکھے گا۔

اسی اصولِ مجازات اور قانونِ جزا و سزا کی رو سے جو لوگ اس دنیا میں اچھی زندگی بسر کریں گے، وہ آخرت میں بھی اچھی زندگی کے وارث ہوں گے، اور جو یہاں بُری زندگی گزاریں گے، وہ آخرت میں بھی بُری ہی زندگی کے سزاوار ٹھہریں گے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جن لوگوں نے اس دنیامیں ہماری باتوں کونہیں مانا، اور آخرت کے دن کا انکارکیا،ان کی زندگی اس دنیامیں بالکل اکارت ہوگئی،اوراس سے کوئی اچھا نتیجہ نہیں نکلتا۔

ان کی بنیادخراب ہے،اس لیےاس بنیاد کی ہراینٹ غلط ہوتی ہے،اوران کی پوری زندگی مع اچھے بُرے اعمال کے سراسرنا کام کردی جاتی ہے،اس لیےعقیدہ کو ہمیشہ درست رکھنا چاہیے،اوراَحکامِ خداوندی کااحترام واقرارکرتے رہنا چاہیے،اسی طرح آخرت کے قانونِ مجازات پرکامل ومکمل ایمان رکھنا چاہیے،اوراسی طرح جوعقیدے ہیں،ان کوتسلیم کرناچاہیے،اورپھرکوشش کرنی چاہیےکہ ان کے مطابق زندگی بسرہو۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِيْ وَ كَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِيْ ۖ فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْاَعْدَآءَ وَلَا تَجْعَلْنِيْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۵۰﴾

(حضرت ہارونؑ نے) کہااے میری ماں کے بیٹے!قوم مجھ کوضعیف وکمزور سمجھ کر قریب تھا کہ مجھ کو مارڈالتی،اس لیےتم میرے دشمنوں کوخوش مت کرو،اورنہ مجھے ظالم لوگوں میں سے بتاؤ۔ (پ ۹ ع۸ سورۂ اعراف:۱۵۰)

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب الواح تورات لےکرکوہ طورسےآئے،تو دیکھا کہ سامری نے بنی اسرائیل کولےکرایک الگ تماشا برپا کررکھاہے،اورگائے کے بچہ کی پرستش ہورہی ہے۔

چوں کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی ہارون کو بنی اسرائیل میں چھوڑا تھا،اوران کے اطمینان پرکوہ طورپررہے،اس لیے جب صورت حال بگڑی ہوئی دیکھی تواپنے بھائی پر برس پڑے کہ تم نے میرے بعد کیا کیا،اوریہ جوہوااسے کیوں نہیں روکا؟

اس پر حضرت ہارون نے فرمایا: یہ شریر قوم میرے قبضہ میں نہیں تھی، بل کہ وہ مجھ پر حملہ کر کے ختم کرنا چاہتی تھی، اگر میں اس کے مزاج اور ذوق کے خلاف کوئی کام کرتا، تو میری خیر نہیں تھی۔

اے بھائی! تم مجھ کو خواہ مخواہ الزام دیتے ہو، میں نے کوئی زیادتی نہیں کی ہے، بل کہ بنی اسرائیل نے شرارت کی ہے۔

بات یہ ہے کہ جب کسی قوم کا مزاج بالکل فاسد ہو جاتا ہے، تو اسے بڑے سے بڑا نگراں بھی تباہی سے نہیں بچا سکتا ہے، اور اگر اس کی بے راہ روی پر تنبیہ کی جاتی ہے، تو وہ اپنے خیر خواہوں کے خلاف صف آرا ہو جاتی ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اِنَّ الَّذِیۡنَ اتَّخَذُوا الۡعِجۡلَ سَیَنَالُهُمۡ غَضَبٌ مِّنۡ رَّبِّهِمۡ وَ ذِلَّةٌ فِی الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا ؕ وَ كَذٰلِكَ نَجۡزِی الۡمُفۡتَرِیۡنَ ﴿۱۵۲﴾

بے شک جن لوگوں نے پکڑا گوسالہ کو (رب) عنقریب ان کو ان کے رب کی طرف سے غضب اور ذلت کا معاملہ ہوگا، حیاتِ دنیا میں اور افترا پردازوں کو ہم ایسی ہی جزا دیتے ہیں۔ (پ۹ ع۹ سورۂ اعراف: ۱۵۲)

اس دنیا میں جس قوم وملت کا نقطۂ نظر جس قدر پست کا بلند ہوگا، اسی قدر حیاتِ دنیا میں بلندی یا پستی ہوگی، عزت وذلت کا جو پیمانہ کسی قوم اور ملت نے اپنے اعتقاد وعمل سے تیار کیا ہوگا، اسی پیمانہ میں ناپ کر اس کی دنیاوی زندگی میں عزت وذلت دی جائے گی، جس قوم کے خیالات بلند ہیں، کردار کی قدریں اعلیٰ ہیں، ان کے دن روشن اور ان کی راتیں درخشاں ہیں، دنیا کے شمس وقمر کی ساری بلندیاں ان ہی بلند خیال وبلند عمل انسانوں کے لیے ہیں۔

اسی طرح جن نامبارک گروہوں کے خیالات پست اور اعمال گھناؤنے ہیں، ان

کے دن اندھیرے اوران کی راتیں تاریک ہیں، انھیں دنیا کی زندگی میں عزت وشرافت کا کوئی حصہ نہیں ملے گا، اور سربلندی اور کامیابی کے خرمن سے کوئی دانہ ان کے لیے نہیں ہے، اسی حقیقت کو قرآن حکیم نے ایک قوم کے انکار واعمال کی پستی کو دکھا کر ظاہر فرما رہا ہے۔

اصل یہ ہے کہ بلند وبالا مقاصد حیات سے منہ پھیر کر چھوٹے اور پست خیالات واعمال کا مظاہرہ قومی کمینہ پن اور ملی دیوالیہ کا ضامن ہے، اس سے ہمیں بچنا چاہیے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ الَّذِیۡنَ عَمِلُوا السَّیِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوۡا مِنۡۢ بَعۡدِہَا وَ اٰمَنُوۡۤا ۫ اِنَّ رَبَّکَ مِنۡۢ بَعۡدِہَا لَغَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۱۵۳﴾

اور جن لوگوں نے بُرائیاں کیں، پھر اس کے بعد توبہ کیا، اور ایمان لائے، تو بے شک تیرا رب اس کے بعد یقیناً غفور ورحیم ہے۔ (پ۹ ع۹ سورۂ اعراف: ۱۵۳)

انسان فرشتہ نہیں ہے کہ اس میں صرف نیکی کا مادہ ہو، بل کہ انسان میں نیکی اور بدی دونوں چیزوں کا مادہ موجود ہے، اسی لیے بُرائی کو ختم کر کے اچھائیوں کو برتنا انسان کی معراج قرار دی گئی ہے، دنیا میں اس کام کے لیے بڑے بڑے مصلح، پیغمبر، انبیاء، اور رسول تشریف لائے۔

چوں کہ بُرائی فی نفسہ بُری چیز ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ اسے سخت ناپسند فرماتا ہے، گناہ کرنے والوں کو اپنی رحمت سے دور کر کے عذاب میں ڈال دیتا ہے، لیکن یہ معاملہ جزاء وسزا فوراً نہیں ہوتا، بل کہ خدا کا قانون مجازات موقع دیتا ہے کہ اگر حالات بدلنا چاہو، توبہ کرنی ہے تو کرلو، اور اگر گناہ سے ہٹ کر نیکی کی طرف آنا ہے، تو آجاؤ۔

اگر تم ایمان ودیانت کی راہ اختیار کروگے تو اللہ تعالیٰ کو غفور ورحیم پاؤگے، رحم و مغفرت اس کی خاص صفت ہے، جو کائنات کی ہر چیز کو اپنے اپنے گھیرے میں لے سکتی ہے،

پس اگر گناہوں کے بعد توبہ اور اس کے ساتھ ایمان داری کا معاملہ کیا جائے تو خدا کی ذات رحم وکرم سے نوازتی ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ الَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِهَا وَ اٰمَنُوْٓا ۫ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۵۳﴾

اور جن لوگوں نے بُرے کام کیے، پھر انھوں نے توبہ کیا، اور وہ پکے ایمان دار بن گئے، تو بے شک تیرا پروردگار اس کے بعد یقیناً غفور رحیم ہے۔ (پ۹ ع۹ سورۂ اعراف: ۱۵۳)

انسان کمزوری کے ہاتھوں ہمیشہ مات کھاتا ہے، جب اس کی زندگی کسی امتحانی مرحلہ پر آتی ہے، تو عموماً کمزوری سامنے آجاتی ہے، اس لیے جہاں تک بغیر سوچے سمجھے کمزوری میں مبتلا ہوجانے کا تعلق ہے، قدرت نے اس بارے میں بڑی حد تک انسان کو چھوٹ دی ہے، مگر اس شرط کے ساتھ کہ دیکھو! یہ کمزوری پھر دوسری مرتبہ قریب نہ آنے پائے، اور تم اپنے اس دشمن سے ہمیشہ ہوشیار رہنا۔

اسی یاددہائی اور کمزوری کے اقرار اور آئندہ اس سے دور بھاگنے کے وعدہ کا نام توبہ ہے، جس کی تقریب انسان اپنے ضمیر کی حضوری کے ساتھ اپنے پروردگار کے جناب میں مناتا ہے، یہ توبہ بالفاظ دیگر گزشتہ کمزوری کا اقرار اور آئندہ کے لیے پرہیز، انسان کے لیے پرہیز بڑی طاقت ہے، اور اسی کے ذریعہ اپنی کمزوری کو دفع کرسکتا ہے، یہ طاقت اسی وقت کام دیتی ہے، جب کہ آدمی غیر ارادی طور سے لاعلمی اور جہالت کی وجہ سے کسی قسم کی اخلاقی، دینی اور مذہبی کمزوری کا شکار ہوجائے، اور پھر توبہ کرلے۔

لیکن جان بوجھ کر بُرائیاں کرتا ہے، اور سمجھتا ہے کہ چلو بعد میں توبہ کرلوں گا، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ توبہ کی طاقت اس کمزوری کو دفع نہیں کرتی، بل کہ اسے اور شہ دیتی ہے کہ گناہ

کرے، پس یہ رویہ توبہ کے منشا کے خلاف ہے، اور اس سے انسان کبھی فائدہ مند نہیں ہوسکتا، بل کہ توبہ کا پھل ان لوگوں کو ملتا ہے، جو کسی موقع پر گناہ میں مبتلا ہوگئے، پھر انھوں نے توبہ کر کے ہمیشہ کے لیے اپنے کو محفوظ رکھا، اور دین وایمان کی حدود پر کسی قسم کا حرف نہ آنے دیا۔

ایسے لوگوں کے لیے اللہ کا رحم اس کی مغفرت ہوتی ہے، اور وہ ان سے فیض یاب ہوتے ہیں، پس جو لوگ توبہ کو معصیت کا ذریعہ بناتے ہیں، اور اس کی آڑ لے کر خوب خوب گناہ کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ آخر میں ہم توبہ کرلیں گے، وہ خود فریبی میں مبتلا ہیں، اور انھیں حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔

وَ رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ ؕ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ وَ یُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ الَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِنَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۶﴾

اور میری رحمت شامل ہے ہر چیز کو سو اسے لکھ دوں گا، ان لوگوں کے لیے جو ڈرتے ہیں، اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، اور جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں۔

(پ ۹ ع ۹ سورۂ اعراف: ۱۵۶)

اللہ تعالیٰ رحیم ورحمٰن ہے، دنیا میں بھی رحم کرنے والا ہے، اور آخرت میں بھی مومنوں پر رحمت کرنے والا ہے، اور کافروں پر بھی، اس کی رحمت ہر چیز کو عام ہے، اور کوئی چیز اس کی رحمت کے دائرہ اور احاطہ سے باہر نہیں ہے، منکر بھی اس کی دی ہوئی روٹی کھا کر اس کا انکار کرتے ہیں، اور مومن بھی اس کے رزق پر زندگی بسر کرتے ہیں۔

غرض کہ ہر مومن اور ہر کافر کو اس کی رحمت سے حصہ مل رہا ہے، اور کوئی اس کی رحمت کے فیضان سے خالی نہیں ہے، البتہ اس کی یہ رحمت جو فی الجملہ سب کو شامل ہے، ان لوگوں کے لیے خاص طور سے ہے، جو اللہ کے نیک بندے ہیں، اس کی عبادت کرتے ہیں، اس کے احکام

کو مانتے ہیں، اور تقویٰ اور خدا ترسی کی زندگی کو بسر کرتے ہیں، اور اللہ کے بندوں کے جینے کا سہارا پیدا کرتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، اور صدقات وخیرات کے ذریعہ انسانی زندگی کی خیرخواہی کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے ایک ایک حکم پر ایمان رکھتے ہیں، وہ بھی صرف زبانی اور اقراری نہیں، بل کہ عملی اور قلبی ایمان رکھتے ہیں، ان کی زبان اور ان کے دل پر جو کچھ ہے، وہ اسے اپنے عمل سے ظاہر کرتے ہیں، اور خدا ترسی اور خدا پرستی ان کی زندگی کا شیوہ ہے۔

ایسے خلاصۂ انسانیت حضرات کے لیے اللہ تعالیٰ کی رحمت خاص طور سے ہے، اور وہ انھیں دنیا و آخرت میں خوب خوب نوازے گا، اور ان کو اپنی رحمت میں لے لے گا۔

اللہ تعالیٰ ہم گناہ گاروں کو اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں، اور اپنی رحمت سے ہماری زندگی کو دونوں جہان میں کام یاب بنائے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ ؕ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ وَ یُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ الَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِنَا یُؤْمِنُوْنَ ۝۱۵۶

اور میری رحمت ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے، میں عنقریب ایسے لوگوں کے لیے ضروری کردوں گا، جو تقویٰ کی زندگی اختیار کرتے ہیں، اور زکوٰۃ دیتے ہیں، اور جو لوگ ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ (پ ۹ ع ۹ سورۂ اعراف:۱۵۶)

خدا نے جان دار اور غیر جان دار سب مخلوق کو پیدا کیا، سب کو زندگی دی، زندگی بسر کرنے کی آسانیاں دیں، ہوا مفت دی، زمین مفت دی، اور فضا مفت دی، ہر ذی روح، اور غیر ذی روح جہاں چاہے، جدھر چاہے، دن گزارے، جس طرح چاہے، رات گزارے، جہاں کی ہوا چاہے، استعمال کرے، جس جگہ چاہے، پانی پئے، جس خطہ کو چاہے جوت کر غلہ نکالے، جب چاہے آگ جلا کر کھانا پکالے، اور آزادی کے ساتھ کھائے پئے۔

سب کے اندر جلبِ منفعت کی صلاحیت دی، دفعِ مضرت کی طاقت دی، فائدہ حاصل کرنے کے اَسباب ووسائل بہم پہونچائے، مشکلات دور کرنے کی صورتیں نکالیں، ان تمام واقعات وحقائق پر نظر دوڑاؤ، اور بتاؤ کہ یہ خدا کی رحمت نہیں تو اور کیا ہے، جو زمین کے ذرہ ذرہ کو گھیرے ہوئے ہے، نہ کوئی جاندار اس سے باہر، نہ کوئی غیر جاندار اس سے محروم ہے۔

پس یہ رحمت عامہ جسے تم روزانہ مشاہدہ کرتے ہو، جو جان دار و غیر جان دار اور کافر ومومن سب کو عام ہے، اتنی وسیع وعریض ہے کہ ہر چیز کو شامل وحاوی ہے، اس کے مقابلہ میں رحمت خاصہ ہے، جو نیکوکاروں، متقیوں، دین داروں، اور صدقات وخیرات کرنے والے کے لیے خاص ہے، جس کا ظہور اَعمال وکردار کے بعد ہوتا ہے، جو خدا اور اس کے رسول کی مرضی کے مطابق ہوتے ہیں، اور جن سے انسانیت کو فائدہ پہونچتا ہے۔

پس یہی وہ رحمت ہے، جسے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے لیے خاص کر دیتا ہے، جو صلاح وتقویٰ کی زندگی گزارتے ہیں، اور اپنے بلند کارناموں کی وجہ سے خلاصۂ انسانیت بن کر خداوندی توجہ خصوصی کے مستحق ٹھہرتے ہیں۔

تم دیکھ لو! آج بھی جو لوگ شرافت وانسانیت کی زندگی بسر کرتے ہیں، وہ موجودہ ہنگاموں اور شورشوں سے یکسو اور پُرسکون ہوتے ہیں، ان کو ہر طرح کا اطمینان ہوتا ہے، اور خداوندی برکات وفیوض سے ان کی زندگی کی قدریں پُر ہوتی ہیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِيْلِ ؗ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَ يَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَ الْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ؕ

جو لوگ اس رسول اور نبی امی کی پیروی کرتے ہیں، جسے اپنے پاس تورات وانجیل

میں لکھا ہوا پاتے ہیں، جو ان کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتا ہے، اور ان کے لیے پاکیزہ چیزوں کو حلال کرتا ہے، اور ناپاک چیزوں کو ان پر حرام قرار دیتا ہے، اور ان سے ان کے باراور بیڑیوں اتارتا ہے، جو ان کے اوپر تھیں۔ (پ ۹ ع ۹ سورۂ اعراف: ۱۵۷)

یہاں قرآن حکیم نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چند بنیادی اوصاف کو بیان فرمارہا ہے، وہ اوصاف ایسے ہیں، جن کا تعلق ساری دنیا سے ہے، اور اس نبی رحمۃ للعالمینی کی دلیل ہے، آپ کی ذات اقدس نبوت ورسالت سے بالاتر ہوکر نبوت ورسالت کی ساری حقیقتوں کو جامع ہے۔

آپ کی اس جامعیت ومرکزیت اور انسان نوازی کا شہرہ اگلوں اور پچھلوں سب میں ہے، تورات وانجیل اور ان کے علاوہ جو آسمانی کتابیں ہیں، ان سب میں ایک ایسے جامع ومکمل اور عالم گیر نبی کا ذکر موجود ہے، اس نبی کی زندگی کا مشن دو بنیادی باتوں پر جاری وساری ہے، ایک امر بالمعروف یعنی ہر قسم کی اچھائیوں کی تبلیغ کرنا کرانا، بات سے کام سے جماعتی طور پر انفرادی حیثیت سے غرض کہ اٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے، اچھائیوں کی تبلیغ کرنا اس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اس کے پیروکاروں کی زندگی کا ایجابی پہلو ہے۔

دوسری بنیادی بات نہی عن المنکر یعنی ہر قسم کی بُرائیوں سے روکنا ہے، اس سلسلہ میں جدوجہد کی تمام پونجی کو خرچ کرنا، اس نبی اور اس کی امت کا امتیازی نشان ہے، حتیٰ کہ اس نہی عن المنکر کے لیے آخری کوشش جہاد وغزوہ ہے، جس کے بعد یا شہادت کا روحانی مرتبہ ہے، یا غنیمت اور فتح وظفر کی دولت ہے، اس نبی اور اس کی امت کا یہ سلبی پہلو ہے۔

پھر وہ نبی انسانیت کی بحالی اور اس کی بشاشت کے لیے حلت وحرمت کا نسخہ بھی پیش کرتا ہے، وہ ان غذاؤں کو ممنوع وحرام قرار دیتا ہے، جو خود یا ان کے ذرائع ایسے غلط اور ناپاک ہیں، جن سے انسانیت کو دھکا لگتا ہے، اور ان غذاؤں کو حلال وجائز قرار دیتا ہے،

جن کے اندر مادی اور روحانی افادیت ہے، اور جن کے استعمال سے ہمارے انسانیت کے چہرہ پر بشاشت چھاجاتی ہے۔

پھر ان اُصولوں کے بعد وہ نبیؐ انسان کو ان تمام بیڑیوں اور جکڑ بندیوں سے نجات دلاتا ہے، جو سماج کی غلط راہ ورسم کی وجہ سے پیدا ہو چکی ہیں، انسان کو ایک خدا کے سامنے مسئول قرار دے کر ساری دنیا کی غلامی اور اس کے سامنے جواب دہی سے آزاد کر دیتا ہے۔

پس جو لوگ ایسے نبیؐ اور ایسے مذہب کے پیرو کار ہیں، وہی کام یاب و کام راں ہیں، اور دنیا و عقبیٰ کی تمام اچھائیاں ایسے ہی لوگوں کے لیے خاص ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝١٥٧

پس جو لوگ ایسے نبی پر ایمان لائے، اور انھوں نے اس کی عزت کی، اور اس کی مدد کی، اور اس نور کی پیروی کی، جو اس کے ساتھ اُتارا گیا ہے، یہی لوگ فلاح یاب ہیں۔

(پ ۹ ع۹ سورۂ اعراف:۱۵۷)

دنیا کے سب سے بڑے مصلح، اور سب سے بڑے نبی و رسول نبی آخر الزماں ہیں، جن کی صفات اگلی کتابوں میں مذکور ہیں، جن کی بشارت اگلے انبیاء دیتے چلے آئے ہیں، جو انسانیت کو آخری نقطۂ عروج پر پہونچانے والے ہیں، جو انسانوں کو ان تمام رسم و قیود سے آزاد کرنے والے ہیں، جن کی وجہ سے انسان کا حلیہ بگڑ گیا ہے۔

ایسے کام یاب رہنما پر جو ایمان لائے، اس کی بتائی ہوئی راہ پر چلے، اور اس کے پیدا کیے ہوئے عقیدہ و عزم کی بنیادوں پر آگے بڑھے، ان کے لیے سراسر کام یابی ہے، عزت مندی اور فتح یابی، ان کے لیے جنھوں نے اس نبی کے مشن کی عزت کی، اس کے آگے

بڑھانے کے لیے جو آگے بڑھے، اور جن لوگوں نے اس نبی کی ذات کو سامنے رکھ کر اس کی حرکت، ہر گفتار ہر رفتار اور ہر بات کی پیروی کی، اس نبی اور اس کے لائے ہوئے اصول کے لیے اپنے کو پیش کیا، مال و دولت کو پیش کیا، اور عزت و آبرو کو پیش کیا۔

اس دنیا کی اندھیری میں دنیا کی بہت سی قومیں بھٹکتی ہیں، ان کو صحیح راہ نہیں ملتی کہ صحیح زندگی گزار کر صحیح انجام کو پہونچیں، مگر جو لوگ اس نبی کے لائے ہوئے نور کی روشنی سے فیض یاب ہیں، اور جن کے پاس کتاب مبین قرآن حکیم کی روشنی ہے، وہ صحیح زندگی کی روشن و تابناک شاہ راہ پر گامزن ہیں، ان کے لیے کہیں اندھیرا نہیں ہے، کوئی منزل خطرناک نہیں، کوئی راہ بھیانک نہیں، وہ ہر وادی میں بے خطر چلتے ہیں، اور راستہ کی دشواریوں سے دامن بچاتے ہوئے منزل مقصود تک پہونچ جاتے ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ اندھیرے کا پیدا کرنے والا ہی اجالا پیدا کرتا ہے۔

وہ یقین رکھتے ہیں کہ مشکلات کا دینے والا آسانیاں بھی دیتا ہے، وہ جانتے ہیں کہ جس نے رات اور اس کی ساری ویرانی کو بنایا ہے، اسی نے دن اور اس کی ساری رونق کو پیدا کیا ہے۔

پس حالات وواقعات کی ناگواری ہو یا خوش گواری، وہ لوگ کام یاب وکامراں ہیں، جن کے سامنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسوۂ حسنہ ہے، جن کے سامنے احترام رسالت کا اصول ہے، اور جن کے سامنے کتاب مبین کی روشنی ہے، برخلاف اس کے جو لوگ ان برکتوں سے محروم ہیں، ان کے لیے سراسر محرومی وحرماں نصیبی ہے، اور ناکامی وخسران ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا ۨالَّذِىْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْىٖ وَ يُمِيْتُ ۖ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهِ النَّبِىِّ الْاُمِّىِّ الَّذِىْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ كَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

آپ کہہ دیں کہ اے انسانو! میں تمام لوگوں کی طرف اللہ کا رسول بن کر آیا ہوں، جس کے لیے زمین وآسمان کی بادشاہت ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ جلاتا اور مارتا ہے۔ (پ ۹ ع ۱۰ سورۂ اعراف:۱۵۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انسانوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی ورسول بن کر آئے، وہ صرف عرب کے پیغمبر نہیں ہیں، اور نہ صرف اپنے زمانہ کے نبی اور رسول ہیں بل کہ وہ تو سارے جہان کے لیے ابدی اور دائمی رسول بن کر آئے، ان کا لایا ہوا دین اپنے اصول وفروع میں اپنی بڑی وسعت اور گنجائش رکھتا ہے، اور خدا پرستی کی جس حقیقت کی وہ دعوت دیتا ہے، اسے ہر متمدن اور غیر متمدن سمجھتا ہے، اور اس کے تقاضے کے مطابق زندگی بسر کرسکتا ہے۔

اسلام کی بنیادی تعلیم توحید الٰہی کی ہے، یعنی یہ کہ زمین وآسمان میں صرف اسی ایک خدائے وحدہ لاشریک کا حکم چلتا ہے، اور اس کے علاوہ اس کی مخلوق کو اس کی حکومت اور بادشاہت میں کسی قسم کا کوئی دخل نہیں ہے، اور وہی جلاتا اور مارتا ہے، موت وحیات اسی کے قبضے میں ہے، کسی غیر کو ان میں کوئی دخل نہیں ہے، اسلام نے اس بنیاد پر انسانوں کو فلاح ونجاح کی دعوت دی، اور پیغمبرِ اسلام (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے پوری دنیا کے ہر زمانے کے انسانوں کو اسی بنیاد پر اسلامی تعلیم دی ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا ِالَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْیٖ وَ يُمِيْتُ ۪ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الَّذِیْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ كَلِمٰتِهٖ وَ اتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

آپ کہہ دیں کہ اے انسانو! میں تمام لوگوں کی طرف اللہ کا رسول بن کر آیا ہوں،

جس کے لیے زمین وآسمان کی حکومت ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔ (پ ۹ ع ۱۰ سورۂ اعراف: ۱۵۸)

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت ورسالت ساری کائنات انسانی کے لیے ہے، اور آپ کی دعوت نبوت ورسالت کا ہر ایک انسان مخاطب ہے، یہ آواز قیامت تک سنی جائے گی، اور کہنے والے اس پر لبیک کہیں گے، آپ خاتم النبین ہیں یعنی آپ کے بعد نبوت ورسالت اپنی تمام نوعیتوں اور قسموں کے ساتھ بند ہو گیا۔

اب نہ ظلی نبی ورسول کی گنجائش ہے، اور نہ ہی بروزی نبوت ورسالت کے لیے موقع ہے، بلکہ قصر نبوت مکمل ہو چکا ہے، اور پوری انسانیت کے سامنے کے لیے اس میں گنجائش پیدا کی جا چکی ہے۔

پس قیامت تک کے لیے مشرق ومغرب اور شمال وجنوب کی ہر انسانی بستی پر اسلام کی روشنی پڑے گی، اور اس میں سے سعادت مند روحیں اکتساب نور کریں گی، اسلام اپنے اصول وقوانین کے اعتبار سے عالم گیر ہے، اور کسی قوم یا فرد کو اس کی ملکی، نسلی، قومی، جغرافیائی اور اس کی حد بندی اس اصول پر چلنے سے مانع نہیں ہو سکتی، بل کہ اسلام کے اصول ہر قوم اور ہر مقام کے حالات کی مناسبت سے اپنے فروع کو جاری کریں گے۔

قُلْ يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ ۖ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ الَّذِي يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَكَلِمَاتِهِ وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿١٥٨﴾

آپ کہہ دیں کہ اے انسانو! میں تم لوگوں کی طرف اس اللہ کا رسول بن کر آیا ہوں، جس کے لیے زمین وآسمان کی ملک ہے، اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے، وہی

زندگی اور موت دیتا ہے، پس تم لوگ اللہ پر اور اس کے نبی امی پر ایمان لاؤ، جو اللہ اور اس کے کلمات پر ایمان رکھتا ہے اور اس کی پیروی کرو، تاکہ تم ہدایت یاب ہو۔

(پ ۹ ع ۱۰ سورۂ اعراف: ۱۵۸)

اسلام کی دعوت کا اصل مرکز توحید و خدا پرستی کا وہ نقطۂ عروج ہے، جس پر دنیا کا کوئی مذہب، کوئی دین، اور کوئی مسلک نہیں پہونچ سکا، اس آسمان کے نیچے اس زمین کے اوپر توحید و خدا پرستی کے بڑے بڑے دعوے دار نمودار ہوئے، مگر وہ اسلام کے نظریۂ وحدت اور خدا پرستی کے تصور کو پیش نہ کر سکے، کسی نے خدا کا شریک ذات میں ٹھہرایا، کسی نے صفات میں ٹھہرایا، کسی نے دونوں قسم کے شرک سے بچنے کے لیے ظل و بروز کا نظریہ ظاہر کیا، کسی نے مخلوقات کو خدا کا مظہر بتایا، دریاؤں، پہاڑوں، اور درختوں تک میں خدا کو حلول مانا، رسمی خداؤں، اور وہمی معبودوں کا مجسمہ بنا کر فصلوں، موسموں اور وقتوں کے معبود بنائے۔

غرض کہ انسانی عقل میں ایک بن دیکھی ذات کو جو مالک کل ہے، بٹھانے کے لیے لاکھوں جتن کیے گئے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس طرز تعلیم و تفہیم سے خدا کی ذات اور اس کی صفات کا صحیح عقیدہ تو انسانوں کے دلوں میں تو نہ بیٹھ سکا، البتہ دوسرے خداؤں اور معبودوں نے خدا کے نام پر انسانی دل و دماغ پر اپنا قبضہ جما لیا اور مخلوقات کا ایک ایک تنکا ایک ایک ذرہ خدا کا ہمسر سمجھا جانے لگا۔

قرآنِ حکیم نے اعلان کیا کہ ہادیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا پرستی کا جو اصول پیش کرتے ہیں، اس میں مخلوقات میں سے کسی چھوٹی یا بڑی چیز کو کوئی درجہ حاصل نہیں ہے، بل کہ وہ سب کی سب خدا کے ماتحت اور اس کی ملکیت میں ہے، یہ رسول اس خدا کی طرف دعوت دیتا ہے، جس کے قبضہ میں زمین و آسمان اور ان کی ساری کائنات ہے۔

پس ان میں سے کوئی چیز خدا کی ہمسر اور ہم پلہ نہیں ہو سکتی، نہ کسی تنکے میں خدائی

آسکتی، نہ کسی پہاڑ یا دریا میں یہ شان پیدا ہوسکتی ہے۔

پس اے انسانو! اگر توحید خدا پرستی کی صحیح راہ پر لگنا ہے، تو اس نبی پر ایمان لاؤ، جس کی تعلیمات فطری ہیں، اور جو دنیا کے عقلی اور نقلی علوم وفنون سے ہٹ کر نہایت سیدھی سادی بات کہتا ہے، نہ اس کے یہاں اشراقیین ومشائین کا جھگڑا ہے، نہ توحید وتثلیث میں دست وگریبانی ہے، نہ ظاہر پرستی ہے، اور نہ ظل وبروز کی کج بحثی ہے، اس لیے اگر تم صحیح ہدایت کے خواہاں ہو تو اس صحیح انسان کی بات مانو، جو تمام باتیں فطری کہتا ہے، اور علم وفن اور عقلیت وفلسفہ سے الگ ہو کر کہتا ہے۔

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا ۨالَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَ يُمِيْتُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ كَلِمٰتِهٖ وَ اتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

آپ کہہ دیں کہ اے لوگو! میں تم تمام لوگوں کی طرف اس اللہ کا رسول بن کر آیا ہوں، جس کے لیے زمین وآسمان کی ملک ہے، اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے، وہ جلاتا اور مارتا ہے۔ (پ ۹ ع ۱۰ سورۂ اعراف: ۱۵۸)

اسلام تمام اَدیان وملل کے لیے ناسخ ہے، اسلام کی تشریف آوری کے بعد کسی دین وملت کی ضرورت باقی نہیں رہی، کیوں کہ اسلام تمام ادیان وملل کا حاوی وحامل ہے، اس میں انسانی فلاح ونجاح کے لیے جس قدر اصول وضابطے قدیم وجدید ہوسکتے تھے، سب موجود ہیں۔

اس لیے اسلام پر عمل کرنا گویا تمام حقائق ثانیہ پر عمل کرنا ہے، اور اس کا انکار کر کے کسی ایک جزوی چیز پر عمل کرنا، صرف ایک رخ پر نظر جمانا ہے، جو کسی دور میں ایک

خاص ملک ونسل کے انسانوں کے لیے قدرت کی طرف سے اجاگر کیا گیا ہے، اور بعد میں اس کے اندر ملاوٹ کر کے حق کو باطل سے اس طرح ملا دیا گیا کہ بعد والوں کے لیے امتیاز و فرق مشکل ہو گیا۔

پس دین اسلام اللہ رب السمٰوٰت والارض کا دین ہے، اور انسانوں کے لیے اسی کو اپنانا ضروری ہے، اور جو کوئی اس کے سوا دین قبول کرے گا، وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں نامقبول ہوگا، اور یہ نظریہ مردود ہے کہ تمام اَدیان آج بھی اسی طرح سے موجود ہیں کہ ان میں جس پر عمل کیا جائے، صداقت مل جائے گی، یقیناً اپنے اپنے دور میں ہر صحیح دین میں سچائی تھی، مگر اب سب کی سچائیاں بحق اسلام ختم ہو کر اسلام کی شکل میں دنیا میں آ گئی ہیں، اور اب انسانوں کو اسلام ہی کو اپنانا چاہیے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖۤ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَ اَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۭ بَئِيْسٍۭ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۱۶۵﴾

پھر وہ جب بھول گئے، جو انھیں سمجھایا گیا تھا، تو ہم نے ان لوگوں کو بچالیا، جو بُرائی کرتے تھے، اور ظالموں کو بُرے عذاب میں پکڑا، بدلے میں ان کے فسق کے۔

(پ ۹ ع ۱۰ سورۂ اعراف: ۱۶۵)

انذار و تبشیر کے بعد اللہ کی حجت تمام ہو جاتی ہے، اور مجرموں کے لیے کسی قسم کے عذر و معذرت کی گنجائش نہیں رہ جاتی، اور وہ عذاب میں گرفتار کیے جانے کے بعد یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہمیں سمجھایا نہیں گیا، اور بغیر کسی تنبیہ و انذار کے ہمیں اچانک عذاب میں گرفتار کر لیا گیا۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ ہے کہ وہ انسانوں کو صحیح اور غلط کی نشان دہی کراتا ہے، انبیاء و رسل مبعوث فرما کر ان کو اچھے اور بُرے سے آگاہ کرتا ہے، اور گمراہی

اور ہدایت کی باتوں کو نہایت واضح طریقہ پر ان کے سامنے رکھ دیتا ہے۔

اس کے بعد جو لوگ راہ راست پر آجاتے ہیں، اور نیکی کی راہ پر چل کر بُرائی کی راہ سے دور ہو جاتے ہیں، ان کے لیے امن و امان اور انعام و اکرام ہوتا ہے، اور جو لوگ گمراہی اختیار کرتے ہیں، اور بُرائی سے نہ خود باز آتے ہیں، نہ دوسروں کو باز رکھنے کی کوشش کرتے ہیں، ان کو اللہ تعالیٰ کی گرفت عذاب وعتاب میں مبتلا کر دیتی ہے، اوران کے لیے کوئی عذر باقی نہیں رہ جاتا کہ وہ آئندہ کے لیے نیک روش کا وعدہ کر کے اپنے کو بچالیں، یا اللہ تعالیٰ کے رحم وکرم سے التجا کریں کہ ہمیں اچھے بُرے کی تمیز کرادی جاتی، تو ہمارا یہ حشر نہ ہوتا۔

جو لوگ آج بھی جان بوجھ کر بُرائیوں میں مبتلا ہیں، ان کو اپنے انجام کی فکر کرنی چاہیے، اور آخرت سے پہلے دنیا ہی میں بُرے دن دیکھنے سے بچنے کی تدبیر کرنا چاہیے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ قَطَّعْنٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَ مِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ ۫

اور ہم نے ان لوگوں کو زمین مین گروہ گروہ کر کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، ان میں سے نیک لوگ ہیں، اوران میں سے اس سے علاوہ لوگ ہیں۔ (پ۹ ع ۱۰ سورۂ اعراف: ۱۶۸)

دنیا کی قوموں پر قدرت کی طرف سے بڑی مار یہ ہے کہ ان کا شیرازہ منتشر ہو جائے، ان کی جمعیت بکھر جائے، اوران کی یک جہتی میں پھوٹ پڑ جائے، جب کوئی قوم قدرت کی بخششوں سے غلط طور پر فائدہ حاصل کرتی ہے، تو اس کے دماغ میں کبر و نخوت اور فخر و غرور کا کیڑا کاٹنے لگتا ہے، اور طرح طرح کی حرام کاری، اور بدچلنی کی راہیں سامنے آجاتی ہیں، چھوٹوں پر ظلم و زیادتی کے لیے ہاتھ بڑھنے لگتا ہے، لوٹ گھسوٹ کے لیے تجوری تقاضا کرنے لگتی ہے، اور خدمت و بیگاری کے نام پر اپنے ہی بھائیوں اور بہنوں کے ساتھ جانوروں کا سا سلوک کرنے لگتی ہے۔

جب کسی کھاتی پیتی قوم کا یہ حال ہوجاتا ہے، تو پھر قدرت کی اس پر مار پڑتی ہے، آپس میں پھوٹ پڑ جاتی ہے، بددلی جگہ پکڑ لیتی ہے، اور اس قوم کا ہر فرد اپنی اپنی چال میں لگ جاتا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ قوم اجتماع واتحاد کی نعمت سے محروم ہوکر اختلاف وافتراق کی زحمت میں مبتلا ہوجاتی ہے، خاندانی اور قبائلی تصورات ابھرنے لگتے ہیں، پیشوں اور صنعتوں کے نام پر ان کی تقسیم ہوجاتی ہے، مذہب ودین میں فروعی مسائل، اصولی مسائل سے زیادہ اہم سمجھے جانے لگتے ہیں، اور اصل دین کو پس پشت ڈال کر وہ قوم جہالت ونادانی کی وجہ سے اپنے پارٹی کے سرداروں کی گمراہی میں پڑ کر آپس میں سر پھٹول کرتی ہے، اور چھوٹے رہنما کو لڑاتے ہیں، اور اپنا اُلو سیدھا کرتے ہیں۔

اس صورت حال کے انجام کے طور پر قوم کے کچھ لوگ نیک راہ پر ہوتے ہیں، اور اپنا نصب العین نہیں چھوڑتے، اور کچھ لوگ جہل وتعصب اور پارٹی بازی اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے باطل پرستی اور غلط طرف داری کا شکار ہوجاتے ہیں۔

مسلمانو! غور کرو، تم بھی آج اسی دردناک زندگی سے تو نہیں گزر رہے ہو، اگر یہ باتیں ہیں تو پھر تم میں طرح طرح کی پارٹی بندی کیوں ہے؟ تمہارے سیاسی لیڈر اور مذہبی رہنما کیوں مختلف ٹولیوں میں بانٹے ہوئے ہیں، اور ان شکاریوں کے جال میں تم کیوں پھنسے ہوئے ظلم وجہالت اور اختلاف وافتراق کی نذر رہو۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اور ہم نے ان لوگوں کو زمین میں ٹکڑے ٹکڑے کر کے گروہ گروہ کر دیا، ان میں سے نیک لوگ بھی تھے، اور ان سے اور طرح کے لوگ بھی تھے۔ (پ۹ ع۱۱ سورۂ اعراف: ۱۶۸)

جب کوئی قوم اتحاد واتفاق کی دولت کی قدر نہیں کرتی ،اور باہمی اجتماع کی ناقدری کرتے ہوئی ،اجتماعی حرام کاریوں میں مبتلا ہوجاتی ہے،تو اس کی بربادی کے دن قریب آجاتے ہیں اور قدرت اسے بدکاری اور فسق وفجور کی سزا میں ٹکڑے ٹکڑے کرکے رکھ دیتی ہے۔

نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سجی سجائی محفل اکھڑ جاتی ہے،اور ایک بڑی آبادی کے بجائے سینکڑوں چھوٹی چھوٹی بستیاں بن جاتی ہیں،اور زندگی کی ایک ایک ضرورت کے لیے حیرانی وپریشانی ہوتی ہے، کچھ لوگ اجتماع سے محرومی کے نتیجہ میں بُرے حالات کا شکار ہوجاتے ہیں،اور ان کی زندگی میں بدی کا رنگ پیدا ہوجاتا ہے،اور کچھ لوگ جو پہلے اچھے ہوتے ہیں، بعد میں بھی نیک اور اچھے ہی رہتے ہیں۔

یعنی اجتماعی بُرائی سے اجتماعی تباہی آتی ہے،اور غیر ذمہ دارانہ زندگی گزارنے سے بڑی بڑی قومیں بڑے بڑے تمدن اور تہذیب پر تباہی آجاتی ہے،اور دیکھتے دیکھتے عظیم الشان تہذیبیں پارہ پارہ ہوکر ختم ہوجاتی ہیں۔

پس اے تہذیبِ نو کے پجاریو! تمدنی بُرائیوں اور خاندگی حرام کاریوں سے توبہ کرکے اپنے کو بچاؤ کی فکر کرو۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ قَطَّعْنٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَ مِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ ۫ وَ بَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَ السَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۶۸﴾

اور ہم نے ان کو آزمایا اچھائیوں اور بُرائیوں سے، شاید وہ غلط روی سے لوٹ جائیں۔ (پ ۹ ع ۱۱ سورۂ اعراف: ۱۶۸)

اس دنیا میں جینے اور مقام حاصل کرنے کے لیے کئی قسم کے امتحانات دینے پڑتے ہیں،اور ابتلاء وآزمائش سے یہاں پر کسی کو کچھ نہیں ملتا، اس سلسلہ میں کبھی آزمائش اچھے

حالات کے ذریعہ ہوتی ہے، اور کبھی بُرے حالات سے ہوتی ہے، یعنی کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ دنیاوی زندگی پر خداوندی بخششوں کی بارشوں ہوتی ہے، اور امن و بے خوفی کی نعمت ملتی ہے، رزق و معیشت کے سامان فراہم ہوتے ہیں، کسب و معاش کے ذرائع کی فراوانی ہوتی ہے، اور پوری آبادی چین کی بانسری بجاتی ہے۔

قدرت ان حالات کو پیدا کر کے معلوم کرنا چاہتی ہے کہ اس قوم کا ظرف کس درجہ وسیع ہے، اس کے اندر استحقاق و اہلیت کا کتنا مادہ ہے، اگر یہ قوم ان حالات میں اپنا عقلی توازن برقرار رکھتی ہے، اور زندگی کو اعتدال کی راہ سے نہیں ہٹاتی، تو پھر امتحان و آزمائش کی گھڑیاں ختم ہوجاتی ہے، اور ثبات و دوام کی سند مل جاتی ہے، تمکنت ارضی کا پروانہ دے دیا جاتا ہے، زمین کی وراثت بخش دی جاتی ہے، عزت و شرافت کا تاج سر پر رکھ دیا جاتا ہے۔

اگر ان حالات میں قوم کا مزاج بگڑ جاتا ہے، ظلم و ستم کی واردات ہونے لگتی ہے، شرارت و عدوان کی ہوا چل پڑتی ہے، تو پھر قوم کی ہوا اکھاڑ دی جاتی ہے، اس سے تمام باتیں سلب کر لی جاتی ہیں، ذلت و خواری کے گڈھے میں ڈھکیل دیا جاتا ہے، اسی طرح کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کسی جماعت کو بدحالی اور بے اطمینانی کی بھٹی میں تپایا جاتا ہے، حالات ساز گار بنا دیئے جاتے ہیں، زندگی کی راہوں پر رکاوٹ کے پہرے بیٹھا دیئے جاتے ہیں، اور دیکھا جاتا ہے کہ نامساعد حالات میں یہ قوم کہاں تک عزم و ارادہ اور جد و جہد کے ساتھ صبر و شکر کی زندگی گزار رہی ہے، اور اپنی اہلیت و قابلیت کو اجاگر کر رہی ہے، اگر عزم و ثبات کی چٹان پر قوم جمی رہتی ہے، تو پھر ثبات و دوام کا فیضان ہوتا ہے، اور اگر کفر و ناشکری اور جزع و فزع کا ظہور ہوتا ہے تو پھر اسے نااہل قرار دے دیا جاتا ہے۔

پس اے مسلمانو! وقت کی بھٹی میں اگر تم تپائے جا رہے ہو، تو کوشش کرو کہ تمہارا جوہر نکھر جائے، اور تم صبر و برداشت کے بھروسے قدرت کے امتحان میں پورے

اتر کران بخششوں کے وارث بنو، جو تمہارے اسلاف کے لیے عام تھی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ قَطَّعْنٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَ مِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ ۫ وَ بَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَ السَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۶۸﴾

اور ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہم نے ان کو زمین میں گروہ در گروہ ان میں سے نیک کچھ لوگ ہیں، اور کچھ لوگ اور طرح کے ہیں، آزمایا ہم نے ان کو اچھائیوں اور بُرائیوں سے، شاید کہ وہ باز آجائیں۔ (پ۹ع۱۱ سورۂ اعراف: ۱۶۸)

انسان مدنی الطبع واقع ہوا ہے، اور اس کی نفرت میں اجتماعی زندگی سے انس اور انفرادی زندگی سے نفرت پائی جاتی ہے، اس لیے کہ وہ اپنی زندگی کو کام یاب بسر کرنے کے لیے اجتماعی وتمدنی ماحول تلاش کرتا ہے، اور اِمداد باہمی اور آپ کے تعاون وتعاضد کی زندگی کو وحشت وتنہائی کی زندگی پر ترجیح دیتا ہے، اور اسے اجتماعیت سے اُنس اور انفرادیت سے وحشت ہے، مگر بسا اَوقات انسان اپنی ناکردنی اور بدکرداری کی وجہ سے اپنی کام یاب وناموس زندگی سے محروم ہوکر سراسر انفرادیت، بے تعلقی، اور اجنبیت کی زندگی بسر کرتا ہے، یہ زندگی سراسر ناکام ونامراد ہوتی ہے، جو اسے جرم کی سزا کے طور پر گزارنی پڑتی ہے۔

یہ بات اس وقت ہوتی ہے، جب انسان اپنی زندگی میں قوانین فطرت کی خلاف ورزی کرتا ہے، اور اصول وضوابط سے ہٹ کر لاقانونیت، انارکی، اور انتشار کو بہتر سمجھتا ہے، ایسا ذہن معاصی اور جرائم کی وجہ سے بن جاتا ہے، اور اللہ اور اس کے بندوں کے حقوق وواجبات میں کمی کرنے اور دنیا میں شر وفساد پھیلانے کے باعث لعنت وملامت کی یہ نکمی زندگی ملتی ہے، بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے اس مجرمانہ روش کی سزا میں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، اور یہودی قوم کو دنیا کے کونے کونے میں بکھیر دیا، اور اسے کہیں امان نہ مل سکی۔

دنیا میں یہ قوم انتشار، لامرکزیت میں اپنی مثال آپ ہے، اور آج جو تم حکومت اسرائیل کی صورت میں دیکھ رہے ہو، اس قوم کا ایک مرکز دیکھ رہے ہو، وہ مرکز نہیں ہے، بل کہ ہنگامی غلبہ ہے، جسے موجودہ دور کے دہریوں اور نصاریٰ کی سیاست نے جنم دیا ہے، اور جو وقتی ہوا کے ساتھ ساتھ ختم ہو جائے گا۔

کوئی قوم پوری کی پوری خراب نہیں ہوتی، بل کہ اس میں اچھے بُرے سب ہی ہوتے ہیں، چناں چہ یہی حال یہودی قوم کا بھی تھا، ان میں بُروں کے ساتھ اچھے بھی تھے۔

اس سزا کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو سنبھلنے کا موقع دیا، اور اچھی اور بُری دونوں راہیں دکھائیں، تا کہ وہ اب سنبھل جائیں، اور اپنے کو درست کر کے انسانیت وشرافت کی زندگی بسر کریں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ قَطَّعْنٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَ مِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ ؗ وَ بَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَ السَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۶۸﴾

اور ٹکڑے کر دیا ہم نے ان کو زمین کے اندر جماعت جماعت کر کے ان میں سے نیک کار تھے، اس میں سے ان کے علاوہ تھے، اور ہم نے ان کو نیکیوں اور بُرائیوں کے ذریعہ آزمایا۔ (پ ۹ ع ۱۱ سورۂ اعراف: ۱۶۸)

اللہ تعالیٰ نے اجتماع میں زندگی رکھی ہے، وہ جس قوم کو زندہ رکھنا چاہتا ہے، اس میں اجتماعیت کو پیدا فرما دیتا ہے، اور اس میں اتحاد و اتفاق پوری طرح اجاگر کرتا ہے، اور جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر موت طاری کرنا چاہتا ہے، تو اس میں ناانصافی، باہمی دشمنی، حسد، عداوت اور انتشار پیدا کر دیتا ہے۔

یہ انتشار اس قوم کی تمام اچھائیوں کو اس طرح ختم کر دیتا ہے کہ جس طرح تیز آگ

سوکھی لکڑی کو ختم کر دیتی ہے، اور اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کے بارے میں فرماتا ہے کہ ہم نے ان کو علم وحکمت اور قوت وطاقت دے کر دنیا کی امامت کا درجہ دیا تھا مگر انھوں نے شرارت کی، تو ہم نے ان کی یکجہتی اور اتفاق واتحاد کو ختم کر کے ان کو گروہ گروہ کر دیا، اور یکجائی کے بجائے مختلف علاقوں اور حلقوں میں منتشر کر دیا۔

اس ابتلاء کے دور میں کتنے ہی لوگ نیک کار تھے، اور کتنے ہی بدکار اور گناہ گار، پھر ہم نے ان دونوں کو طرح طرح کی آزمائشوں سے دوچار کیا، اور ان کو جانچا کہ ان میں اگر استعداد وصلاحیت دوبارہ آجائے، تو ہم اسے دوباہ عروج وترقی کی طرف پھیر دیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

فَخَلَفَ مِنۢ بَعۡدِهِمۡ خَلۡفٌ وَّرِثُوا الۡكِتٰبَ يَاۡخُذُوۡنَ عَرَضَ هٰذَا الۡاَدۡنٰى وَ يَقُوۡلُوۡنَ سَيُغۡفَرُ لَنَا‌ۚ

پس اس کے پیچھے ایسے لوگ آئے، جو کتاب کے وارث ہوئے، وہ اس دنیا کے سامان کو لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہماری مغفرت کر دی جائے گی۔

(پ ۹ ع ۱۱ سورۂ اعراف: ۱۶۹)

یہ اُوپر سے اہل کتاب کا ذکر ہو رہا ہے کہ اور بتایا جا رہا ہے کہ بعد میں ان کے اندر مختلف جماعتیں بن گئیں، کچھ لوگ اچھے بنے، اور کچھ بُرے بنے، ان ہی بعد میں آنے والوں میں ایک جماعت وہ بھی جو علمائے دین سے تعلق رکھتی تھی، دینی کتاب کی وراثت اسے ملی تھی۔

اسے حرام وحلال کا علم دیا گیا تھا، اور دینی امور ومعاملات میں اسے ذمہ دار اور مسئول قرار دیا گیا، مگر اس کا حال یہ ہوا کہ دنیاداری، اور دنیا طلبی ان کا مقصد زندگی بن گئی، اور مذہب کے نام پر عوام کو لوٹنا اس کا مشغلہ ہو گیا۔

پھر بے حسی بل کہ جسارت کا حال یہ تھا کہ اس ناکردنی کے باوجود وہ لوگ کہتے تھے کہ ہماری ان کوتاہیوں کی معافی ہوجائے گی، اور ہم اللہ سے بخشوالیں گے، بالکل یہی حال مسلمانوں میں بھی ایک مذہبی طبقہ کا ہے، جو اپنے کو دین کا عالم سمجھتا ہے، مگر اس کے پیش نظر رات ودن دنیا ہوتی ہے، یہ طبقہ یہود ونصاریٰ کے نقش قدم پر چل رہا ہے، اللہ تعالیٰ ہمارا حال نیک بنادے۔

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَ يَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ وَ اِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ ؕ اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَ دَرَسُوْا مَا فِيْهِ ؕ

پھر ان کے پیچھے آئے ناخلف، جو وارث بنے کتاب کے، وہ لیتے ہیں ادنیٰ زندگی کے، اور کہتے ہیں کہ ہم کو معاف کردیا جائے گا، اور اگر ایسے اسباب ان کے سامنے پھر آئیں، تو ان کو لے لیں، کیا کتاب میں ان سے عہد لیا نہیں گیا کہ اللہ پر سچ کے علاوہ نہ بولیں، اور جو کچھ اس میں ہے، انھوں نے اس میں پڑھا ہے۔ (پ۹ ع۱۱ سورۂ اعراف:۱۶۹)

یہودی قوم کی تباہی بربادی کے دن اس وقت سے شروع ہوئے، جب کہ تورات اور آسمانی کتاب کے علوم وفنون کو ان کے ناخلف لوگوں نے حاصل کیا، اور نہ نباہ سکے، انھوں نے اللہ کی کتاب کے بدلے دنیا خریدنی شروع کی، اور خداوندی احکام میں معمولی معمولی رقم لے کر کمی بیشی کرنے لگے اور سمجھنے لگے کہ دین ہمیں لوگوں کی ان حرکتوں کا نام ہے، اور ہمیں حق حاصل ہے کہ توریت میں ہم جیسے کمی، بیشی کریں۔

پھر اس معاملہ میں ان کے اندر اتنی جرأت پیدا ہوئی کہ ہماری ان لغزشوں کو اللہ تعالیٰ معاف کردے گا، کیوں کہ ہم لوگ اللہ کے پیارے ہیں، اور وہ ہم سے زیادہ محبت کرتا ہے۔

اس ذہنیت کا نتیجہ یہ ہوا کہ گزشتہ غلطیوں پر نادم اور تائب ہونے کے بجائے وہ آئندہ کے لیے جری بن گئے، اور آنکھ بند کر کے دین کے نام پر عوام سے فائدہ حاصل کرنا اپنا منصبی فرض سمجھنے لگے، اور بلا تر دد اللہ تعالیٰ کے اَحکام کے نام پر دنیا کمانے لگے۔

حالاں کہ اسی توریت میں ان کو بتایا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ پر افتراء نہ باندھیں، اور جھوٹی جھوٹی باتیں اس کی طرف منسوب نہ کرلیں، اور پھر اس مضمون کو خود انھوں نے پڑھا، اور اسے بار بار سمجھا، اور سمجھایا بھی، بات یہ ہے کہ جب دماغ چل پڑتا ہے، تو ہر بات الٹی معلوم ہونے لگتی ہے، اور انسان اپنی ہر غلطی کو جائز قرار دینے کے لیے وجہ تلاش کرنے لگتا ہے۔

مسلمانوں میں بھی ایسے طبقے پیدا ہو گئے ہیں، جو دینی علوم کو دنیا کمانے کا ذریعہ سمجھتے ہیں، اور یہود و نصاریٰ کے مذہبی پیشواؤں اور پنڈتوں کی طرح اپنے کو دین کا ٹھیکہ دار سمجھتے ہیں، حالاں کہ اسلام میں اس کی گنجائش نہیں ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

فَخَلَفَ مِنۢ بَعۡدِهِمۡ خَلۡفٌ وَّرِثُوا الۡكِتٰبَ يَاۡخُذُوۡنَ عَرَضَ هٰذَا الۡاَدۡنٰى وَ يَقُوۡلُوۡنَ سَيُغۡفَرُ لَنَا ۚ

پھر ان کے بعد ایسے ناخلف آئے، جو کتاب کے وارث ہوئے، جو اس ادنیٰ زندگی کا سامان لیتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ہمیں معاف کر دیا جائے گا۔ (پ۹ ع۱۱ سورۂ اعراف:۱۶۹)

جب تک دنیا میں کسی قوم کی اعلیٰ روح کام کرتی رہتی ہے، وہ قوم اپنے تمام روحانی اخلاقی، دینی قدروں اور نیک کارناموں کے ساتھ نیک نام ہو کر زندہ و تابندہ رہتی ہے، اور دنیا میں عزت و سربلندی اور شوکت و بادشاہی اس کے قدم چومتی ہے، اس کا ظاہری نظام اس قدر استوار اور درست ہوتا ہے کہ کائنات کے ظاہری در و بست پر امن کا قبضہ رہتا ہے، اور اس کا باطنی اور روحانی نظام اس قدر بلند ہوتا ہے کہ سعادت مندیاں اور کامیابیاں اس کے

جلوے میں چلتی ہیں۔

مگر جب مدت گزرتے گزرتے اس قوم کے افراد کے ڈھانچے اپنے کارناموں کی روح سے خالی ہوجاتے ہیں، تو وہ اپنے بڑوں کی نیکیاں جتا کر اپنی برتری ثابت کرتے ہیں، اور خود اخلاق و دیانت، ایمان و روحانیت اور کردار و عمل میں نہ صرف یہ کہ صفر ہوتے ہیں، بل کہ طرح طرح کی بُرائیاں ان میں گھر کرلیتی ہیں۔

یہی حال اسلام سے پہلے اہل کتاب کے اَخلاف کا ہوا، یہود و نصاریٰ کے جانشیں ایسے اَحداث ہوئے، جنھوں نے تورات وانجیل کو اپنی وراثت بتایا، اور علمائے دین بن کر دنیا کے سامنے آئے، مگر ان کا عمل نہایت گرا ہوا تھا، وہ تورات وانجیل کے عالم تھے، مگر ان میں عمل کی روح نہ تھی، بل کہ رات دن دنیا کمانے کے پھیر میں رہا کرتے تھے، اپنے جاہل عوام کو نذروں، نیازوں، اور طرح طرح کی ڈھکوسلوں سے لوٹتے تھے، اور جب اس پر کوئی ملامت کرتا، تو بڑی شیخی سے کہہ دیا کرتے تھے کہ ہماری یہ غلطیاں تو اللہ تعالیٰ معاف ہی کردے گا، ہم علمائے دین ہیں، ہمارا مقام بہت بلند ہے۔

آج بھی مسلمانوں میں اس قسم کے جاہل پیر، ملا، مولوی موجود ہیں، جو قرآن کے نام پر دنیا کماتے ہیں، اور مسلمانوں کو طرح طرح کی خرافات وبدعات میں پھنسا کر ان کو لوٹتے ہیں، اور سمجھتے ہیں کہ ہمارے لیے سب کچھ معاف ہے۔

فَخَلَفَ مِنۢ بَعۡدِهِمۡ خَلۡفٌ وَّرِثُوا الۡكِتٰبَ يَاۡخُذُوۡنَ عَرَضَ هٰذَا الۡاَدۡنٰى وَ يَقُوۡلُوۡنَ سَيُغۡفَرُ لَنَا ۚ

ان کے بعد ایسے ناخلف آئے، جو کتاب کے وارث ہوئے، جو اس دنیا کا سامان لیتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ہمیں بخش دیا جائے گا۔ (پ۹ ع ۱۱ سورۂ اعراف: ۱۶۹)

یہاں پر بنی اسرائیل کا بیان ہو رہا ہے، اور فرمایا جا رہا ہے کہ بنی اسرائیل میں بعد میں ایسے لوگ پیدا ہوئے، جو تورات کے زبانی عالم تھے، اور ان کا شمار دینی علماء میں ہوتا تھا، مگر درحقیقت وہ دنیا کے متوالے تھے، ان میں علمی شان نہ تھی، بل کہ دنیاوی جاہ کی طلب تھی، اور پھر سب سے بڑی مصیبت یہ تھی کہ وہ اپنی اس غلط روش پر نہایت مطمئن تھے، اور ان کو اپنی اصلاح کا ذرہ برابر خیال نہ تھا۔

وہ کہا کرتے تھے کہ ہماری یہ لوٹ گھسوٹ مواخذہ اور پکڑ کا باعث نہیں بنے گی، بل کہ ہم تو علمائے دین ہیں، ہمیں تو ویسے بھی بہت چھوٹ حاصل ہے، اللہ نے ہماری بخشش کا پروانہ دے دیا ہے، ہم اللہ کے لاڈلے اور اس کے دوست ہیں، ہم جو چاہیں کریں، ہماری مغفرت ہو جائے گی، ان میں یہ بیماری جاہ پسندی، اور دنیا طلبی کی وجہ سے آئی تھی، اور ان کی اس گراوٹ کا سبب یہ تھا کہ وہ دنیاوی ساز و سامان اور عز و جاہ کے طالب تھے۔

پھر یہ بات بنی اسرائیل کے ناخلف اور نالائق علماء پر کیا موقوف ہے، مسلمانوں میں بھی اسی طرح کے علمائے سُوء رہے ہیں، اور اب بھی ہیں، جو اہل دولت اور اربابِ حکومت اور عوام کی چشم و ابرو پر دینی معاملات میں مجتہدانہ رائے دیتے ہیں، اور سمجھتے ہیں کہ ہم اسلام کو نئے دور کے تقاضوں کے مطابق لے کر چلنے کی کوشش کر رہے ہیں، اور اسلام ہماری فکر و نظر کا مرہون منت ہو رہا ہے، ایسے لوگ بنی اسرائیل کے مولویوں کے مانند ہیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

فَخَلَفَ مِنۢ بَعۡدِهِمۡ خَلۡفٌ وَّرِثُوا الۡكِتٰبَ يَاۡخُذُوۡنَ عَرَضَ هٰذَا الۡاَدۡنٰى وَ يَقُوۡلُوۡنَ سَيُغۡفَرُ لَنَا‌ ۚ

پس ان کے بعد ایسے ناخلف کتاب کے وارث ہوئے، جو اس دنیا کے سامان لیتے تھے، اور کہتے تھے کہ عنقریب ہماری مغفرت کر دی جائے گی۔ (پ ۹ ع ۱۱ سورۂ اعراف: ۱۶۹)

بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے تورات دی، جس میں حکمت وروشنی تھی، اور دنیا و آخرت میں کام یاب زندگی بسر کرنے کی تعلیمات تھیں، مگر یہ قوم امانت الٰہی کے اس منشور کو سنبھال نہ سکی۔

اور بعد میں ان کے ایسے ناخلف ہوئے تو کتاب یعنی تورات کے عالم وفاضل بنے، اور مذہبی پیشواؤں کے وارث ٹھہرے، مگر انھوں نے تورات پر عمل کرنے کرانے کے بجائے اسے غیر معمولی آمدنی کا ذریعہ بنالیا، اور جاہل عوام کو پھانس پھانس کر معمولی رقمیں وصول کرنے لگے، اور پھر سینہ زوری یہ کرتے تھے کہ ہماری ان غلطیوں کو اللہ تعالیٰ معاف کردے گا، اور اس پر کوئی مواخذہ ومحاسبہ نہیں کرے گا۔

کیوں کہ وہ اپنے کو اللہ کا پیارا اور لاڈلا سمجھتے تھے، اور سمجھتے تھے کہ ہم جو بھی کریں، اللہ تعالیٰ اسے گوارہ کرے گا۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہودی قوم کا بیڑا غرق ہوگیا، اور اس پر ذلت ورسوائی کی ایسی مار پڑی کہ آج تک یہ قوم ذلیل زندگی بسر کررہی ہے، جس کی ذمہ داری اس کے مذہبی پیشواؤں کے سر ہے، اور ایک یہودی قوم پر کیا موقوف ہے، جس قوم کے مذہبی پیشوا مذہب کے نام پر عوام کو گمراہ کرکے اپنا فائدہ کریں گے، اس کا یہی حال ہوگا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿١٦٩﴾

اور دار آخرت بہتر ہے ان لوگوں کے لیے جو متقی ہیں، کیا تم لوگ سمجھتے نہیں ہو؟

(پ۹ ع۱۱ سورۂ اعراف:۱۶۹)

یہ دنیا اس لیے نہیں ہے کہ اس میں آکر اس سے دور بھاگا جائے، اور جیتے جی مردوں کی صف میں داخل ہوکر قدرت کی بخشی ہوئی تمام صلاحیتوں کو چھپادیا جائے،

اور زندگی کے میدان سے بھاگ کر کسی گوشہ میں مایوسی اور نا اُمیدی کی حالت میں زندگی بسر کی جائے، بل کہ اس دنیا سے حصہ لینا ہر انسان کا حق ہے، اور اس کے حق کے وصول کے لیے اللہ تعالیٰ ہر طرح کے مناسب حالات فراہم فرماتا ہے۔

البتہ اسی دنیا کو سب کچھ سمجھ لینا اور اسی کو آغاز وانجام بنالینا کسی طرح مناسب نہیں ہے، اگر ایسا ذہن پیدا کیا گیا، تو اس دنیا کے لیے ہر قسم کی حلال وحرام کوشش کرنی ہوگی، اور روحانیت ودیانت اخلاق وشرافت کی تمام حدود کو گراوٹ کے غار میں گرنا ہوگا، اسی گراوٹ کا نام دنیا پرستی ہے، جو انسانی تخلیق کے سخت خلاف ہے، اور کسی انسان کے لیے مفید نہیں ہے، جو لوگ اس گراوٹ سے محفوظ ہیں، اور اللہ رسول کی قائم کردہ حدود میں رہ کر دنیا کی زندگی بسر کرتے ہیں، وہ کام یاب ہیں، ان کے لیے پورا پورا حصہ بھی ہے، اور آخرت میں بھی ان کو ہر طرح کا عیش وآرام حاصل ہے، جو لوگ اس دنیا میں خدا ترسی اور تقویٰ کی زندگی گزار کر دارِ آخرت کی راہ لیتے ہیں، ان کے لیے وہاں بڑی بہتری ہے، اور وہ اپنے دنیاوی اور اخروی دونوں حصوں میں نفع یاب ہیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ ﴿١٧٠﴾

اور جو لوگ کتاب سے تمسک کرتے ہیں، اور نماز کو قائم کرتے ہیں، تو وہ جان لیں کہ ہم مصلحوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتے۔ (پ ۹ ع ۱۱ سورۂ اعراف: ۱۷۰)

اس قوم سے بڑھ کر کوئی قوم نہیں، جس کے سامنے کتاب مبین کھلی ہو، اور وہ نہ دیکھے، اور اس قوم سے زیادہ بے پناہ کوئی قوم نہیں، جس کی پناہ نماز ہو، وہ اس کی طرف نہ آئے۔

آج اسلامیانِ عالم کا کارواں بھٹک رہا ہے، انسان چیخ وپکار میں محو ہو چکا ہے، اور زمین کا چپہ چپہ اس کی بے چینی سے پارے کی طرح بے قرار رہے، کیوں کہ اسے جو مرکز ملا

تھا، وہ چھوٹ گیا، جو پناہ ملی تھی، ختم ہوگئی، اور جو مقام ملا تھا، جاتا رہا، چوں کہ مسلمان قوم نے قرآن حکیم کو اپنا نظام حیات گردانا اور تمام اعمال وکردار کی حرکتوں کا محور نماز کو قرار دیا، اس لیے اسے کوئی دوسرا محور اور کوئی دوسرا نظام حیات راس نہیں آسکتا۔

اگر وہ دوسری راہ اختیار کرے گی، تو یقیناً گمراہ ہوگی، یہ تو ہوسکتا ہے کہ ایک اندھی قوم کو مارکس کے یہاں سے روشنی مل جائے، کمیونزم کا نظام راس آجائے، امیر اس کی پشت پناہی کرے، اور موجودہ دنیا کے دوسرے نظام اس کا کام چلا سکیں، مگر خوب یاد رکھو، مسلمانوں کو آج کا کوئی نظام زندگی، اطمینان نہیں بخش سکتا۔

لہٰذا اسے ایسا کرنا پڑے گا، اور نہ کرنے کی صورت میں جواب دہی کرنی پڑے گی۔

یاد رکھو! دنیا ایک سکون بخش نظام کی تلاش میں سرگرداں ہے، اور اسے موجودہ زندگی پر قرار نہیں ہے، اگر تم اپنی اسلامی زندگی کو لے چلوگے، تو سرداری پاؤ گے، تمہارے اصولِ حیات قرآنی قوانین ہیں، اور عمل کرنے کا خمیر اٹھتا ہے، اور زندگی کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ ﴿۱۷۰﴾

جو لوگ کتابِ الٰہی کو مضبوط پکڑتے ہیں، اور نماز قائم کرتے ہیں، تو ہم ایسے اصلاح پسندوں کے اجر کو ضائع نہیں کریں گے۔ (پ ۹ ع ۱۱ سورۂ اعراف: ۱۷۰)

یعنی جو لوگ اللہ کی کتاب کو زندگی کا دستور العمل بناتے ہیں، اور اس کی سچائی پر اپنے عمل سے گواہی دیتے ہیں، اور نماز قائم کرکے اپنے اللہ سے رابطہ قائم کرتے ہیں، وہ یقیناً کام یاب ہوں گے، اور ان کی جدوجہد کو ضائع نہیں کیا جائے گا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ کتاب الٰہی سے تمسک نہیں کریں گے، اور اپنی عملی زندگی کو اس کے خلاف بنائیں گے، اور اپنے قول کی تکذیب اپنے عمل سے کریں گے، اور نماز

سے غفلت برتیں گے، وہ نا کام ہوں گے، اوران کی زندگی بے مقصد رہے گی، اس خدا نے کام یابی کا وعدہ ایسے ہی لوگوں سے کیا ہے، جو کتاب اللہ کے سانچے میں اپنی زندگی کو ڈھالیں، اوراس کی مخالف سمت کو اختیار نہ کریں، اور ساتھ ہی نماز قائم کر کے اس بات کی شہادت دیں کہ ان کتاب اللہ کا ماننا قابل اعتبار ہے، اور وہ صرف نام ہی کے نہیں، بل کہ کام کے بھی مسلمان ہیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اور جولوگ تمسک بالکتاب کرتے ہیں، اور نماز قائم کرتے ہیں، تو بے شک مصلحوں کا اجر ضائع نہیں کرتے۔ (پ۹ ع۱۱ سورۂ اعراف:۱۷۰)

مسلمانوں کی بنیادی کتاب قرآن حکیم ہے، یہی ان کے لیے قانونِ حیات اور مدارِ زندگی ہے، اسی شمع کی روشنی میں دنیا وآخرت کی منزلیں طے کرنی ہے، اوراسی ہادی کی آواز پر لبیک کہہ کر فوز وفلاح کی طرف چلنا ہے، جولوگ قرآن حکیم کی روشنی میں دین کی راہ پر چلتے ہیں، اوراعمال کی بنیاد اسے قرار دے کر کام کرتے ہیں، ان کی زندگی کے عملی پہلو میں سب سے بنیادی کام اقامتِ نماز ہوتا ہے۔

نماز کو یہ حضرات اپنے تمام اعمال خیر کے کرنے اور اعمال بد سے بھاگنے کا ذریعہ قرار دیتے ہیں، اوراسی مرکزی محور پر اپنی اسلامی زندگی بسر کرتے ہیں، یہ لوگ مصلح وصالح ہوتے ہیں، اپنی اصلاح کے ساتھ دنیا بھر کی اصلاح کی فکر کرتے ہیں، اوران کا دائرۂ عمل اپنی ذات سے لے کر پوری دنیا تک پھیلا ہوا ہوتا ہے، ایسے نیکوکاروں اور مصلحوں کا آغاز وانجام ہمیشہ بخیر ہوتا ہے، اور ایسے محسنین کی زندگی اول سے آخر تک کام یاب ہی کام یاب ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ایسی معیاری زندگی بسر کرنے والوں کی مساعی جمیلہ کو ضائع نہیں فرماتا،

اور اسے ہر طرح کی کام یابی دیتا ہے، اوپر کی آیت میں اسی حقیقت کو بیان فرمایا جا رہا ہے، مسلمان اسے سمجھیں، اور اپنی زندگی کو قرآن کے معیار پر بسر کر کے مصلحین ومحسنین کے زمرے میں شامل ہوں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ لَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۫ وَ لَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۫ وَ لَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۷۹﴾

ان کے لیے ایسے دل ہیں، جن سے وہ سمجھتے نہیں، اور ان کے لیے ایسی آنکھیں ہیں، جن سے وہ دیکھتے نہیں، اور ان کے لیے ایسے کان ہیں، جن سے وہ سنتے نہیں، وہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں، بل کہ وہ ان سے بھی زیادہ بے راہ رَو ہیں، اور وہی لوگ غافل ہیں۔

(پ۹ ع ۱۲ سورۂ اعراف: ۱۷۹)

دنیا میں اکثر لوگ اپنے کو عقل مندوں کا عقل مند سمجھتے ہیں، اور خیال کرتے ہیں کہ ہم اپنے دل ودماغ کی نظیر رکھتے ہیں، ہمارا لکھنا، سننا، کہنا بہت معیاری ہوتا ہے، ہماری باتیں نچی تلی ہوتی ہیں، جو کچھ ہم سمجھ لیتے ہیں، وہ پتھر کی لکیر ہے، ہم سے زیادہ سمجھ دار دنیا میں ملنا مشکل ہے۔

عموماً اس مرض میں وہی لوگ مبتلا ہوتے ہیں، جو بیمار دل رکھ کر اپنے کو صحت مند سمجھتے ہیں، اندھی آنکھ رکھ کر اپنے کو بینا گردانتے ہیں، بہرا کان رکھ کر اپنے کو بہت بڑا سننے والا باور کرتے ہیں، ان کے دل ہوتے ہیں، آنکھیں ہوتی ہیں، کان ہوتے ہیں، مگر اس کے باوجود وہ ناسمجھ، اندھے، بہرے ہوتے ہیں، اپنے کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔

جو لوگ دل رکھ کر نہ سمجھیں، جو آنکھ رکھ کر نہ دیکھیں، جو کان رکھ کر نہ سنیں، ان کو دنیا

کی طاقت سمجھا نہیں سکتی، نہ دکھا سکتی ہے، نہ سنا سکتی ہے، اگر خدا ہدایت دے تو بات بن سکتی ہے، ورنہ ایسے لوگوں سے اچھے تو جانور ہوتے ہیں، جو اپنے مالک کی آواز سنتے ہیں، اور اس کے مطابق حرکت کرتے ہیں، یہ لوگ تو ان سے بھی گئے گزرے ہیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ لَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۫ وَ لَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۫ وَ لَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ۝۱۷۹

ان کے لیے ایسے دل ہیں، جن سے وہ سمجھتے نہیں، اور ان کے لیے ایسی آنکھیں ہیں، جن سے وہ دیکھتے نہیں، اور ان کے لیے ایسے کان ہیں، جن سے وہ سنتے نہیں، وہ لوگ جانوروں کی طرح ہیں، بل کہ وہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں، اور وہی لوگ غافل ہیں۔

(پ۹ ع۱۲ سورۂ اعراف: ۱۷۹)

جو لوگ واقعات وحقائق سے سراسر غافل ہیں، اس دنیا میں رہتے ہوئے اس طرح زندگی بسر کرتے ہیں، جیسے ان کو کچھ کرنا ہی نہیں ہے، نہ بُرائی سے بچنا، نہ نیکی کرنی ہے، نہ اچھی بات کو سننا ہے، نہ اچھے کام کرنے ہیں، بل کہ ہر آواز کو سن کر اَن سنی کر دینا، ہر بات کو معلوم کر کے چھوڑ دینا ہے، ہر چیز کو دیکھ کر اس سے نظر پھیر لینا، اور آنکھ رکھ کر اندھے بننا، کان سے سن کر بہرے بننے، اور دل سے سمجھ کر بے وقوف بننے کی انھوں نے ٹھان لی ہے۔

ایسے لوگ جنگل کے چوپایوں اور میدانوں کے جانوروں سے زیادہ بے کار اور میدانوں کے جانوروں سے زیادہ بے کار اور ان سے زیادہ بے راہ ہیں، کیوں کہ چوپائے، اور جانور جتنا سنتے ہیں، اس پر عمل کرتے ہیں، جس قدر دیکھتے ہیں، اسی قدر حرکت کرتے ہیں، اور جو معلوم کرتے ہیں، اس کے مطابق اپنے رجحانات کو ظاہر کرتے ہیں۔

مگر یہ انسان جو آنکھ، کان، اور دل و دماغ رکھ کر اندھے، بہرے اور بے وقوف بنتے ہیں، ان کی بے راہ روی اور گمراہی جانوروں کی گمراہی اور بے راہ روی سے کہیں زیادہ ہے۔

ایسے لوگ جو دنیا میں اندھے، بہرے اور احمق بن کر زندگی بسر کرنے میں اپنی کامیابی سمجھتے ہیں، اور رُشد و ہدایت کی راہوں اور آوازوں سے دور بھاگتے ہیں، کل قیامت کے دن جب اپنی ناکامی کو دیکھیں گے، تو حسرت و افسوس کے سوا ان کو کوئی چیز حاصل نہ ہوگی، اس دن آنکھ دیکھنے کے لیے تیار ہو جائے گی، کان سننے کے لیے آمادہ ہو جائے گا، اور دل سمجھنے کے لیے بے قرار ہو جائے گا، مگر اب کچھ نہیں ہوگا، اور سوائے حسرت و افسوس کے کوئی چیز ہاتھ نہیں لگے گی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ لِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۪ وَ ذَرُوا الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْۤ اَسْمَآىٕهٖ ؕ سَیُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۰﴾

اور اللہ کے لیے اچھے اچھے نام ہیں، سو اُسے اُن ہی ناموں سے پکارو اور ان لوگوں کو چھوڑ دو، جو الحاد اختیار کرتے ہیں، اس کے ناموں کے بارے میں، وہ عنقریب اپنے کیے کا بدلہ پائیں گے۔ (پ ۹ ع ۱۲ سورۂ اعراف: ۱۸۰)

خدا کے نام کا مالا چھیننے والے بہت سے افراد ہیں، صبح و شام اس کی یاد زبان پر لانے والی بہت سی قومیں ہیں، اس کے اعتقاد و تصور کا ذہنی اور عقلی خاکہ کھینچنے والے بہت سی ملتیں ہیں، مگر سب کے کام میں اختلاف ہے، سب کا طرز جداگانہ ہے، اور سب کی بولی الگ ہے۔

قرآن حکیم میں اس بارے میں ایک اصولی بات کہی ہے، وہ کہتا ہے کہ اس سلسلہ میں یاد رکھنا چاہیے کہ خدا کی ذات و صفات کی تعبیر کے الفاظ کس قسم کے ہیں، اسماء کے معانی سے کن حقیقتوں کا ظہور ہوتا ہے، اور ان کی بولیوں میں خدا کے کیا معنیٰ نکلتے ہیں۔

اگر خدا کے نام ذاتی ہوں یا صفاتی پاکیزہ ہیں، ان سے خدا کے متعلق پاکیزہ تصورات پیدا ہوتے ہیں، اس کی قدوسیت اور پاکی کا ظہور ہوتا ہے، وہ سچے لوگ ہیں، خدا کے بارے میں ان کے اعتقادات برحق ہیں، تم ان ہی کا ساتھ دو، اور ان کی راہ پر چلو، اور ان قوموں اور مذہبوں کی راہ سے دور رہو، خدا کے نام تک بخل و کم ظرفی کا ثبوت دیتے ہیں، جن کے پاس خدا کے تصورات کا ظرف اتنا تنگ ہے کہ اس میں صحیح وحدت کا مفہوم تک سماتا نہیں، اسلام ہی دنیا میں ایک ایسا مذہب ہے، جس نے خدا کی ذات وصفات اور ان کے تعبیر اسماء میں پوری توحید پرستی کا ثبوت دیا ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ لِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۪ وَ ذَرُوا الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْۤ اَسْمَآىٕهٖ ؕ سَیُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۰﴾

اور اللہ کے لیے اچھے اچھے نام ہیں، سو ان ہی ناموں سے ہی پکارو اور ان لوگوں کو چھوڑ دو، جو اللہ کے ناموں میں الحاد و کج روی کرتے ہیں۔ (پ ۹ ع ۱۲ سورۂ اعراف: ۱۸۰)

اسلامی نقطۂ نظر سے جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات وحدہ لاشریک ہے، اسی طرح اس کی صفات بھی وحدہ لاشریک ہیں، اور اس کی صفتوں کے اظہار کے لیے جو اسماء ہیں، وہ سب مخلوق کے ناموں سے اعلیٰ و بالا ہیں، اور یہ سب نام توقیفی ہیں، یعنی اللہ و رسول نے جن ناموں کو استعمال کیا ہے، وہی اللہ تعالیٰ کے صفاتی نام ہیں۔

پس کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے ایسے ایسے نام تجویز کرے، جو اس کی ذات وصفات کے منافی ہیں، ان سے اس کی ذات وصفات کی ترجمانی نہیں ہوتی ہے، ایسا کوئی نام قابل قبول نہیں ہے، جو کسی مخلوق کے لیے بھی بولا جاتا ہے۔

یہ اسلامی نظریہ کے مطابق کسی طرح صحیح نہیں ہے، اور شرکت فی الصفات کی ایک

قسم ہے، پس جولوگ کہتے ہیں کہ رام اور رحیم اور اللہ سب نام ایک ہی قسم کے ہیں، اور ان میں کوئی فرق نہیں ہے، وہ سراسر غلط کہتے ہیں۔

مسلمانوں کے لیے یہ قول کسی طرح قابل قبول نہیں ہے، کیوں کہ ان ناموں میں بعض ایسے ہیں، جن کے ساتھ ایک خاص نظریہ لگا ہوا ہے، مثلاً رام کے ساتھ اوتار کا تصور ہوتا ہے، جو اسلامی توحید کے سراسر خلاف ہے، اس لیے رام اور رحمٰن ورحیم کسی طرح ایک نہیں ہیں۔

مسلمانوں کو ان باتوں سے چوکنا رہنا چاہیے، اور اس زمانہ میں اسلام کے بنیادی عقائد کو ہر قیمت پر بچانا چاہیے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ لِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۪ وَ ذَرُوا الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْۤ اَسْمَآىٕهٖ ؕ سَیُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۰﴾

اور اللہ کے لیے اچھے اچھے نام ہیں، پس تم لوگ اسے ان ہی سے پکارو اور ان لوگوں کو چھوڑ دو، جو اس کے ناموں کے بارے میں کج روی اختیار کرتے ہیں، وہ عنقریب اپنے عمل کا بدلہ پائیں گے۔ (پ۹ ع ۱۲ سورۂ اعراف: ۱۸۰)

اللہ تعالیٰ کے ذاتی نام کے علاوہ بہت سے صفاتی نام ہیں، جن کے بولنے کے ساتھ اس کی صفتیں ہمارے سامنے آجاتی ہیں، رحیم ورحمٰن اس کی رحمت کو بتاتے ہیں، لطیف وکریم اس کے لطف وکرم کو ظاہر کرتے ہیں، اور رزاق اس کے رزق وروزی دینے کو بتارہا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کے بہت پاکیزہ اور اچھے نام ہیں، جو سنتے ہی ہمیں ایسی صفات باری تعالیٰ کا پتہ دیتے ہیں، جن پر ہمارا ایمان وعقیدہ ہے، مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ عبادت کے مواقع پر اور دوسرے دینی اور مذہبی مواقع پر اللہ تعالیٰ سے دعا کریں، اور اسے پکاریں تو ان کے اچھے اچھے اور پاکیزہ ناموں سے پکاریں، ان ناموں کی برکت سے ان کی دعا قبول

ہوگی، اور اللہ تعالیٰ خوش ہوگا اور دلی مرادیں پوری فرمائے گا۔

باقی رہے اللہ کے ایسے نام جو ہمارے معیار دین پر اچھے نہیں ہیں، ان سے شرک کی بوآتی ہے، وہ مشرکانہ خیالات کی ترجمانی کرتے ہیں، ااور کسی خاص نقطۂ نظر کی وضاحت کے لیے بنائے گئے ہیں تو مسلمانوں کو ایسے ناموں سے اللہ تعالیٰ کو فریاد نہیں کرنا چاہیے۔

کیوں کہ اسلامی عقیدہ توحید کی ترجمانی اور اللہ تعالیٰ کی صفات کی وضاحت نہیں ہوتی ہے، بلکہ مشرکانہ عقائد وخیالات کا اظہار ہوتا ہے، اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ رام اور رحیم ایک جیسے نام نہیں ہیں، رحیم اس اللہ کے صفتی ناموں میں سے ایک صفاتی نام ہے، جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا، وہ نہ کسی کا بیٹا ہے، نہ اس کا کوئی مشابہ۔ بخلاف رام کے کہ وہ اوتار کا نام جو انسانوں کی طرح پیدا ہوئے، ان کے ماں باپ تھے، اور ایک خاص عقیدہ کے مطابق وہ اللہ کے اوتار تھے، عقیدہ اپنا اپنا ہوتا ہے، اور نام بھی اپنے اپنے ہوتے ہیں، جو اس عقیدہ کی ترجمانی کرتے ہیں۔

پس مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو اس کے اچھے اچھے صفاتی ناموں سے یاد کریں، یہ قرآن حکیم کی تعلیم ہے، اور یہی دین کا حکم ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ لِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۪ وَ ذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ ؕ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۰﴾

اور اللہ کے لیے اچھے اچھے نام ہیں، پس تم لوگ اسے ان ہی ناموں سے پکارو اور ان لوگوں کو چھوڑ دو، جو اس کے ناموں کے بارے میں کجی اختیار کرتے ہیں، وہ عنقریب اپنے کیے کی جزا پائیں گے۔ (پ۹ ع ۱۲ ا سورۂ اعراف: ۱۸۰)

جو چیز اچھی ہوگی، اس کا نام بھی اچھا ہوگا، اور اس میں ہر طرح کی لذت محسوس ہوگی، انسان کے لیے اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات سرمایۂ کل ہے، اور اس کی یاد اور اس کے

ذکر سے انسانوں کو لذت ملتی ہے، اور سکون ہوتا ہے۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ کے ذاتی اور صفاتی نام اچھے اچھے ہیں، جن سے اللہ تعالیٰ کے اوصاف نہایت جمیل طریقہ پر ہمارے ذہنوں میں آتے ہیں، اور اس کے ہر نام سے اس کی کوئی صفت اپنی تمام تر کیفیات کے ساتھ ہمارے ذہن و دماغ کو لذت بخشتی ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ کے جس قدر نام ہیں، سب توقیفی ہیں، یعنی شارع علیہ السلام کے بتائے ہوئے ہیں، اور ہمیں اللہ کے نام ایجاد کرنے کا حق نہیں ہے، کیوں کہ عام انسان اللہ تعالیٰ کے لیے جو نام تجویز کریں گے، وہ اس کی صفت کا پوری طرح آئینہ دار نہیں ہوگا، بل کہ اس میں انسانوں میں اشتراک کی پوری بو آجائے گی، اور اس میں انسانوں کے اپنے خیالات و نظریات کی پوری جھلک پیدا ہو جائے گی۔

یہی وجہ ہے کہ رحیم و رحمٰن سے اللہ تعالیٰ کی صفت کا جس اہمیت و انفرادیت اور وحدت و عظمت کے ساتھ تصور ہوتا ہے، رام میں وہ نہیں ہے، اور نہ اس طرح کے دوسرے نام میں ہے، کیوں کہ ایسے ناموں میں ایک خاص نظریہ اور ایک خاص فکر کی جھلک پائی جاتی ہے، جو اسلام کے بخشے ہوئے عقیدۂ توحید اور خدا پرستی کے سخت منافی ہے۔

اسی لیے مسلمانوں سے فرمایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اچھے اچھے نام موجود ہیں، تم لوگ اس کے ان ہی ناموں کو لیا کرو، اور اسے ان ہی سے یاد کیا کرو، اور جو لوگ کفر و شرک کا نظریہ رکھ کر اللہ کے لیے اپنے نظریہ کے موافق نام تجویز کرتے ہیں، ان کی باتوں میں مت آؤ، اور ان کے تراشے ہوئے ناموں کو مت استعمال کرو، ورنہ تم یسوع مسیح کو بھی خدا کہنا پڑے گا، کیوں کہ ان ناموں میں اللہ کا تصور باندھ رکھا ہے۔

پس ایک سچے اور پکے موحد، توحید پرست مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اسلام کے بتائے ہوئے "اسماء حسنیٰ" کو اللہ تعالیٰ کے نام سمجھے اور دوسرے تمام صفاتی

یا غیر صفاتی ناموں کو وحدانیت کا ترجمان نہ قرار دے، اور ان کو استعمال نہ کرے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ لِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۪ وَ ذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْۤ اَسْمَآئِهٖ ؕ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۰﴾

اور اللہ کے لیے اچھے اچھے نام ہیں، پس تم لوگ اسے ان ناموں سے پکارو اور ان لوگوں کو چھوڑ دو، جو اس کے ناموں کے بارے میں کج روی اختیار کرتے ہیں، ان کو ان کے کام کی جزا عنقریب دی جائے گی۔ (پ ۹ ع ۱۲ سورۂ اعراف: ۱۸۰)

اللہ تعالیٰ کے نام شریعت کے بیان کے مطابق توقیفی ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے جو جو نام شارع علیہ السلام سے ثابت ہیں، وہی اس کے نام ہوں گے، اور ہمیں حق نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی ایسا نام تجویز کر لیں، جو اس کی ذات وصفات کے اسماء ماثورہ کے برابر ہو، اور اسے بھی وہی حیثیت حاصل ہو، جو دوسرے اسماء حسنیٰ کو حاصل ہے۔

پس اللہ تعالیٰ کے کو اچھے اچھے نام ماثورہ صفاتی نام ہیں، ان ہی ناموں سے پکارنا چاہیے، اور عبادات میں ان ہی سے کام لینا چاہیے، اور جو نام اس کی ذات وصفات کے لیے منقول نہیں ہیں، ان کو نہیں استعمال کرنا چاہیے۔

اس لیے ہم مسلمان رحمٰن ورحیم کو تو اللہ کے صفاتی ناموں میں شمار کرتے ہیں، مگر رام اور آدم کو تسلیم نہیں کرتے، کیوں کہ ہمارے نقطۂ نظر سے یہ اسماء حسنیٰ نہیں ہیں، بل کہ ان کے ساتھ ایسی روایات لگی ہیں، جو اسلام کے عقیدۂ توحید کے سراسر خلاف ہیں، اور ان میں ہمارے عقیدہ کی رو سے شرک پایا جاتا ہے، کیوں کہ رام اور آدم جس عقیدہ اور تصور کی ترجمانی کرتے ہیں، وہ رحمٰن ورحیم سے بالکل ہی الگ ہے، مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لیے اکثر سیاسی قسم کے لوگ جو کہا کرتے ہیں کہ رام اور رحیم ایک ہی ہیں، وہ سراسر غلط ہے، اسے

ہرگز نہیں ماننا چاہیے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ لِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۪ وَ ذَرُوا الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْۤ اَسْمَآىٕهٖ ؕ سَیُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝۱۸۰

اور اللہ کے لیے اسمائے حسنیٰ ہیں، پس تم لوگ اسے ان ہی ناموں سے پکارو اور ان لوگوں کو چھوڑ دو، جو اس کے ناموں کے بارے میں کج روی کرتے ہیں، وہ عنقریب اپنے کیے کا بدلہ پائیں گے۔ (پ۹ ع۱۲ سورۂ اعراف:۱۸۰)

اللہ تعالیٰ جس طرح اپنی ذات کے بارے میں بے مثل ہے، اور اس کا کوئی ثانی نہیں ہے، اسی طرح وہ اپنی صفات واحوال کے بارے میں بے مثل ہے، اور ان میں اس کی کوئی نظیر نہیں ہے، اور پھر اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے اسم ذات اور اسمائے صفات میں بھی دوسرے تمام ناموں سے اعلیٰ وبالا ہے، اور اس معاملہ میں بھی وہ کسی مخلوق کا شریک نہیں ہے۔

مسلمانوں کو اس بات کی تعلیم دی جا رہی ہے کہ تم جس اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے، اس کے اچھے اچھے نام ہیں، جن سے اس کی صفتیں معلوم ہوتی ہیں۔

پس ان ناموں کے ساتھ اللہ کو پکارو، اور اسے یاد کرو، اور جو نام کفار ومشرکین نے اپنے مشرکانہ خیالات اور کافرانہ اَوہام کے ماتحت اللہ کے لیے منتخب کیے ہیں، وہ اسماء حسنیٰ (اچھے نام) نہیں ہیں۔

لٰہذا تم لوگ ایسے ملحدوں، گمراہوں، اور مشرکانہ وکافرانہ عقائد والوں کو چھوڑ دو، جو اسلامی توحید کے خلاف اللہ کے لیے ایسے ایسے نام تجویز کرتے ہیں، جن سے کفر وشرک کی بو آتی ہے، خبردار! تم کبھی ایسے ناموں سے اللہ کو یاد نہ کرو، ان سے بچتے رہو، بل کہ ایسے لوگوں سے بچتے رہو، جو اللہ کے اسماء میں مشرکانہ وکافرانہ معانی پہناتے ہیں۔

ایسے لوگ مسلمانوں میں سے ہوں، یا ہندوؤں یا عیسائیوں اور یہودیوں میں سے ہوں، جو اللہ کے نام میں مشرکانہ روایت داخل کریں گے، ان سے موحدین اسلام کا کوئی تعلق نہیں ہے، اور وہ ایسے نام کو اللہ کے لیے تسلیم نہیں کر سکتے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ یَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ یَعْدِلُوْنَ ﴿۱۸۱﴾

اور ان لوگوں میں سے جن کو ہم نے پیدا کیا، ایک امت وہ لوگ ہیں، جو حق کی ہدایت کرتے ہیں، اور اسی پر انصاف کرتے ہیں۔ (پ ۹ ع ۱۲ سورۂ اعراف: ۱۸۱)

تم یہ تمنا ہرگز مت کرو کہ ساری دنیا راہ راست پر آجائے، اس فکر میں مت گھلتے رہو کہ ساری دنیا کے انسان نیک کیوں نہیں ہو جاتے، اور اس بات سے بھی کبھی مت گھبراؤ کہ دنیا کے انسان بدی اور بدکاری میں آگے آگے ہیں، اور نیکوں کی کمی رہتی ہے، یہ کائنات عالم کون وفساد ہے، اس میں سیاہ وسفید کا وجود ہمیشہ سے رہا ہے، بلندی وپستی کا فرق کبھی نہیں مٹا، اور کسی معاملہ میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ایک حقیقت رونما ہو کر غالب رہی رہو۔

حق وباطل کی آویزش ہمیشہ سے رہی ہے، اور ہمیشہ رہے گی، اس سے گھبرانا نہیں چاہیے، بل کہ قدرت کے اس نظام پر بھروسہ کرنا چاہیے، جو متضاد کیفیات کے امتزاج سے پیدا ہوتا ہے، اور جس کا توازن اسی خدائے حی وقیوم کے دست قدرت میں ہے، جس نے ظلمت ونور اور سردی وگرمی کو ساتھ ساتھ رکھا ہے، پس تم نظام قدرت میں اپنی عقل کو مت الجھاؤ، بل کہ خود اپنے کو سنوارنے کی فکر کرو، رُشد وہدایت کی راہ تلاش کرو، اور عدل وانصاف کی زندگی گزارنے کی کوشش کرو۔

قرآن کہتا ہے کہ ہر دور میں حق پرست انسانوں کی ایک جماعت ہوتی ہے، جو حق وصداقت اور انصاف وعدالت کا مقام حاصل کرتی ہے، دنیا کبھی حق پرستوں سے خالی نہیں ہوتی۔

لہٰذا تم بھی کوشش کرو کہ ان حق پرستوں میں شامل ہو جاؤ، اور خدا کی مخلوق میں وہ مقام حاصل کرو، جو ایک خاص گروہ کے لیے قدرت نے خاص رکھا ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۱۸۲

اور جنھوں نے جھٹلایا، ہماری آیتوں کو، ہم انھیں سہج سہج پکڑیں گے، اس جگہ سے کہ ان کو علم نہیں ہوگا۔ (پ ۹ ع ۱۳ سورۂ اعراف: ۱۸۲)

مشہور ہے کہ قدرت کے یہاں دیر ہے، اندھیر نہیں ہے، یہ مثل ہی تک محدود نہیں ہے، بل کہ یہ حقیقت ہے، جسے دنیا کی قوموں، اور ان کے افراد نے اور یہاں کی بستیوں اور ان کے باشندوں نے جانا اور سمجھا اور اس کا مزا چکھا ہے۔

قرآن حکیم کی تصریح ہے کہ دنیا میں جن لوگوں نے خدا کی آیتوں کو سنا، اور بہرے بن گئے، خدا کی نشانیوں کو دیکھا، اور اندھے بن گئے، اور حقائق کو سمجھا اور بے سمجھ بن گئے، ان کو ان کی خرمستی کی سزا دیر سویر بھگتنی پڑی، اور وہ اپنے کیفر کردار کو پہونچے، اور آئندہ بھی ایسا ہوگا کہ جب انسان خدائی احکام واوامر سے روگردانی کریں گے، اس کا کھا پہن کر اس کی جناب میں گستاخی کریں گے، تو ایسا ہوگا کہ خدا کا انتقام رہ رہ کر طرح طرح سے ان کو اپنی لپیٹ میں لے گا، دنیا میں کبھی قحط وگرانی ہوگی، کبھی کساد بازاری بڑھے گی، کبھی طوفان وسیلاب کا ریلا چلے گا، کبھی جبر وقہر کی وبا پھیلے گی، اور کبھی امراض کا پھیر ہوگا۔

اس طرح نافرمان انسانی بستی کی روز روز کسی نہ کسی عذاب میں دنیا میں مبتلا رہے گی، اور اس کی چولی دن بدن ڈھیلی ہوتی چلی جائے گی، اور آخرت کا جو عذاب مقرر ہے، وہ تو اپنی جگہ پر ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۲﴾

اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں اور نشانیوں کو جھٹلایا، عنقریب ہم انھیں اس طرح آہستہ آہستہ پکڑیں گے کہ ان کو اس کی خبر نہ ہوگی۔ (پ ۹ ع ۱۳ سورۂ اعراف: ۱۸۲)

جو لوگ عقل وخرد کے تقاضوں سے یکسو ہوکر اپنی بے وقوفی اور ناسمجھی کی راہ پر چلتے رہے ہیں، اور اپنی شہوت وشرارت کے داعیہ پر ہر قسم کی نیکیوں اور نیکی کی علامتوں کو مٹاتے رہتے ہیں، وہ جس طرح ناسمجھی میں عدوان وعصیان میں گھستے چلے جاتے ہیں، اور نمک کی طرح وہ بھی ظلم وشرارت کے دریا میں گھستے چلے جاتے ہیں۔

ان کو اپنی تباہی وبربادی کا پتہ نہیں چلتا ہے، اور وہ نہیں سمجھ سکتے کہ ان کی حالت دن بدن کیوں خراب ہوتی چلی جاتی ہے، اور وہ اس ہری بھری دنیا میں کس لیے سوکھے چلے جاتے ہیں۔

ظلم وعدوان کی سزا میں جس غیر شعوری تباہی وبربادی کی خبر دی ہے، اس کی مثال آج کے دور میں موجود ہے، اور آج کی شریر دنیا اپنے علم وفن اور عروج وترقی پر مگن رہتی ہوئی آہستہ آہستہ تباہ ہورہی ہے، اور اس کی پیدا کی ہوئی تباہی وبربادی کا سراغ خود اسے نہیں مل رہا ہے، قوموں کی بے فکری اور غفلت کا انتہائی اندوہ ناک زمانہ ہوتا ہے، جب کہ وہ اپنے تباہی وبربادی تک کے سمجھنے کا شعور نہ کرسکیں، اللہ ہم کو اس عذاب دنیا سے محفوظ رکھے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۲﴾ وَاُمْلِيْ لَهُمْ ۚ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴿۱۸۳﴾

اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا، ہم عنقریب انھیں آہستہ آہستہ پکڑیں گے

کہ وہ اس گرفت کو نہیں جانیں گے اور میں ان کو ڈھیل دوں گا، میرا داؤ بہت مضبوط ہے۔

(پ۹ ع ۱۳ سورۂ اعراف: ۱۸۲، ۱۸۳)

مثل مشہور ہے کہ اللہ کے یہاں دیر ہے، اندھیر نہیں ہے، اور خدا کی لاٹھی میں آواز نہیں ہے، اس کا مشاہدہ ہم آپ روزانہ کیا کرتے ہیں، دوسری بات ہے غفلت کوشی اور کور چشمی کی وجہ سے ان واقعات وحقائق پر توجہ نہیں دیتے، اور اس قسم کے حوادث کی تاویل کرتے ہیں، اور اپنے مجرم دل ودماغ کو تسلی دینے کے لیے طرح طرح کی وجہیں تلاش کرتے ہیں۔

شراب خور کو قدرتی طور پر جو سزا وقتاً فوقتاً ملا کرتی ہے، وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے، جھوٹے آدمی کی جو درگت ہوا کرتی ہے، وہ ہماری سوسائٹی میں کسی سے پوشیدہ نہیں ہے، اور بد چلنی کی بے وقعتی ہوتی ہے، وہ بھی ہم سے پوشیدہ نہیں ہے۔

اسی طرح بہت سے مجرمین ہیں، جن کو سزا دیر سویر ملتی ہے، اور وہ اپنے کیفر کردار کو پہونچتے ہیں، پھر اشخاص وافراد کی طرح قوموں اور جماعتوں کو ان کے بُرے کام کی سزا ملتی ہے۔

مگر اللہ کا قانون کچھ اس طرح کا ہے کہ جرم وسزا کا معاملہ عام طور سے اس طرح سے نہیں ہوتا، جیسے آگ چھوتے ہی آدمی جل جاتا ہے، بل کہ اس معاملہ میں ڈھیل ہوتی ہے اور زہر کی طرح گناہ کا نتیجہ آہستہ آہستہ ظاہر ہوتا ہے۔

پس اگر دل ودماغ میں امن پسندی، وعافیت بینی کے لیے گنجائش ہے، تو سوچا کرو کہ تمہاری فلاں حرکت کا انجام آگے چل کر کیا ہوگا؟ اور زندگی کی نحس چکر میں پھنسے گی، پھر اس کے ساتھ یہ بھی سوچو کہ اس دنیا میں کیا حال ہوگا؟ اور آخرت کیا صورت ہوگی؟

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۲﴾ وَ اُمْلِيْ لَهُمْ ؕ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴿۱۸۳﴾

اور جن نے لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا، ہم انھیں عنقریب دھیرے دھیرے پکڑیں گے، اس طور سے کہ ان کو اس کا علم نہ ہوگا اور میں ان کو ڈھیل دوں گا، میرا داؤ پکا ہے۔

(پ۹ ع ۱۳ سورۂ اعراف: ۱۸۲، ۱۸۳)

جو لوگ کفر و انکار کی زندگی بسر کرتے ہیں، اور ان کے دل و دماغ میں قرآن حکیم کی سچائیاں جگہ نہیں پاتی ہیں، وہ زندگی کے سمندر میں نمک کی طرح آہستہ گھلتے رہتے ہیں، اور ان کو کوئی ٹھوس زندگی نہیں ملتی، بل کہ وہ نامعلوم حالت کی ناگواری میں مبتلا ہو کر اپنی ہر استعداد و صلاحیت کو کھوتے رہتے ہیں، اور دھیرے دھیرے ان کی زندگی کو نامرادی اور ناکامی کا گھن کھاتا رہتا ہے۔

ایسے لوگ اپنے کو بہت چالاک سمجھتے ہیں، مگر ان کی چالاکی ان کے حق میں حد درجہ بے وقوفی اور حماقت ثابت ہوتی ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی گرفت کے مقابلہ میں تدبیریں کرتے ہیں، مگر یہ نہیں جانتے کہ اللہ کی پکڑ اور اس کی تدبیر سب پر بھاری ہے۔

الحاصل انکار و اباء کی زندگی ناکامی کی زندگی ہے، ایسے زندگی کے حامل آہستہ آہستہ ناکامی کی طرف چلتے ہیں، مگر راستہ کی رنگینیوں کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں کہ ہمارا سفر نہایت کامیاب گزر رہا ہے، حالاں کہ یہ راستہ کی رونق ہے، منزل کی رونق نہیں ہے، اور منزل سراسر ظلمت کدہ ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۲﴾ وَ اُمْلِيْ لَهُمْ ۚ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴿۱۸۳﴾

اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کی تکذیب کی، ہم نے ان کو اس طرح سے دھیرے دھیرے پکڑیں گے کہ ان کو علم بھی نہ ہوگا اور میں ان کو مہلت دوں گا، میرا داؤ

پکا ہے۔ (پ۹ ع ۱۳ سورۂ اعراف: ۱۸۲، ۱۸۳)

جن لوگوں کا دماغ چلتا ہے، اور اپنے کو عقل کل سمجھتے ہیں، وہ ہر حقیقت کا انکار اپنا حق سمجھتے ہیں، اور ان کی کسی بات کو سیدھے سادے طریقہ پر مان لینا بے وقوفی کی دلیل ہے، ایسے لوگ ہر زمانہ میں ہوتے ہیں، پہلے بھی تھے اور آج بھی ہیں۔

ان کی روشن خیالی اور بلند پروازی ان کو بہت پریشان اور ہلاک کرتی ہے، ان کی پُرسکون زندگی بحرانی کیفیت کی زد میں رہا کرتی ہے، اور اس کی سزا میں بہت میٹھے انداز میں ملتی ہے، عام طور سے ایسا ہوتا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے احکام پر نہ صرف یہ کہ عمل کرتے ہیں، بل کہ ان کا احترام بھی کرتے ہیں، ان کو دھیرے دھیرے عبرتناک سزا ملتی ہے۔

ان کی تمام روشن خیالی اور بلند پروازی دھری رہ جاتی ہے، اور اللہ تعالی کی گرفت آ کر تہہ بالا کر دیتی ہے، اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو مہلت دیتا ہے کہ وہ اپنی روشن خیالی کو بدل لیں، اور دماغ درست کرلیں، لیکن اگر وہ اس مہلت کو اپنے لیے سامان عیش وعشرت کو وجہ گمراہی بنا لیتے ہیں تو پھر اللہ کی گرفت معاف نہیں کرتی، اور سزا کے شکنجہ میں آنا ہی پڑتا ہے۔

تم نے بہت سے منکر دماغوں کو دیکھا ہوگا کہ ان کا اقبال بلند ہے، دولت وثروت اور عزت وآبرو کا شباب ہے اور اور عقل وخرد پوری طرح کام کر رہی ہے، لیکن دیکھتے ہی دیکھتے ان کی دنیا اس طرح برباد ہوتی ہے کہ ان کی عقل تو کیا کام کرے گی، اچھے اچھے لوگوں کی عقل کام نہیں کرتی، اور سارا معاملہ تہس نہس ہو کر ہی رہتا ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ اُمۡلِیۡ لَہُمۡ ؕ اِنَّ کَیۡدِیۡ مَتِیۡنٌ ﴿۱۸۳﴾

اور میں ان کو ڈھیل دے رہا ہوں، یقیناً میرا داؤ مضبوط ہے۔

(پ۹ ع ۱۳ سورۂ اعراف: ۱۸۳)

اگر تم حرام کاری اور حرام خوری کرتے ہو،چین کی بانسری بجارہے ہوں تو یہ نہ سمجھو کہ تمھارے دن بہت اچھے گزر رہے ہیں، اگر کسی کا مال اڑاتے پڑاتے ہو تو یہ نہ سمجھو کہ آج کل خوب گزر رہی ہے۔

اگر تم ظالم ہو،تم سے لوگ نالاں ہیں، اور تم لوگ اللہ ورسول کے خلافِ احکام چلتے ہو،اور تم پر کوئی بلا نازل نہیں ہورہی ہے،توتم یہ نہ سمجھو کہ تم بہت اچھے آدمی ہو، اور تمھیں ہر طرح کا آرام حاصل ہے۔

اگر ایسا سمجھو گے تو اپنے کو دھوکہ دو گے، اور خود فریبی کا مرض تمھیں کہیں کا نہ چھوڑے گا،بل کہ اگر بُرائی کرنے کے بعد تم پر وبال نہیں اتر رہا ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کے صبر وحلم کا کرشمہ ہے،اور تمھاری آزمائش کی مسلسل گھڑیوں کا کھیل ہے، جو انجام اور نتیجہ کے اعتبار سے نہایت اندوہ ناک ہے،تمھاری حرام کاری کی زندگی کا جو ریکارڈ تیار ہورہا ہے، وہ تمھارے اوپر حجت بن کر تمھاری ناکامی کی جہنم میں ڈھکیل دے گا۔

خدا کے یہاں دیر ہوتی ہے اندھیر نہیں ہوتی ہے،اس داؤ سے بچ کر تم بھاگ نہیں سکتے ہو،اور تمھاری خوش فہمی تمھیں بچا نہیں سکتی۔

غور کرو!خدا کے علم وقدرت سے بچ کر نکل جانا کام نہیں ہوسکتا،اور تم اس سے بچ کر اپنے کو محفوظ نہیں رکھ سکتے،اس لیے اپنی زندگی کو نیک بناؤ، نیکی کرو،اور نیکی کراؤ۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اَوَ لَمۡ یَتَفَکَّرُوۡا ٜ مَا بِصَاحِبِہِمۡ مِّنۡ جِنَّۃٍ ؕ اِنۡ ہُوَ اِلَّا نَذِیۡرٌ مُّبِیۡنٌ ﴿۱۸۴﴾

کیا انھوں نے غور وفکر نہیں کیا،ان کے نصیحت کرنے والے ساتھی کو کوئی جن نہیں لگا ہے، وہ تو صرف کھلا ہوا ڈرانے والا ہے۔ (پ۹ ع ۱۳ سورۂ اعراف: ۱۸۴)

ہادیوں اور مصلحوں کا حال دنیا میں ہمیشہ سے تقریباً ایک رہا ہے،اور دعوتِ اصلاح

کے مقابلہ میں ان کو ہمیشہ اینٹ پتھر ہی کھانے پڑے ہیں، نرم وگرم حالات کا مقابلہ ہی کرنا پڑا ہے، کبھی ایسا نہیں ہوا ہے کہ کسی ہادی اور مصلح کی دعوت کو دنیا نے بلا چوں و چرا تسلیم کرلیا ہو، اور صلح وسلامتی کی راہ لی ہو۔

کیا تعجب کی بات ہے کہ مصلح ومبلغ نجاح وفلاح کی راہ دکھاتے ہیں، مگر قوم سب وشتم اور ظلم وشرارت سے پیش آتی ہے، عموماً اس صورت حال کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دونوں جانب انتہا پسندی کی روح کام کرنے لگتی ہے۔

انبیاء ورُسل اور مبلغ ومصلح اپنی دعوت میں یقین وعزیمت کے انتہائی مقام پر پہونچ جاتے ہیں، اور منکرین اباء وانکار کی آخری راہ لیتے ہیں، ایک طرف حق وصداقت کے برتنے میں انتہا ہوتی ہے، اور حق الیقین کا مقام حاصل ہوتا ہے، دوسری طرف باطل پرستی اور گمراہی کا پارہ چڑھ جاتا ہے، اور اَوہام وشکوک اپنی سربلندی دکھاتے ہیں، ہادی ومصلح کے یقین وعمل میں جس قدر تیزی آتی ہے، منکر کے وہم وکردار میں اسی قدر سختی پیدا ہوتی ہے، اور جب منکروں کی وہم پرستی کا پردہ چاک ہوتا ہے، اور انکار کے لیے کوئی دلیل نہیں رہ جاتی ہے، تو پھر یہ دیوانے خود انبیاء ومرسلین اور دعاۃ وہادیین کو پاگل ودیوانہ اور جناتی بتاتے ہیں، اور اپنے دماغ کا علاج کرنے کے بجائے ہوش مندوں میں دیوانگی کا الزام رکھتے ہیں۔

حالاں کہ مصلح نہ تو کوئی کرشمہ دکھاتا ہے، نہ کوئی کرتب کرتا ہے، اور نہ ہی کوئی مافوق الفطرت بات کہتا ہے، بل کہ اس کی دعوت صرف رُشد وہدایت کے لیے ہوتی ہے، اور وہ انھیں منکروں کی بھلائی کی بات کہتا ہے، بلا لگی لپٹی صاف صاف کہتا ہے۔

آج بھی حق وصداقت کی دعوت دینے والوں کا یہی حال ہے، اور ان کو بھی وہی سند ملتی ہے، جو ان کے اماموں کو مل چکی ہے۔

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۛۚ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ ۛۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۸﴾

آپ فرمادیجئے کہ میں اپنی جان کے لیے نفع ونقصان کا مالک نہیں ہوں، مگر جو اللہ چاہے، اگر میں غیب جانتا تو ضرور بڑھا لیتا خیر کو اور مجھے کوئی ناگواری نہیں پیش آتی ہے، میں تو صرف اس قوم کے لیے ڈرانے والا اور بشارت دینے والا ہوں، جو ایمان لاتی ہے۔

(پ۹ ع ۱۳ سورۂ اعراف: ۱۸۸)

روزانہ کی تو تو میں میں افراتفری ایک کا فائدہ اور دوسرے کا نقصان، آج گھاٹا، کل منافع، کبھی خوشی، کبھی غمی، صبح کچھ، تو شام کچھ، آخر یہ سب کیا ہے؟

یہ نظام قدرت کی بوالعجبیاں ہیں، قانون قدرت کی بوقلمونیاں ہیں، اور اصول قضا و قدر کی کرشمہ سازیاں ہیں، ایک نادید نظام ہے، جو ازل سے ابد تک پھیلا ہوا ہے، یہ انقلاب وتغیر اسی بن دیکھی زنجیر کی کڑیاں ہیں، یہ غیب ہے، جس پر ایمان لانا مسلمان بننے کے لیے شرط اول ہے، یہ قدرت کا وہ حق ہے، جس کی حدود میں کسی انسانی دل ودماغ اور فکروکاوش کا گزر نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

اس خدائی حق میں بھی انسانی نقطۂ نظر سے وہی مقام رکھتا ہوں، جو بندگی کی معراج ہے، میرے نفع ونقصان کا مالک خدا ہے، مجھے اس میں دخل تو کیا ہوگا، اس کے متعلق خدائی معلومات بھی میرے پاس نہیں۔

پس تقدیر پر بحث کرنے والے اس نظام قدرت کو اپنے علم واحاطہ میں کیوں کر لا سکتے ہیں، دنیا ایک نظام، ایک معاشرہ، ایک تحریک کے شیدائی نظام قدرت کی زنجیر میں جکڑے ہونے کے باوجود اس نظام پر کیسے فتح پا سکتے ہیں، اگر یہ چیز انسانی علم وقدرت میں

ہوتی تو ہر شخص خود اپنے لیے سامانِ زندگی مہیا کر لیتا، اور دنیا میں دوسرے سے نجات حاصل کر کے سکون سے گزرتا۔

لیکن واضح رہے کہ اس معمہ پر وہی قوم ایمان لاسکتی ہے، جو جذبۂ تسلیم ورضا میں اس قدر آگے ہو کہ اس بن دیکھے نظام کو مان کر اپنی کوشش میں رات دن لگی رہے۔

اپنے کام سے غافل نہ رہے، یقین رکھے کہ تقدیر اپنا کام کرتی ہے، مگر اپنی حرکت کو کبھی بند نہ کر سکے، تقدیر قدرت کا نظام ہے، عملی زندگی ہمارا کام ہے، وہ اپنا کام کرے، ہم اپنا کام کریں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِىْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ

آپ فرما دیجئے کہ میں اپنے نفس کے لیے نفع ونقصان کا مالک نہیں ہوں، مگر جو اللہ چاہے، کرے۔ (پ ۹ ع ۱۳ سورۂ اعراف ۱۸۸)

جہاں تک عالم مادیات میں زندگی کے دن گزارنے کا تعلق ہے، اس معاملہ میں عموماً یہی ہوتا ہے کہ عوام اور خواص تکوینی حالات سے یکساں متاثر ہوتے ہیں، اور اس معاملہ میں عالم اسباب کی دشواری یا آسانی ہر انسان کے لیے ایک قسم کی ہوتی ہے، کیوں کہ قدرت کے نظام تکوینی پر کسی کا بس نہیں ہے۔

اس کی عمومی حرکت میں فرق پیدا کرنے کی طاقت کسی انسان میں نہیں ہے، اگر حالات خراب ہوں گے، تو اس کے اسباب کچھ ہوں، مگر اس کی ناسازگاری سے نیک اور بد سب ہی دوچار ہوں گے۔

یہ ضرور ہے کہ انبیاء ورسل، صلحاء اور بزرگان دین ان حالات سے دوچار ہونے پر اللہ تعالیٰ کی جناب میں اجر وجزا کے مستحق ٹھہرتے ہیں، اور ان کے صبر وشکر کا بدلہ اللہ تعالیٰ

دیتا ہے،اورعوام کی بے راہ روی ان حالات میں اپنی ناکردنی کی سزا بھگتی ہے،اوراسے شدائدزمانہ کی چکی پیس کر بے راہ روی کی سزا برداشت کرنی پڑتی ہے۔

پس جب سیدالاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں:

میں اپنے بارے نفع ونقصان کا مالک نہیں ہوں ،بل کہ میرا مالک صرف خدائے واحد ہے،توتم اپنے نفع ونقصان کا مالک اپنے کو کیوں سمجھتے ہو؟اور پھردوسرے لوگوں سے نفع یانقصان کے طالب کیوں ہوتے ہو؟تکوینی حالات کا تعلق بیٹا،بیٹی دینے سے ہو،مال ودولت کی فراوانی سے ہو،دل کی مراد برآنے سے ہو،یاکسی دوسری چیز ہو،تمہیں کیاحق ہے کہ اس معاملہ میں خدا کی خدائی میں رسولؐ کےقول کے برخلاف دوسروں کوشریک کرتے ہو۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَ لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَا سْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۚۛ وَ مَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ ۚۛ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّ بَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝۱۸۸

آپ فرمادیجئے کہ میں اپنے لیے نفع ونقصان کا مالک نہیں ہوں،مگر جواللہ چاہے، اگرمیں غیب جانتاتوضرورزیادہ جمع کرلیتا بھلائی کواور بُرائی مجھے نہ پہونچتی ،میں توصرف مومنوں کے لیےنذیروبشیرہوں۔(پ۹ع ۱۳ سورۂ اعراف:۱۸۸)

نفع ونقصان کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے،اوراسی کے قبضۂ قدرت میں اس کی کنجی ہے، جب تک اللہ تعالیٰ کا حکم نہ ہوگا،کسی کوکوئی ضرر نہیں پہونچ سکتا،اورنہ کسی کوکوئی نفع پہونچ سکتا،یہ عقیدۂ اسلام میں بنیادی حیثیت ہے،اورتوحید کے لیےضروری ہے،نہ کسی شجروحجر میں بالذات نفع ونقصان کی صلاحیت ہے،نہ کسی بروبحرمیں اس کی قابلیت ہے،نہ ہی جاندار یاغیر جاندارمیں یہ بات ہے،بل کہ ہرمخلوق خواہ کتنی ہی عظیم الشان ہو،اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سامنے ہیچ ہے۔

اسی حقیقت کو ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہایت واضح الفاظ میں بیان فرمایا ہے، اور کھول کر اس بات کو بیان فرما دیا ہے کہ نفع ونقصان کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے، اور جو کچھ ہوا، یا جو کچھ ہونے والا ہے، وہ سب اللہ تعالیٰ کے علم وقدرت میں ہے، اور اللہ کے مقابلہ میں ہر مخلوق کوئی مقام ومرتبہ نہیں رکھتی۔

البتہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء ورسل، علماء، اولیاء کو جو مراتب عطا فرمائے ہیں، وہ برحق ہیں، اور اپنی جگہ بالکل درست اور صحیح ہیں، اور ان کا انکار اللہ تعالیٰ کے علم وقدرت کے برابر ہے۔

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِىْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَ لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَا سْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۛۚ وَ مَا مَسَّنِىَ السُّوْٓءُ ۛۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّ بَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۸﴾

آپ فرما دیجئے کہ میں اپنے لیے نفع ونقصان کا مالک نہیں ہوں، مگر جو اللہ چاہے، اگر میں غیب جانتا تو بہت سی اچھائیاں جمع کر لیتا اور مجھے ناگواری نہ لاحق ہوتی ہے، میں تو صرف اس قوم کے لیے ڈرانے والا اور خوش خبری دینے والا ہوں۔

(پ ۹ ع ۱۳ سورۂ اعراف: ۱۸۸)

حضرات انبیاء ورسل نہ جن ہوتے ہیں، نہ فرشتے ہوتے ہیں، اور نہ خدا ہی ہوتے ہیں، بل کہ انسان ہوتے ہیں، اور ان میں تمام انسانی خوبیاں بدرجہ اتم ہوتی ہیں اور ہر قسم کی خرابیوں سے سراسر پاک ہوتے ہیں، اور ان میں کسی قسم کی کوئی کمزوری نہیں ہوتی، مگر وہ انسان ہوتے ہیں، نہ اپنے نفع ونقصان کے مالک ہوتے ہیں، اور نہ ان کے نزدیک غائب وحاضر دونوں برابر ہوتے ہیں، بل کہ وہ بھی انسانوں کی فطرت رکھتے ہیں، اور ان کا علم اللہ تعالیٰ کا فیضان وعطیہ ہوتا ہے، دنیا کے بہت گروہ اور افراد انبیاء ورسل کو خدائی صفات دیتے

ہیں، ان کی عظمت محسوس کرتے ہیں، عیسائیوں نے اسی لیے حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا بتایا، دوسرے مذاہب کے لوگوں نے اپنے مذہبی پیشواؤں کو خدا کا مثیل، ظل، سایہ اور اوتار مانا، مگر اسلام میں اس کی گنجائش نہیں۔

یہاں عقیدۂ توحید کی طرح رسالت بھی نہایت صاف سادہ ہے، اور اس میں کسی قسم کی الجھنیں نہیں ہیں، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں اس عقیدہ کو نہایت واضح انداز میں بیان کر دیا ہے، اوپر کی آیت میں اسے پوری طرح دیکھا جاسکتا ہے۔

افسوس کہ بہت سے مسلمانوں نے بھی نبی ورسول کو خدائی صفات کا حامل جاننا اسلام سمجھ رکھا ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ اِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَتَّبِعُوْكُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ ﴿۱۹۳﴾

اگر تم ان کو ہدایت کی دعوت دو، تو وہ تمہاری بات نہیں مانیں گے، برابر ہے کہ تم یا تو ان کو دعوت دو یا خاموش رہو۔ (پ ۹ ع ۱۴ سورۂ اعراف: ۱۹۳)

جن لوگوں میں سرکشی اور طغیان کا مزاج ہو جاتا ہے، اور بُرائی کرنے اور بُرا بننے کا ملکہ پیدا ہو جاتا ہے، ان کی زندگی ان لوگوں سے جدا ہو جاتی ہے، جو کبھی جرم میں مبتلا ہو جاتے ہیں، اور ان کا مزاج اس حرکت پر ملامت کرتا ہے۔

جن لوگوں میں بُرائی کا ملکہ پیدا ہو جاتا ہے، ان سے کہنا سننا بے کار ہوتا ہے، اور اربابِ تبلیغ پر ان کے بارے میں کوئی ذمہ داری نہیں رہ جاتی ہے، کیوں کہ سرکشوں کا معاملہ ارشاد و تبلیغ کی منزل سے آگے گزر چکا ہوتا ہے، اور ان سے دین داری کی ساری توقعات ختم ہو جاتی ہیں، مبلغوں اور ہادیوں کو ہمیشہ اس بات کو مد نظر رکھنا چاہیے، بل کہ جن میں قابلیت و

استعداد ہے، ان کو مخاطب کرنا چاہیے، اور ان میں مستعدی اور خلوص سے کام کرنا چاہیے، حد سے گزرنے والے شریروں کو ان کے حال پر چھوڑ دینا چاہیے، ان کے بارے میں اَربابِ کار سے سوال نہیں کیا جائے گا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ اِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَتَّبِعُوْكُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ ﴿۱۹۳﴾

اگر تم ان کو ہدایت کی دعوت دو گے، تو وہ تمہارا کہنا نہیں مانیں گے، برابر ہے کہ تم ان کو راہِ حق کی طرف بلاؤ یا خاموش رہو۔ (پ ۹ ع ۱۴ سورۂ اعراف: ۱۹۳)

رُشد و ہدایت کی آواز ان کانوں کی راہ سے دل میں اترتی ہے، جن میں اباء و انکار کے موٹے موٹے پردے نہ پڑے ہوں، وہی دل اس سے بہرہ ور ہوتے ہیں، جن میں بغض و عناد کی گہری اندھیری نہ چھائی ہو، اور ایسے ہی لوگ اس سے رشد و ہدایت کی راہ پر لگ جاتے ہیں، جن کے اندر استعداد اور صلاحیت موجود ہو، اور کفر و شرک کی مسلسل ہار نے ان کو بالکل ہی بے کار اور نکمانہ کر دیا ہو، بخلاف اس کے کہ جس کے کان اور قلب پر محرومی کی مہر لگ چکی ہے، اور وہ اپنی کرتوت سے ہر قسم کے فیض سے بے بہرہ ہو چکے ہیں، ان کے لیے رشد و ہدایت کی آواز بے کار ہے، نیکی کے مبلغوں اور سچائی کے عام کرنے والوں کے لیے حالات کا جائزہ لینے کے بعد ضرورت نہیں ہے کہ ان کو بار بار ابلاغ و تبلیغ کے ذریعہ خطاب کریں، بل کہ وہ ایسے محروموں کو دین و دیانت کی دعوت دیں، یا خاموش رہیں، دونوں برابر ہیں، اور ان سے کوئی مواخذہ نہیں ہے۔

بے شک جن کی تبلیغ ضروری ہے، اور ہادیوں کا فرض ہے کہ وہ اپنا کام کرتے رہیں، مگر جس کھیتی سے ایک گھاس نہیں اگ سکتی، ان میں دانوں کا بکھیرنا گویا اگنے والے

کھیتوں کو محروم کرنا ہے، اس لیے صورت حال کا جائزہ لینے کے بعد منکروں اور متکبروں سے دور ہٹ کر سننے اور ماننے والوں کو سچائی، نیکی اور بھلائی کی باتیں بتانی چاہئیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اِنَّ الَّذِیۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ عِبَادٌ اَمۡثَالُکُمۡ فَادۡعُوۡہُمۡ فَلۡیَسۡتَجِیۡبُوۡا لَکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۱۹۴﴾

اللہ کے علاوہ جن کو تم پکارتے ہو، وہ بھی تمہاری ہی طرح اللہ کے بندے ہیں، اچھا تو تم ان کو پکارو اور وہ تم کو جواب دیں، اگر تم لوگ واقعی سچے ہو۔

(پ ۹ ع ۱۴ سورۂ اعراف: ۱۹۴)

یہود و نصاریٰ اور کفار و مشرکین نے شرک و کفر میں آگے بڑھ کر یہ روش اختیار کی تھی کہ علی الاعلان وہ اپنے مشرکانہ عقائد و اعمال کو پیش کرنے لگے تھے، اور توحید پرستوں کے سامنے بڑی تیز تند باتیں کرتے تھے پتھروں کی مورتیوں کے علاوہ اپنے پیروں، فقیروں، اور بزرگوں کی بھی پوجا کرتے تھے، ان کی قبروں کو خانۂ خدا کی طرح سمجھتے تھے، اور نہایت بے باکی کے ساتھ ان مردوں سے اپنی حاجتیں طلب کرتے، منتیں مانگتے، نذر چڑھاتے، وہ تمام کام کرتے تھے، جو اللہ تعالیٰ کے لیے کیے جاتے ہیں۔

اس پر قرآن حکیم نے ان کو للکارا، اور بڑے بلیغ انداز میں ان کا رد فرمایا، اور کہا کہ اے احمقو! جن پیروں، بزرگوں، اور فقیروں کو تم اللہ کے بجائے پوجتے ہو، اور جن کو حاجت روا سمجھتے ہو، وہ بھی اللہ کے بندے تھے، جس طرح تم اس کے بندے ہو، بعینہ اسی طرح وہ بھی بندے ہو کر زندہ تھے اور مرے ہیں، ان میں خدائی کہاں سے آگئی، جو تم ان کو پوجنے لگے، اگر تم ان کی خدائی کے دعوے دار ہو، تو ان کو پکار کر دیکھو کہ جواب بھی دے سکتے ہیں یا نہیں؟

قرآن کریم کے اس چیلنج میں موجودہ دور کے قبر پرستوں، اور شخصیت پرستوں کے

لیے عبرت ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اِنَّ الَّذِیۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ عِبَادٌ اَمۡثَالُکُمۡ فَادۡعُوۡہُمۡ فَلۡیَسۡتَجِیۡبُوۡا لَکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۱۹۴﴾

جن لوگوں کو تم اللہ کے علاوہ پکارتے ہو، وہ تمہارے ہی جیسے اللہ کے بندے ہیں، پس تم ان کو پکارو اور وہ تمہیں جواب دیں گے، اگر تم سچے ہو۔ (پ ۹ ع ۱۴ سورۂ اعراف: ۱۹۴)

یہاں پر ان کفار و مشرکین سے خطاب ہو رہا ہے، جو اللہ کے علاوہ اور بہت سے چھوٹے چھوٹے معبودوں کو پکارا کرتے تھے، وہ ایک طرف خدا پرستی کا دعویٰ کرتے تھے، اور دوسری طرف اللہ کے مقابلہ میں اپنے بزرگوں، ولیوں، پیروں، استاذوں، مرشدوں، مولویوں، رسولوں اور نبیوں کو خدائی کا حصہ دار بنایا کرتے تھے، ان سے مرادیں مانگتے تھے، ان پر نذریں چڑھایا کرتے تھے، ان سے اولاد طلب کرتے تھے، بارش اور شادیاں مانگتے تھے، اور اللہ کو صرف کہنے کے لیے مان کر جو جو اعمال و عقائد صرف اللہ کے لیے مخصوص ہوتے ہیں، ان کو اپنے معبودوں کے ساتھ برتتے تھے، اور عملی طور پر ان ہی کی خدائی کا دم بھرتے تھے، خدا کا عقیدہ صرف زبان پر ہوتا تھا، اور دوسرے معبودوں کا عقیدہ دل و دماغ پر طاری ہوتا تھا۔

ایسے لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ جن بزرگوں، نبیوں اور مرشدوں کو تم اللہ کے مقابلہ میں پکارتے ہو، وہ سب کچھ ہونے کے باوجود اللہ کے بندے ہیں، اللہ نہیں ہیں، تم بھی اللہ کے بندے ہو، وہ بھی اللہ کے بندے ہیں۔

فرق صرف اتنا ہے کہ نیک اور بزرگ ہیں، اور تم میں عام لوگ اس درجہ کے نہیں ہیں، مگر اس فرق کی وجہ سے وہ خدا اور تم بندے نہیں ہو گئے، بل کہ تمہاری اور خدا کی حقیقت

وہی ہے، جوتمہارے پیدا کردہ عمل اور خیال سے بالاتر ہے، اگر تم کو تجربہ کرنا ہوتو ذرا اپنے کسی معبود کو آواز دے کر دیکھ لو، اس کے جواب میں کہیں سے کوئی آواز آتی ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۱۹۴﴾

جن کو تم پکارتے ہو اللہ کے سوا، وہ تمہیں جیسے بندے ہیں، پس ان کو پکارو اور وہ تم کو جواب دیں، اگر تم سچے ہو۔ (پ ۹ ع ۱۴ سورۂ اعراف: ۱۹۴)

قرآن حکیم مشرکون اور کفار کو خطاب کر کے ان سے کہتا ہے کہ جن لوگوں کو تم نے مرنے کے بعد پتھر، لکڑی، اور مٹی کا بت بنالیا، اور ان کے لیے بے جان مجسموں اور بے روح تمثالوں کو تم پکارتے ہو، وہ تو کبھی تمہارے ہی جیسے بندے تھے، وہ بھی انسان تھے، آدم کی اولاد تھے، اور تمہاری ہی طرح کھاتے پیتے تھے۔

پس یہ کیا ہے کہ تم نے ان کی زندگی میں ان کو انسان سمجھا، اور جسم وروح کے ساتھ چلتے پھرتے دیکھ کر ان کو اپنا ایک فرد جانا، مگر جب ان کی آنکھ بند ہوگئی، تو تم نے ان کا مجسمہ بنایا، اور ان کی تصویریں کھینچی، پھر ان کے جسموں، اور تصویروں کو خدائی صفات کا حامل جانا اور ان کے سامنے اپنی منتیں پہونچانے لگے، ان کے سامنے اپنی حاجتیں رکھنے لگے، اور ان کے سامنے اس طرح جانے لگے جیسے خدا کے دربار میں جارہے ہو۔

اگر تم آبائی تقلید کے اس گورکھ دھندے میں سچے ہو، تو کم از کم اسے پکارو، اسی آواز اور اسی بولی میں وہ تم کو جواب دے دے، اگر مجسمہ اور قبر میں یہ طاقت نہیں ہے تو تم لاکھ سچے ہو، اور اپنے کو برحق سمجھو، باطل پر ہو، تمہاری گمراہی تمہارے ان معبودوں کی بے کسی اور مجبوری سے ظاہر ہے۔

چاہے تم یہ پوزیشن اپنے بزرگوں کو، ولیوں کو اور پیشواؤں کو دو یا اپنے باپ دادا کی تقلید میں شخصیت پرستی، قبر پرستی، مزار پرستی اور بت پرستی پر کرو۔

اپنے بزرگوں کو خدا سمجھنا، یا خدائی صفات میں سے کسی صفت کا مظہر سمجھنا، اور اس کا اظہار قبر پرستی سے سمجھنا مسلمان اور موحد کا کام نہیں ہو سکتا ہے، یہ تو کفر و شرک کی حرکتیں ہیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۱۹۵﴾

کیا ان کے لیے پیر ہیں، جن سے وہ چلتے ہیں، یا ان کے لیے ہاتھ ہیں، جن سے وہ پکڑتے ہیں؟ یا ان کے لیے آنکھیں ہیں، جن سے وہ دیکھتے ہیں؟ کیا ان کے کان ہیں، جن سے وہ سنتے ہیں؟ آپ کہہ دیں کہ تم اپنے شرکاء کو بلاؤ، پھر میرے ساتھ چال چلو، تو بھی تم کو مہلت نہیں دی جا سکتی ہے۔ (پ۹ ع۱۴ سورۂ اعراف: ۱۹۵)

پہلے سے بت پرستوں کو دعوتِ خدا پرستی دی جا رہی ہے، اور ان کے ظرف اور مزاج کے مطابق توحید کے دلائل اور بت پرستی کے معائب بیان کیے جا رہے ہیں۔

اس سلسلہ میں ایک نہایت موٹی اور ہر کس ناکس کی سمجھ میں آنے والی بات یہ ہے کہ اے اصنام پرستو! تم جن بتوں کی پوجا کرتے ہو، ان میں کون سی خوبی ہے؟ وہ تمہارے لیے کہاں تک مفید ہو سکتے ہیں۔

تم ان سے توقع کرتے ہو کہ وہ تمہارے کام آئیں گے، حالاں کہ وہ تمہارے ہاتھوں سے تراشے چھلے ہوئے بت ہیں، جن میں نہ قوت ارادی ہے، اور نہ ہی قوت غیر ارادی ہے، بل کہ وہ سراسر تمہارے محتاج ہیں، ان میں خارجی قوت اخذ کرنے کی بھی صلاحیت نہیں ہے، چہ

جائیکہ وہ خود کام کرسکیں، اور اپنے آپ کو فائدہ پہونچا سکیں، یا نقصان سے بچا سکیں، نہ ان کے اپنے ہاتھ ہیں، جن سے اپنے جسم کی مکھی ہانک سکیں، نہ پیر ہیں کہ کسی توڑنے والے کے ڈر سے بھاگ سکیں، نہ آنکھیں ہیں کہ کچھ دیکھ کر اندازہ کرسکیں، نہ کان ہیں کہ کچھ سن سنا کر جھوٹ اور سچ کا پتہ چلا سکیں، وہ تو مٹی، پتھر اور لکڑی کے ٹکڑے ہیں، جن کو تم نے اپنے ہاتھوں سے بت بنا دیا ہے، یہ موٹی موٹی باتیں تم کو سمجھنی چاہئیں، اور سمجھ کر اپنی عقل پر رحم کرنا چاہیے۔

قرآن حکیم نے جب یہ باتیں مکہ کے بت پرستوں کے سامنے رکھیں، تو انھوں نے عقل وحجت سے کترا کر کام لینا شروع کر دیا، اور مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کرنے کی تدبیر شروع کی، مگر اس میں ناکام ہی رہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ اِنۡ تَدۡعُوۡهُمۡ اِلَی الۡهُدٰی لَا یَسۡمَعُوۡا ؕ وَ تَرٰىهُمۡ یَنۡظُرُوۡنَ اِلَیۡكَ وَ هُمۡ لَا یُبۡصِرُوۡنَ ﴿۱۹۸﴾

اگر آپ ان کو ہدایت کی طرف بلائیں تو وہ نہیں سنیں گے، اور آپ ان دیکھیں گے کہ وہ آپ کی جانب بار بار دیکھتے ہیں، حالاں کہ وہ نہیں دیکھتے۔ (پ ۹ ع ۱۴ سورۂ اعراف: ۱۹۸)

مطلب کے بہرے اور مطلب کے سننے والے بہت لوگ ہوتے ہیں، لیکن ان میں وہ لوگ بہت اونچے ہوتے ہیں، جو مذہبی ماحول میں آکر بہرے بنتے ہیں، اسی طرح مطلب کے اندھے، اور مطلب کے دیکھنے والے بہت ہوتے ہیں، لیکن ان میں وہ لوگ بہت اونچے ہوتے ہیں، جو مذہبی ماحول میں آکر اندھے بنتے ہیں، دراصل جو لوگ خودغرض، مطلب پرست اور ابن الوقت ہیں، وہ یہ زندگی اختیار کرتے ہیں۔

ایسے مطلب پرستوں کا حال یہ ہے کہ خفیہ سے خفیہ بات سننے میں ماہر ہوتے ہیں، باتوں کی تہہ تک پہونچنے کے عادی ہوتے ہیں، اور ہر بات کی گہرائی دیکھنے کے لیے بیتاب

رہا کرتے ہیں، اور ہر وقت اسی تجسس اور ٹوہ میں رہتے ہیں کہ کدھر کیا ہوا؟ کس نے کیا کیا؟ اور فلاں بات کیسے ہوئی؟

اس کام میں یہ لوگ بڑے ہی آگے اور تیز ہوتے ہیں، مگر جب دین کے کسی کام کے لیے ان کو بلایا جائے، سچائی کی کسی بات کی دعوت دی جائے، اور امتحان و آزمائش کے کسی موقع پر ان کو پرکھا جائے، تو پھر یہ لوگ اندھے اور بہرے بن جاتے ہیں، لاکھ آواز دو، مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان بیچاروں نے سنا ہی نہیں، لاکھ چیزوں کو سامنے رکھو، مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ محروم لوگ بینائی سے معذور ہو چکے ہیں، کام کی باتوں کو سن کر اس طرح بار بار دیکھتے ہیں، جیسے کہ کو کوئی چیز تلاش کر رہے ہیں اور اس پھیر میں ہیں کہ کوئی ان کی متلاشی آنکھوں اور کانوں کی رہبری کرے۔

زمانۂ رسالت میں اس قسم کے بنے ہوئے اندھے بہرے بہت تھے، یہ منافقوں کا گروہ تھا، جو رات دن مسلمانوں کی ٹوہ میں لگا رہتا تھا، اور اس سلسلہ میں ہر آواز سنتا تھا، ہر بات دیکھتا تھا، مگر جب اسے کسی موقع پر آزمائش کے لیے بلایا جاتا تھا تو اس طرح اندھا بن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف دیکھتا تھا گویا اسے کچھ پتہ ہی نہیں چلتا کہ آپ اس سے کیا فرما رہے ہیں، یا کیا دکھا رہے ہیں۔

آج بھی ایسے لوگ موجود ہیں، جو ویسے تو بہت باتونی اور زبان دراز ہوتے ہیں، مگر جب دین کا سوال آتا ہے، تو گونگے، بہرے بن جاتے ہیں، اور ساری اکڑفوں ختم ہو جاتی ہے، دنیا میں بدعقیدہ اور بدعمل لوگوں کی پارٹی کا یہی رویہ رہا ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَاهُمْ

مُّبۡصِرُوۡنَ ﴿۲۰۱﴾

بے شک جنھوں نے تقویٰ کی زندگی اختیار کی، جب انھیں کوئی شیطانی وسوسہ لاحق ہوتا ہے، تو وہ خدا کو یاد کرتے ہیں، اور اس وقت وہ صاحب بصیرت بن جاتے ہیں۔

(پ۹ ع ۱۴ا سورۂ اعراف: ۲۰۱)

جو لوگ ایمان و اسلام کی زندگی گزارتے گزارتے خشیت وتقویٰ کے مقام پر پہونچ جاتے ہیں، اور ان کی زندگی دین کا دوسرا نام بن جاتی ہے، وہ ہمیشہ شیطانی وسوسہ سے محفوظ رہتے ہیں۔

ان کی بصیرت ایمانی وہ فروغ اور تجلی بخشتی ہے، جس کی وجہ سے طاغوت وشیطان کا اندھیرا گمراہ نہیں کرسکتا، متقیوں اور نیکوں کی زندگی احوال وظروف کے تغیرات سے متاثر ہوتی ہے، اور ان پر وقت کے انقلابات سے یاس وقنوط کا عالم طاری ہوتا ہے، ان کی زندگی کو بھی مکروفریب اپنی طرف کھینچتا ہے، مگر چوں کہ وہ اللہ کا نور دیکھتے ہیں، اس لیے وہ فوراً دینی بصیرت کے ذریعہ اپنے حالات پر قابو حاصل کر لیتے ہیں۔

تم بتاؤ کہ تمہاری زندگی بھی اسی قسم کی بصیرت اور روشنی رکھتی ہے کہ جہاں کہیں تمہیں شیطانی وسوسے پریشان کرنے کے لیے آتے ہوں، تم فوراً اپنی اس روشنی کے ذریعہ اطمینان وسکون کی راہ پا لیتے ہو، اور نہایت ہی ثابت قدمی اور جواں ہمتی سے وقت کے تمام حالات کا مردانہ وار مقابلہ کرتے ہو؟ کیا ایسا نہیں ہے کہ جہاں تم نے خطرہ محسوس کیا کہ تمہاری عقل اڑ گئی، حواس باختہ ہو گئے، اور دل ودماغ کی ایک ایک مشین اور اس کے پرزے شل ہو گئے۔

آج ایسا ہی ہے، تو بتاؤ ایسا کیوں ہے؟ کیا اس لیے کہ متقی ہو؟ ایمان واسلام کی بصیرت رکھتے ہو، قوت وعمل کی عزیمت کے مالک ہو؟ یا اس لیے کہ تمہاری زندگی ایمانی

عقائداوراسلامی اعمال سے سراسر خالی ہے،اورتمہاراوجودبصیرت وعزیمت کی تمام قدروں سے عاری ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَاهُمْ مُّبْصِرُوْنَ ﴿٢٠١﴾

جولوگ متقی ہیں، جب ان کوشیطان کی طرف سے کوئی خطرہ ہوا کہ وہ چونک جاتے ہیں،اس وقت وہ بصیرت مند ہوجاتے ہیں۔(پ۹ع ۱۴ سورۂ اعراف:۲۰۱)

جن کی زندگی صاف ستھری گزرتی ہے،اور جولوگ خداترسی اور خداپرستی کی زندگی بسر کرتے ہیں، وہ بہت ہی باہوش اور سمجھ دار ہوتے ہیں،ان کی فہم وفراست اس قدر تیز ہوتی ہے کہ کبھی غلط اندیشی اور غلط روی ان کے پاس پھٹکنے نہیں پاتی۔

جس موقع پر دوسرے لوگ بُری طرح پھنس جاتے ہیں،اورغیر ذمہ دارانہ حرکتیں کرنے لگتے ہیں،اس موقع پر دین دار، خداپرست اور متقی حضرات اس طرح صاف بچ جاتے ہیں،جس طرح گوندھے ہوئے آٹے سے بال نکل آتا ہے۔

کیوں کہ ان کے پاس دین کی فہم وفراست اور خدا کی بخشی ہوئی روشنی ہوتی ہے، جو ہر خطرہ کے وقت ان کو اصلی صورت حال سے آگاہ کردیتی ہے،اور جب کبھی شیطانی وسوسہ ان کے پاس آنے لگتا ہے،تو یہ فوراً اسے بھانپ جاتے ہیں،اوراپنی نظر سے معاملہ کوتاڑ لیتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ ان کی زندگی سکھ،چین اور امن وعافیت سے گزرتی ہے،اور وہ اس دنیا میں اپنی زندگی کوطرح طرح کی مشکلات کا شکار نہیں بناتے ہیں۔

پس جولوگ امن وسکون سے زندہ رہنے اوراچھی عاقبت بنانے کے لیےحق پرستی اورحق روی کومعیار بنائیں گے،وہ ہرطرح عافیت سے رہیں گےاور جولوگ اپنی زندگی کے لیے سچائی کومعیارنہیں بنائیں گے،ان کورات دن شیطنت اورشرارت پریشان کرتی رہے گی،یہی حال اجتماع ومعاشرہ اور جماعت وگروہ کا ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَاهُمْ مُّبْصِرُوْنَ ﴿٢٠١﴾

بےشک جولوگ متقی ہیں،ان کوشیطان کی طرف سےکوئی غلط خیال پہونچتاہےتووہ یادکرکےمتنبہ ہوجاتے ہیں،اورفوراًصاحبِ بصیرت بن جاتے ہیں۔

(پ۹ ع ۱۴ سورۂ اعراف:۲۰۱)

جن کی زندگی خداپرستی اورخشیت الٰہی کے معیار پر گزرتی ہے،وہ کبھی غلط کاری میں مبتلانہیں ہوتے ،اوراگرکبھی کوئی لغزش ہوجاتی ہے،توفوراًان کوتوفیق الٰہی متنبہ کردیتی ہے،اوروہ رجوع وانابت کی راہ پرآجاتے ہیں۔

ایسے لوگوں کودنیامیں زندگی بسرکرنا نہایت آسان ہوتاہے،اوران کو اس کے فوائد سے بھرپورحصہ ملتاہے،وہ شیطانی جالوں میں نہیں پھنستے ،ان کوشیطانی وسوسے بہکا نہیں سکتے ،اوران کی زندگی بڑی صاف ستھری اوربے غبارہوتی ہے،شیطان انسان کے پیچھے لگارہتاہے،ان کوشکست دینے کی تدبیریں کیاکرتاہے،مگرارباب ِتقویٰ پراس کا جادو نہیں چلتا،اوروہ اس کی چالوں سےفوراًواقف ہوکرلاحول پڑھتے ہیں،کیوں کہ ان کے پاس قدرت کی بصیرت ہوتی ہے،اوروہ اللہ کی تائید وتوفیق کے مستحق ہوتے ہیں،ان کے دل ودماغ اورجوارح پراللہ ورسول کے احکام واعمال اورعقائد وتصورات کا پہرہ ہوتاہے،ان

پرکسی طرف سے شیطانی حرکتوں کا بس نہیں چلتا، اگر ہمیں اس دنیا میں صاف ستھری اور پاکیزہ زندگی بسر کرنی ہے تو ان ہی اَربابِ تقویٰ کی راہ چلنی ہے، اور اپنے کو شیطانی تماشوں سے محفوظ رکھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَاهُمْ مُّبْصِرُوْنَ ﴿۲۰۱﴾

جو لوگ تقویٰ کی زندگی بسر کرتے ہیں، جب ان کو شیطان کا کوئی چکر چھو دیتا ہے، تو وہ چونک جاتے ہیں، اور فوراً ان کو سوجھ بوجھ آجاتی ہے۔ (پ ۹ ع ۱۴ سورۂ اعراف: ۲۰۱)

بھول چوک انسان ہی سے ہوتی ہے، شیطان انسان کے پیچھے پڑا رہتا ہے، اور ہروقت بہکانے کی ترکیبیں کیا کرتا ہے، اس لیے ہزار بچنے کے باوجود اچھے اچھے لوگ بھی شیطانی چکر میں پڑ ہی جاتے ہیں، اور ان کو انسانی کمزوری سے دوچار ہونا پڑتا ہے، مگر اس کے ساتھ یہ حقیقت ہے کہ یہ اچھے لوگ جو دین و دیانت اور تقویٰ و طہارت میں درجہ کمال پر ہوتے ہیں۔

جب کبھی شیطانی چکر میں پڑ جاتے ہیں، تو بجائے اس میں پھنس جانے کے فوراً اس سے خلاصی پا جاتے ہیں، اور اپنے عقیدہ و عمل کی طاقت سے ہر شیطانی وسوسہ اور ہر ابلیسی چکر کو رفو چکر کر دیتے ہیں، وجہ یہ ہوتی ہے کہ متقیوں کے پاس جاگتا ہوا دل ہوتا ہے، دیکھتی ہوئی نگاہ ہوتی ہے، اور سمجھتا ہوا دماغ ہوتا ہے، شیطانی طاقتیں ان پر اپنا اثر ڈالنا چاہتی ہیں۔

مگر دل و دماغ کی بیداری اور احساس و شعور کی روشنی فوراً بھانپ لیتی ہے کہ کوئی شیطان داخل ہو رہا ہے، اس کے بعد اس کا توڑ کرتی ہے، جس کی وجہ سے بُرائی کا ہر نقش چشم زدن میں کافور ہو جاتا ہے، اور اللہ کے نیک بندے ہر طرح کی بُرائی سے محفوظ رہتے ہیں، بخلاف اس

کے جولوگ خوفِ خدااور خشیتِ الٰہی کا کوئی حصہ اپنے دل ودماغ میں نہیں رکھتے، وہ فوراً شیطانی چکر میں پھنس جاتے ہیں، اوران کا مزاج مدافعت ومقابلہ کا کوئی مظاہرہ نہیں کرتا۔

یہی وجہ ہے کہ اچھے دل ودماغ کے لوگ بُرے ماحول میں بھی اچھے ہوتے ہیں، اور بُرے دل ودماغ کے لوگ اچھے ماحول میں پہونچ کر بھی بُرے ہی رہتے ہیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ۝۲۰۱

بے شک جن لوگوں نے تقویٰ اختیار کیا، جب ان کو کوئی شیطانی وسوسہ مس کرتا ہے، تووہ یاد کرتے ہیں، اور صاحبِ بصیرت ہوجاتے ہیں۔ (پ۹ ع ۱۴ سورۂ اعراف: ۲۰۱)

انسان صاف ستھری اور بے غبار فطرت لے کر آیا ہے، جس میں حسن وجمال کی مکمل آئینہ داری ہوتی ہے، اسی جوہر لطیف کی بیداری کے نتیجے میں انسان ایک ہشاش وبشاش اور کام یاب زندگی گزارتا ہے، اس کی صلاحیتیں اگر بیدار ہوں تو شر وفساد کا کوئی خدشہ باقی نہیں رہتا۔

اور فطرت انسانی فلاح ونجاح کا ذریعہ ٹھہرتی ہے، اس کی استواری اس صورت حال کا نام ہے، جو انسانی زندگی پر تقویٰ کے رنگ میں طاری ہوتی ہے، مقام ارتقاء انسان کو زندگی کے ایسے مقام پر پہونچا دیتا ہے، جہاں حسن ونیکی کا فیضان ہی فیضان ہوتا ہے، اور ناکامی وخسران کا تصور تک پیدا نہیں ہوتا، اس وقت انسان کو ایسی لطیف، حساس، اور بیدار قوت امتیاز مل جاتی ہے، جو غلط خیالات اور شیطانی وساوس کی آہٹ تک کو بھانپ لیتی ہے، اور بھانپ کر فوراً ان کا توڑ کر دیتی ہے، متقی کبھی غلط روش پر قائم نہیں رہ سکتا، اسے ابتدا ہی میں تنبیہ ہوجاتی ہے، اور تنبیہ کے بعد وہ اپنی فطری صلاحیت کی وجہ سے فوراً راہ راست پر آجاتی ہے۔

پس خوب سمجھ لو کہ جو لوگ احسان وتقویٰ کی زندگی رکھتے ہیں، انھیں غلط خیالات گمراہ کن تصورات اور شیطانی وسوسے سے کبھی بے راہ نہیں کر سکتے، اور وہ دین و دنیا میں کبھی غلط روی کی نوبت کو نہیں پہونچتے، اور جو لوگ غیر ذمہ دارانہ زندگی گزارتے ہیں، ان کے لیے قدم قدم پر خدشات وتوہمات اور افکار کی گنجان جھاڑیاں ہیں، جن میں ان کی زندگی الجھی ہوئی رہتی ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ۝۲۰۱

جو لوگ متقی ہیں، جب ان کو کوئی شیطانی چرکہ لگ جاتا ہے، تو فوراً ان کو سمجھ بوجھ آجاتی ہے۔ (پ۹ ع ۱۴ سورۂ اعراف: ۲۰۱)

جن کو عقیدۂ توحید اور خدا پرستی کی روشنی حاصل ہوتی ہے، وہ شرک وکفر کی ظلمت سے دور ہیں، ان کے سامنے زندگی کی وہ شاہراہ ہوتی ہے، جس میں روشنی ہی روشنی ہوتی ہے، اور ظلمت کا نام ونشان نہیں ہوتا ہے، مگر ایسا ہوتا ہے کہ کبھی کبھی اس نور کے باوجود ظلمت کا سایہ موحد وخدا پرست کو تاکتا ہے، اور پھر توحید کی روشنی کے سامنے وہ اس طرح کافور ہو جاتی ہے، جیسے ان کا کہیں وجود ہی نہیں تھا۔

اس طرح خدا پرستوں اور متقیوں کو دنیا میں شیطانی حرکتوں سے امن رہتا ہے، اور بڑے اطمینان وسکون سے دینی واسلامی زندگی بسر کرتے ہیں، اور نیک نتائج کے وارث ہوتے ہیں، بخلاف اس کے جو تقویٰ کی روح سے محروم ہوتے ہیں، اور ان کے دل میں عقیدۂ توحید کی روشنی نہیں ہوتی ہے، وہ قدم قدم پر شیطانی پھندوں میں پھنستے ہیں، اور ان کی پوری زندگی شیطانی چکروں میں گزر جاتی ہے۔

اوروہ کسی وقت بھی اس لطیف احساس سے بہرہ ورنہیں ہوتے ، جسے اللہ تعالیٰ اپنے پرستاروں کے لیے شیطانی چرکہ کے وقت خاص رکھا ہے،اوروہ اس کی وجہ سے شیطانی حرکات کونا کام کرتے رہتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ جولوگ خدا پرستی کی روح سے معمور ہوتے ہیں اوران کے اندر تقویٰ کی روشنی ہے،وہ جب کبھی شیطانی حرکات میں پھنسنے والے ہوتے ہیں تو یک بارگی ان میں خلاصی کی راہ نکل آتی ہے ،اوروہ بالکل پاک وصاف بچ جاتے ہیں، جب کہ بڑے بڑے مفکراور عقل مند گمراہی و پریشانی کی دلدل میں پھنس کررہ جاتے ہیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ﴿۲۰۱﴾

جولوگ متقی ہیں،ان کو شیطان کی طرف سے کوئی چورلگ جاتا ہے تو وہ متنبہ ہوجاتے ہیں،اورخدا کو یاد کر لیتے ہیں،اس طرح وہ صاحبِ بصیرت ہوجاتے ہیں۔

(پ۹ ع ۱۴ سورۂ اعراف:۲۰۱)

غلطی کس سے نہیں ہوجاتی ،اورخامی سے کون انسان پاک ہے،نیک ہوں یا بد، سب ہی سے کمزوری کا صدور ہوجاتا ہے،البتہ جوصاحب دین ودیانت ہیں،ان میں خدا ترسی ،اورخدا پرستی ہے،وہ متقی ہیں،ان کو جب کبھی شیطانی وسوسہ پریشان کرتا ہے،اورشیطان ان پرڈورے ڈالنا چاہتا ہے،تو وہ فوراً سمجھ جاتے ہیں،اورمتنبہ ہوکر سنبھل جاتے ہیں۔

ان پرشیطان کا جادو نہیں چلنے پاتا،اوران کی انسانیت شیطنت کی ہر چال کوشکست دیتی ہے، کیوں کہ ان کے پاس جیتا جاگتا دل ہوتا ہے،جس میں توحید ورسالت کی روشنی ہوتی ہے،ان کی عقل دین ودیانت کی برکتوں سے صیقل ہوتی ہے،اوران کا شعورتقویٰ وطہارت

کے باعث بیدار ہوجاتا ہے۔

بخلاف اس کے جولوگ توحید ورسالت اورتقویٰ وطہارت سے تعلق نہیں رکھتے، ان کی زندگی شیطنت سے زیادہ قریب ہوتی ہے، ان کی حیوانی قوتیں شیطانی وسوسوں کی مدافعت کرنے کے بجائے ان کا استقبال کرتی ہیں، اورشیطانی پھندوں میں انسان کوگھیر کرلاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ اس طرح کے غیر ذمہ دارلوگ جرائم پیشہ ہوتے ہیں، اوران کی زندگی گھناؤنی اور گندی ہوتی ہے، جیسے ان کو معصیت سے گہرا تعلق ہے، اوران کا اورشیطان کا پُرانا یارانہ ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

مُّبْصِرُوْنَ ۚ﴿۲۰۱﴾

جولوگ متقی ہیں، ان کو شیطان کی طرف سے کوئی چکرلگ جاتا ہے، توفوراً چوکنے ہوجاتے ہیں، اوران کوبصیرت مل جاتی ہے۔(پ۹ ع ۱۴ سورۂ اعراف:۲۰۱)

ایمان وتقویٰ کی زندگی بڑی بیدار، بڑی ہوشیاراور بڑی سمجھ دار ہوتی ہے، اس کا ایمانی احساس ایسا لطیف اورصاف وشفاف ہوتا ہے کہ وہ ذراسی غلط بات کوفوراً معلوم کر کے اس کا کاٹ کرلیتی ہے، اورکسی گوشہ سے اپنے اندرشیطنت وشرارت کونہیں آنے دیتے، متقیوں اورمومنوں کا احساس اس قدرلطیف وشدید ہوتا ہے کہ جہاں کہیں شیطان نے ان پر ڈورے ڈالے کہ وہ چوکنے ہوجاتے ہیں، اور بچنے کی تدبیر کرلیتے ہیں، ان کی نگاہ میں ایمان کی روشنی ہوتی ہے، ان کے دل میں یقین کی جلا ہوتی ہے، ان کے سینے میں جیتا جاگتا دل ہوتا ہے، جسے کوئی دھوکہ نہیں دے سکتا۔

یہ دوسری بات ہے کہ اپنے بھائیوں کے معاملات میں سدھائی اختیار کرتا ہے، اور

لوگ نادانی سے اسے بے وقوف سمجھتے ہیں، حالاں کہ وہ بے وقوف نہیں ہوتا، بل کہ عقل مندوں سے زیادہ سمجھ دار ہوتا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ تقویٰ اور خداترسی اور خدا پرستی کی زندگی پوری پاکیزہ اور بے داغ ہوتی ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ﴿۲۰۱﴾

جولوگ تقویٰ اختیار کرتے ہیں، جب ان کو شیطان کی طرف سے کوئی خیال چھوتا ہے، تو وہ تذکیر ونصیحت حاصل کر کے اسی وقت بصیرت پا جاتے ہیں۔

(پ ۹ ع ۱۴ سورۂ اعراف: ۲۰۱)

اس دنیا میں اچھائی اور بُرائی، رنج وغم، آرام اور سردی وگرمی انسان ہی کے لیے ہے، اور انسانی رشتہ سے ہر شخص کو ان حالات سے گزرنا ہی پڑتا ہے، لیکن بہت سی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ رنج وغم، اور دکھ درد کی باتیں ضلالت وگمراہی کی وجہ سے لاحق ہوتی ہیں، اور شیطان مردود انسانوں کو بہلا پھسلا کر ایسے غار میں لے جاتا ہے، جہاں تباہی وبربادی کے سوا کچھ نہیں، عام طور سے شیطانی چال میں وہی لوگ پھنستے ہیں، جن کے پاس دین وایمان کی روشنی نہیں ہوتی، جو ہوا وہوس کی ظلمتوں میں گرفتار ہوتے ہیں، لیکن جو لوگ تقویٰ کی روشنی رکھتے ہیں، جن کے دل بیدار ہوتے ہیں، اور جن کے احساس وشعور میں تازگی وبشاشت ہوتی ہے، وہ ہر ایسے موقع پر اللہ کو، اس کے احکام کو، اور ان کے انجام کو یاد کر کے بڑی بڑی مصیبتوں سے بچ جاتے ہیں، جب کہ شیطان لعین کی طرف سے ان کے اندر خرابی آنے والی ہوتی ہے، اور ان کی صالح اور پاک زندگی میں کوئی خرابی پیدا ہونے لگتی ہے۔

عین وقت پر معاملہ کو سمجھنا اور نقصان میں پڑتے پڑتے یکبارگی بچ جانا ان ہی خوش بختوں کا حصہ ہے، جو پاک ضمیر رکھتے ہیں، اور جن کو ان کی دین داری کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تائید حاصل ہوتی ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ﴿۲۰۱﴾

بے شک جو لوگ متقی ہیں ان کو شیطان کی طرف سے کوئی غلط خیال پہونچتا ہے تو وہ یاد کر کے متنبہ ہو جاتے ہیں اور فوراً صاحبِ بصیرت بن جاتے ہیں۔

(پ۹ ع ۱۴ سورۂ اعراف: ۲۰۱)

جن کی زندگی خدا پرستی اور خشیتِ الٰہی کے معیار پر گزرتی ہے، وہ کبھی غلط کاری میں مبتلا نہیں ہوتے اور اگر کبھی کوئی لغزش ہو جاتی ہے تو فوراً ہی ان کو توفیقِ الٰہی متنبہ کر دیتی ہے اور وہ رجوع و انابت کی راہ پر آ جاتے ہیں، ایسے لوگوں کو دنیا میں زندگی بسر کرنا نہایت آسان ہو جاتا ہے اور ان کو اس کے فوائد سے بھرپور حصہ ملتا ہے، وہ شیطانی جالوں میں نہیں پھنستے، ان کو شیطانی وسوسے بہکا نہیں سکتے اور ان کی زندگی بڑی صاف ستھری اور بے غبار ہوتی ہے، شیطان انسان کے پیچھے لگا رہتا ہے اور ان کو شکست دینے کی تدبیریں کیا کرتا ہے، مگر اَربابِ تقویٰ پر اس کا جادو نہیں چلتا اور وہ اس کی چالوں سے فوراً واقف ہو کر لاحول پڑھ دیتے ہیں، کیوں کہ ان کے پاس قدرت کی بصیرت ہوتی ہے اور وہ اللہ کی تائید و توفیق کے مستحق ہوتے ہیں، ان کے دل و دماغ اور جوارح پر اللہ و رسول کے احکام و اعمال اور عقائد و تصورات کا پہرہ ہوتا ہے اور کسی طرف سے شیطانی حرکتوں کا بس نہیں چلتا۔

اگر ہمیں اس دنیا میں صاف ستھری اور پاکیزہ زندگی بسر کرنی ہے تو ان ہی اَربابِ

تقویٰ کی راہ چلنی چاہیے اور اپنے کو شیطانی تماشوں سے محفوظ رکھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۲۰۴﴾

اور جب قرآن پڑھا جائے، تو تم لوگ اس کی طرف کان لگا کر سنو، اور خاموش رہو، تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ (پ۹ ع ۱۴ سورۂ اعراف: ۲۰۴)

قرآن انسانی فلاح ونجاح کا ایک ابدی اور آخری دستور ہے، اور اس کے سامنے دنیا بھر کے تمام اگلے پچھلے دساتیر زندگی اور نظامہائے حیات بالکلیہ بے کار اور عبث ہیں، اور ہر انسان کو لازم ہے کہ اپنے اس نظامِ حیات کا ہر طرح احترام کرے، اور اس کی تلاوت و قرأت کے وقت بھی کوئی ایسی حرکت نہ کرے، جس سے اس کی طرف سے بے پرواہی، اور بے اعتنائی معلوم ہو، اور اس کی افادیت واہمیت کی طرف کسی قسم کی بددلی ظاہر ہو، بل کہ جب اس کا تذکرہ ہو، اس کی عظمت واہمیت سے دل ودماغ اور فکر ونظر کو معمور ہو جانا چاہیے۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ قرآن عظیم کی عظمت واہمیت کیا ہے، اور اس کو نظام حیات بنانے کی کس قدر ضرورت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قرآن کے پڑھنے کے وقت سننے والے ہر طرح خاموش رہ کر اس کی طرف پوری توجہ دیں، اور اسے غور سے سنیں تو اس کا مطلب یہی ہے کہ اس کے معانی ومطالب سے استفادہ کریں، اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کریں، اس سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ قرآن حکیم کی کس قدر ضرورت ہے، اور مسلمانوں کو قرآن پڑھنے پڑھانے کے لیے کیا انتظام کرنا چاہیے، اور اس کی تعلیم کس اہمیت کے ساتھ ہونی چاہیے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۲۰۴﴾

اور جب قرآن پڑھا جائے تو تم غور سے سنو، اور خاموش رہو، تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔ (پ ۹ ع ۱۴ اسورۂ اعراف: ۲۰۴)

قرآن حکیم کا پڑھنا، پڑھانا باعث برکت اور موجب اجر وثواب ہے، اسے سمجھ کر پڑھا جائے تو نور علی نور ہے، اس سے بڑھ کر سعادت اور کیا ہو سکتی ہے، لیکن اگر سمجھے بغیر بھی کوئی مسلمان تلاوت کرے گا، پڑھے گا، بل کہ دوسرے کو پڑھتے ہوئے اسے سنے گا، تو اسے بے انتہا ثواب اور اجر ملے گا، بشرطے کہ اس کے حقوق وآداب کو ملحوظ رکھے، اور احترام وتکریم کی پوری پوری رعایت رکھے، جب قرآن پڑھا پڑھایا جائے، نہایت سنجیدگی اور خاموشی سے سننا چاہیے، اس کے معانی ومطالب پر غور کرنا چاہیے، اور اس کے آداب واحترام میں ہر طرح کا تکلف کرنا چاہیے، اس عمل کا ثواب بھی زیادہ ہے، اور صحیح احادیث میں ایک حرف کے پڑھنے پر دس نیکی کا ثواب بتایا گیا ہے۔

غلط ہے ان لوگوں کی بات جو یہ سمجھتے ہیں کہ بغیر سمجھے قرآن پڑھنے سے کچھ نہیں ہوتا ہے اور کوئی ثواب نہیں ملتا، یہ ظاہر پرست اور سطحی قسم کے لوگ ہیں، ان ظاہر بینوں سے دین کی حقیقت اوجھل ہے، ان کی نگاہ صرف رنگینیوں اور دل فریبیوں پر پڑتی ہے، اس سے آگے پڑنے کی سکت نہیں ہے، یہ بیچارے دین کے علوم سے کورے ہوتے ہیں، مگر جہالت کی وجہ سے اپنے متکلم اسلام اور ترجمان ملت سمجھتے ہیں۔

مسلمانوں کو ایسے ظاہر بینوں کے چکر میں نہیں آنا چاہیے، اور بڑے ذوق وشوق سے قرآن کو اس کے پورے احترام سے پڑھنا چاہیے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۲۰۴﴾

اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے توجہ سے سنو، اور خاموش رہو، تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔ (پ ۹ ع ۱۴ سورۂ اعراف: ۲۰۴)

قرآن حکیم کا پڑھنا پڑھانا سننا، سنانا بھی باعثِ اجر وثواب ہے، خود قرآن حکیم میں اس کی تاکید آئی ہے، اور قرآن کریم کے آداب بتائے گئے ہیں کہ جب کسی جگہ کسی کام کے لیے تلاوت ہو تو شور ہنگامہ نہیں کرنا چاہیے، اور اپنی حرکت اور زبان سے اس کی جناب میں گستاخی نہیں کرنی چاہیے، بل کہ سراپا ادب بن کر خاموشی کے ساتھ اس کو سننا چاہیے، کان لگانا چاہیے، اور ادب واحترام کے ساتھ رہنا چاہیے۔

قرآن اللہ کا کلام ہے، اس کے سامنے ہمیں عبدیت وبندگی کی قدروں کو اجاگر کرنا چاہیے، اور ہمہ شوق ہو کر اس کو سننا چاہیے، اور کوشش کرنا چاہیے کہ ہم اس کو سمجھیں، اور اس پر عمل کرنے کا جذبہ پیدا کریں، لیکن اگر کوئی قرآن کو نہیں سمجھتا ہے تو بھی اسے اس کی تلاوت کے وقت پورا احترام ظاہر کرنا چاہیے، اس میں بہت زیادہ ثواب ہے، اور یہ بھی قرآن کا حکم ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۲۰۴﴾

اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کی طرف کان لگاؤ، اور خاموش رہو، تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔ (پ ۹ ع ۱۴ سورۂ اعراف: ۲۰۴)

قرآن حکیم اللہ کی کتاب ہے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قلب انور پر حضرت جبرئیل علیہ السلام کے واسطے سے نازل ہوئی ہے، اس کا حرف حرف کلام ربانی ہے، اس میں بشری کلام کی کوئی آمیزش نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ اسے کلام اللہ یعنی اللہ کا کلام کہا جاتا ہے، اور اللہ کی دوسری تمام صفات کی طرح یہ صفت کلام بھی ازلی، ابدی اور قدیم ہے، یہی عامۃ المسلمین کا

عقیدہ ہے،اوراسی پر سلف سے خلف تک مسلمان کی زندگی بسر ہوتی رہی ہے،اس کلام ربانی میں جلال وجبروت کے ساتھ سکون وطمانینت ہے،امرونہی کے ساتھ ساتھ امن ورحمت ہے،اوررُشدوہدایت کے ساتھ ساتھ مژدہ وبشارت ہے۔

اس کلامِ الٰہی کی عظمت واہمیت کا تقاضا یہ ہے کہ اسے نہایت عظمت واحترام کے ساتھ پڑھا جائے، اوراسے نہایت ذوق وشوق سے سنااورسمجھا جائے،اورپھراس پرعمل کرکے اپنی زندگی کوربانی ہدایت پرلایا جائے۔

خوب یادرکھنا چاہیے کہ کلام پاک کا پڑھنا،اس کا سننا،اوراس کا سمجھنا بھی موجب خیروبرکت اورباعثِ اجروثواب ہے،اوراس پرعمل کرنا اس کے نزول کااصل منشا ہے،جو تمام مسلمانوں پرفرض ہے۔

بعض روشن خیال اورایمانی روشنی سے بے بہرہ لوگوں کا خیال ہے کہ قرآن کوصرف اس کے متن کے ساتھ پڑھنا سنابے کارمحض ہے،اوراس سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا،اس مذکورہ آیت میں بتایا جارہا ہے کہ جب قرآن پڑھا جائے تو اس پر دھیان دو،اورخاموشی سے سنو، تمہارا یہ عمل بھی موجبِ خیروبرکت ہے،اوراس سے رحمتِ خداوندی اوربرکاتِ خداوندی کے مستحق ٹھہروگے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۲۰۴﴾

اورجب قرآن پڑھا جائے توتم لوگ اسے کان لگا کرسنو،اورخاموش رہو،تاکہ تم قابل رحم ہوسکو۔ (پ۹ ع۱۴ سورۂ اعراف: ۲۰۴)

اسلامی عبادت کے وقت نہ گانا بجانا ہوتا ہے،نہ کھیل تماشا،اورنہ عود،اگربتی سلگائے جاتے ہیں،اورپھول اورعطرکی خوشبوپھیلائی جاتی ہے کہ شریک ہونے والے کاذہن

ودماغ ان کی وجہ سے ایک نئے عالم میں اپنے کومحسوس کرنے لگے،اورعبادت خانے میں جاتے ،اس کے حواس پران نغموں،خوشبو،اورمہکوں کایوں اثر پڑے کہ وہ توڑی دیر کے لیے ایک نئے عالم میں پہونچ جائے ،اسلامی عبادت کے وقت ایسا کوئی کام نہیں،بل کہ خود عبادت کے وقت ایسا کوئی کام نہیں ہوتا،بل کہ خودعبادت کے اندرخشوع وخضوع اورتعلق سے اللہ کی ایسی صفت پیدا ہوتی ہے،جوآدمی کو دنیا سے یکسوکر کے خدا کی طرف متوجہ کردیتی ہے،اسلامی عبادت کا جزء اصل قرآن ہے،اوراسی کواس میں پڑھا جاتا ہے،اوراس کے پڑھنے کی تاثیرخشوع وخضوع پیدا کرتی ہے۔

اس لیے حکم دیا جارہا ہے کہ جب نماز میں اورغیرنماز میں کسی اورموقع پر پڑھا جائے ،توتم لوگ ہمہ تن گوش ہوکراس پرغورکرو،اور بڑی خاموشی سے اسے سنو،قرآن کواس کے حقوق کے ساتھ سننا عبادت وخدا پرستی کی حقیقی لذت وکیفیت پیدا کرتا ہے،اورجولوگ قرآن کواس کے حقوق کے ساتھ پڑھیں گے ،ان کے اندرایسی استعدادوصلاحیت پیدا ہوجائے گی کہ وہ اجروثواب کے اعتبار سے بہت کام یاب ہوں گے۔

مکہ کے کفارومشرکین کا حال یہ ہے کہ وہ اپنی عبادت کے وقت سیٹی اورتالی بجاتے ہیں،قرآن نے ان کی عبادت کے اس طریقہ کونقل کیا ہے،وہ بھی دنیا کی مشرک قوموں کی طرح عبادتِ الٰہی میں موسیقی ومزاحیہ کوشریک کرتے تھے۔

اس لیے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کوحکم دیا کہ تم نے ان کے برخلاف عبادت میں نہایت خاموشی سے سنو،اوراس پرغورکرو،اللہ تعالیٰ کی ذات کواپنے سامنے بل کہ اپنے کواللہ کے سامنے یوں سمجھو کہ درحقیقت آمنا سامنا ہی ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ اِذَا قُرِیَٔ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۲۰۴﴾

جب قرآن پڑھا جائے تو غور سے سنو، اور خاموش رہو، تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

(پ ۹ ع ۱۴ اسورۂ اعراف: ۲۰۴)

قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے، جسے اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اپنے فرشتہ جبرئیل کے ذریعہ نازل فرمایا ہے، اس کلام ربانی کی قدر و منزلت رب ہی کی طرح بہت زیادہ ہے، اسی لیے بندوں کو حکم ہے کہ جب قرآن پڑھا جائے، ہمہ تن گوش ہو جانا چاہیے، اور اسے خاموشی کے ساتھ سننا چاہیے، کوشش ہونی چاہیے کہ اسے سمجھا جائے، اس کے معانی و مطالب پر غور کر کے تقاضوں پر عمل کیا جائے، لیکن اگر اس کے معانی و مطالب سمجھ میں نہ آئیں، تب بھی بڑے سکون و وقار اور خاموشی و تمکنت سے اس کو سنا جائے، قرآن کی مجلس میں ادب و لحاظ سے بیٹھا جائے، نہ شور و شغب کیا جائے، نہ بے توجہی و لا پرواہی برتی جائے۔

نہ ہی کوئی ایسی حرکت کی جائے، جو قرآن جیسی عظیم کتاب کی شان کے خلاف ہو، اور یہ بھی لا پرواہی اور بے توجہی ہے کہ اس کے احترام کے خیال سے ریشم کے جزدان میں طاق پر احترام کے ساتھ برکت حاصل کرنے کے لیے رکھا جائے، اور اسے نہ پڑھا جائے، بل کہ اسے روزانہ پڑھا جائے، اور اس کی تلاوت کی جائے۔

خوب یاد رکھو کہ قرآن کا پڑھنا، پڑھانا باعثِ خیر و برکت ہے، اس کا سننا، سنانا موجبِ ثواب ہے، اور اس سے تعلق رکھنا وجہ ثواب ہے، بعض نادان جو یہ سمجھتے ہیں کہ بغیر سمجھے قرآن کا پڑھنا مفید نہیں ہے، اور اس سے کوئی برکت حاصل نہیں ہوتی، وہ سخت قسم کی غلطی میں مبتلا ہیں۔

یہ ان کی قرآن سے غفلت ہے، کیوں کہ قرآن کے الفاظ و عبارات میں اللہ تعالیٰ

نے خیر و برکت رکھی ہے،اوراسے صرف پڑھنے سے بھی مسلمان کا دل محظوظ ہوتا ہے، اور ہونا چاہیے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۪ وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ①

پس تم لوگ اللہ سے ڈرو،اورآپس میں اصلاح ودرستگی کرو،اوراللہ اوررسول کی اطاعت کرو،اگرتم ایمان والے ہو۔(پ۹ع۱۵سورۂ انفال:۱)

یہاں پرمسلمانوں کو چند باتوں کی خاص طور پرتعلیم دی جارہی ہے،ان کوان کے ایمان کا عین تقاضا بتایا جارہا ہے۔

پہلی بات یہ ہے کہ ایمان لانے کے بعدتم لوگ تقویٰ، خدا پرستی اورخداترسی کی زندگی اختیارکرو،اوراپنی زندگی کی حرکات وسکنات ،احساسات ومیلانات ذہن ومزاج کی ایک ایک بات کواللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ظاہرکرو،اسی کے لیے جیو،اوراسی کے لیے مرو،تمہاری زندگی کا کوئی حصہ اس کی اطاعت سے باہرنہ ہونے پائے ،اس جامع اسلامی نظام کا نام تقویٰ ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے تعلق استواروبرقرارکرنے کے بعداپنے معاشرہ،اوراپنے ماحول کودرست کرو،آپس میں صلح ومصالحت کی فضا ہموارکرو،عائلی ،قبائلی زندگی اورخاندانی وخانگی فضا کومحبت واخلاص سے معمورکرو۔

تیسری بات یہ ہے کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم اللہ کے بعداپنی ذات ،اپنے کنبے اورمعاشرے ہی کے ہوکررہ جاؤ،اورسمجھو کہ اسلام کا تمام عملی نظام صرف عائلی وقبائلی

زندگی ہی میں دائر وسائر ہے، بل کہ اس میں اور زندگی کے دوسرے تمام معاملات وحالات میں اللہ ورسول دونوں کی پوری پوری اطاعت کرو، اور معاملات وعبادات کو ان ہی کے حکم وا وامر اور منع ونہی پر چلاؤ۔

اسے مسلمانو! احتساب کرو، اور اپنی زندگی پر تنقید کر کے دیکھو کہ تمہاری زندگی میں تقویٰ خداوندی، اصلاح ذات البین، اور اطاعت اللہ ورسول کی روح کہاں تک کام کرتی ہے، اور تم اس دنیا میں اللہ کے بہترین بندے بننے میں کہاں تک کام یاب ہو؟

پس اس احتساب ومحاسبہ کے بعد تم کو خود معلوم ہو جائے گا کہ اس دنیا میں تمہاری حیثیت کیا ہونی چاہیے، اور تم اللہ کے نظامِ قدرت کے کس نتیجہ کے قابل ہو؟

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَصۡلِحُوۡا ذَاتَ بَيۡنِكُمۡ ۖ وَ اَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوۡلَهٗۤ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ۝

پس تم لوگ اللہ سے ڈرو، اور اصلاح ذات البین کرو، اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، اگر تم مومن ہو۔ (پ۹ ع۱۵ سورۂ انفال: ۱)

مسلمان کی زندگی اللہ کے معاملہ، رسول کے معاملہ میں، اپنی ذات کے معاملہ میں، اور اپنے متعلقین کے معاملہ میں بہت ہی ذمہ دار ہوتی ہے، وہ ان مقامات میں جمالیاتی پہلو نمایاں کرتی ہے، اور بُرے پہلوؤں کو ختم کرتی ہے، اللہ ورسول کے ساتھ اسلامی زندگی کا معاملہ یہ ہے کہ وہ ان کی اطاعت وشکر گزاری سے ہشاس وبشاش ہو، اور ان کی عصیان وناشکری سے رنجیدہ ومضمحل ہو، اللہ ورسول کے معاملات میں تقویٰ، خوف، دیانت داری اور ایمان داری کا پورا پورا ثبوت دے، پھر اس کے بعد اپنی اور اپنے متعلقین کی زندگی کی باری ہے۔

ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ کے بارے میں تقویٰ، رسول کے بارے میں اطاعت وتسلیم اور خود اپنے اور اپنوں کے معاملہ میں اصلاح کا رویہ اختیار کرے، باہمی معاملات کی اصلاح، معاشرتی حالات کی اصلاح، تمدنی اور تہذیبی حالات کی اصلاح۔

غرض تمام اصلاحیں، اصلاح ذات البین میں آگئیں، باپ، بیٹے، میاں، بیوی، بھائی بھائی، اعزاء واقارب سب کے سب ہمیشہ باہمی اصلاح پر نظر رکھیں، اور اسلامی زندگی کو خوش نما بنانے کی کوشش کریں۔

قرآن حکیم نے اصلاح ذات البین یعنی باہمی معاملات کی بہتری کے لیے کھول کھول کر تاکید فرمائی ہے، اور اللہ ورسول کے بارے میں تقویٰ واطاعت کے ساتھ ساتھ اس بات کا حکم دیا ہے۔

افسوس کہ مسلمانوں نے تقویٰ واطاعت کی طرح اصلاح ذات البین کو خیر باد کہہ کر اپنی خانگی زندگی کو جہنم کدہ بنا دیا ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۠ وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ①

پس تم اللہ سے ڈرو، اور اصلاح ذات البین میں لگے رہو، اور اگر تم مومن رہنا چاہتے ہو تو خدا اور اس کے رسول کے ساتھ وفادار رہو۔ (پ۹ ع۱۵ سورۂ انفال: ۱)

یعنی اپنے اندر تقویٰ کی روح پیدا کرو، اور خدا کے ان قوانین کا خیال کرو، جو کسی کے ساتھ رعایت نہیں کرتے، اور اس کا ثبوت اس طرح مل سکتا ہے، تم اصلاح ذات البین کے لیے کوشش کرو، آپس کے لوگوں سے صلح رکھو، آپس کی نفرتوں اور کدورتوں کو دور کرو، اور آپس میں محبت پیدا کر کے دوسروں کو محبت کی دعوت دو، خدا محبت ہے، اس لیے محبت چاہتا

ہے، جولوگ آپ کے تعلقات میں محبت پیدانہیں کرتے ،وہ خدا سے اپنا تعلق بھی مستحکم نہیں کر سکتے ،اگر تم مومن ہو،تو خدااوراس کے رسول کے وفادار رہو، کیوں کہ اگر تم اپنے مذہب کے وفادارنہیں ہو سکتے ،توتم کسی کے ساتھ بھی وفاداری کا اظہارنہیں کر سکتے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۠ وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝

پس تم لوگ اللہ سے ڈرو،اورآپس میں صلح واصلاح کرو،اوراللہ اوراس کے رسول کی اطاعت کرواگرتم مومن ہو۔ (پ۹ع۱۵سورۂ انفال: ۱)

مسلمان کی زندگی بہت صاف ستھری اور سیدھی سادی ہوتی ہے،اس میں خیر ہی خیر ہوتا ہے،اورکہیں سے شر وفساداور بیہودگی اور نالائقی کوراہ نہیں ملتی ،بل کہ زندگی گزارنے کے اصول نہایت پاکیزہ ہوتے ہیں،اللہ کا ڈراورتقویٰ معیار ہوتا ہے۔

باہمی اصلاح وتحسین کا جذبہ ہوتا ہے،اوراللہ ورسول کی اطاعت مقصود ہوتی ہے،بس اسی صاف ستھری راہ پر چلنے کا نام اسلام ہے،اور جولوگ صلاح وتقویٰ اوراطاعت خداورسول کی زندگی بسر کرتے ہیں،ان کومومن کہا جاتا ہے۔

اسی کو مذکورہ آیت میں بیان کیا جارہا ہے،اورمسلمانوں سے کہا جارہا ہے کہ اگرتم ایمان کے دعوے دار ہوتواس کے مطابق کام کرو،تا کہ تمہارے ایمان کے حق میں دلائل موجود ہوں۔

(۱) سب سے پہلے تقویٰ اختیار کرو،اوراسی کواپنی زندگی کامحور و معیار بناؤ۔

(۲) آپس میں صلح واصلاح کرو،اوراجتماعی زندگی میں خوبی پیدا کر کے بُرائی کا سوراخ بند کرو۔

(۳) بہرحال اللہ ورسول کی تابعداری کو مدنظر رکھو، اور اسی کے مطابق زندگی بسر کرو۔

یہ پاک وصاف زندگی دنیا والوں کے لیے اور مسلمانوں کے مفید ہی مفید ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَ جِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ اِذَا تُلِیَتْ عَلَیْهِمْ اٰیٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِیْمَانًا وَّ عَلٰى رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ ۝

مومنین وہ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں، اور جب ان کے سامنے اس کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں، تو ان سے ان کے ایمان بڑھ جاتے ہیں، اور اپنے پروردگار پر بھروسہ کرتے ہیں۔ (پ ۹ ع ۱۵ سورۂ انفال: ۲)

اللہ پر ایمان رکھنے والوں کی شان دوسروں سے نرالی ہوتی ہے، ان کے دل کا معاملہ عجیب ہوتا ہے، ان میں نرمی، خشیتِ الٰہی، خوفِ الٰہی اور تقویٰ کا حال یہ ہوتا ہے کہ جہاں ان کے سامنے اللہ کا نام آیا کہ وہ ایمان ویقین کی قدروں سے معمور ہوتے ہیں، ان کے چہرے بشرے پر اس کا اثر ظاہر ہوتا ہے، دل لرزنے لگتا ہے، اور عبدیت وبندگی میں خشیت کی حالت پیدا ہوجاتی ہے، اور عجیب قسم کی بے قراری وبے چینی محسوس ہونے لگتی ہے، اور جب ان کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے، اور اس کی آیتوں کی تلاوت کی جاتی ہے، تو ان میں ایمان ویقین کی قوت آجاتی ہے، اور ایمانی کیفیات میں اضافہ ہوجاتا ہے، اور ان کا مقصود صرف اللہ ہوتا ہے، وہ اسی کے سہارے زندگی بسر کرتے ہیں، اور ساری دنیا اس کے سہارے ہیچ ہوجاتی ہے۔

مومن کی یہی شان ہے، اور ان سے یہی زندگی مطلوب ہے، ایمان ویقین کی پختگی اور عمل وکردار کی فراوانی ان دو چیزوں سے اسلامی زندگی میں جان آجاتی ہے، اور مسلمان دنیا

میں مقامِ عبدیت کا وارث بن کر دنیا والوں میں عزت واحترام کا مستحق ٹھہرتا ہے، اور آخرت میں اس کے لیے خیر ہی خیر ہوتا ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَ جِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ اِذَا تُلِیَتْ عَلَیْهِمْ اٰیٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِیْمَانًا وَّ عَلٰى رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ ۚ﴿۲﴾ الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ؕ﴿۳﴾

مومنین تو وہ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے کہ تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں، اور جب ان کے سامنے اللہ کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں، تو وہ ان کا ایمان زیادہ کر دیتی ہیں، اور وہ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں، جو کہ نماز قائم کرتے ہیں، اور جو روزی ہم نے دی ہے، اس سے خرچ کرتے ہیں۔ (پ ۹ ع ۱۵ سورۂ انفال: ۲، ۳)

مومن دل ودماغ اور قلب ونظر کے اعتبار سے بہت ہی بلند ہوتا ہے، اس میں رقت، عبادت، رافت ورحمت اور نیکی کی استعداد وصلاحیت بدرجۂ اتم ہوتی ہے، جہاں دین وایمان کی بات آئی کہ مومن کھل کر ایمانی رنگ میں سامنے آجاتا ہے، اور دنیا اس کے ایمانی جلال وجمال کا تماشا دیکھنے لگتی ہے۔

اس کا حال یہ ہوتا ہے کہ جہاں اللہ کا نام آیا کہ اس کا دل لرز جاتا ہے، اور عبدیت وبندگی کی کیفیت طاری ہوجاتی ہے، مومنوں نے قرآن کو سنا، ان کے ایمان میں تازگی، بشاشت، اور فراوانی محسوس ہونے لگتی ہے۔

وہ خدا پرستی وخدا ترسی کے اس مقام پر ہوتے ہیں، جسے توکل کہتے ہیں، اور ان کا محبوب ترین مشغلہ عبادت الٰہی یعنی نماز کا اہتمام وقیام ہوتا ہے، اس کے بعد اللہ کی راہ میں خرچ کرنے میں لذت محسوس کرتے ہیں، اہل ایمان کی یہ صفات ہر مومن میں ہونی چاہیے،

تا کہ دنیاو آخرت میں ایمان ویقین کے حسین وخوشگوار نتائج کا ظہور ہو، اور دنیا کی دوسری قوموں کے مقابلہ میں مومن قوم اکرام وانعامِ الٰہی کی مستحق قرار پائے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَ جِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَ إِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ۝

مومن تو ہے کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے، تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں، اور جب ان کے سامنے اس کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں، تو ان کے ایمان زوردار ہو جاتے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ کرنے لگتے ہیں۔ (پ۹ ع۱۵ سورۂ انفال: ۲)

خدا پرستی اور خداترسی کی زندگی بڑی پُرکیف اور بہار دار ہوتی ہے، اس میں انسانیت کی نیک قدریں خوب خوب ابھرتی ہیں، انسان انسانیت اور نیکی کی صلاحیتوں سے معمور ہوتا ہے، اور عبدیت وبندگی کا رنگ اس قدر غالب ہوتا ہے کہ زندگی ہر وقت روحانی قالب میں ڈھلنے کے لیے مستعد رہا کرتی ہے، ایسے مستعد صالح بندے کو مومن کے خطاب سے یاد کیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ ان بندوں کی ایمانی زندگی اور خداترسی کو یوں بیان فرماتا ہے کہ وہ تعلق باللہ کی دولت سے ہمہ وقت معمور رہا کرتے ہیں، عبدیت اور بندگی کے نفع سے ابھرنے لگتے ہیں۔

جہاں اللہ کا نام آیا، اور اس کو یاد کیا گیا، ان کے دل خشیتِ الٰہی سے بھر جاتے ہیں، اور ایمان کی قدریں دل کے خزانے میں بنوع دیگر ظاہر ہو جاتی ہیں، جس کا اثر جسم وجوارح پر ظاہر ہونے لگتا ہے، جب وہ اللہ کے احکام ونواہی کو سنتے ہیں، اور آیات قرآنیہ ان کے سامنے پڑھی جاتی ہیں، تو ان کے ایمان میں بشاشت، تازگی، اور طاقت پیدا ہو جاتی ہے، اور یقین وعمل کی قدریں نمودار ہوتی ہیں۔

ان کو احکامِ خداوندی اور آیاتِ الٰہی پر عمل کرنے کا جذبہ پید ہو جاتا ہے، اور ایمانی جوشِ عمل کے قالب میں ڈھلنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے، اور اللہ تعالیٰ ان کی زندگی کا سب کچھ ہوتا ہے، اس لیے وہ عواقب ونتائج اور آغاز وانجام سے بے پرواہ ہو کر ایمان واسلام کو اپنی زندگی کا نصب العین بناتے ہیں، مومن ومسلم کی یہی شان ہونی چاہیے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝۳ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَ مَغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝۴

جو کہ نماز قائم کرتے ہیں جو روزی ہم نے ان کو دی ہے، اس سے خرچ کرتے ہیں، یہ لوگ یقیناً مومن ہیں، ان کے لیے ان کے رب کے یہاں درجات ہیں، اور مغفرت ہے، اور پاکیزہ روزی ہے۔ (پ ۹ ع ۱۵ سورۂ انفال: ۳، ۴)

اُوپر سے مومنوں کی صفات کا بیان ہو رہا ہے کہ جب ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کا نام آجاتا ہے، تو وہ خشیتِ الٰہی اور خوفِ خداوندی سے معمور ہو جاتے ہیں، اور جب ان کے سامنے اللہ کی آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں، اور قرآن حکیم پڑھا جاتا ہے، تو ان کے اندر ایمان کی تازگی اور بشاشت آجاتی ہے، اور وہ اپنے اندر دین وایمان کی تازہ روح محسوس کرنے لگتے ہیں۔

یہاں پر مومنوں کی مزید صفات کو بیان کیا جا رہا ہے کہ وہ خدا کے نام سے ڈرتے ہیں، اور اس کی آیتوں کو سن کر ایمانی لذت پاتے ہیں، نیز وہ نماز کو اس کے حقوق کے ساتھ ادا کرتے ہیں، اور اپنی خدا پرستی اور خدا ترسی کا مرکز نماز کو بناتے ہیں، ان کے نزدیک خدا پرستی کا اولین تقاضا دن میں پانچ وقت کی نماز ہے، اگر یہ نہیں تو خدا پرستی کا دعویٰ صحیح نہیں ہے، پھر وہ اپنی

خیر خواہی اور ذاتی مصالح کے ساتھ مفاد عامہ میں دل چسپی لیتے ہیں، اور زکوٰۃ پورے طور پر ادا کرتے ہیں، اپنی دولت سے اپنے مسکینوں اور غریبوں کے حقوق ادا کرتے ہیں، اور خدا کے حقوق کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ خدا کے بندوں کے حقوق کا بھی لحاظ کرتے ہیں۔

ایسے کردار کے لوگ یقیناً مومن ہیں، ان کے حسنات دائم، ابدی لذتیں، اور دائمی مسرتیں ہیں، وہ اپنے رب کی طرف سے رحمت و مغفرت کے مستحق قرار دیئے گئے ہیں، اور ان کا ٹھکانہ جنت ہے، جہاں ان کو عزت و کرامت کی زندگی اور صاف ستھری روزی ملے گی۔

جن مومنوں کی یہ صفات بیان کی گئی ہیں، وہ ہم آپ ہو سکتے ہیں، بل کہ ہمیں ایسا ہونا چاہیے، تاکہ اسلام کا مشن پورا ہو، اور دنیا و آخرت میں اسلام سے انسانوں کو فیض پہونچے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿٢﴾ الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ﴿٣﴾ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا ۚ لَّهُمْ دَرَجَاتٌ عِندَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿٤﴾

بے شک مومن وہ لوگ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے، تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں، اور جب ان کے سامنے اس کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں، تو ان کا ایمان زیادہ کر دیتی ہیں اور اپنے رب پر توکل کرتے ہیں، جو کہ اقامت صلوٰۃ کرتے ہیں، اور جو روزی ہم نے ان کو دی ہے، اس سے خرچ کرتے ہیں، یہی لوگ درحقیقت مومن ہیں، ان کے لیے ان کے رب کے یہاں مرتبے ہیں، اور مغفرت اور عزت و شرافت کی روزی ہے۔ (پ ۹ ع ۱۵ سورۂ انفال: ۳، ۴)

اہل ایمان کی صفات و احوال میں سے چند اُمور کو بیان فرمایا ہے، اور حقیقی مومن

ان ہی لوگوں کو فرمایا جارہا ہے، جن میں یہ صفات پائی جاتی ہیں:

(۱) سب سے پہلے یہ کہ ان کی خدا پرستی اور خدا ترسی کا حال یہ ہے کہ جب اللہ کا نام آتا ہے، تو ان کے دل لرز جاتے ہیں، اور خشیتِ الٰہی سے ان کے جسم پر لرزہ طاری ہوجاتا ہے، اور ان کے دل کی دنیا اللہ کے جلال و جبروت سے آباد رہتی ہے، ان کی ایمانی زندگی اور تقویٰ خوفِ خدا پر ہے۔

(۲) کلامِ الٰہی کا ان کے دل و دماغ پر شدید اثر پڑتا ہے، اور قرآن پڑھ کر یا سن کر ان کا ایمان تازہ ہوجاتا ہے، اس کی کیفیات میں اضافہ ہوجاتا ہے، اور ان کے ایمان و اسلام کا علاقہ قرآن حکیم سے رہتا ہے۔

(۳) وہ اپنے تمام معاملات میں سکون واطمینان سے رہتے ہیں، اور خدا پر توکل کر کے اسباب وذرائع کو استعمال کرتے ہیں، اس لیے ان کے ہر کام میں خوبی پیدا ہوتی ہے، اور بگڑتی باتیں بھی بن جاتی ہیں۔

(۴) ان کی ایمانی زندگی کا محور اقامتِ صلوٰۃ اور نماز کا انتظام واہتمام ہے، وہ اسی سے متعلق رہ کر اپنا ہر پروگرام چلاتے ہیں۔

(۵) وہ معاشی اور اقتصادی خوش حالی قائم رکھنے کے لیے زکوٰۃ کے نظام کو بہت با قاعدہ رکھتے ہیں، اور دل کھول کر اللہ کی دی ہوئی روزی میں سے زکوٰۃ دیتے ہیں، اور خوش ہوتے ہیں کہ ہم نے خدا کی دی ہوئی دولت کو اسی حکم سے اس کے غریب ومفلس بندوں تک پہونچایا، یہ اس کا فضل ہے کہ اس نے ہم سے یہ کام لیا۔

جن مومنوں کا حال یہ ہے، درحقیقت ایمان واسلام کی زندگی ان ہی کی ہے، اور ان کے لیے اللہ تعالیٰ کے یہاں مراتب وانعامات ہیں، اور بخشش ومغفرت کی بشارت ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَ هُمْ يَنْظُرُوْنَ ﴿۶﴾

وہ لوگ آپ سے حق کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں، حق ظاہر ہوجانے کے بعد گویا وہ موت کی طرف گھسیٹے جارہے ہیں، اور وہ دیکھ رہے ہیں۔ (پ ۹ ع ۱۵ سورۂ انفال:۶)

سورج کے طلوع ہونے اور دوپہر ہوجانے کے بعد کسی شخص کا اس پر جھگڑا کرنا کہ ابھی سورج نکلا ہے یا نہیں، آگ کی گرمی محسوس کر لینے کے بعد اس پر بحث مباحثہ کرنا کہ آگ میں گرمی ہے یا نہیں، پانی پینے کے بعد اس بات کو موضوع بحث بنانا کہ اس میں سیرابی کی طاقت ہے یا نہیں، سراسر حماقت در حماقت ہے، اور جو شخص ایسی باتیں ان حقائق کی موجودگی میں کرے، وہ یا تو نرا احمق ہے، یا بزدلوں کی ایک پارٹی تھی، جو حق وصداقت ظاہر ہوجانے کے بعد حق کا انکار کرتی ہے، اور اس کے نزدیک جس طرح سورج نکلنے کے بعد سورج کا انکار جائز تھا، اسی طرح حق کے واضح ہوجانے کے بعد حق کا انکار بھی جائز تھا۔

یہ بے عمل اور کام سے جی چرانے والے لوگ تھے، اور اللہ و رسول کے نام پر حق کا انکار کرنا انسان کے لیے ایسا تھا، جیسے سامنے موت جبڑا کھولے ہوئے ان کو کھانے کے لیے تیار ہے، اور ان کو گھسیٹ گھسیٹ کر اس کے منہ میں ڈالا جارہا ہے، یہی بے عملی و بدعقیدگی کا سبب ہے، اگر ان میں ہمت عمل ہوتی، تو حق کو ماننے میں تامل نہ ہوتا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَ هُمْ يَنْظُرُوْنَ ﴿۶﴾

وہ آپ سے حق کے ظاہر ہونے کے بعد اس کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں، جیسے وہ موت کی طرف کھینچے جارہے ہیں، اور وہ اسے دیکھ رہے ہیں۔ (پ ۹ ع ۱۵ سورۂ انفال:۶)

جولوگ عمل کے نشاط وسرور سے خالی ہوتے ہیں، ان میں سستی کاہلی، اورتن آسانی کا بڑامادہ پیدا ہوجاتا ہے، اوران میں باتیں بنانے کا مرض جگہ پکڑ لیتا ہے، وہ ہر بات میں اڑنگا لگاتے ہیں، اور بال کی کھال نکالنے کے پھیر میں رہا کرتے ہیں، کیوں کہ ان میں کام کی ہمت نہیں ہوتی ہے، اوراپنی کم ہمتی کو ظاہر کرنے میں اپنی ہتک محسوس کرتے ہیں، اس لیے اس پر پردہ ڈالنے کے لیے باتوں کا بہانہ بناتے ہیں، جب ان سے حق کے اقراراوراس پر عمل کرنے کے لیے کہا جاتا ہے تو وہ طرح طرح کی باتیں نکالتے ہیں، حق اور کردار کے نام پراس طرح بھاگتے ہیں، جیسے سامنے موت کھڑی ہے، اوراسی کے منہ میں ڈالنے کے لیے کھینچے جارہے ہیں۔

حق کے نام سے دم گھٹتا ہے، جان نکلتی ہے، اورروح اندر کی طرف سکڑتی ہے، ایسے بدعملوں جھگڑالوؤں اور بات بنانے والوں کے لیے بڑی خرابی ہے، اورایسے لوگ نہ دنیا میں سکھ، چین کی زندگی بسر کرسکیں گے، نہ آخرت میں ان کے لیے عیش وسکون کا سامان بہم ہوگا۔

لہٰذا مسلمانو! حیلہ بہانہ نہ کرو، اورسچائی کے نام پر ہمیشہ تازہ دم رہو۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَ هُمْ يَنْظُرُوْنَ ؕ۝۶

وہ لوگ حق کے ظاہر ہوجانے کے بعد حق کے بارے میں آپ سے جھگڑا کرتے ہیں، گویا وہ موت کی طرف گھسیٹے جارہے ہیں، اوروہ دیکھ رہے ہیں۔ (پ۹ع۱۵ سورۂ انفال:۶)

جب انسان کے دل میں شک وشبہ کا چور ہوتا ہے، اوراس میں بے عملی اورغفلت کا شیطان اپنی روح پھونکتا رہتا ہے، پھراس آدمی کے لیے سچائی کا تسلیم کرنا بڑا مشکل کام ہوتا ہے۔

آپ نے دیکھا ہوگا کہ جب آدمی بات بات کرتے کرتے سوجاتا ہے، اور پاس

کے بیٹھے ہوئے لوگوں میں سے کوئی آدمی اسے جھنجھوڑ کر کہتا ہے کہ میاں سو رہے ہو، تو جو بات پہلے اس کی زبان سے نکلتی ہے، یہی کہ میں سویا نہیں تھا، حالاں کہ تمام لوگ اس کے گواہ ہیں مگر چوں کہ وہ نیند میں مست ہو کر خلافِ مجلس کام کرتا ہے، اور اس کا انکار کرتا ہے، اس لیے اسے اس انکار میں کوئی جھیپ اور کوئی شرم وحیا محسوس نہیں ہوتی۔

اسی طرح منکرینِ حق اور اپاہج لوگوں کے لیے سچائی کا انکار بہت ہی آسان کام ہوتا ہے، اور ہر سچائی کا انکار اور اس کے بارے میں بحث ومباحثہ ان کے لیے ضروری ہوتا ہے، وہ سچائی آفتاب سے زیادہ واضح کیوں نہ ہو، سچائی کے اعتراف واقرار میں ان کو اپنی موت سامنے کھڑی نظر آتی ہے، اور محسوس کرتے ہیں کہ گویا ہماری گردن میں رسی ڈال کر ہمیں موت کی طرف گھسیٹا جا رہا ہے، اور ایسا اس لیے ہوتا ہے کہ بے عمل لوگوں کے لیے عمل کرنا موت کے برابر ہے، تن آسانی کے لیے محنت کا کام کرنا اس کی موت ہے۔

پس اے لوگو! قوت عمل اور روح کے مرنے کے بعد آدمی ہر سچائی کو جھٹلاتا ہے، اور اسے کبھی نیکی کی توفیق نہیں ہوتی ہے، تم اپنی قوت عمل اور اپنی روح کو مردہ نہ ہونے دو۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَ هُمْ يَنْظُرُوْنَ ﴿٦﴾

وہ لڑائی کرتے ہیں آپ سے حق کے بارے میں حق ظاہر ہو جانے کے بعد گویا وہ موت کی طرف گھسیٹے جا رہے ہیں، اور وہ موت کو دیکھ رہے ہیں۔ (پ۹ ع۱۵ سورۂ انفال:۶)

جب کسی فرد یا قوم میں عملی روح نہیں ہوتی، تو اس کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ بات کا بتنگڑ کرتی ہے، بحث ومباحثہ کرتی ہے، اور معمولی معمولی چیزوں کو اصل قرار دے کر بنیادی اور اصولی چیزوں سے منہ پھیرتی ہے، اور اس کا رات دن کا شغل بس

مناظرہ بازی توتو، میں میں اور باہمی جھگڑا لڑائی یا غیروں سے بحث کرنا ہے۔

کفار ومشرکین اور یہود ونصاریٰ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آ کر خواہ مخواہ بحث کیا کرتے تھے، جن باتوں کو وہ خوب سمجھتے تھے کہ یوں ہی ہے، ان کے متعلق بھی کرید کرید کر پوچھا کرتے تھے، کیوں کہ اگر سمجھ بوجھ کر رہ جاتے، تو اس کو ماننا پڑتا، اور اس کے مطابق عمل کرنا پڑتا، اور حق کی باتوں پر عمل کرتے ہوئے ان کی موت آتی تھی، اس لیے وہ حقیقت سے اس طرح گریز کرتے تھے، جیسے کوئی شخص اپنی آنکھ سے دیکھ رہا ہے، اور اسے کھینچ کر موت کے منہ لے جایا جاتا ہو۔

یہ بات زمانۂ رسالت کے بے عملوں کے ساتھ مخصوص نہیں تھی، آج بھی شل اعضاؤں، اپاہج، اور بے عملوں کا یہی حال ہے کہ بات بات پر لڑتے ہیں، کیوں کہ اس میں عمل کرنا پڑے گا، اور عمل کرنے سے جان نکلتی ہے، آج کون نہیں جانتا کہ روزہ، نماز، حج، زکوۃ فرض ہے، نیکی اچھی چیز ہے، بدی بُری چیز ہے، مگر عمل کر کے نہ کوئی اس کی اچھائی ثابت کرتا ہے، اور نہ ان سے بچ کر ان کی بُرائی ثابت کرتا ہے۔

البتہ مذہبی گروہ جماعتی پارٹی بازیوں، اور دین کے نام پر عصبیتوں میں ہر شخص آگے آگے ہے، جس راستہ سے گزرو، کوئی مناظرہ ہو رہا ہے، جس ہوٹل میں جاؤ، کوئی بحث ہو رہی ہے، وہابی، سنی کی، بریلوی، دیوبندی کی، رضاخانی، بدعتی کی یہ بحثیں نتیجہ ہیں اس اندرونی چور کا جو مسلمانوں کو بے عمل بنا رہا ہے، اور اس کی ساری قوت صرف بحث وتکرار میں ختم کر دینا چاہتا ہے، مسلمان غور کریں، اور اپنی عقل سے کام لے کر دوسروں کے چکر میں نہ پڑیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَ هُمْ

يَنۡظُرُوۡنَ ؕ﴿۶﴾

وہ لوگ آپ سے حق کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں، حق کے ظاہر ہو جانے کے بعد گویا کہ وہ موت کی طرف کھینچے جا رہے ہیں، اور وہ موت کو دیکھ رہے ہیں۔

(پ۹ ع۱۵ سورۂ انفال:۶)

جن کے دل ٹیڑھے ہو جاتے ہیں، اور جو حق بات سمجھنے کے لیے اپنے کو تیار نہیں کرتے، وہ آنکھ رکھ کر اندھے، کان رکھ کر بہرے، زبان رکھ کر گونگے، اور دل و دماغ رکھ کر ناسمجھ ہوتے ہیں۔

ان میں عدوان و شرارت کا مادہ بحرانی کیفیت رکھتا ہے، اور بات سن کر بجائے اس پر غور کرنے کے فوراً الجھ جاتے ہیں، اور اباء و انکار پر اتر آتے ہیں، حالاں کہ وہ خوب سمجھتے ہیں کہ وہ بات برحق ہے، اور ہم ناحق پر ہیں، وہ ایسا اس لیے کرتے ہیں کہ ان میں ایمان و یقین کی قوت نہیں ہوتی، اور عمل و کردار میں وہ صفر ہوتے ہیں، ان پر دینی زندگی اس قدر بار ہوتی ہے کہ اس پر عمل کرنا گویا اپنے کو موت کے منہ میں ڈالنا ہوتا ہے، وہ اس طرح دین کے نام سے دور بھاگتے ہیں، جیسے ان کے سامنے موت کا منہ کھلا ہوا ہے، اور اس میں ان کو ڈھکیلا جا رہا ہے۔

ایمان و یقین، عمل و کردار سے محروم لوگ ہمیشہ جھگڑا کرتے ہیں، بات بات پر طوفان برپا کرتے ہیں، اور کام کرنے کے بجائے لڑائی جھگڑے میں رہا کرتے ہیں، مگر اَربابِ کاران سے الجھتے نہیں، بل کہ اپنے کام سے کام رکھتے ہیں۔

ہمیں چاہیے کہ اپنی قوت کو عمل و کردار میں صرف کریں، اور آپس میں لڑائی، جھگڑا نہ کریں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَ هُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝۶

وہ آپ سے حق کے بارے میں مجادلہ کرتے ہیں، اس کے ظاہر ہو جانے کے بعد جیسے وہ موت کی طرف کھینچے جا رہے ہیں، اور وہ موت کو سامنے دیکھ رہے ہیں۔

(پ۹ ع ۱۵ سورۂ انفال: ۶)

جن بُزدلوں اور کم ہمتوں میں یقین و عمل کی توانائی نہیں ہوتی، اور جو اعتقاد و عمل کے اعتبار سے مزمن اَمراض میں مبتلا رہا کرتے ہیں، وہ حق و صداقت کو تسلیم نہیں کرتے، بل کہ جس قدر حق واضح ہو جاتا ہے، اسی قدر ان کی بحث و حجت بڑھ جاتی ہے، اور وہ بے حیائی میں کھلے چلے جاتے ہیں۔

یہ اس لیے ہوتا ہے کہ عمل کے میدان میں نکلتے ہوئے ان کی جان نکلتی ہے، اور جب کام پڑتا ہے، تو وہ ایسے دبک جاتے ہیں جیسے ان کے سامنے موت اپنا منہ کھولے ہوئے نگلنے کے لیے چلی آ رہی ہے۔

عام طور سے ایسا ہوتا ہے کہ جو لوگ عمل و کردار میں کمزور ہوتے ہیں، وہ بات بنانے، اور بحث و مباحثہ میں بہت تیز ہوتے ہیں، اور ان کی عملی طاقت قول میں بدل جاتی ہے۔

اس قماش کے کچھ لوگ عہدِ رسالت میں بھی تھے، جو نفاق کے مریض تھے، ان کے دل میں ایمان و عمل کی صحت مندی نہیں پیدا ہوتی تھی، وہ لوگ بات بات پر بحث و مباحثہ کیا کرتے تھے، اور پھر اپنی پارٹی میں جا کر کہتے تھے کہ آج تو فلاں فلاں بات میں ہم نے مسلمانوں کو ہرا دیا، اور ان کی بولی بند کر دی، اس طرح یہ بزدل اپنے مجمع میں بہادری ظاہر کرتے تھے۔

آج بھی اس قسم کے لوگ ہیں، جو حق و صداقت کے اظہار و اقرار کے لیے سامنے تو

نہیں آتے ،مگر اپنے حلقوں میں بیٹھ کر باتیں بناتے رہتے ہیں،اور اپنے کو بہت دور بین اور سمجھ دار گردانتے ہیں،اور جب ان سے کسی امر حق میں ساتھ دینے کے لیے کہا جاتا ہے،تو ایسے دبک جاتے ہیں، جیسے ساری مصیبت ان ہی کے لیے پیدا کی گئی ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَ يَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۙ﴿۷﴾ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَ يُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۚ﴿۸﴾

اور اللہ ارادہ کرتا ہے کہ اپنے کلمات سے حق کو ثابت کرے،اور کافروں کو ملیا میٹ کردے،تاکہ حق کو ثابت کردے،اور باطل کو مٹادے،اگر چہ مجرم ناپسند کریں۔

(پ۹ ع۱۵ سورۂ انفال: ۷، ۸)

دنیا میں حق اس لیے ہے کہ اس کا سر بلند ہو،اور باطل کا پتہ اس لیے چلتا ہے کہ اس کا سر کچل دیا جائے ،اسی لیے ہمیشہ سے حق و باطل میں آویزش چلی آئی ہے،اور ہر معرکۂ حق و باطل میں حق کو فتح اور باطل کو شکست ہوئی ہے۔

چوں کہ اجالے کے بعد اندھیرا ہونا،ظلمت و نور کا وجود اور سردی و گرمی کا پایا جانا قانونِ فطرت کا تقابلی مظاہرہ ہے،اس لیے حق کے مقابلہ میں باطل کا آنا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے،اور اس صورت حال سے اہل حق کو پریشان نہیں ہونا چاہیے۔

جہاں تک مجرموں کا تعلق ہے،وہ تو ہمیشہ اہل حق کی کوشش کو ناپسند کرتے ہیں، اور باطل کے فروغ سے دل چسپی لیتے ہیں، یہ ان کا کام ہے،اہل حق کو اس سے کبھی گھبرنا نہیں چاہیے،بل کہ جم کر کام کرنا چاہیے،اور اس عقیدہ و یقین کے ساتھ کام کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ حق کی مدد فرما کر باطل کو ختم کرتا ہے،حق کے طرفداروں کی مدد کرکے باطل کے طرفداروں کا صفایا کرتا ہے۔

اس کی یہ سنت جاریہ آج بھی اپنا کام کر رہی ہے، تم دیکھ رہے ہو کہ آج دنیا کے جتنے اکابر مجرمین ہیں، سب کے سب باطل کو فروغ دینے میں لگے ہوئے ہیں، مگر حق آج بھی درخشاں وتاباں ہے، اور ہر آن اَربابِ باطل کو قدرت کی مدد کے مقابلہ میں شکست پر شکست ہوتی رہتی ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ.

جب کہ تیرے رب نے وحی بھیجی ملائکہ کی طرف کہ میں تمہارے ساتھ ہوں، پس ان لوگوں کو ثابت قدم رکھو، جو ایمان لائے ہیں، میں بہت جلد ان لوگوں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا، جنھوں نے کفر کیا۔ (پ۹ ع۱۶ سورۂ انفال:۱۲)

اَربابِ دین و دیانت اور اہل ایمان دنیا میں کبھی، ناکام و نامراد نہیں دیکھے جاتے، اگر چہ بظاہر بعض وقت ایسا معلوم نے لگتا ہے کہ ناکامی ہو رہی ہے، اور کفر و شرک اور معاصی و جرائم کے مقابلہ میں کام یاب ہو رہے ہیں، مگر یہ وقتی ہجوم اور ہنگامی غلبہ بالکل آنی جانی ہوتا ہے، اس میں دوام و بقاء کی ذرہ برابر کوئی چیز نہیں ہوتی۔

بات یہ ہے کہ دین و ایمان حقائق پر مبنی ہیں، ان کی بنیادیں عقیدہ و عمل کی چٹان پر رکھی جاتی ہے، اور ان میں کہیں سے کوئی کمزوری نہیں ہوتی ہے، اور کفر و شرک کی دیوار کھوکھلی ہوتی ہے۔

اس لیے نہ ٹھوس بنیاد ہوتی ہے، اور نہ ہی کوئی مضبوط جڑ ہوتی، بل کہ اس کی مثال ہوا کے جھوکے کی سی ہے، جو آتا ہے تو بعض درختوں کو اکھاڑ دیتا ہے، مگر اس کا کہیں سر پیر نہیں ہوتا، یہ حال کفر و شرک اور کفار و مشرکین کے وقتی غلبہ اور ہنگامی ہجوم کا ہے، اور نتیجہ میں اہل

ایمان کو دوام اور ثبات ہے، اور کفار میں خوف و ہراس اور مرعوبیت ہے، اور مسلمان کو عزیمت و پامردی ملتی ہے، اور کافر کو بزدلی ملتی ہے، بشرطے کہ مسلمان واقعی مسلمان ہوں۔

یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے، جو کبھی نہ بدلا ہے، نہ بدلے گا، اوپر کی آیت میں اسی حقیقت کو واضح فرمایا جارہا ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ۚ وَ مَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۳﴾

یہ اس واسطے کہ وہ مخالف ہوئے، اللہ اور اس کے رسول کے اور جو مخالف ہو اللہ اور اس کے رسول کا تو بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے۔ (پ ۹ ع ۱۶ اسورۂ انفال: ۱۳)

اوپر کفار و مشرکین کو سزا دینے اور ان کی سرکوبی کا بیان ہورہا ہے، اور اس کی وجہ یہ بتائی جارہی ہے کہ وہ اللہ اور رسول کے مخالف ہیں، اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کے مخالف بنیں گے، ان کے لیے یہی سزا اور یہی عقوبت ہوگی، یعنی اللہ تعالیٰ کی گرفت یوں ہی نہیں ہوتی، اور کسی گروہ کی یوں تباہی و بربادی نہیں آتی، بل کہ اس کی وجہ خود انسان کی شرارت اور سرکشی ہوتی ہے۔

وہ اس درجہ بڑھی ہوگی کہ وہ اللہ اور اس کے رسول تک کی جناب میں گستاخی کرنے کو اپنا حق اور فن خیال کرتے تھے، اور کفر و شرک اور عصیان و نافرمانی کو اپنا شیوہ بنائے ہوئے ہیں، اور اپنی حرکتوں سے اللہ تعالیٰ کے قانون مجازات کو مقابلہ کی دعوت دیتے رہتے ہیں، اور ذرہ برابر خیال نہیں کرتے کہ ہم کیا کررہے ہیں، اور انسانیت کو کہاں لے جارہے ہیں؟

جب کسی قوم کا مزاج کافرانہ ہوجائے، اور اس میں عدوان وعصیان کے جراثیم

اس قدر پیدا ہو جائیں تو ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کا عفو وکرم اپنے تیور بدلے اور شریروں کو ان کی شرارت کا مزاج چکھائے۔

آج جو تم بدامنی، بے اطمینانی، معاشی پریشانی، اقتصادی گراوٹ اور اخلاقی پستی اور روحانی ابتری دیکھ رہے ہو، ان کے مجموعہ کا نام انتقام خداوندی اور قانونِ مجازات ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ۚ وَ مَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۳﴾

یہ اس لیے کہ انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کو تکلیف دی، اور جو اللہ اور اس کے رسول کو تکلیف دیتا ہے، تو اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔ (پ ۹ ع ۱۶ سورۂ انفال: ۱۳)

جو لوگ نہ صرف یہ کہ اللہ و رسول کے احکام پر عمل نہیں کرتے، اور ان کے اوامر و نواہی سے منہ موڑتے ہیں، بل کہ وہ اللہ و رسول کے درپے ہو جاتے ہیں اور اپنی زندگی کو اللہ و رسول کی دشمنی کے لیے وقف کر دیتے ہیں، وہ لوگ آخرت تو دور کی بات ہے، اسی دنیا میں بُری طرح ذلیل و خوار ہوتے ہیں، اور اس کا انجام نہایت ہی بُرا ہوتا ہے۔

اللہ و رسول کی مشقت اور تکلیف کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ انسانوں کی طرح جسمانی یا روحانی اذیت محسوس کرتے ہیں، اور ان پر گراں باری ہوتی ہے، بل کہ یہاں پر اللہ و رسول کو کو تکلیف دینے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے مقابلہ میں جرأت دکھانا اور نہ صرف حکم نہ ماننا بل کہ اس کے خلاف کرنے کے لیے کمربستہ ہو جانا۔

اگرچہ یہاں پر روئے خطاب کفار و مشرکین سے ہے، مگر مسلمانوں کو بھی سوچنا چاہیے کہ اگر ان کے طور و طریقہ اور طرز و ادا سے اللہ و رسول کو تکلیف ہوتی ہے، اللہ و رسول ناراض ہوتے ہیں، تو ان کا انجام کیا ہوگا، ان کو دنیا میں کیا سزا ملے گی، پھر دیکھنا چاہیے کہ آج

کل ہمارے کام اللہ ورسول کے خوش کرنے والے ہیں، یا ان سے ناراض وناخوش ہوں گے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ﴿۱۵﴾

اے ایمان والو! جب تم ان لوگوں سے بھڑ جانے کے طور پر ملو، جنھوں نے کفر کیا ہے، تو ان سے پشت مت پھیرو۔ (پ ۹ ع ۱۶ سورۂ انفال: ۱۵)

مسلمان اس دنیا میں امن وانسانیت کا داعی ونقیب ہے، اس کا کام اپنی زندگی کے ہر پہلو سے انسانیت کے گیسو سنوارنا ہے، اور اس کی خدمت کرنا ہے، اس لیے وہ جنگ بازوں کی بات نہیں کرسکتا، فتنہ وفساد میں حصہ نہیں لے سکتا، بُرائی کی اشاعت میں اپنے آپ کو پیش نہیں کرسکتا، اور اسی کے ساتھ ساتھ اس کا فرض ہے کہ جہاں فتنہ وفساد کی آگ بھڑکتی ہو، اور انسانیت اس کی لپیٹ میں بُری طرح جل رہی ہو، وہاں مسلمان اپنی خدمات پیش کرکے امن کی بحالی میں اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہادے، اور اس راہ میں جان ومال گھر بار سب کچھ قربان کرکے اللہ کی زمین پر بندوں کو خدائی فضا میں جینے کی راہ پیدا کرے۔

اگر مسلمان ایسا نہیں کرے گا، تو مجرم قرار پائے گا، اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے اسے سزا ملے گی، یہاں اسی بات کو بیان فرمایا جارہا ہے کہ اگر امن وانسانیت کے دشمنوں سے مدبھیڑ ہوجائے، اور دین وایمان کے مقابلے میں کفر وضلالت کی بل سے جنگ وجدال کے حشرات الارض نکل کر ہر طرف سے فضا پر چھائے جانے کی کوشش کریں، تو ایسے وقت میں مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے دین وایمان اور تیغ وسنان کی پوری توانائی کے ساتھ میدان میں نکل آئیں، اور کسی قسم کی بزدلی، ڈر، اور مصلحت کے نام پر پسپائی نہ دکھائیں، بل کہ مردانہ وار مقابلہ کریں۔

کوئی سماج یا معاشرہ، کوئی حکومت ہو، یا جماعت جب تک امن وامان اور نیکی کی فضا پیدا کرنے کے لیے اس سطح پر تیار نہیں ہوگی، وہ انسانیت کی خدمت نہیں کر سکتی، اور اپنے نصب العین کو ذمہ داری سے نہیں چلا سکتی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ﴿١٥﴾

اے ایمان والو! جب تم ان سے جنگ میں ملو، جنھوں نے کفر کیا ہے، تو تم ان سے پشت مت پھیرو۔ (پ ۹ ع ۱۶ سورۂ انفال: ۱۵)

یہ زمانۂ حرب کے بارے میں بیان کیا ہے کہ جب کفار ومشرکین اپنی شرارتوں سے باز نہ آئیں گے، اور ان سے مسلمانوں کو لڑنا ہی پڑے، تو مقابلہ ہو جانے پر کسی مجاہد کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ پشت پھیر کر پیچھے ہٹے، بل کہ کفر وشرک کے مقابلہ میں توحید وخدا پرستی کا جھنڈا لے کھڑا رہے، اور آخری دم تک اسلام کی طرف سے دفاع کرتا رہے، البتہ داؤ پیچ کے لیے پینترا بدلنا حرام نہیں ہے، بل کہ یہ تو جنگی چال ہے۔

یہ حکم زمانۂ جنگ بل کہ عین میدان جنگ کا ہے، مگر عام حالات میں اگر کفار ومشرکین مسلمانوں پر حملہ آور ہوں، اور اسلام کا نام لے کر ان کو ختم کرنے کی کوشش کریں، تو ایسے وقت میں مسلمانوں کو ایک جسم بن کر مردانہ وار مقابلہ کرنا چاہیے، مگر اپنی طرف سے پہل نہیں کرنا چاہیے، نہ ہی فتنہ فساد کرنا چاہیے۔

لیکن اگر کفار ومشرکین کی یلغار ہو جائے تو جم کر مقابلہ کرنا چاہیے، اور جب جان کی بازی ہی آ جائے تو عزت وشہادت کے ساتھ جان دینی چاہیے۔

خوب یاد رکھئے کہ اسلام میں جنگ وجدال نہیں ہے، بل کہ حتیٰ الامکان امن

وسلامتی کی کوشش کرنی چاہیے، مگر جب کام نہ چلے، تو حفاظت خود اختیاری کے فطری قانون پر عمل کرنے کا حق استعمال کرنا چاہیے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۠ وَ مَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ

پس تم لوگوں نے ان کو قتل نہیں کیا مگر اللہ نے ان کو قتل کیا، اور تم نے نہیں پھینکا، جب کہ پھینکا، مگر اللہ نے پھینکا۔ (پ ۹ ع ۱۶ سورۂ انفال: ۱۷)

یہاں پر فرمایا جا رہا ہے کہ غزوۂ بدر میں جو کفار و مشرکین کو شکست ہوئی، اور ان کی جمعیت تتر بتر ہوگئی، وہ تمہارے ہاتھوں سے قتل ہو گئے، تم نے مٹھی بھر کنکری اٹھا کر ان کی طرف پھینک دی، تو بھگدڑ مچ گئی، بظاہر یہ کچھ رسول، اور مسلمانوں نے کیا، مگر در حقیقت یہ سب اللہ تعالیٰ نے کیا، اسی نے کفار و مشرکین کے دلوں میں تمہارا رعب ڈالا، اسی نے رسول کی مٹھی بھر کی کنکریوں میں دشمن کے مارنے کی تاثیر دی، اس نے کمزور، نہتے، اور بے طاقت لوگوں کو اپنے فضل و کرم سے کفار و مشرکین کے مقابلہ کے لیے قوت و طاقت دی، ورنہ کفار و مشرکین ظاہری طاقت و شوکت میں اس قدر مست تھے کہ ان کو ہوش میں آنا ہی مشکل معلوم ہوتا ہے۔

انبیاء علیہم السلام کے معجزات ہوں، یا بزرگانِ دین کی کرامتیں، یا پھر غازیوں، اور مجاہدوں کے جذبات سب کے سب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا نتیجہ ہیں، اسی کی طرف سے بندوں کو ملتے ہیں، فی نفسہ کسی بندے میں کوئی طاقت و قدرت نہیں، اور چوں کہ حضرات انبیاء علیہم السلام توحیدِ الٰہی کے داعی و مبلغ ہوتے ہیں، اس لیے وہ اس حقیقت کو خوب سمجھتے ہیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

فَلَمۡ تَقۡتُلُوۡهُمۡ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمۡ ۪ وَ مَا رَمَيۡتَ اِذۡ رَمَيۡتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ وَ لِيُبۡلِىَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ مِنۡهُ بَلَآءً حَسَنًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ﴿۱۷﴾

پس تم لوگوں نے ان کو قتل نہیں کیا مگر اللہ نے ان کو قتل کیا، اور آپ نے کنکری نہیں ماری، جب کہ آپ نے ماری، مگر اللہ نے ماری۔ (پ۹ ع۱۶ سورۂ انفال: ۱۷)

جو کچھ ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے، ظاہری اسباب و وجوہ کسی چیز کے فاعل و جاعل نہیں ہوا کرتے، بل کہ فاعل حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے، وہی جس سے جو کام چاہتا ہے، لیتا ہے اور کراتا ہے، مسلمانوں نے کفار و مشرکین کو جنگوں میں مارا تو یہ کام بھی اللہ تعالیٰ کا تھا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مٹھی بھر کنکری کفار کے لشکر میں پھینکی، جس سے ان میں کھلبلی مچ گئی، تو یہ کام بھی اللہ تعالیٰ کا ہی تھا، اسی طرح ہر کام میں صرف اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کام کرتی ہے، اور کوئی کچھ بھی نہیں کرسکتا ہے، مسلمانوں کو اسی عقیدہ پر مرنا اور جینا ہے، اور یہی عقیدہ ان میں اسلامی زندگی پیدا کرتا ہے، اگر اس میں کمزوری آئے گی، تو یہ قوم ہر اعتبار سے کمزور پڑ جائے گی۔

اب دیکھو کہ ہم مسلمانوں میں یہ عقیدہ کہاں تک کام کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی حاکمیت حقیقی کا عقیدہ کس قدر موجود ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

ذٰلِكُمۡ وَ اَنَّ اللّٰهَ مُوۡهِنُ كَيۡدِ الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۱۸﴾

اور بے شک اللہ کمزور کرنے والا ہے کافروں کے مکر و فریب کو۔

(پ۹ ع۱۶ سورۂ انفال: ۱۸)

اللہ تعالیٰ کی طاقت سب سے بڑی طاقت ہے، اس کی طاقت کے مقابلہ میں دنیا بھر کی طاقت کمزور اور بودی ہے، اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے نظام قدرت کا ساتھ دیتے ہیں،

اس کی استواری و برقراری کے لیے دنیا میں کام کرتے ہیں اور اس کے قیام و بقا کے لیے زندہ ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی ہر طرح مدد فرماتا ہے اور ان کو اپنی قوت و طاقت سے نوازتا ہے اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے نظام کے مقابلہ میں دوسرا نظام بناتے ہیں، یا خداوندی نظام سے بغاوت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نہ صرف یہ کہ ان کی مدد نہیں کرتا، بل کہ ان کی ہر تدبیر کو، ہر مکر و فریب کو اور ہر چال کو ناکام بنا دیتا ہے، اور دنیا میں ان کی باطل نوازی نہیں چلتی، کفار و مشرکین اپنے عقیدہ و عمل کے اعتبار سے نظامِ خداوندی کے باغی ہوتے ہیں اور مسلمانوں کے خلاف ان کا دماغ ہر وقت کام کرتا ہے اور ان کا بس چلے تو ایک دن بھی حق پرستوں کو زمین پر جینے نہ دیں، مگر اللہ تعالیٰ ان کی ہر چال کو ناکام بنا دیتا ہے اور ان کے ہر فریب کو بے کار کر دیتا ہے، یہ ضرور ہے کہ ان کی وجہ سے کبھی کبھی اہلِ حق پر مصیبت آ جاتی ہے اور ان کو وقتی غلبہ اور ہنگامی استیلاء ہو جاتا ہے مگر یہ بحرانی دور دیرپا نہیں ہوتا اور تھوڑے ہی دن میں کفار کی طاقت و شوکت ٹوٹ جاتی ہے۔

تم دیکھ سکتے ہو کہ اسی زمانہ میں کفار و مشرکین کے کیا کیا منصوبے کام کر رہے ہیں اور قدرت ان کے توڑ کے لیے کس طرح غیب سے انتظام کر دیتی ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ.

اے مومنو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، اور سنتے ہوئے ان احکام سے پشت نہ پھیرو۔ (پ۹ ع۱۷ سورۂ انفال: ۲۰)

دیکھ کر اندھا بننا، سن کر بہرا بننا، اور گویا ہو کر گونگا بننا اصلی جرم ہے، اور ایسے اندھے بہرے، اور گونگے چوپایوں سے بھی زیادہ بدحال ہیں، کسی کو دیکھ نہ سکنا، کسی بات کو سن نہ سکنا، اور کسی حقیقت کو کہہ نہ سکنا، جرم نہیں ہے، بل کہ مجبوری، معذوری ہے، اور ایسے معذور و مجبور رحم

کے قابل ہو سکتے ہیں، کیوں کہ ان سے فروگذاشت ہو سکتی ہے تو جان بوجھ کر نہیں ہوتی، بل کہ بے جانے بوجھے ہوتی ہے، جس پر ان کو ندامت وافسوس سے سر جھکا لینا پڑتا ہے۔

ایسے لوگ احکام کے سنتے ہی اس پر عمل کرتے ہیں، حقیقتوں کے دیکھتے ہی ان کا اقرار کرتے ہیں، نیک باتوں کے معلوم ہوتے ہی ان کی تبلیغ کرتے ہیں۔

ان ہی اَربابِ قلب ونظر اور اہل دل وجگر سے قرآن فرمارہا ہے کہ تم لوگ اپنے حواس کی سلامتی سے کام لے کر حقیقتِ حال کو سمجھو، اور اللہ رسول کے احکام واوامر کی اطاعت کرو، تاکہ تمہاری آنکھیں تمہارے کام آجائیں، تمہارے کام تمہارے لیے مفید ہوں، اور تمہاری زبانیں تمہارے لیے اچھے نتائج پیدا کرسکیں، اور تم لوگ سننے دیکھنے والے ہو کر کبھی سنی کو اَن سنی، دیکھی کو اَن دیکھی نہ کرو، ورنہ تمہاری صحت وسلامتی تمہارے لیے وبال جان بن جائے گی، اور تمہارے صحت منداعضاء وجوارح مریضوں اور بیماروں کی حالت سے دوچار ہونا پڑے گا۔

قرآن حکیم کی اس فہمائش کو دیکھو، پھر اپنے حال کو دیکھو، خدا اور رسول کے احکام کے بارے میں تم جس قدر حواس کو باختہ اور اعضاء کو شل رکھتے ہو، اور صحت وسلامتی کے باوجود اندھے، بہرے، لنگڑے، لولے ہو رہے ہو۔

خوب یادرکھو، یہ جان بوجھ کر اپنے جوارح واعضاء کو معطل کرنا، اور معلوم کر کے اللہ ورسول کی باتوں سے دور رہنا تمہارے لیے نہایت خطرناک مرض ہے، اس سے نجات کی امید نہیں ہے، پس اس بستر مرگ سے اٹھ کر بھاگو، ورنہ اپنی موت آپ مرجاؤ گے اور کوئی آنسو بہانے والا نہ ہوگا۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَ اَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ﴿۲۰﴾

اے مومنو! تم اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، اور سن کر اس سے پشت نہ پھیرو۔ (پ۹ ع۱۷ سورۂ انفال: ۲۰)

مسلمان کی زندگی اللہ و رسول کے احکام پر گزرنی چاہیے اور اس سے ذرہ برابر انحراف نہیں ہونا چاہیے، اگر غلطی اور جہالت سے اللہ و رسول کی نافرمانی ہوجائے تو توبہ و استغفار کے بعد اس کی تلافی ہوسکتی ہے، مگر جان بوجھ کر اور خدا اور رسول کے احکام کو سن کر نافرمانی قابل عفو گناہ نہیں ہے، اور اس کی سزا ملنی ضروری ہے۔

اگر مسلمان کی زندگی میں اللہ و رسول کی اطاعت نہیں ہے، تو کچھ نہیں ہے، اور اس میں کوئی خوبی نہیں آسکتی، دوسروں کی زندگیاں اپنے اندر خارجی رنگینیاں تھوڑے دنوں تک رکھتی ہے، مگر مسلمان کی زندگی ابدی، اور دائمی رنگینی داخلی اعمال و عقائد سے رکھتی ہے، اگر مسلمان قوم اس مرکز سے ہٹ کر زندگی بسر کرے گی، تو اس کا سارا حسن خاک میں مل جائے گا، وہ ایک کوڑی کی بھی مہنگی رہے گی، پس ہمیں ہر معاملہ میں ہمیشہ دین کو مقدم رکھنا ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَ اَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ﴿۲۰﴾

اور تم لوگ ان لوگوں کے مانند نہ رہو جاؤ، جنھوں نے کہا کہ ہم نے سنا، حالاں کہ وہ سنتے نہیں، بدترین جانور خدا کے نزدیک وہ بہرے گونگے، لوگ ہیں جو سمجھتے نہیں۔

(پ۹ ع۱۸ سورۂ انفال: ۲۰)

اگر ایک شخص اندھا ہے، تو معذور ہے، بہرا گونگا ہے، تو قابل درگزر ہوسکتا ہے، اور حاسہ شل ہو یا سرے سے ہو ہی نہ، اس پر رحم کیا جاسکتا ہے، مگر اندھا چیزوں کو دیکھ کر اندھا بنتا ہے، جو بہرا سننے کے بعد بہرا ہوجاتا ہے، جو گونگا زبان رکھ کر گونگا کہلاتا ہے، وہ اس قابل

نہیں ہے کہ اس پر رحم کیا جائے ، یا اسے کسی معاملہ میں معذور قرار دیا جائے ،بعض مرتبہ انسان دعویٰ کرتا ہے کہ وہ کان آنکھ،اور زبان رکھتا ہے،اور سنتا، بولتا اور سمجھتا ہے،مگر پھر بھی اسے گونگا بہرا ہی کہا جاتا ہے ،وہ زبانی دعویٰ کی بنا پر قوت سمع و گویائی کا مالک نہیں سمجھا جاتا، کیوں کہ سننے اور دیکھنے والوں کی زندگی وہ نہیں ہوا کرتی ، جو جھوٹا دعویٰ کرنے والوں کی بعض مرتبہ ہوتی ہے۔

یہ صورت اس وقت ہوتی ہے، جب آدمی ہر سنی کو اَن سنی اور ہر دیکھی کو اَن دیکھی کر کے آنکھ اور کان بند کر لیتا ہے،اور اس راستہ پر چلتا ہے،جس پر بہائم و وحش بھی چلنے کے لیے تیار نہیں ہوتے ہیں، ایسے لوگ ان جانوروں سے بھی بدتر ہوتے ہیں، جو اپنے مالک کی آواز سن کر اور ان کو دیکھ کر حرکت کرتے ہیں، اور ان کی باتوں کو سن اور سمجھ کر اپنے ارادوں کو بدل دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے فرما رہا ہے کہ تم لوگ بھی ان گمراہوں کے مانند نہ بن جانا، جو اپنی بے راہ روی کی وجہ سے جاننے اور سننے کے باوجود جاہل، اندھے، اور بہرے گردانے جاتے ہیں، اور ان کی زندگیاں شتر بے مہار کی طرح نہایت ہی غیر ذمہ دار گزرتی ہیں، کیوں کہ ایسی زندگی رکھنے والے جنگل کے جانوروں سے بھی بدتر ہوتے ہیں، اور احساس وشعور میں ان سے کئی درجے گرے ہوتے ہیں۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَ اَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ هُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۲۱﴾ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۲۲﴾

اے مومنو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، اور تم سنتے ہوئے رسول سے نہ

پھرو، ان لوگوں کی طرح نہ بنو، جنھوں نے کہا کہ ہم نے بات سن لی، حالاں کہ وہ نہیں سنتے ہیں، بدترین حیوان خدا کے نزدیک وہ بہرے اور گونگے ہیں، جو سمجھ نہیں رکھتے۔

(پ۹ ع ۱۷ سورۂ انفال: ۲۱، ۲۲)

اسلام کے معنیٰ گردن ڈال دینے کے ہیں، یعنی تسلیم و رضا کے اس مقام کو اسلام کہتے ہیں، جہاں انسانیت کی گردن قانونِ قدرت کے ایک ایک اشارے پر زیر ہو جائے، اسلام کی روح جذبۂ اطاعت ہے، اس لیے ضروری ہے کہ اللہ اور رسولؐ کی پوری اطاعت کی جائے۔

یہ اسلام نہیں کہ رسولؐ کی زبان سے ایک بات سنی، مگر اَن سنی کر دی، خدا کی کتاب میں ایک چیز دیکھی، مگر اَن دیکھی کر دی، اسے اندھا پن، اور بہرا پن نہیں کہیں گے، بل کہ بدترین جانور پن سے تعبیر کریں گے، بھینس کے سامنے بین بجانا کہیں گے، ایسے لوگ اور گراں نہ گزرے تو کہیے کہ ایسے مسلمان جو خدا اور رسول کی باتوں کو دیکھتے اور سنتے ہیں، اور پھر اس طرح اس سے ہٹ جاتے ہیں کہ گویا دیکھا اور سنا ہی نہیں، وہ خدا کے نزدیک بدترین جانور ہیں، انسان ہونا تو دور کی بات ہے۔

پس ہماری زندگی بھی خدانخواستہ اسی رنگ سے گزر رہی ہے، تو خدا کی نگاہ میں مسلمان اور مومن تو بڑی بات ہے ہم انسان بھی نہیں، بل کہ جانور ہیں، وہ بھی کون جانور؟ بدترین جانور۔

وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ هُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۲۱﴾ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۲۲﴾

اور تم لوگ ان لوگوں کے مانند نہ ہونا، جنھوں نے کہا کہ ہم نے سنا، حالاں کہ وہ نہیں سنتے ہیں، بدترین چوپائے خدا کے نزدیک وہ بہرے اور گونگے ہیں، جو عقل نہیں

رکھتے۔ (پ۹ ع ۱۷ سورۂ انفال:۲۱،۲۲)

یہود کی عادت تھی کہ جو بات ان کے مطلب کی نہیں ہوتی تھی، ان کو سن کر اَن سنی کر دیتے تھے، کیوں کہ اس میں ان کا کوئی نفع نہیں تھا، اور جو بات ان کے مطلب کی ہوتی تھی، وہ ان کو بہت دل چسپی سے سنتے تھے، اور اس کے پیچھے پڑ جاتے تھے، اس طرح وہ مطلب کے وقت کان والے بن جاتے تھے، اور جب مطلب نہیں ہوتا تھا، تو سب کچھ سننے کے بعد بہرے بنے رہتے تھے۔

ظاہر ہے کہ ایسے مطلب پرست کسی نبی اور رسول کی دعوت آگے نہیں بڑھاتے تھے، اور ان سے نبوت و رسالت کی امانت کی حفاظت کی کوئی توقع نہیں کی جاسکتی، اس لیے مسلمانوں سے فرمایا جارہا ہے کہ تم لوگ ان لوگوں کے مانند نہ ہونا جو سن کر اَن سنی اور اَن دیکھی بنا دیتے ہیں۔

اگر تم نے ایسا کیا تو تم نے نبی آخر الزماں کی رسالت کو دنیا تک نہ پہونچا سکو گے، بل کہ تم خود بھی اس سے کوئی نفع حاصل نہ کر سکو گے، یہاں پر ان بے راہ لوگوں کے بارے میں فرمایا جارہا ہے کہ وہ بغیر سنے ہی کہہ دیتے ہیں، ہم نے سن لیا، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ سنی اَن سنی کو ایک حیثیت دیتے ہیں، اور چوں کہ ان کو کچھ کرنا دھرنا نہیں ہے، اس لیے بے سنی بات کو بھی سنی کہہ دیتے ہیں۔

ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کے کام کے قابل نہیں ہیں، وہ افادیت کے اعتبار سے ان چوپایوں سے بھی کم تر ہیں، جو بہر حال اپنے مالک کی آواز سنتے ہیں، اور اسی کے مطابق حرکت کرتے ہیں، مگر یہ گونگے بہرے تو اتنا بھی نہیں کر سکتے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ هُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۲۱﴾ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ

اللّٰہِ الصُّمُّ الْبُکْمُ الَّذِیْنَ لَا یَعْقِلُوْنَ ﴿۲۲﴾

اورتم لوگ ان لوگوں کے مانند نہ بنو، جنھوں نے کہا کہ ہم نے سنا، حالاں کہ وہ لوگ نہیں سنتے ہیں، بیشک بدترین چوپائے اللہ کے نزدیک وہ بہرے، گونگے ہیں، جو عقل نہیں رکھتے ہیں۔ (پ۹ع۱۷سورۂ انفال:۲۱،۲۲)

جولوگ دیکھ کراندھے بن جاتے ہیں، سن کر بہرے بن جاتے ہیں، اورزبان رکھ کرگونگے بن جاتے ہیں، وہ اللہ کی مخلوقات میں بدترین لوگ ہیں، ان جانوروں سے بھی بدتر ہیں، جونہ بول سکتے ہیں، اورنہ سمجھ سکتے ہیں، کیوں کہ جانوراس کے باوجوداپنے مالک کی آوازپرچلتے ہیں، اس کی منشاکوسمجھ کراسی کے مطابق عمل کرنے کوشش کرتے ہیں، مگروہ انسان جوعقل وہوش رکھتے ہیں، اورگونگے بہرے بن جاتے ہیں، وہ ان جانوروں سے بدتر ہیں، اوران منافقوں کے بارے میں فرمایاجارہاہے کہ جورسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محفل میں آتے تھے، اوردین وایمان کی باتیں سن کران سنی کردیتے تھے، اوربڑی معصومیت کے ساتھ جب وقت پڑتاتھاتولاعلمی ظاہرکرنے لگتے تھے۔

بات یہ ہے کہ اس دنیامیں اللہ کی دی ہوئی قوتوں کونیکی کی راہ پرنہ صرف کرنا، اوران سے غلط کام لیناانسان کوکبھی راس نہیں آیاہے، اوراس سے بڑانقصان ہواہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰہِ الصُّمُّ الْبُکْمُ الَّذِیْنَ لَا یَعْقِلُوْنَ ﴿۲۲﴾

بے شک جانوروں میں سے سب سے بدتراللہ کے نزدیک وہ بہرے، گونگے لوگ ہیں، جونہیں سمجھتے۔ (پ۹ع۱۷سورۂ انفال:۲۲)

جانورانسان کے مقابلہ میں عبث اوربے کاراس لیے ہے کہ وہ نہ ہماری بات سنتے ہیں، نہ ہم سے اپنی بات کہتے ہیں، اورنہ عقل سے کام لیتے ہیں، ان کی بے زبانی، ناسمجھی،

اور گونگا پن ہی ان کو انسان کی سطح سے نیچے کیے ہوئے ہے۔

اگر ان میں بھی ہماری تمہاری طرح بات چیت کرنے اور سمجھنے کی صلاحیت ہوتی تو وہ بھی ہماری تمہاری طرح معزز و مکرم ہوتے، اور ہماری تمہاری طرح رہتے سہتے۔

مگر یقین جانو کہ انسانوں میں کچھ ایسے لوگ ہوتے ہیں، جو ان جانوروں سے بھی زیادہ ناکام زندگی بسر کرتے ہیں، اور ان جانوروں سے بھی زیادہ گئے گزرے شمار کیے جاتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں، جو نہ حق وصداقت کی آواز کو سنتے ہیں، اور نہ نیکی اور سچائی کے داعی کو جواب دیتے ہیں، نہ ہی عقل وشعور سے کام لے کر اپنی غلط راہ بدلتے ہیں، بل کہ اچھی بات کو سن کر اَن سنی کر دیتے ہیں، زبان رکھ کر گونگے بن جاتے ہیں، اور دل ودماغ کے باوجود نادانی اور جہالت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

ایسے اندھے، بہرے، گونگے اور ناسمجھ لوگ اللہ تعالیٰ کی جناب میں جانوروں سے بھی زیادہ بے وقعت ہیں، اور ان کے کھانے پینے پہننے اوڑھنے اور بچھانے پر کوئی پابندی نہیں ہے، بل کہ وہ حیوانی اور بہیمی زندگی میں جانوروں کی طرح آزاد ہیں، اور ان کا انجام بد سے بدتر ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۲۱﴾ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ؕ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾

اے ایمان والو! تم لوگ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، اور اس سے اعراض مت کرو، اس حالت میں کہ تم سن رہے ہو، اللہ کے نزدیک بدترین چوپائے وہ

بہرے، گونگے لوگ ہیں، جو سمجھتے نہیں، اور اگر ان میں اللہ خیر اور بھلائی دیکھتا تو ضرور ان کو سننے کی طاقت دیتا، اور اگر اللہ ان کو قوت سماع دے دے، تب بھی وہ اعراض کرتے ہوئے پشت پھیر دیں گے۔ (پ ۹ ع ۱۷ سورۂ انفال: ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳)

عقل وخرد سے حصہ پانے کے بعد بے عقل بننا، قوت بصر ہوتے ہوئے اندھا بننا اور بولنے کی سکت کے باوجود گونگا بننا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفران وناشکری کا انتہائی ذلیل معاملہ کرنا ہے، اور ایسے لوگ جو اچھے خاصے سمجھ دار گویا، اور صاحب سمع وبصر ہیں، اپنے کو جانوروں سے زیادہ بُری حالت میں پیش کر کے اندھے، بہرے بنتے ہیں، تو انسانیت کی دنیا میں اندھیرا ہو جاتا ہے، اور احساس وذمہ داری کو کہیں ٹھکانہ نہیں ملتا ہے۔

ایسے لوگ جنگل کے چوپایوں سے بدتر ہیں کہ وہ تو عقل نہ رکھنے کے باوجود اپنے مالک کی آواز سن کر پاس آتے ہیں، اور اطاعت واتباع کا جذبہ پیش کرتے ہیں، مگر جو لوگ کفر وشرک کی وجہ سے آنکھ، کان رکھ کر اندھے، بہرے بنتے ہیں، وہ دیکھنے سننے کے باوجود ہادیوں کی ہدایتوں اور خیر خواہوں کی طرف دھیان نہیں دیتے، بل کہ آواز سن کر اور ٹھہر جاتے ہیں، دیکھ کر اور اندھے بن جاتے ہیں، جان بوجھ کر بے وقوف اور احمق بننے کی کوشش کرتے ہیں، ان سے ہزار درجہ بہتر جانور ہیں کہ جو جس قدر سنتے اور سمجھتے ہیں، اس قدر عمل کرتے ہیں۔

یہ جانوروں سے بدتر چلتے پھرتے انسان اس دور میں بہت زیادہ ہو گئے ہیں، جن کی وجہ سے دنیا میں انسانیت کو چین نصیب نہیں ہے، اور ہر طرف ان کے شر وفساد کی گرم بازاری ہے، ان کو لاکھ سمجھاؤ، مگر اپنی خواہشوں کے آگے سننے اور سمجھنے کے لیے بالکل تیار نہیں ہیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ لَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِیْهِمْ خَیْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ؕ وَ لَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّ هُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾

بدترین چوپائے اللہ کے نزدیک وہ گونگے ہیں، جو سمجھتے نہیں، اور اگر اللہ ان کے اندر بھلائی جانتا تو ضرور ان کو سناتا، اور اگر اللہ ان کو سنادے، تو وہ لوگ یقیناً روگردانی کرتے ہوئے پشت پھیر دیں گے۔ (پ ۹ ع ۱۷ سورۂ انفال: ۲۳)

چار پیر سے چلنے والے جانور صرف جنگلوں، کھیتوں اور صحراؤں میں ہی نہیں ہوتے، بل کہ آبادیوں اور گھروں میں بھی ایسے چوپائے ہوتے ہیں اور بستیوں کے یہ چوپائے جنگلی جانوروں سے زیادہ خطرناک، نقصان دہ، اور بے کار ہوتے ہیں، یہ چوپائے جنگلی جانوروں سے بدرجہا بدتر ہوتے ہیں، کیوں کہ جنگلی جانور اپنے نفع ونقصان کو سمجھتے ہیں، اور قدرت کی دی ہوئی قوت تمیز سے کام لے کر اپنی زندگی گزارتے ہیں، اگر انسان ان کو اپنے گھروں میں لاکر تربیت دے، تو ان میں انسانیت کی خوبو پیدا ہوجاتا ہے، انسان کی اطاعت کا مادہ ان میں ابھر آتا ہے، وہ اپنے کھلانے پلانے والوں کی بات مانتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں۔

مگر بستیوں کے چوپائے جو انسانی روپ میں ہوتے ہیں، اپنی غفلت، بے راہ روی اور غیر ذمہ داری کی وجہ سے نہ اپنے مالک کی بات سنتے ہیں، نہ بُرے بھلے کی تمیز کرتے ہیں، اور نہ حیوانی سطح سے اوپر آتے ہیں، جیسے پتھر اور لکڑی ہیں، اور ان میں حس کا شائبہ تک نہیں ہے۔

پس یہ آدم زادان چوپایوں سے بدرجہا بدتر ہیں، ان میں کوئی خیر کا پہلو نہیں ہے، اور ان کے مقابلہ میں جانوروں کے اندر اچھائی کا کوئی نہ کوئی رخ ضرور ہوتا ہے۔

پس اے آدم زادو! دنیا کے خلافت کے وارث بن کر چوپایوں اور جانوروں سے مت گر جاؤ، بل کہ اچھے بُرے کی تمیز کرو، اپنے رب کا حکم مانو، اور اپنی سطح انسانی کو زیادہ سے زیادہ بلند کرو۔

وَ لَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِیْهِمْ خَیْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ؕ وَ لَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّ هُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾

اگراللہ ان لوگوں کے اندرخیر جانتا،توان کو ضرور سناتا،اوراگران کو سنادے، توانکارواباءکرتے ہوئے پشت پھیردیں۔ (پ۹ع ۱۷سورۂ انفال: ۲۳)

دماغ ودل کی سیاہی بڑی خطرناک بیماری ہے، یہ بیماری صرف دل ودماغ ہی کومعطل نہیں کردیتی ،بل کہ دوسرے اعضاء رئیسہ کی قوتوں کوبھی شل کردیتی ہے،اوراس کی سُمیت کان،آنکھ،زبان اورذوق تک کوماؤف بنادیتی ہے،جب یہ زہریلا مادہ دل میں جگہ پکڑلیتاہے،توشریانوں کے ذریعہ جسم کےایک ایک حصہ میں اس کاعمل دخل ہوجاتاہے،اور دیکھنے میں اچھاخاصاانسان تمام انسانی صحت مندی سےمحروم ہوجاتاہے،نہ اس کے کان میں قوت سماع باقی رہتی ہے،نہ اس کی زبان میں قوت گفتار باقی رہتی ہے،اورنہ اس کی آنکھ میں حق وصداقت کے لیے روشنی رہ جاتی ہے،بل کہ کھلے ہوئے کان سننے سےمجبورہوجاتے ہیں، پھٹی ہوئی آنکھیں دیکھنے سےمحروم رہ جاتی ہے،حرکت کرتی ہوئی زبان گنگ ہوجاتی ہے،اور سب کچھ ہوتے ہوئے گمراہ انسان محرومی وحرماں نصیبی کی زندگی بسرکرکے دنیاوآخرت میں ذلیل وخوارہوتاہے۔

اولاًتو میعادی گمراہوں کی تمام قوتیں شل ہوجاتی ہیں،دوسرے اگران کوسننے اوردیکھنے کی توفیق دےدی بھی جائے،تووہ اپنی ضدکی وجہ سے ہرگزاقرارنہیں کرسکتے ،کیوں کہ ان کے اندرتسلیم ورضا کا کوئی مادہ باقی نہیں رہتا۔

آج بھی جن لوگوں میں انکارونفرت کی بیماری اس درجہ سرایت کرگئی ہے کہ وہ ہرقسم کی خدائی فیضان سےمحروم ہیں،اوراگرکبھی قدرت ان کوموقع دیتی ہے،تویہ لوگ اپنے

خبث باطنی کی وجہ سے اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۵﴾

اور ڈرو تم لوگ اس فتنہ سے جو خاص طور سے صرف ظالموں ہی کو اپنی لپیٹ میں نہیں لے گا، اور جان لو کہ اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔ (پ ۹ ع ۱۷ سورۂ انفال: ۲۵)

حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب تک بُرائی چند لوگوں میں رہتی ہے، اور بستی کے ذمہ دار لوگ اس سے واقف نہیں ہوتے تو اس کی سزا صرف بدکاروں، اور گناہ گاروں کو ملتی ہے، اور عام طور سے اس کا ظہور عوامی زندگی میں نہیں ہوتا، مگر جب بُرائی کھل کر ہونے لگتی ہے، اور ذمہ دار لوگ یہ کہہ کر خاموش تماشائی بن کر دیکھا کریں کہ ہمیں اس سے کیا مطلب، ہم تو اس سے الگ رہ کر اپنے کو بچا لیں گے تو ایسی حالت ان کی خاموشی اور بُرائی کے مٹانے سے جی چرانا بھی مجرمانہ ہوتا ہے، اور ایسی حالت میں گناہ کی سزا عام ہوتی ہے، اور ایسے لوگ بھی پکڑے جاتے ہیں، جو بظاہر اس کے کرنے والے نہیں ہوتے، بل کہ خاموش رہنے میں اپنی عافیت سمجھتے ہیں۔

پھر اس وقت کیا حال ہوگا جب بُرائی عام ہو جائے، اور ہر کس و ناکس اسے کرنے لگے، اور بستی میں ایسی فضا پیدا ہو جائے، تو اس بُرائی کو آرٹ، فن، اور تمدن کا نام دے کر اس کی قباحت اور سزا سے بھی غافل کر دے، ایسی حالت میں پورا ملک، پوری قوم اور پورا معاشرہ گرفتار سزا کیا جاتا ہے، اور کوئی نہیں بچتا۔

اس آیت میں ایسے ہی فتنے سے خبردار کیا جا رہا ہے، اور بتایا جا رہا ہے کہ تم اپنی بستیوں میں ایسی صورت حال پیدا نہ ہونے دو، جس میں اللہ کی ناراضگی سب پر عام ہوتی ہے۔

آج تم دیکھتے ہو، کتنی ہی برائیاں کھلے بندوں ہوتی ہیں، اور لوگ ان کو معیوب نہیں سمجھتے، پھر اس کا نتیجہ یہ ہے کہ طرح طرح کی بیماریاں، قسم قسم کی بلائیں، قحط گرانی، نایابی، قلبی پریشانی، ذہنی بے اطمینانی اور اپنی بے راہ روی کا ہوش تک نہیں ہے، بل کہ ہر مصیبت کو اتفاقی کہہ کر اپنے کو اور بھی جری بنالیا ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ اتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۲۵

تم لوگ فتنہ سے ڈرو، جو خاص طور سے تم میں سے ان ہی لوگوں کو نہیں پہونچے گا، جنھوں نے ظلم کیا، اور جان لو کہ اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔ (پ ۹ ع ۱۷ سورۂ انفال: ۲۵)

جب دنیا میں ظلم و شرارت کی حد ہو جاتی ہے، اور انسان انسانیت کی حد سے نکل کر شیطنت کی حدود میں قدم رکھ دیتا ہے، تو پوری دنیا میں فتنہ و فساد، حرب و ضرب، سلب و نہب، ہرج و مرج، لوٹ مار اور کش مکش کی حالت پیدا ہو جاتی ہے۔

ایسے وقت میں ظالم اور غیر ظالم سب ہی پریشانی میں مبتلا ہو جاتے ہیں، یہ نازک اور عام وقت انسانیت پر اس وقت پڑتا ہے، جب کہ شریروں اور مفسدوں کا غلبہ ہوتا ہے، اور اچھے لوگ بھی خاموشی میں اپنی عافیت سمجھتے ہیں، اور ظلم و فساد کے خلاف جذبہ رکھنے والے اس کو مٹانے اور ختم کرنے کی صورت پیدا کرنے کے بجائے اپنی خاموشی اور یکسوئی سے ایک طرح کی اس کی ہمت افزائی کرتے ہیں۔

اس لیے دنیا میں کبھی اچھائی پھیلانے کا کام بھی بند نہیں ہونا چاہیے، اور نیکی کی راہ ہمیشہ جاری رکھنی چاہیے، اگر ذمہ دار لوگوں کی جگہ بدکار لوگوں نے اپنا قبضہ جمالیا تو ان کو بھی چین نصیب نہیں ہوگا، اور ظالموں کی طرح غیر ظالم بھی فتنہ و فساد سے دوچار ہوں گے۔

تم لوگ دنیا کی تباہی بربادی کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہو، اور ساتھ ہی یہ بھی دیکھتے ہو کہ عام بربادی ہر بستی اور ہر آبادی میں پہونچ چکی ہے، حالاں کہ بہت سی بستیاں بظاہر اس سے دور معلوم ہوتی ہیں، تو اس کی وجہ یہی ہے کہ انسانوں سے ظلم وستم اور فساد کے خلاف جذبہ ختم کر دیا ہے، جس کی وجہ سے سب کو سزا مل رہی ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ اتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۵﴾

تم لوگ اس فتنہ سے بچو، جو خاص طور سے تم میں سے ان ہی لوگوں کو نہیں پکڑے گا، جنھوں نے تم میں سے ظلم کیا، اور تم جان لو کہ اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔

(پ۹ ع ۱۷ سورۂ انفال: ۲۵)

انسان کے اعمال وافعال اپنے نتیجہ اور انجام کے اعتبار سے اس کے لیے مفید یا مضر ہوتے ہیں، اور آدمی جو کچھ کرتا ہے، وہ عذاب یا ثواب کی شکل میں اس کے سامنے آتا ہے، اور اسے اس کی سزا ملتی ہے۔

بہت سے بُرے اعمال ایسے ہوتے ہیں کہ جن کی سزا فتنہ وفساد، قتل وغارت، سلب ونہب اور باہمی جنگ وقتال کی صورت میں ملتی ہے، اور انسان کو اپنے کیے سے دوچار ہونا پڑتا ہے، اچھے یا بُرے عمل کا عکس اور پرتو انسان کی دنیاوی زندگی پر بھی پڑتا ہے۔

یہاں پر اللہ تعالیٰ اسی صورت حال سے ڈرا رہا ہے، اور تنبیہ کر رہا ہے کہ اس عام فتنہ سے تم لوگ بچتے رہے، جس کی گرفت صرف چند ظالموں اور گنہ گاروں تک محدود نہ ہوگی بل کہ اس کی لپیٹ میں عام انسانیت آجائے گی، اور خدا کی زمین چند مفسدوں کی شرارت سے فتنہ وفساد کا گہوارہ بن جائے گی۔

اسلام نے ایسی بُرائیوں کی نشان دہی کر کے ان سے بچنے کی تاکید کی ہے، جو محدود ہونے کے باوجود عام فتنہ کا باعث ہوتی ہے، اور پوری انسانیت اس کی لپیٹ میں آجاتی ہے، مثلاً شرک وکفر، زنا کاری، شراب خوری، سودخوری، غیبت، رشوت، خداپرستی سے بیزاری، سنتِ رسول سے بغاوت وغیرہ وغیرہ

یہ سب اور اسی قسم کی اور بہت سی معاصی ایسی ہیں، جن کا اثر سخت خطرناک صورت میں عام انسانیت پر پڑتا ہے، اور چند بدکاروں کی وجہ سے پوری انسانیت گرفت میں آتی ہے۔

ایسی حالت میں انسانیت پر ظلم نہیں ہے کہ قدرت نے بے گناہ لوگوں کو گناہ گاروں کی وجہ سے پکڑا، کیوں کہ قدرت نے ایسی معاصی کی نشان دہی کر کے ان سے بچنے کی تاکید کردی ہے، اور بتایا ہے کہ جب کچھ مجرم حرکت کریں تو دوسروں کو چاہیے کہ اس کے انجام سے بچنے کے لیے منع کریں، اور باز رکھنے کے لیے جدوجہد کریں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۵﴾

تم لوگ اس فتنہ سے ڈرو، جو تم میں سے صرف ظالموں کو ہی نہیں پہونچے گا، اور جان لو کہ اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔ (پ ۹ ع ۱۷ سورۂ انفال: ۲۵)

جب انسانوں کی بستیاں بُرائیوں سے بھر جاتی ہے، اور عام طور پر لوگ بُرائیوں کو انگیز کرنے لگتے ہیں، نہ بُرائی کرنے والے پر نکیر کرتے ہیں، نہ بُرائی کو اس شدت سے بُرائی سمجھتے ہیں، جس شدت سے سمجھنا چاہیے، بلکہ خود بُرائی سے بچ کر سمجھتے ہیں کہ ہم بہت اچھے اور نیک لوگ ہیں، دوسرے جو چاہیں کریں، ہم تو بچتے رہتے ہیں، ہم کو بدکاروں سے واسطہ نہیں ہے۔

جب یہ فضا پیدا ہوجاتی ہے، اور بدکاروں کی کثرت اور ذمہ داروں کی خاموشی، اور لاپرواہی سے بُرائیاں عام ہوجاتی ہیں، تمام لوگوں ان میں کسی نہ کسی طرح ملوث ہوجاتے ہیں، تو خدائی قہر مختلف شکلوں میں ظاہر ہوتا ہے، طرح طرح کے فتنے اٹھتے ہیں، فساد برپا ہوتے ہیں، بیماریاں آتی ہیں، وبائیں پھوٹتی ہیں، اور پوری قوم اور بستی ان کی لپیٹ میں آجاتی ہے۔

ایسا نہیں ہوتا ہے کہ صرف ظالموں اور گنہ گاروں کو مبتلا ہونے اور برائیوں سے دور رہ کر اپنی خیر منانے والے لوگ بچتے رہیں، بل کہ مجرم اور غیر مجرم سب ہی کو فتنہ وفساد اور انتقام کی ہوا اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے، اور سب کو اپنے اپنے کردار کا مزا چکھنا پڑتا ہے۔

یہ آج تم طرح طرح کی وبائیں، قسم قسم کی بربادیاں، اور نوع نوع کی تباہ کاریاں دیکھتے ہو کہ مجرم اور غیر مجرم سب ہی ان کی لپیٹ میں ہیں، یہ وہ فتنہ ہے، جو صرف ظالموں اور مجرموں ہی کو نہیں پہونچ رہا ہے، بل کہ دوسروں کو بھی لاحق ہورہا ہے، اس سے نجات کی ایک ہی صورت ہے، غیر مجرم مجرموں کا ہاتھ پکڑ کر ان کو جرم سے باز رکھنے کی کوشش کریں، پورے سماج اور معاشرہ کی اصلاح کریں، اور خدا کی زمین پر امن وسلامتی اور ایمان واسلام کی صحت مند فضا پیدا کریں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿٢٥﴾

تم لوگ اس فتنہ سے بچو، جو کہ تم میں سے خاص طور سے ان لوگوں کو ہی نہیں پہونچے گا، جنھوں نے ظلم کیا ہے۔ (پ۹ ع ۱۷ سورۂ انفال: ۲۵)

کچھ فتنے ایسے ہوتے ہیں کہ جن کا اثر صرف فتنہ گروں، مفسدوں، اور خرابی پیدا

کرنے والوں تک محدودنہیں رہتا ہے،اور کچھ ایسے خطرناک فتنے ہوتے ہیں،جن کے دوررس نتائج ظالم اورمظلوم دونوں ہی کواپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں،عموماًایسے فتنے ایک منظم سازش اورمتحدہ جماعت کی جانب سے ہوتے ہیں،مگربظاہران کے برپارکرنے والے چندخاص لوگ ہوتے ہیں،اس قسم کی حرکتوں کانتیجہ محدودطبقہ ہی تک اثراندازنہیں ہوتا ہے، بلکہ اپنے عمومی اسباب وعلل کی بناپراس کی تباہی بھی عام ہی ہوتی ہے۔

قرآن مسلمانوں کوڈراتا ہے کہ اس قسم کے خطرناک فتنوں سے بچتے رہو،جن کے نتائج سب کوگھیرلیتے ہیں،اگرمسلمان کے مزاج پرگرانی نہ ہوتوذراسوچیں کہ یہ عمومی تباہی کسی ایسےفتنہ کانتیجہ تونہیں ہے،جس سےقرآن نے اب سے بہت پہلےمتنبہ کردیاتھا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ

تم لوگ اس فتنہ سے بچو،جوتم میں سے خاص طورسے ان ہی لوگوں کونہیں پہونچے گا جنھوں نےظلم کیاہے۔(پ۹ع۱۷سورۂ انفال:۲۵)

جب سیلاب آتاہے،توخس وخاشاک کی طرح ٹیلوں کوبھی نقصان پہونچتاہے، جب آگ لگتی ہے،توپڑوس کے مکانات کوبھی اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے،اورفتنہ وفساد برپاہوتا ہے توبےقصورلوگ بھی اس کی زدسےنہیں بچ سکتے، یہ روزانہ کے مشاہدات وواقعات ہیں۔

اسی طرح جب کسی گروہ کی ناکردنی کی وجہ سےکوئی بلانازل ہوتی ہے،اورقدرت کی طرف سےکوئی وبال آتا ہے،تووہ صرف مجرموں اورگنہ گاروں کوہی اپنی لپیٹ میں نہیں لیتا ہے،بل کہ اچھےاچھےلوگ اس کی زدمیں آجاتے ہیں،اورجن کودنیابےگناہ سمجھتی ہے،ہروہ سزاکےچکرمیں پڑجاتے ہیں،اس وقت پوری آسانی سےمتاثرہوتی ہے،مگربات یہ ہوتی ہے

کہ آخرت میں بے قصور لوگوں کو اس پر اجر ملے گا، اوران کے نیک اعمال میں اضافہ ہوگا۔

البتہ دنیا میں ان کو بھی دوسروں کی طرح نقصان سے دوچار ہونا پڑے گا، اور وہ لوگ جو یہ سمجھ کر خاموش رہیں گے، لوگ بُرائی کرتے ہیں، ہم سے کیا، ہم تو الگ ہیں، یہ خاموشی بھی مجرمانہ ہوتی ہے، اس کی سزا ملتی ہے، کیوں کہ حتیٰ الامکان اصلاح کی کوشش فرض ہے، اوراس سے غفلت جرم میں شرکت کے مترادف ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِى الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَ اَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَ رَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۶﴾

یاد کرو جس وقت تم لوگ کم تھے، ستائے جاتے تھے، تم ڈر رہے تھے کہ لوگ کہیں تمہیں اچانک اچک نہ لیں، تو ایسے وقت میں اللہ نے تمہیں پناہ دی، اورتم کو اپنی مدد سے قوت پہونچائی اور پاک چیزیں روزی میں دیں، شاید کہ تم لوگ شکر گزار بنو۔

(پ۹ ع ۱۷ سورۂ انفال:۲۶)

دنیا میں کسی فرد یا قوم کی کمزوری کی وجہ سے ستایا جانا، اتنی زبردست مظلومیت ہے کہ قانون قدرت دنیا ہی میں اس کا بدلہ ظالم و مظلوم دونوں کا دیتا ہے۔

اسی آسمان کے نیچے اسی زمین کے اوپر مظلوموں کی آبادی، اور ظالموں کی بربادی کا منظر سامنے آجاتا ہے۔

غور کرو! اس دنیا میں جو قوم ستائی گئی، ظلم وستم کی چکی میں پیسی گئی، اوراس کے فنا کرنے کی کوشش کی گئی، اگراس میں کچھ صلاحیت باقی تھی تو اس کی مظلومیت رنگ لائی، ظلم کا نشہ ٹوٹ گیا، اور مظلوم کے پھلنے پھولنے کا سدا بہار زمانہ آگیا۔

قرآن مسلمانوں کو ان کی ابتدائی تاریخ ایک مظلوم مگر درخشاں واقعہ سنا کر بتارہا

ہے کہ جبر وظلم کے شکنجے میں کسی ہوئی مجبور زندگی کام یاب بامراد ہے۔

کیوں کہ اس ہلاکت خیز دور میں صلاحیت باقی تھی ،قوت احساس ،توکل علی اللہ، اوراسلام کی تڑپ موجود تھی ،نتیجہ یہ ہوا کہ قدرت نے پورا پورا بدلہ دیا، گھر دیئے ،زمین دی، امن وسکون دیا، کھانے پینے کو حلال وطیب چیزیں دیں۔

غرض کہ مظلوم زندگی کو ہر طرح امن وامان دیا، کیوں؟ تا کہ تم اس کا شکریوں ادا کرو کہ اگر کسی زمانہ میں کسی جگہ میں اور کسی ماحول میں تم یا تمہاری قوم کو مظلوم زندگی سے واسطہ پڑ جائے ،تو خدا کے دائمی قانون جزااور ابدی نظام مجازات سے ناامید نہ ہو، بل کہ صبر وسکون کے ساتھ اس دن کے منتظر ہو، جب کہ قدرت کا دست غیب ظالم کی گردن کو دبوچے گی۔

مسلمان آج اگر مظلوم ہیں تو انھیں مستقبل کے لیے پُر امید رہنا چاہیے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَ اَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَ رَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝۲۶

یاد کرو جب تم لوگ تھوڑے تھے، کمزور سمجھے جاتے تھے ،زمین میں ڈرتے تھے کہ ہمیں لوگ اچک لیں ،تو اللہ نے تم کو پناہ دی ،اور اپنی مدد سے تمہاری تائید کی ،اور تم کو پاکیزہ روزی دی، تا کہ تم اس کا شکر ادا کرو۔ (پ ۹ ع ۱۷ سورۂ انفال:۲۶)

ہنگامی حالت میں مسلمانوں کی جمعیت کو ہرگز نہیں گھبرانا چاہیے ،اور نہ بددل اور بے دل ہونا چاہیے ،قوموں کی پچھلی تاریخ ان کی قومی زندگی کا ڈھانچہ ہوتی ہے، اور اس پر حال و مستقبل کی دیوار اٹھتی ہے۔

پس مسلمانوں کو بھی پریشانی کے زمانہ میں اپنی پُرانی تاریخ یاد کرنی چاہیے، اور یہ سوچنا چاہیے کہ وہ ابتداء میں کیسے کیسے نازک حالات سے گزرے تھے، اوران پر کیسی کیسی

آفتیں پڑیں، وہ تھوڑے تھے، کمزور تھے، ہروقت اغیار سے ڈرتے تھے، اپنی قومی وملی زندگی کو ہروقت خطرے میں پاتے تھے، ان کے لیے چلنا پھرنا دوبھر تھا۔

غرض کہ مسلمان اپنے کو غیر محفوظ پاتے تھے، اور کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا تھا کہ اس قوم کو کبھی بقاء ودوام ملے گا، اور یہ قوم بھی صفحۂ ہستی پر زندہ رہ کر اپنا مستقل وجود ثابت کرسکے گی، مگر اللہ تعالیٰ نے قوم مسلمان کو سکون واطمینان بخشا، امن وراحت کی دولت سے نوازا، آزادی اور بے فکری دی، حتیٰ کہ امن وچین کی روٹی بخشی، یہ قوم زندہ وبحال ہوکر دنیا میں رہی۔

اسی طرح اگر آج اس کے حق میں پھر حالات ناسازگار ہیں، اور ہر طرف سے مایوسی گھیرے ہوئے ہے، تو اسلام ہی اسے پھر زندہ وتابندہ قوم بنائے گا، اور اسے بے خوفی کی زندگی سے مالا مال کرے گا۔

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِى الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۶﴾

اور یاد کرو جب تم لوگ تھوڑے تھے، کمزور وضعیف سمجھے جاتے تھے، زمین میں ڈرتے تھے کہ لوگ تم کو اچک لیں گے، پس اللہ نے تم کو پناہ دی، اور اپنی نصرت سے تمہاری مدد کی، اور طیبات سے تم کو روزی دی، تاکہ تم اس کا شکر ادا کرو۔ (پ۹ ع۱۷ سورۂ انفال: ۲۶)

مسلمان قوم جس روز سے دنیا میں ابھرنی شروع ہوئی، اسی روز سے اس میں نصرت اور غیبی مدد کا ذہن پیدا ہونا شروع ہوا، اور اس کی اٹھان خدا پرستی اور خدا ترسی کے ماحول میں ہوئی، اس کی ترقی کا راز نہ بھاری جمعیت میں ہے، اور نہ ساز وسامان میں ہے، نہ جنگ وجدال میں ہے، نہ طاقت وشوکت میں ہے، بل کہ مسلمان قوم کا خمیر خدا پر یقین وتوکل سے اٹھا ہے، اور روز اول ہی سے اس کی بنیاد توحید کی ٹھوس زمین پر رکھی گئی ہے، ابتدا میں

مسلمان قوم کا جو حال تھا، بھلا گمان ہوسکتا تھا کہ اس میں یہ قوم پروان چڑھ کر پوری دنیا میں پھیل جائے گی، اور کائنات ارضی پر اپنا سکہ جمادے گی، گنے چنے مٹھی بھر کمزور وضعیف انسان جبر وطاغوت کے قبضہ میں تھے، اور باطل طاقتیں ان کو اپنے دسترخوان پر اقتدار کی چٹنی بنادینے پر مطمئن تھیں کہ ان کی کیا حقیقت کیا ہے، یہ تو ہمارے رحم وکرم پر زندہ ہیں، جب چاہیں گے، چٹکی سے مسل دیں گے، اور مسلمان بھی اس دور میں انسانی ذہن ودماغ سے سوچتے تھے کہ کل کیا ہوگا، اگر کفار ومشرکین نے ہماری طرف رخ کیا، تو وہ ہم کو کچل کر رکھ دیں گے۔

یہ بشری خیالات مسلمانوں میں آئے تھے، مگر ایمان ویقین کی بروقت طاقت نے مسلمانوں مین توانائی بخشی، اور اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کے حاملوں کو امن وامان کے قلعہ میں رکھا، کفر وشرک کی ہر یلغار کے مقابلہ میں اپنی نصرت سے نوازا، اور امن وسکون کی زندگی دی، جس میں صرف روحانی اور اخلاقی وایمانی وسائل ہی حل نہیں تھے، بل کہ معاشی اور اقتصادی معاملات بھی نہایت اعلیٰ سطح پر خوش گوار ہو گئے، اور مسلمان اللہ کی ذات وصفات پر ایمان لاکر اپنی زبان وعمل سے اس کا شکر ادا کرتے رہے، اور ان کا وجود اللہ تعالیٰ کے تشکر وعبدیت کی تفسیر بن گیا۔

جس قوم کی تاریخ کا یہ پہلا دن تھا، وہ آج کے حالات میں کیوں پریشان ہے، کیا ایمان بے اثر ہو گیا ہے، کیا خدا کا اصول بدل گیا ہے، یا یہ سب کچھ ہوا ہے، بلکہ مسلمان قوم نے خدا پرستی پر جم کر زندگی بسر کرنے کا حوصلہ چھوڑ دیا ہے، اور اس میں پست ہمتی، خوف اور مصلحت بینی کے نام پر بزدلی آگئی ہے، جسے ختم ہونا چاہیے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ

النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَ اَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَ رَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۶﴾

یاد کرو جب کہ تم لوگ تھوڑے تھے، کمزور تھے، زمین میں ڈرتے تھے کہ تمہیں لوگ اچک لیں گے، تو خدا نے تم کو پناہ دی، اور اپنی نصرت سے تمہاری مدد کی، اور تم کو پاکیزہ روزی دی، شاید تم لوگ اس کا شکر ادا کرو۔ (پ۹ ع ۱۷ سورۂ انفال: ۲۶)

جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام کے کلمہ جامعہ پر دنیا کو کوہِ صفا سے دعوت دی، تو یکبارگی آسمان سے نہ مسلمانوں کی فوج اتر پڑی، اور نہ ہی زمین کے سینے سے کوئی لشکر اسلحہ بند نکل پڑا، آسمان اور زمین سے فوج کا آنا تو بڑی بات ہے، دنیا کے بڑے لوگ تک مسلمان نہیں ہوئے، بل کہ الٹے مسلمانوں کے دشمن ہو گئے، مٹھی بھر مسلمانوں کو مسل دینا کیا بڑی بات تھی، چند غریبوں، بے کسوں، مزدوروں، کاریگروں کو ختم کر دینا کیا مشکل تھا، اور ناممکن تھا، لیکن یہاں سرمایہ دار غریب، مزدور، کاریگر، چھوٹے بڑے کا سوال نہ تھا، بل کہ اسلام اور کفر کی آویزش تھی، نہ اسلام مٹ سکتا تھا، نہ اسلام کے نام لیوا ختم ہو سکتے تھے۔

یہ تو ہو سکتا ہے کہ ایک ملک جو ایسے انسانوں سے آباد ہے، جو ہندو، سکھ، عیسائی، پارسی، یہودی کی طرح اپنے کو مسلمان کے نام سے یاد کرتے ہیں، وہ ملک معمولی سے معمولی آنچ آنے پر تباہ و برباد ہو جائے، مگر یہ ہو نہیں سکتا ہے کہ مٹھی بھر انسان جو اپنی کمی کی وجہ سے خوف کھاتے ہوں کہ ہمیں دنیا والے اچک نہ لیں، اپنے طریقہ وتمدن اور دین وملت پر نہ آئیں، اور خود کہیں یا نہ کہیں مگر دنیا کی زبان ان کو مسلمان ضرور کہتی ہے، اور یہ کہہ کر ان کے درپے آزار ہو جاتی ہے، وہ فنا ہو جائیں، نصرتِ الٰہی کی غیرت مومن و متقی اور پکے مسلمان کی بے پناہی برداشت نہیں کر سکتی، البتہ مسلمان نام رکھ کر بے عمل، بدعقیدہ لوگوں کی تباہی سے اسے کوئی ٹھیس نہیں لگتی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ اذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَ اَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَ رَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۶﴾

وہ وقت یاد کرو، جب کہ تم کم تھے، زمین میں کمزور سمجھے جاتے تھے، ڈرتے تھے کہ لوگ تم کو اچک نہ لیں، پس اللہ نے تم کو پناہ دی، اور اپنی مدد سے نوازا، اور تم کو پاکیزہ روزی دی، تا کہ تم اس کا شکر ادا کرو۔ (پ۹ ع۱۷ سورۂ انفال:۲۶)

مثل مشہور ہے کہ سچوں کو ہمیشہ راحت ملتی ہے، یہ مثل یوں مشہور نہیں ہے، بل کہ یہ اصل ہے، اور اس کی بہترین مثال مسلمانوں کی ابتدائی زندگی ہے، جب کہ مسلمان مکی زندگی گزار رہے تھے، اور طرح طرح کی مصیبتیں برداشت کیں، اور سچائی کے دامن کو ہاتھ سے نہیں چھوڑا، مکہ کی ہر گلی ان پاک بازوں کے لیے تنگ تھی، ہر گھر ان کو اپنے اندر لینے سے انکار کرتا تھا، ہر خاندان ان کو شہر بدر کرنے کے لیے پوری کوشش کرتا تھا۔

ابتدائی دور میں مسلمانوں کی تعداد بہت ہی کم تھی، مٹھی بھر انسان تھے، جو جور وظلم کی یلغار برداشت کر رہے تھے، اور وہ ہر طرح سے بے یار و مددگار تھے، نہ ان کے پاس ذاتی مکانات تھے، نہ کھانے پینے کے وسائل تھے، اور نہ زندگی بسر کرنے کی کوئی سہولت بہم تھی، اگر دو چار آدمی کھاتے پیتے تھے بھی تو ان کا بھی بس نہیں چلتا تھا، اور وہ بھی حالات کی ناگواری کی نذر ہو چکے تھے، ہر طرف ان کے ضُعف و کمزوری سے مخالف آواز اٹھ رہی تھی، اور مسلمان ہر وقت ڈانواں ڈول رہا کرتے تھے کہ اب گئے، تب گئے۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو محفوظ رکھا، اور ان کی خدا پرستی، اور سچائی نے یہ کرشمہ دکھایا کہ وہ ضعیف و ناتواں پوری ایک دن تنا اور درخت کی صورت میں رونما ہوئے اور ان کے برگ و بار نے دنیا کو اپنے سایہ میں لے لیا، ان کو امن دیا، کھانے کو دیا اور زندگی گزارنے کی ہر چیز دی، یہ سارا کرشمہ دین داری اور خدا پرستی کا تھا، اگر یہی ایک روح ان کے اندر نہ ہوتی،

تو وہ کب کے فنا کے گھاٹ اتر چکے تھے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝٢٦

اور تم لوگ اس وقت کو یاد کرو، جب کہ تم تھوڑے تھے، اس ملک میں کمزور سمجھے جاتے تھے، تم ڈرتے تھے کہ لوگ تم کو اچک لیں، تو اس حال میں خدا نے تمہیں پناہ دی، اور اپنی نصرت سے تمہیں نوازا، اور تمہیں طیبات سے روزی دی، تا کہ تم شکر ادا کرو۔

(پ ۹ ع ۱۷ سورۂ انفال: ۲۶)

جب کسی قوم میں یقین وعزیمت سے کھوکھلا پن پیدا ہو جاتا ہے، تو اس میں ہر قسم کے خطرات گھستے ہیں، اور معمولی معمولی باتوں کی وجہ سے اس قوم کی جان نکلنے لگتی ہے۔

دیکھ لو آج ہندوستان کے مسلمانوں کا کیا حال ہے؟

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس عالم تکوینیات کا ہر تغیر وانقلاب ان کے لیے موت کا پیغام ثابت ہو رہا ہے، جہاں کوئی ہوا اٹھی کہ مسلمان سہمے، جہاں کوئی بات ہوئی کہ مسلمان ڈرے، اور جہاں کوئی پتہ کھڑکا کہ مسلمان بندہ سرکا۔

اس کی یہی وجہ ہے کہ اس قوم کے اندر اسلامی اعتقاد و یقین کی تمام عزیمتیں ختم ہو چکی ہیں، توحید وتوکل علی اللہ کی ساری قدریں مچلتی ہیں، اور کائنات عالم کے ہادی اعظم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بتائی ہوئی تمام راہیں وہ چھوڑ چکے ہیں۔

ورنہ آج کے حالات وانقلابات کا بڑھ کر استقبال کرتے، اور اپنے معبود کے پیدا کیے ہوئے حالات میں اپنے مقام سے دور بھاگ گئے۔

قرآن حکیم گویا آج ہی کے مسلمانوں کو خطاب کر کے فرما رہا ہے کہ تم آج کے

حالات میں کل کی ابتدائی تاریخ پر نظر ڈالو، اور ہو سکے تو اپنے قدم کو روک لو، اور اسے وقت کے سینے میں گاڑ کر ہر ہوا کا مردانہ وار مقابلہ کرو۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝۲۶

وہ وقت یاد کرو، جب کہ تم لوگ تھوڑے تھے، زمین میں کمزور تھے، ڈرتے تھے کہ لوگ تمہیں اچک لیں، پس اللہ نے تمہیں پناہ دی، اور تمہاری مدد کی، اور تم کو پاکیزہ روزی دی، تاکہ تم شکر گزار رہو۔ (پ۹ ع۱۷ سورۂ انفال:۲۶)

آج مسلمان بات بات پر ڈرتے ہیں، معمولی معمولی واقعہ پر ان کا دل کانپ جاتا ہے، بے اصل افواہوں پر ان کا دماغی توازن کھو جاتا ہے، اور وہ ہوش مندی اور استقامت سے ذرہ برابر کام نہیں لیتے، یہ نہیں سوچتے کہ جس طرح سب لوگ انسان ہیں، کسی میں سرخاب کا پر نہیں لگا ہے، اور نہ کوئی چار پیر اور چار ہاتھ رکھتا ہے، دوسرے بھی دو وقت کھاتے ہیں، ہم بھی دو وقت کھاتے ہیں، یہ تو مادی باتیں ہیں۔

پھر مسلمان اپنی روحانی اور دینی حقیقت سے غافل ہو رہے ہیں، اور حالات کی خوش گواری کے بدلنے کی کوشش نہیں کرتے، بلکہ فوراً بددل ہو جاتے ہیں، اور نہیں سوچتے کہ ہم اللہ کی عبادت کرتے ہیں، اس کے رسول کی امت ہیں، ہمارے پاس ایمان کا امن اور اسلام کا سکون ہے، ہم صرف امن خواہ نہیں، بل کہ امن بخش ہیں، ہم اس ظلمت کدہ کے لیے روشنی ہیں، اور ہماری ذات دنیا کے لیے دعوت ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایسے مسلمانو! جب تم مٹھی بھر تے، گنتی کے چند تھے، اب

گئے، تب گئے کا معاملہ تھا، اور دشمن ہر وقت سامنے رہا کرتے تھے، اس وقت تو اللہ تعالیٰ نے تمہیں بچالیا، پناہ دی، عمدہ سے عمدہ روزی دی، نہ تم مرے، نہ قتل ہوئے، پھر آج یہ بددلی اور بزدلی کیوں ہے؟ خدا پر ایمان رکھنے والے ایسے بددل نہیں ہوتے، اور رسول کی اتباع کرنے والے ایسے بزدل نہیں ہوتے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ وَ تَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۷﴾

اے مومنو! تم لوگ نہ اللہ و رسول کے معاملہ میں خیانت کرو، اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو، اس حالت میں کہ تمہیں علم وخبر ہے۔ (پ ۹ ع ۱۷ سورۂ انفال: ۲۷)

مومن اس دنیا میں اللہ کا امین ہے، رسول کا امین ہے، اور خود اپنا امین ہے، اس کے ذمہ خدائی امانتیں ہیں، رسول نے اس کو کچھ چیزیں ودیعت کی ہیں، اور اس نے خود اپنے آپ کو اپنے لیے امین بتایا ہے، خدا پرستی، اطاعتِ رسول، اور اسلامی زندگی مسلمانوں کی مقدس امانتیں ہیں، جن کی حفاظت و نگرانی ان کی زندگی کا نصب العین ہے، اور مقصدِ وحید ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ہم نے امانت کو زمین و آسمان اور پہاڑ پر پیش کیا، مگر سب نے ڈر کر اس بار کے اٹھانے سے معذرت کی مگر انسان نے اس بار کو اٹھالیا، یہ بار امانتِ الٰہی کا بار ہے، جس میں توحید و رسالت، جزاء و قیامت وغیرہ کے عقائد و مسلمات سے لے کر اوامر و نواہی تک شامل ہیں، انسان نے امانتِ الٰہی کا بار اٹھا کر ان تمام باتوں کی ذمہ داری لی ہے، اور اس کے پورا کرنے میں اس کی کامیابی اور قصور کرنے میں ناکامی ہے۔

اور جس طرح اللہ ورسول کے بارے میں عقائد واعمال میں خیانت نہ کرنا مسلمانوں کے لیے ضروری ہے، اس لیے اپنے دنیاوی اُمور ومعاملات میں امانت داری ضروری ہے، اور خیانت حرام ہے، اور جو لوگ اللہ ورسول کی امانت لینے کے بعد اس میں خیانت کریں گے، ان کا جرم بہت زیادہ ہوگا کہ وہ حفاظت کا بیڑا اٹھا کر اس کی حفاظت نہ کی، بلکہ خیانت کی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ وَ تَخُوْنُوْآ اَمٰنٰتِكُمْ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۷﴾

اے ایمان ولو! تم لوگ جان بوجھ کر نہ اللہ کے ساتھ خیانت کرو، نہ رسول کے ساتھ اور نہ ہی اپنی امانتوں میں خیانت کرو، اس حالت میں کہ تمہیں علم وخبر ہے۔

(پ۹ ع۱۷ سورۂ انفال: ۲۷)

خیانت کیا ہے؟ کسی چیز کا نگراں بن کر اس کی نگہداشت نہ کرنا، کسی سلسلہ میں کوئی ذمہ داری لے لینا اور پھر اس کو نہ نباہنا، اور کسی معاملہ میں کوئی قول وقرار کر لینے کے بعد اس کو پورا نہ کرنا۔

مطلب یہ ہے کہ امانت صرف روپے پیسہ اور سونے چاندی کا نام نہیں ہے، جس کو کسی کے پاس حفاظت کے لیے رکھ دیا جائے، بلکہ ہر وہ معاملہ ہے، جس کے لیے کچھ حدود وقیود ہوں، اور ان ہی حدود کو برقرار نہ رکھنا ہی اس کی خیانت ہے۔

اب آپ غور فرمائیں کہ بہ حیثیت مسلمان ہونے کے کس کس چیز کے امین ہیں، اور کس کس سے آپ کا معاملہ ہے، آپ کے کچھ معاملات اللہ کی ذات وصفات سے متعلق ہیں، کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس سے وابستہ ہیں، اور کچھ آپ کے ساتھ آپ کے

مسلمان ہونے کی حیثیت سے لگے ہوئے ہیں۔

قرآن حکیم آپ کو بتا رہا ہے اور متنبہ کر رہا ہے کہ خبردار! ان تینوں امانتوں میں تم خائن نہ بنو، یعنی ان کے حقوق وحدود کی رعایت میں غفلت اختیار نہ کرو، اگر تم خدا سے کیے ہوئے عہد و پیمان میں خیانت کرو گے، تو اللہ کے نزدیک خائن ٹھہرو گے۔

اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیے ہوئے معاملات میں خیانت کرو گے، تو حریم نبوت کے خائن بنو گے، اور اگر مسلمان قوم کے قومی اور ملی اطوار وشعار اور اعمال وکردار میں سستی سے کام لو گے، تو مسلم قوم کے مجرم ثابت ہو گے۔

بھول چوک اور چیز ہے، مگر جان بوجھ کر دین کے تقاضوں کو پورا کرنے میں سستی کرنا اور جان چرانا وہ عظیم الشان جرم ہے، جس کی وجہ سے ایک مسلمان اپنے اللہ، اپنے رسول اور اپنے دینی نظام کا خائن بن جاتا ہے۔

پھر غور کرو! اور بتاؤ کہ آج مسلمانوں میں کتنے ایسے ہیں، جو اپنے دینی نظام کی استواری کر کے ملت کے صحیح امین ہیں، اور کتنے ایسے ہیں، جو خائنین ومجرمین کے کٹہروں میں آ چکے ہیں، یہ امت یوں ہی نہیں دنیا میں ذلیل وخوار ہو رہی ہے، اور اس کا شیرازہ تتر بتر ہو رہا ہے، قدرت کا نظام کسی قوم کو بلاوجہ دنیا میں یہ دن نہیں دِکھاتا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّ يُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۹﴾

اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈرو گے، وہ تمہارے لیے فرقان اور امتیاز بنادے گا، اور لغزشوں سے درگزر کرے گا، اور تمہاری مغفرت کرے گا، اور اللہ بڑا فضل والا ہے۔

(پ۹ ع۱۸ سورۂ انفال:۲۹)

مسلمان روتے چلاتے ہیں کہ ان کی زندگی دن بدن خراب ہوتی جاتی ہے، کھانے کی محتاجی ہے، عزت کی کمی ہے، تجارت پر ان کا قبضہ نہیں، سیاست میں وہ ناکام ہیں، حکومت میں گویا مسلمانوں کا کچھ حصہ ہے ہی نہیں۔

غرض کہ بیچارے مسلمان کو ہر طرف سے بے چینی اور بے پناہی نے گھیر رکھا ہے، مگر مسلمان سے کوئی پوچھے کہ اسے ان باتوں کا رونا مسلمان بن کر ہے، تو اس کی کیا دلیل ہے؟ اس کے کردار میں اسلام کہاں موجود ہے، اسے خدا سے کہاں تک تعلق ہے، جو مسلمان ہونے کے اعتبار سے وہ اپنی پستی پر رو رہا ہے؟

اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ مسلمان اگر اللہ تعالیٰ سے خوف کی زندگی بسر کریں گے، اور تقویٰ کی جامع صفت ان کے ایمان واسلام کا محور ہوگی، تو وہ اس دنیا میں فرقان کے مالک ہوں گے، اور ان کو ہر کام میں نمایاں حیثیت حاصل ہوگی، عزت وشہرت، کام یابی ونیک نامی۔

غرض کہ سب باتیں مسلمانوں کو نمایاں طور پر حاصل رہیں گی، اگر اس کے بعد مسلمان سے کوئی لغزش ہوگئی، تو اس کو نظر انداز کر دیا جائے گا، اور تقویٰ کی جامع خوبی کے مقابلہ میں بعض معمولی غلطیوں کو چھپا کر مسلمان کی زندگی تابناک رکھی جائے گی، بشرطے کہ مسلمان تقویٰ اور خدا پرستی کی روح سے معمور ہوں، اور اگر وہ مسلمان ظاہر کر کے اپنی ہلاکت کا رونا روئیں گے مگر اسلام وایمان سے ان کو تعلق نہ ہو تو پھر یہ شکوہ بے سود ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّ يُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۹﴾

اے مومنو! اگر تم اللہ سے ڈرا اور تقویٰ اختیار کرو گے، تو وہ تمہارے لیے فرقان بنا دے گا، اور لغزشوں سے درگزر کرے گا، اور تمہاری مغفرت کرے گا، اور اللہ بڑا فضل

والا ہے۔(پ۹ع۱۸سورۂ انفال:۲۹)

ایمان واسلام کی روح تقویٰ ہے،یعنی ایسا روحانی ملکہ جوانسان کواللہ تعالیٰ کی جناب میں ہرکام اوروقت میں مسئول اورذمہ دار بنادے، اور بندہ ہرکام اور ہرگھڑی میں اس یقین پررہے کہ میں ایک ذمہ دارنظام زندگی رکھتا ہوں، جواللہ تعالیٰ کےاوامرونواہی سے بنی ہوئی ہے، میں ہرآن اس کے سامنے جواب دہ ہوں، جب یہ زندگی پیدا ہوجاتی ہے،تو زندگی میں بڑے حسین وجمیل پہلواجاگرہوجاتے ہیں، ایسی زندگی دوسرے مسلمانوں کی زندگیوں سے ممتازاورجدا ہوتی ہے،اورکوئی دوسری زندگی اس کے مقابلہ میں نہیں ہوسکتی ہے،اسی حقیقت کوامتیاز وفرقان سےتعبیرفرمایا گیا ہے۔

ایسی پاکیزہ اوربےمثال زندگی دنیااورآخرت دونوں جگہ نہایت کام یاب ہوتی ہے،اوراسے ہرجگہ امتیازی شان ملتی ہے، پھرچوں کہ یہ زندگی بڑی پاکیزہ ہوتی ہے،اس لیےاس میں لطافت ہی لطافت ہوتی ہے،اورکثافت کا نام ونشان تک نہیں ہوتا،اورکبھی بشری کمزوریوں کے باعث اس میں کچھ فتورآجاتا ہےتواللہ تعالیٰ اپنےفضل وکرم سے معاف کردیتا ہے،اوراس کی کمزوریوں کواپنے دامن عفووکرم سے چھپالیتا ہے۔

آج مسلمانوں میں اگرتقویٰ کی زندگی پیدا ہوجائےتوان کواپنے تہذیبی،تمدنی، ثقافتی، مذہبی،ملی اوردینی وقومی خصوصیات وامتیازات کےتحفظ کی فکرنہ کرنی پڑے،بل کہ ان سب کا تحفظ خودتقویٰ کی زندگی سے ہوجائے،اورمسلمان اپنے وجودمیں دنیا بھرمیں امتیازی شان وفرقان کا مالک بن جائے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا وَيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿٢٩﴾

اے ایمان والو! اگرتم اللہ سے ڈروگے ،وہ تمہارے لیے فرقان بنادے گا،اورتمہاری لغزشوں سے درگزرکرے گا،اورتمہاری مغفرت کرے گا،اوراللہ بڑا فضل والا ہے۔(پ۹ع۱۸سورۂ انفال:۲۹)

اس دنیا میں بہت سی قومیں اور بہت سے مذاہب کے لوگ آباد ہیں،اوران کو انسانیت کے رشتہ سے اس زمین پر جینے اوراس سے فائدہ اٹھانے کا حق ہے،چنان چہ جب سے دنیا آباد ہے،بُرے سے بُرے لوگ اس میں رہے،جس طرح اچھے سے اچھے لوگ رہے۔

پس یہ زمین اچھے اور بُرے دونوں ہی کے لیے ہے،اوراس میں دونوں کا حق ہے، البتہ دونوں میں فرق ہے،اوریہی فرق ان کو ایک دوسرے سے جدا کرتا ہے،دونوں میں امتیاز پیدا کرتا ہے،جولوگ بدکارہیں،وہ زندہ رہ کرنا کام ہوتے ہیں،اورجونیکوکارہیں،وہ کام یاب ہوتے ہیں،اس کام یابی اورناکامی کی وجہ اللہ کا خوف اوراللہ سے بے خوفی ہے،جو لوگ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ پرایمان رکھ کرزندگی بسرکرتے ہیں،اورزندگی کے ہرسکون اور ہر حرکت میں اللہ کی طرف سے بندش محسوس کرتے ہیں،وہ تقویٰ کی زندگی بسرکرتے ہیں، اوران کے لیے کام یابی ہے۔

اللہ تعالیٰ ان کو دنیا کی قوموں میں عزت وشرافت اورحمد وکرامت سے نوازتا ہے، اوران کو غیروں سے ممتازکرنے کے لیے ایمان ویقین کی قوت دیتا ہے،اوروہ دنیا میں اپنے امتیازی وصف کی وجہ سے کام یاب وسعادت مندی کی زندگی کے وارث ہوتے ہیں،اورکفار ومشرکین اورعدوان وطغیان کرنے والوں کے مقابلہ میں ہمیشہ کام یاب ہوتے ہیں،اللہ ان کوقوت امتیاز دیتا ہے،ان کی غلطیوں اورلغزشوں سے درگزرفرماتا ہے،اوران کی بخشش ومغفرت کرکے تقویٰ کی زندگی کواخروی امتیاز دیتا ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّ يُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۹﴾

اگر تم لوگ اللہ سے ڈرو گے تو اللہ تمہارے لیے فرقان (قوت امتیاز) عطا فرمائے گا۔ (پ۹ ع۱۷ سورۂ انفال:۲۹)

مسلمان چلاتے ہیں کہ اسلامی تہذیب وتمدن مٹ رہی ہے، مسلمانوں کی ساری خصوصیات اغیار ختم کرتے جارہے ہیں، ہر طرف سے ہمارے کلچر کو فنا کرنے کی کوشش ہورہی ہے، یقیناً یہ باتیں صحیح ہیں، کیوں کہ آج کل ہم سے تقویٰ کی روح ختم ہوچکی ہے۔

امتیازی شان اور نہ مٹنے والی قوت اس مسلمان کو ملتی ہے، جو متقی ہے، اگر مسلمان تقویٰ کی زندگی گزارتے ہیں، تو خدا کی طرف سے فرقان عطا ہوگا، اور اگر یہ بات نہیں ہے تو ان کی خصوصیات کیا، وہ ہی مٹ جائیں گے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا.

اگر تم لوگ اللہ سے ڈرو گے تو اللہ تمہارے لیے فرقان (قوتِ امتیاز) عطا فرمائے گا۔ (پ۹ ع۱۶ سورۂ انفال:۲۹)

مسلمان چلاتے ہیں کہ اسلامی تہذیب وتمدن مٹ رہی ہے، مسلمانوں کی ساری خصوصیات وامتیاز ختم کرتے جاتے ہیں، ہر طرف سے ہمارے کلچر کو فنا کرنے کی کوشش ہورہی ہے، یقیناً یہ باتیں صحیح ہیں، کیوں کہ آج کل ہم سے تقویٰ کی روح ختم ہوچکی ہے۔

امتیازی شان اور نہ مٹنے والی قوت اس مسلمان کو ملتی ہے جو متقی ہے، اگر مسلمان تقویٰ کی زندگی گزارتے ہیں تو خدا کی طرف سے فرقان عطا ہوگا اور اگر یہ بات نہیں ہے تو

ان کی خصوصیات کیا، وہ خود ہی مٹ جائیں گے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ اِذْ یَمْكُرُ بِكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْكَ اَوْ یَقْتُلُوْكَ اَوْ یُخْرِجُوْكَ ؕ وَ یَمْكُرُوْنَ وَ یَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَ اللّٰهُ خَیْرُ الْمٰكِرِیْنَ ﴿۳۰﴾

اور یاد کیجئے جب کہ کافر آپ کے بارے میں تدبیر کر رہے تھے، تا کہ آپ کو قید کر لیں یا آپ کو قتل کر ڈالیں، یا آپ کو نکال دیں، وہ اپنی تدبیر کر رہے ہیں اور اللہ اپنی تدبیر کر رہا ہے اور بہترین تدبیر کرنے والا ہے۔ (پ ۹ ع ۱۸ سورۂ انفال: ۳۰)

اللہ تعالیٰ کی طاقت سب سے بڑی طاقت ہے، اس کی طاقت کے مقابلہ دنیا بھر کی طاقت کمزور اور بودی ہے، اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے نظامِ قدرت کا ساتھ دیتے ہیں، اس کی استواری اور برقراری کے لیے دنیا میں کام کرتے ہیں، اور اس کے قیام و بقاء کے لیے زندہ رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی ہر طرح سے مدد فرماتا ہے، ان کو قوت و طاقت سے نوازتا ہے، اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے نظام کے مقابلہ میں دوسرا نظام بناتے ہیں، یا خداوندی نظام سے بغاوت کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نہ صرف یہ کہ ان کی مدد نہیں کرتا، بل کہ ان کی ہر تدبیر کو، ہر مکر و فریب کو اور ہر چال کو ناکام کر دیتا ہے، دنیا میں ان کی باطل نوازی نہیں چلتی، کفار و مشرکین اپنے عقیدہ و عمل کے اعتبار سے نظام خداوندی کے باغی ہوتے ہیں اور مسلمانوں کے خلاف ان کا دماغ ہر وقت کام کرتا رہتا ہے، اور ان کا بس چلے تو ایک دن بھی حق پرستوں کو زمین پر جینے نہیں دیں گے مگر اللہ تعالیٰ ان کی ہر چال کو ناکام بنا دیتا ہے، اور ان کے ہر فریب کو بے کار کر دیتا ہے۔

یہ ضرور ہے کہ ان کی وجہ سے کبھی کبھی اہل حق پر مصیبت آجاتی ہے، اور ان کو وقتی غلبہ اور ہنگامی استیلاء ہو جاتا ہے، مگر بحرانی دور دیر پا نہیں ہوتا، اور تھوڑے ہی دن میں کفار کی

طاقت وشوکت ٹوٹ جاتی ہے، تم دیکھ سکتے ہو کہ اسی زمانہ میں کفار ومشرکین کے کیا کیا منصوبے کام کرر ہے ہیں، اور قدرت ان کے توڑ کے لیے کس طرح غیب سے انتظام کردیتی ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ اِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ؕ وَ يَمْكُرُوْنَ وَ يَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿۳۰﴾

اور یاد کیجئے جب کہ کافر آپ کے بارے میں تدبیر کرر ہے تھے، تاکہ آپ کو قید کرلیں یا آپ کو قتل کرڈالیں، یا آپ کو نکال دیں، وہ اپنی تدبیر کرر ہے ہیں اور اللہ اپنی تدبیر کررہا ہے اور بہترین تدبیر کرنے والا ہے۔ (پ۹ ع ۱۸ سورۂ انفال: ۳۰)

مثل مشہور ہے کہ: "جسے اللہ رکھے، اسے کون چکھے"، یہ بات صدفی صدی صحیح ہے اور ہم مسلمانوں کے عقیدہ میں داخل ہے اور اس کے بے شمار مواقع دنیا کے سامنے آچکے ہیں۔

ہمارے رسول کی زندگی میں ایسے نازک مرحلے تو بار بار آئے، جن میں کفار و مشرکین نے آپ کو نعوذ باللہ ختم کرنے کی سازش کی اور اس بُرے منصوبہ کو بروئے کار لانے کے لیے طرح طرح کے کام کیے مگر اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ اپنے رسول کی مدد فرمائی اور آپ کو ہر شر سے محفوظ رکھا، ہجرت کے اہم اور تاریخی موقع پر تو یہ حقیقت اسلام کے حق میں رحمت بن کر ظاہر ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو کفار ومشرکین کے بہت ہی خطرناک منصوبے سے اس طرح بچالیا، جیسے آپ کے خلاف کہیں کوئی سازش ہی نہیں ہو رہی ہے۔

مسلمانوں کو اس حقیقت پر ایمان رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہر غالب آنے والے پر غالب ہے اور سب کی تدبیر اس کی تدبیر کے مقابلہ میں ہیچ اور شکست خوردہ ہے، اس عقیدہ کی وجہ سے مسلمان دنیا میں ہر نازک جگہ اور نازک وقت میں ہشاش وبشاس اور تروتازہ رہ سکتے ہیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ اِذَا تُتۡلٰی عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتُنَا قَالُوۡا قَدۡ سَمِعۡنَا لَوۡ نَشَآءُ لَقُلۡنَا مِثۡلَ هٰذَاۤ ۙ اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِیۡرُ الۡاَوَّلِیۡنَ ﴿۳۱﴾

اور جب ان کے اوپر ہماری آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں، تو وہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے یقیناً سن لیا، اگر ہم بھی ہیں، تو اسی کے مثل کہہ سکیں، یہ تو صرف اگلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔

(پ۹ ع۱۸ سورۂ انفال:۳۱)

کچھ آج کی بات نہیں ہے، بل کہ پہلے بھی ایسا ہوتا تھا کہ جب کسی ملک، یا قوم کے لوگوں کا دماغی توازن بگڑ جاتا تھا اور اعمال وافعال میں بے راہ وری آجاتی تھی، تو اللہ تعالیٰ ان کو سیدھا کرنے کے لیے اپنے نبیوں اور رسولوں کو بھیجتا تھا، وہ ان حضرات کے سامنے خدا کے اوامر ونواہی پیش کرتے تھے، قانون قدرت کے کلی اصول اور ضابطے سناتے تھے، اور ذمہ دار زندگی کے لیے چچی تلی آیتیں تلاوت فرماتے تھے، تو ان رسولوں اور ان کے خدائی اقوال واحکام کو بدفہم وبدعمل لوگ سنتے تھے اور یہ کہہ کر ٹال دیتے تھے کہ اے نبی! آپ نے ان کو کون سا تیر ماردیا، وہی پُرانی باتیں، پُرانے نظریات اور پُرانے خیالات ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں۔

خدا پرستی، حق گوئی، نیک روی، اور ذمہ دار زندگی کی باتیں، تو پہلے کے لوگ بھی کرتے تھے اور سنتے چلے آئے ہیں، اگر ہم بھی چاہیں تو چند اچھے اچھے جملے بیان کرسکتے ہیں، اور اپنے الفاظ کے ذریعہ اچھے سے اچھے نظریات پیش کرسکتے ہیں۔

قانونِ قدرت اور اصول نظریات کے سامنے یہ جسارت کچھ کل کا حصہ نہیں تھا بل کہ آج بھی وہی صورت حال برپا ہے، اور گمراہ انسان قدرت کے ہر کام کرنے اور بات بنانے کے لیے تیار ہے، وقت کے بڑے بڑے فرعون خدا کے قانون کے مقابلہ میں اپنے قلم اور زبان سے زندگی کے اصول پیش کرتے ہیں، فلسفہ بناتے ہیں، اور نظریہ نکالتے ہیں، اور

قدرت کے ہر کام کا مقابلہ کرتے ہیں، غلہ اگانے کا دعویٰ کرتے ہیں، غذائی خود کفالت کا پلان بناتے ہیں، اس کے فلسفہ بیان کرتے ہیں، بارش کرنے کے لیے سائنس سے مدد مانگتے ہیں۔

غرض کہ قدرت کے ہر اصول اور ہر کام سے منہ موڑ کر اپنے گمراہ ذہن اور بدعمل زندگی سے نئے نئے نظریات واعمال پیش کرتے ہیں۔

اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خسران وناکامی کا وہی عالم آج برپا ہے، جو کل برپا ہو چکا تھا، کیوں کہ جب جرم یکساں ہوگا، تو سزا بھی یکساں رونما ہوگی، قدرت کے اصول میں مکان وزماں کا فرق نہیں ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان علم وفن سے کام نہ لے، بل کہ مطلب یہ ہے کہ خدا کا مقابلہ نہ کرے، ورنہ تباہی لازمی ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ اِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۳۱﴾
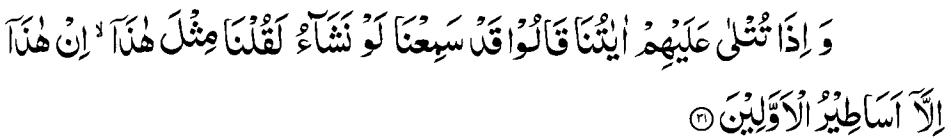
اور جب ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں، تو وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا، اگر ہم چاہیں ہیں، تو اس کے برابر کہہ دیں، یہ تو صرف بے سند باتیں ہیں، جو پہلوں سے نقل ہوتی چلی آ رہی ہیں۔ (پ۹ ع۱۸ سورۂ انفال: ۳۱)

جن لوگوں کے دل کج ہو جاتے ہیں، عقل کے دروازے بند ہو جاتے ہیں، اور سوچنے کی راہیں مسدود ہو جاتی ہیں، ان کے سامنے عقل وہوش کی باتیں کرنا، اپنے کو بے وقوف بنانے کے مترادف ہے۔

ایسے لوگ اپنے ناصحوں، مخلصوں، اور خیر خواہوں کو پاگل ودیوانہ خیال کرتے ہیں اور زیغ وکجی کے باعث ہر سیدھی سادی بات کو ٹیڑھی بنانے میں مزا پاتے ہیں۔

کفار ومشرکین کا یہ حال تھا، جب ان کے سامنے ان کی خیر خواہی میں اللہ تعالیٰ کے

احکام واوامر وآیات کو بیان کیا جاتا تھا،تو وہ اپنے ذوق بیماری کی وجہ سے ان میں کوئی خاص بات نہیں پاتے تھے،بل کہ ان کو قرآن کی باتیں بڑی پھیکی اور بے کیف معلوم ہوتی تھیں،وہ ان کے نزدیک اس سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی کہ یہ بے سند پُرانی باتیں ہیں،اور انسانی تاریخ کے غیر مربوط اور غیر مصدقہ اَوراق ہیں،اور ایسی باتیں تو وہ خود جب چاہتے،بنا لیتے۔

آج گمراہوں اور ضلالت پسندوں کا یہی حال ہے کہ جب ان کے سامنے اللہ ورسول کے حقائق پیش کیے جاتے ہیں،تو وہ ان کو بے سند بتاتے ہیں،اور ان کی عظمت واہمیت کے کسی طرح قائل نہیں ہوتے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ اِذۡ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنۡ كَانَ هٰذَا هُوَ الۡحَقَّ مِنۡ عِنۡدِكَ فَاَمۡطِرۡ عَلَيۡنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائۡتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيۡمٍ ﴿۳۲﴾

اور جب انہوں نے کہا کہ اے اللہ! اگر یہی دین حق ہے تیرے پاس سے،تو ہم پر آسمان سے پتھر برسادے یا ہمارے پاس دردناک عذاب لادے۔

(پ۹ ع۱۸ سورۂ انفال:۳۲)

جب کفر وشرک میں بحران پیدا ہوجاتا ہے اور اس کے عدوان وطغیان کا پارہ بہت زیادہ چڑھ جاتا ہے تو پھر اس میں انتہائی جرأت پیدا ہوجاتی ہے اور نڈری اور بے باکی اپنے نقطہ عروج پر پہونچ کر اللہ تعالیٰ کے حلم وصبر اور اس کی رحمت ورافت کو چیلنج کرنے لگتی ہے،جیسا کہ یہاں پر بیان فرمایا جارہا ہے اور کفار ومشرکین کی ایک دعا نقل کی جارہی ہے،جس میں ان بے باک لوگوں نے نہایت جسارت مندی سے کام لیا اور کہا:

اے اللہ! اگر دین اسلام تیری طرف سے برحق ہے اور ہم اسے قبول نہیں کررہے ہیں تو ہمیں اس کی سزا میں سنگسار کردے یا ہم پر نہایت دردناک قسم کا عذاب مسلط کردے،

تا کہ ہم اپنے کیفر کردار کو پونچ جائیں اور اپنی بے راہ روی کا انجام دیکھ لیں، حالاں کہ یہ ظالم اللہ تعالیٰ سے یہ دعا بھی کر سکتے تھے کہ اگر دین اسلام تیرا دین ہے اور برحق ہے تو ہمیں اس کے قبول کرنے کی توفیق دے دے اور ہمیں اس کے انکار سے سزا کا مستحق نہ بنا، مگر چوں کہ وہ اپنی شرارت کی وجہ سے اس کا وہم تک نہیں کر سکتے تھے۔

اس لیے انہوں نے اس کی دعا نہ کی، اور دنیا والوں پر رعب جمانے کے لیے ایسی دعا کی کہ بعد میں کہتے پھریں کہ دیکھو: ہم نے دعا کی تھی، اگر اسلام سچا ہوتا تو ہم تباہ و برباد ہو گئے تھے، حالاں کہ بات یہ ہے کہ قانونِ قدرت اس طرح منکروں کو سزا نہیں دیا کرتا، اور عام طور سے اتمام حجت کرتا ہے، اور کبھی حالات کی ضرورت پر بھی وقتی سزا دیتا ہے، اس میں منکروں کی رائے یا دعا کو دخل نہیں ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ اِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۲﴾

اور جب انھوں نے کہا کہ اے اللہ! اگر تیری طرف سے یہی بات ہے تو تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا دے، یا ہمارے اوپر دردناک عذاب بھیج دے۔

(پ ۹ ع ۱۸ سورۂ انفال: ۳۲)

جب سرکشی و تمرد کا پارہ بہت چڑھ جاتا ہے تو بے خوفی اور نڈری کی بیماری دل و دماغ کو لگ جاتی ہے جو اس درجہ مہلک ہوتی ہے کہ انسان اپنے لیے خود ہلاکت و خسران اور تباہی و بربادی کی دعوت دینے لگتا ہے، ایسے وقت میں افہام و تفہیم کی ساری کاوشیں بے سود ہوتی ہیں، اور قدرت کی طرف سے ڈرانے دھمکانے کی سب نشانیاں بے کار ہوتی ہیں، اور انسان

ان تمام حقیقتوں کے باوجود اپنے لیے دعوت تباہی و بربادی سے باز نہیں آتا۔

اوپر کی آیت میں ایسے ہی کفار و مشرکین کا ذکر فرمایا جارہا ہے، جن کا مرض حد سے گزر چکا تھا، اور عواقب و نتائج کی تمام ہولنا کیوں سے بے خوف اور نڈر ہوکر قانون قدرت کے مقابلہ میں سینہ تان کر انبیاء ورسل علیہم السلام کے سامنے ان کے خدا کو مخاطب کرتے اور تمسخرانہ انداز میں کہتے کہ اے خدایا! اگر یہ باتیں جو نبی اور رسول کہہ رہے ہیں کہ میری راہ پر نہ چلو گے، تو خداوندی عذاب میں گرفتار ہوجاؤ گے حتیٰ کہ تو ہم پر عذاب بھیج دے اور آسمان سے پتھروں کی بارش کر کے ہمیں نیست نابود کردے۔

اس دنیا میں کتنی قومیں اس طرح عذابِ خداوندی کو دعوت دے کر تباہ و برباد ہوچکی ہیں، اور آج کی دنیا ان کے آثار و علائم کو اپنی آنکھوں سے دیکھتی ہے، اور ان کے افسانوں کو کہتی اور سنتی ہے، مگر آج بھی انسان ان مجرموں کے نقش قدم پر چلتا ہے، ور ہر طرف قانونِ مجازات کا مقابلہ کرنے کے لیے انسان کا ذہن اباء وانکار پر آمادہ ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ ؕ

وہ لوگ منکر ہوئے اور انھوں نے اپنے مال کو اس لیے خرچ کیا کہ وہ لوگوں کو خدا کی راہ سے روکیں، تو وہ خرچ کردیں گے، مگر ان کا خرچ کرنا ہی ان کے لیے وبال جان بن جائے گا، اور پھر وہ مغلوب کیے جائیں گے۔ (پ۹ ع۱۸ سورۂ انفال:۳۶)

یعنی جو لوگ انفرادی اور اجتماعی طور پر حق کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہوں گے، اور اس مقصد کے لیے اپنے فنڈوں کا منہ کھول دیں گے، اور سچائی کو زیر کرنے کے لیے اپنے

مال کو کام میں لائیں گے، تو ان کی یہ تمام تدبیریں الٹی ہو جائیں گی، اور بالآخر انھیں کفِ افسوس ملنا ہوگا، اور وہ مغلوب کیے جائیں گے مگر یہ صورت حال اس وقت پیدا ہوگی کہ جو لوگ حق کے ساتھی ہیں، وہ مخالفوں کی اسکیموں کو ناکام بنانے کا عزم کرلیں، اور حق کی راہ میں جانوں کو تک قربان کردیں۔

اگر خود ان کے اندر ہی حرکت وعمل کی سکت نہ ہوگی، تو مخالف کبھی زیر نہ ہوں گے، اور وہ اہل حق کی کمزوری سے ناجائز فائدہ اٹھاتے رہیں گے، پس یہ تو یقینی ہے کہ دشمنانِ حق مغلوب ہوں، اور ان کی تدبیریں الٹی ہو جائیں، لیکن ان کا انحصار اہلِ حق کے عزم پر ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ وَ اِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۸﴾

آپ کفار سے کہہ دیجئے کہ اگر تم لوگ کفر سے باز آجاؤ گے، تو تمہاری گزشتہ کرتوت بخش دی جائے گی، اگر بار بار کفر کی طرف لوٹو گے، تو پہلے لوگوں کی روش گزر چکی ہے۔

(پ۹ ع۱۸ سورۂ انفال: ۳۸)

قانونِ قدرت فسق و فجور، کفر و عصیان کی سزا میں انسانوں کو مبتلا کرتا ہے، جس بستی میں گنہ گاری کی رسم جاری رہے گی، اس میں قدرت کا قانونِ مجازات اپنا کام کرتا ہے۔

ایسی بستی کے سرکش لوگ دنیا و آخرت میں اپنی کرتوتوں کی پوری سزا بھگتیں گے، لیکن یہ قانون انسان کو توبہ و استغفار کی دعوت دیتا ہے، اور کہتا ہے کہ اگر انسان تمرد، سرکشی، کفر و فسق اور عصیان و گنہ گاری سے باز آجائے، اور انسانیت کے دائرے میں زندگی بسر کرنے لگے، تو آئی ہوئی بلائیں ٹل جاتی ہیں، عذاب و ہلاکت کی چھائی ہوئی بدلیاں چھٹ

جاتی ہیں، اور سر پر منڈلاتے ہوئے بُرے دن ختم ہو جاتے ہیں۔

قدرت کی عدالت میں رحم کی درخواست کا واحد ذریعہ توبہ واستغفار اور فسق وفجور سے باز آنے کا اقرار واعتراف ہے، یہ درخواست قابل سماعت ہوتی ہے۔

اور انسان عذاب کے پنجہ سے نجات پا جاتے ہیں، اور اگر اس اعلانِ رحم وکرم کے بعد انسان کفر وشرک اور بدکرداری کی لعنت میں پھنسا رہتا ہے، تو پھر وہی ہوتا ہے، جو گزشتہ قوموں کے ساتھ ہو چکا ہے، اور تباہی وبربادی کے وہ منازل اسے بھی طے کرنے پڑتے ہیں، جس کو گزشتہ قوموں نے طے کیا ہے، اور آج کی دنیا اگر اپنے اعمال کفریہ اور عقائد شرکیہ کا جائزہ لے کر خدا کی طرف رجوع کرے اور اپنے اعمال کی تبدیلی کے لیے تیار ہو جائے تو یہ ساری بلائیں جو انسانیت کو دبوچ رہی ہیں، ایک ایک کر کے ٹل سکتی ہیں۔

مسلمانوں کو سوچنا چاہیے کہ جب خدا کا قانون کفار ومشرکین کو یہ دعوت دے رہا ہے تو مسلمانوں کے ساتھ اس کا کیا معاملہ ہوگا، اگر مسلمان ذرا جھکیں، تو خدا کی رحمت وبرکت انھیں تھام لے، مگر رحمت کے دامن میں آنے کے لیے اپنے اعمال واعتقاد میں جھکاؤ ضروری ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ وَ اِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۸﴾

آپ کافروں سے کہہ دیجیے کہ اگر وہ اپنی روش سے باز آجائیں، تو ان کے اگلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے، اگر وہ کفر کی طرف لوٹے، تو اگلوں کی یہی روش گزر چکی ہے۔

(پ۹ ع۱۸ سورۂ انفال: ۳۸)

اللہ تعالیٰ اپنی معمولی مخلوق کو بے عزت، ناکارہ، اور نالائق دیکھنا پسند نہیں

فرماتا ہے، اس نے اس دنیا کا نظام کچھ ایسے مبارک طریقہ پر بنایا ہے کہ اس کے تحت اس دنیا کی تمام چیزیں اپنی اپنی جگہ پر رہیں، اور اپنا کام کریں، اور کسی وقت میں کوئی ایسی بات پیدا نہ ہونے پائے، جو نظامِ قدرت کے خلاف ہو۔

مگر افسوس کہ انسانی زندگی کی بے مائیگی کبھی کبھی اپنی قدر و قیمت غلط محسوس کر کے اس جہان میں ابتری کا رنگ اختیار کرتی ہے، اور نظامِ کائنات پر اس کی اس غلط روش کا اثر پڑتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ایسے غلط کاروں کی فہمائش کے لیے راہیں پیدا کرتا ہے، انبیاء مبعوث فرماتا ہے، اور ان کے ذریعہ انسان کو صحیح راہ پر لانے کی سبیل ظاہر فرماتا ہے، ایسے وقت میں بہت غلط کار اپنی ناکردنی پر واقف ہو کر صحیح روش اختیار کرتے ہیں، اور اپنی زندگی کے ہر رخ کو اچھا بنا لیتے ہیں، اور بہت سے غلط کار اس حال میں بھی اپنی غلط روی سے باز نہیں آتے، اور اپنی زندگی کو ہرنا کام اور نامراد بنا لیتے ہیں۔

قرآن حکیم اسی بات کو بیان فرما رہا ہے کہ جو لوگ کفر و شرک کی غلط راہ سے واپس آ کر اسلام کی صحیح راہ پر چلیں گے، ان کی غلطیوں کو معاف کر دیا جائے گا، اور ان کو آئندہ کی تمام اچھائیوں سے نوازا جائے گا، اور ان پر کوئی مواخذہ نہیں ہوگا، اور جو لوگ روشنی آنے کے باوجود ضلالت و گمراہی میں رہیں گے، ان کا انجام بھی ان کافروں اور مشرکوں کا ہوگا، جو قدیم زمانہ سے اباء و انکار کی روش کے موجد اور بانی ہیں۔

قُلْ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ یَّنْتَهُوْا یُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ وَ اِنْ یَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِیْنَ ۝۳۸

آپ کافروں سے کہہ دیجئے کہ اگر وہ لوگ رک جائیں، تو گزر چکا ہے ان کے حق میں، وہ سب معاف کر دیئے جائیں گے، اگر وہ لوٹ کر وہی کرنے لگے، تو پہلوں کی روش اسی طرح کی گزر چکی ہے۔ (پ ۹ ع ۱۸ سورۂ انفال: ۳۸)

انسانی زندگی کچھ اس طرح گزرتی ہے کہ اس کی صبح وشام انقلاب وتغیر کی زد میں رہا کرتی ہے، اور ہر وقت انسانی ذہن اپنے ماحول سے متاثر ہوتا رہتا ہے، یہ بات کچھ فطری سی ہے، اس لیے جب تک کوئی خاص ذہن پیدا نہ ہو جائے، قدرت کی اہم ذمہ داریاں انسان کے اوپر نہیں ڈالی جاتی ہیں۔

اگر وہ وقتی طور پر بہک جاتا ہے، تو اسے راہ راست پر لانے کے لیے قدرت فوری طور پر انتظام فرماتی ہے، انبیاء ورسل کو مبعوث فرماتی ہے، اور رشد وہدایت کے مینارے روشن کر کے صحیح راہ اجاگر فرما دیتی ہے، اور پھر یہ کرتی ہے کہ انسان کی تمام پچھلی اور وقتی کج روی کو معاف کر دیتی ہے، تاکہ اب جو ذہن تیار ہو، بے داغ ہو، اسے ماضی کی تلخیاں رہ رہ کر الجھن میں نہ مبتلا کریں، بل کہ نہایت امن وسکون کے ساتھ انسان اپنے مستقبل کو تابناک بنائے۔

فضلِ خداوندی کا یہ مظاہرہ انسان کے لیے بہت ہی سکون بخش اور آرام دہ ہے کہ اس کی تمام گزشتہ نا کردنیوں کو ندامت ورجوع کے یکسر معاف کر دیا جائے، اور اسے مافات پر حسرت وافسوس کرنے کے بجائے مستقبل کے لیے دعوت نشاط دی جائے۔

لیکن انسان اگر اس فضلِ خداوندی کی بھی قدر نہ کرے، اور اپنے کو زندگی کی خطرناک الجھنوں میں ہی میں رکھنا چاہتا ہے، تو پھر قدرت کے پاس اس کا کوئی علاج نہیں ہے، دنیا کی بہت سی گمراہ قوموں نے یہ وطیرہ اختیار کر کے اپنے کو خسران ومحرومی میں رکھا ہے، اور دونوں عالم میں ذلیل وخوار ہوئیں۔

انھوں نے اپنے ماضی کو مستقبل کی تابنا کی سے روشن کیا، اور نہ اپنے مستقبل کو ماضی کی تلخیوں سے دور رکھا۔

اے لوگو! اگر جرائم و معاصی کی الجھنوں میں گرفتار ہوئے تو اس سے نکلنے کا آسان راستہ صحیح توبہ و انابت ہے، جو اس بات کا ذمہ دار ہے کہ تمہاری زندگی کو یکسر بدل دے، اور تمہیں امن وسکون کے گہوارہ میں سلادے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ قَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۳۹﴾

اور لڑتے رہو، ان سے یہاں تک کہ فتنہ و فساد باقی نہ رہے، اور سب کا دین اللہ کا ہو جائے، پھر اگر وہ رک جائیں تو ان کو اللہ دیکھنے والا ہے۔ ( پ۹ ع۱۸ سورۂ انفال:۳۹)

اسلام دنیا میں امن وسلامتی کا پیام بن کر آیا ہے، اور اس کا مشن ہے کہ ساری دنیا امن وسلامتی کے ساتھ آباد رہے، اور خدا کی زمین پر کسی جگہ فتنہ و فساد برپا نہ ہو، اور نہ کہیں کشت وخون کی باری آئے، تمام انسان آپس میں محبت سے زندگی بسر کریں، اور جو لوگ دنیا میں شر و فساد برپا کرتے ہیں، اور خدائی زمین پر کشت وخون کا بازار گرم کرتے ہیں، ان کو اس حرکت سے باز رکھا ئے، اور مقابلہ کر کے ان کی مفسدانہ طاقتوں کو توڑ دیا جائے، تاکہ دنیا میں تمام انسان آرام سے زندگی بسر کریں اور ایک اللہ سبحانہ کے بندے بن کر سب اسی سے تعلق رکھیں، اسی کو بڑا مانیں، اور دنیا میں انسانوں کی چھٹائی اور بڑائی کا سوال باقی نہ رہے۔

اس نیک مقصد اور انسانیت کی خدمت کے لیے کام کرنا، اور ہر انسان کو دنیا میں آزاد رہ کر جینے اور ایک خدا کی برتری کا قائل کرنے کی کوشش کرنا بہت ہی مبارک اقدام

ہے،اوراس پراللہ تعالیٰ کی طرف سےنصرت ومدداوراجروثواب کاوعدہ ہے۔

چوں کہ زمین پر بُرائی پھیلنے اوراس میں خرابی پیدا ہونے کے لیے جرثومے وہ لوگ ہیں، جوکفروشرک میں مبتلا ہوکر خدا کے باغی اوراس کے اوامرونواہی کے منکر ہوتے ہیں،اس لیے ان اکابرمجرمین سے مقابلہ کرنااوران کی طاقت کاتوڑنا اسلام کا نصب العین ہے، اورمسلمانوں کوحکم دیا گیا ہے کہ جہاں تک ہوسکے ،تم ان شریروں سے مقابلہ کرو،اوران کی شرارت کی جگہ امن وامان پھیلاؤ،اوراگرسمجھانے بجھانے سے باز آجائیں ،توجنگ ومقابلہ کی ضرورت نہیں ہے،بل کہ اللہ تعالیٰ ان کی اس روش کو پسندفرمائے گا،اوراس پراجردے گا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

# پارہ (۱۰)

# سورۂ انفال

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَ اذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۴۵﴾

اے ایمان والو! جب تم کسی (مخالف) گروہ سے ملاقات کرو، تو ثابت قدم ہو کر جم جاؤ، اور ایسے وقت میں اللہ کو بہت زیادہ یاد کرو، تا کہ تم کام یاب ہو جاؤ۔

(پ ۱۰ ع ۲ سورۂ انفال: ۴۵)

ایمان واسلام امن و صلح کی تحریک کا دوسرا نام ہے، ایک مومن دنیا میں امن و سلامتی کا نقیب وداعی ہوتا ہے، وہ اپنے خیالات، اپنے اعمال و کردار اور اپنے احساسات و رجحانات سے امن کے نوک پلک سنوارتا ہے، پھر اسی پر بس نہیں کرتا، بل کہ دنیا میں امن و امان کی فضا قائم کرنے کے لیے خدائی اصول وقوانین کو پیش کرتا ہے، انسانوں سے کہتا ہے کہ انسانیت کی بحالی اور حفاظت کے لیے ان راہوں پر چلو، اور امن وامان کے ساتھ زندہ رہ کر امن وامان کی موت مرو، تا کہ جب دوسری زندگی کی دائمی مسرتوں کا وقت آئے تو ابدی بے چینی اور لامتناہی درد وکرب سے تم دو چار نہ ہو۔

ایک مسلمان کا فرض ہے کہ محلہ اور بستی میں بے خوفی، اطمینان وسکون، امن و عافیت پھیلائے، اور اس کے خلاف حالات کو ختم کرے، اگر ایسا نہیں کرتا تو اس کے سچے مسلمان ہونے میں شک ہے، دنیا میں خدا کے قانون نافذ ہونے کی کوشش میں کوتاہی کرتا ہے اسی لیے وہ اسلامی زندگی کی صحیح قدروں سے محروم ہے، اور اس کی یہ محرومی بین الاقوامی ہے، اس کا نتیجہ صرف اس کی ذات تک محدود نہیں رہے گا، بل کہ دنیا کے حالات وواقعات پر اس کا اثر پڑے گا۔

اس قیامِ امن اور اقامتِ دین کے سلسلہ میں اگر کوئی طاقت فتنہ وفساد کرنے پر اتر آئے، اور وہ سمجھانے بجھانے سے باز نہ رہے، بل کہ الٹے سینہ زوری کرنے پر آمادہ ہو، اور امن

پسند مصلحین کے خلاف محاذِ جنگ قائم کردے تو پھر مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ بھڑ جانے کے بعد پوری طاقت سے اس باغی جماعت کا مقابلہ کریں، اور اس کے دم خم کا ستیاناس کر ڈالیں۔

اس ثابت قدمی کے لیے خدا کی یاد اور اس کے اصول وقوانین کی حفاظت بمنزلہ روح کے ہے، کیوں کہ یہ جنگ حق وباطل کی جنگ ہے، امن وفساد کی ہے، اور صلح وفتنہ کی ہے، کسی خاص قوم یا نسل کی لڑائی نہیں ہے، اور نہ ہی کسی دوسرے نظریہ کے ضابطہ کی جنگ ہے، بل کہ کفر واسلام کی جنگ ہے، بالفاظ دیگر امن وفساد کی جنگ ہے، اس لیے اس جنگ میں قوم ووطن کی یاد، ملکی روایات کی حفاظت، نسلی غرور کا تحفظ، اور اپنے نظریات وخیالات کا بچاؤ مدنظر نہیں رکھا جائے گا، بل کہ خدا کے اصول اور خدائی ذکر وتذکیر کی روح اس میں کام کرے گی، اس نازک مرحلہ پر اسلام کے نظریۂ توحید میں دوسرے خیالات کی آمیزش اور شرکت نہیں ہوگی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَ اذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۴۵﴾

اے ایمان والو! جب تم کسی گروہ سے بھڑ جاؤ، تو پھر جم جاؤ، اور اللہ کو زیادہ سے زیادہ یاد کرو، تاکہ تم فلاح پاسکو۔ (پ ۱۰ ع ۲ سورۂ انفال: ۴۵)

مسلمان کی زندگی کا لمحہ لمحہ اللہ کی ذات گرامی سے وابستہ ہے، اور مہد سے لے کر لحد تک کوئی حرکت ایسی نہیں ہے، جس میں خدا کی کارسازی اور فعالیت کا تصور نہ ہو گھر کی زندگی ہو یا باہر کی زندگی، عیش وعشرت کے نرم ونازک بستر ہوں یا قتل وخون کے تپتے ہوئے ریگستان، ہر لمحہ، ہر جگہ مسلمان کی نظر خدا پر ہوتی ہے، اسی عقیدہ پر جو عمل ابھرتا ہے اس میں فلاح وصلاح کی استعداد ہوتی ہے۔

پس اگر مسلمان آج بھی کسی گروہ کے ساتھ اپنے کو اُلجھا ہوا پاتے ہیں، دنیا کی کسی قوم سے ان کی کسی معاملہ میں ہاتھا پائی چل رہی ہے، اور جانبین سے نظریات وخیالات میں رسہ کشی برپا ہے، تو مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ اللہ کو بار بار یاد کرے، اس کے یاد کرنے کے عملی اور قوی طریقوں پر عمل کرے، اور اپنے اندر یہ عقیدہ پیدا کرے کہ جو کچھ ہوتا ہے خدا ہی کی ذات سے ہوتا ہے، اور جو کچھ ہوگا اسی کی طرف سے ہوگا، اور نیک مقاصد کے لیے جو کام ہوتا ہے اس میں اللہ تعالیٰ مدد کرتا ہے۔

پس ہمیں آج کی کشیدگی اور کش مکش میں نیک نیت، صاف دل اور بلند حوصلہ بن کر کام کرنا چاہیے، اور ہر لمحہ خدا کی یاد سے معمور رہنا چاہیے، اسی میں مسلمان قوم کی بھلائی ہے، اور اسی سے یہ قوم دنیا میں ابھر کر عروج پا سکتی ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَ اذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۚ﴿۴۵﴾

اے ایمان والو! جب تم کسی گروہ سے مل جاؤ تو ثابت رہو، اور اللہ کو بہت زیادہ یاد کرو، تاکہ تم فلاح پاؤ۔ (پ ۱۰ ع ۲ سورۂ انفال: ۴۵)

اسلام امن وسلامتی کا دین ہے، اور اللہ کی زمین پر اللہ کے بندوں کو امن واطمینان کی زندگی بسر کرنے کے مواقع فراہم کرتا ہے، اور اپنے پیروؤں کو تاکید کرتا ہے کہ وہ امن وسکون کے قیام اور اس کی بحالی میں اپنی آخری کوشش صرف کردیں اور ظلم وستم، کفر وشرک اور جبر واستبداد کے ختم کرنے کی پوری کوشش کرتے رہیں۔

یہ خرابی چاہے اَفراد واَشخاص میں ہو، چاہے اقوام وملل میں پائی جائے، یا پھر کسی اور رنگ میں انسانی بستیوں میں نمایاں ہو، اس کے خاتمہ کے لیے جدوجہد کرنا ضروری ہے،

حتیٰ کہ جان کی بازی لگا دینا بھی وقت آنے پر ضروری ہے اور جب باطل طاقتوں سے مقابلہ ہو جائے تو ظاہری سامانِ حرب وضرب اور اسلحہ وآلات کے ساتھ اللہ کی یاد اور ثابت قدمی کے ساتھ مدد حاصل کرنی چاہیے۔

مسلمان کی جنگ دین وایمان کی بحالی کے لیے ہوتی ہے، اس میں ملک گیری، اقتدار اور بادشاہت کا تصور نہیں ہوتا ہے، اس لیے اس میں فتح اسی صورت میں ہوگی، جب یادِ خدا اور صبر واستقامت ہو، اس کے بغیر مسلمان دوسروں کے مقابلہ میں کام یاب نہیں ہوسکتا ہے، یا اگر آلات واسلحہ کی کام یابی ہوئی تو دین وایمان کی کام یابی نہیں ہوگی۔

پس جب مسلمان دوسری قوموں سے نبرد آزما ہو تو اس کی کام یابی کے لیے خدا پرستی اور صبر واستقامت دونوں چیزیں ضروری ہیں، اگر یہ دونوں باتیں مسلمانوں میں پیدا ہو جائیں تو وہ یقیناً کام یاب ہوں گے، اور میدان ان کے ہاتھ میں رہے گا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَ اذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۚ﴿۴۵﴾ وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَ اصْبِرُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۚ﴿۴۶﴾

اے ایمان والو! جب تم (کفار کے) کسی گروہ سے ملو، تو ثابت قدم رہو، اور اللہ کو بہت زیادہ یاد کرو، تاکہ تم کام یاب ہو جاؤ، اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، اور آپس میں جھگڑا مت کرو کہ تم کمزور پڑ جاؤ، اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے، اور صبر کرو، اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ (پ ۱۰ ع ۲ سورۂ انفال: ۴۵، ۴۶)

اسلام کے مقابلہ میں دوسرے اَدیان وملل متحد ومتفق ہیں، اور سب اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت میں ایک قسم کا جذبہ رکھتے ہیں، اس لیے مسلمانوں کو دفاع کی فکر کرنی

چاہیے، اوران کے مقابلہ کے لیے تیاری کرنی چاہیے، پہلے اقدام نہیں کرنا چاہیے، خدا کی زمین پر بدامنی پھیلانا، دنگا دفساد کرنا کرانا بڑا گناہ ہے، اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو پسند نہیں کرتا ہے، مگر جب کفار ومشرکین پہل کریں تو دفاع لازم ہوجاتا ہے، حفاظت خوداختیاری ہر جان دار کا فطری حق ہے، اوردفعِ مضرت کا حق قدرت نے سب کو دیا ہے، اوراس کے استعمال کی طاقت سب کو دی ہے۔

لہٰذا جب کسی مسلمان پر حملہ ہوتوان کو چاہیے کہ ڈٹ کر مقابلہ کریں، اوردشمن کو ناکام کرنے میں پوری توانائی دکھائیں، اس سلسلہ میں سب سے بڑی طاقت یادِ الٰہی ہے، زمانۂ جنگ میں خصوصیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو یاد کر کے اسی پر بھروسہ کرنا چاہیے، اوراللہ ورسول کی اطاعت وفرماں برداری کے جذبات کی روشنی میں مقابلہ کرنا چاہیے۔

ایسے نازک دور میں آپس میں جھگڑا نہیں کرنا چاہیے، ورنہ اپنی ہوا اکھڑ جائے گی، اوردشمنوں کا غلبہ ہوجائے گا، پھرصبر واستقلال کے اصول کو اپنا کر ہمیشہ دل جمعی سے کام لینا چاہیے، حالات کی سختی سے گھبرانا، بزدل ہونااور بے صبری دکھانا مسلمان کا شیوہ نہیں ہے، آج ان باتوں کی ہم کو خاص طور سے ضرورت ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَ اصْبِرُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۚ۝۴۶

اگرتم لوگ اللہ اوراس کے رسول کی اطاعت کرو، اورآپس میں نزاع پیدانہ کروکہ تم ڈھیل پڑجاؤ، اورتمہاری ہوا اکھڑ جائے، اورصبر کرو، اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

(پ ۱۰ ع ۲ سورۂ انفال:۴۶)

سب سے بہتر زندگی اورکام یاب زندگی وہی زندگی ہے جونظم وضبط سے معمور ہو،

جس میں ہر حرکت اور ہر سکون خاص خاص اصولوں کے ماتحت ہو، اور جس کی ہر بات سے کوئی نہ ہوئی نتیجہ نکلے، ایسی زندگی کام یاب و بامراد ہوتی ہے، اور اس کے نتائج سے دنیا کو بڑا فائدہ حاصل ہوتا ہے، یہ زندگی کسی قوم کو اسی وقت ملتی ہے، جب وہ اپنی باہمی تو تو میں میں سے الگ ہو کر کسی بالا دست طاقت کو اپنے حوالہ کر دیتی ہے، اور ہر معاملہ میں اسی طاقت کی طرف کی رجوع کرتی ہے۔

اسی لیے مسلمانوں سے کہا جاتا ہے کہ تم لوگ اختلاف رائے اور باہمی افراط و تفریط سے ہٹ کر صرف اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت کرو، ان ہی کو اپنا سب کچھ مانو، اور ان ہی کی طرف رجوع کرو، اور کسی موقع پر آپس میں جھگڑا، لڑائی نہ کرو، بل کہ جب کوئی بات پیدا ہو جائے تو اللہ کی کتاب اور رسول کی سنت کی طرف رجوع کر کے معاملہ رفع و دفع کرو، اگر ایسا نہ کرو گے تو تمہارا شیرازہ منتشر ہو جائے گا اور تمہاری ساکھ اکھڑ جائے گی، غیروں کے دل سے تمہارا رعب وداب جاتا رہے گا، اور ہر معمولی سی معمولی طاقت تمہاری طرف بڑھنے لگے گی۔

اس لیے صبر وضبط سے کام لو، اللہ اور رسول کی اطاعت میں ثابت قدم رہو، اور یہ زندگی اختیار کر کے اللہ کی مدد کو اپنے شامل حال کر لو۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّ رِئَآءَ النَّاسِ وَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۴۷﴾

اور تم لوگ ان لوگوں کے مانند نہ ہو جاؤ جو اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے اور لوگوں کو دکھلاتے ہوئے نکلے، اور لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکتے تھے، اور اللہ ان کے تمام اعمال کا گھیرنے والا ہے۔ (پ۱۰ ع۲ سورۂ انفال: ۴۷)

قوت واقتدار کا نشہ ہمیشہ چڑھا نہیں رہتا بل کہ تاریخ کے صفحات گواہ ہیں کہ یہ نشہ بہت جلد اتر جاتا ہے، اور اقتدار کی شراب قوموں کو زیادہ دیر متوالا بنائے نہیں رکھتی، اقتدار کے دور میں اپنے توازن کا باقی رکھنا خدا کی بہت بڑی نعمت ہے، اور اس کی توفیق اسی قوم کو ہوتی ہے، جس کے ہاتھ میں خدا کے قانون کی رسی ہوتی، قرآن حکیم کہتا ہے:

اپنی طاقت وقوت کے گھمنڈ میں اپنے گھروں سے اکڑتے ہوئے دوسروں کی تباہی کے خیال میں نہ نکلو، ورنہ خود تباہ ہو جاؤ گے۔

اپنے مقابل کو اپنی طاقت کی نمائش غرور کے ساتھ نہ کراؤ، ورنہ یہ نمائش خاک میں مل جائے گی، لوگوں کو ان کی سیدھی راہ سے روکنے کی کوشش نہ کرو، ورنہ تمھارے دل ٹیڑھے ہو جائیں گے، کافر قومیں اپنے اقتدار کے بل بوتے پر ہمیشہ مسلمانوں کے مقابلہ میں یہی طریقہ اختیار کرتی ہیں، اکڑفوں دکھاتی ہیں ان کو مرعوب کرنے لیے شیخی مارتی ہیں، اپنی قوت کا طرح طرح سے مظاہرہ کرتی ہیں اور مسلمانوں کو ان کے دین وایمان کی راہ سے روکنے کے لیے کہیں ان کی تہذیب وتمدن پر حملہ کرتی ہیں، کہیں روزہ نماز کے معاملہ میں رخنہ ڈالتی ہیں، اور کہیں ان کے قومی اجتماعی کاموں پر اعتراض کرتی ہیں۔ مسلمانوں کو قرآن حکیم بتارہا ہے:

یہ طریقہ دنیا میں پھلنے پھولنے کا نہیں ہے، خبردار! تم لوگ ایسی ناعاقبت اندیش قوم کی طرح نہ ہونا اور نہ ایسے اعمال وکردار کے مظاہرہ پر اترنا، ورنہ خود تباہ ہو جاؤ گے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اِذْ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ هٰۤؤُلَآءِ دِیْنُهُمْ ؕ وَ مَنْ یَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۴۹﴾

یاد کرو جب کہ منافقوں نے اور جن لوگوں کے دلوں میں مرض ہے، انھوں نے کہا کہ ان مسلمانوں کو ان کے دین نے دھوکہ میں رکھا ہے، اور جو شخص اللہ پر توکل کرتا ہے، تو اللہ

عزیز وحکیم ہے۔(پ ۱۰ ع ۳ سورۂ انفال: ۴۹)

مذہب ایک دھوکہ ہے، مذہب ایک افیون ہے، جسے انسانوں کو پلایا گیا ہے، اور مذہب ایک فریب کے سوا کچھ بھی نہیں ہے، یہ سب لغو اور بیہودہ باتیں، جو آج کل ادھر اُدھر سے سنائی دیتی ہیں، یہ باتیں کچھ آج ہی کے شریر ذہنوں اور مجرم دلوں کی پیداوار نہیں ہے، بل کہ پہلے بھی اس قسم کی بولی بولنے والے موجود تھے، جو خاص طور سے مسلمانوں کو سنایا کرتے تھے کہ ان کو ان کے دین ومذہب نے دھوکہ میں رکھا ہے، یہ لوگ فریب میں مبتلا ہیں، اور سمجھ بوجھ سے خالی ہیں۔

چنان چہ عہدِ رسالت کے منافقین اسی قسم کی باتیں کیا کرتے تھے، اور سامنے تو نہیں مگر آڑ میں اسلام اور مسلمانوں کے متعلق اسی قسم کی رائے ظاہر کرتے تھے، مسلمانوں کو ہدایت کی جارہی ہے کہ وہ ان باتوں پر دھیان نہ دیں، بل کہ نہایت اخلاص کے ساتھ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ پر بھروسہ رکھیں، اللہ سب پر غالب ہے، اور اس کی حکمت سب سے اونچی ہے، جو لوگ اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں یہ باتیں کرتے ہیں وہ خود دھوکہ میں مبتلا ہیں۔

اسلام ایک حقیقت ہے، دھوکہ نہیں ہے، جس کے عقائد واعمال نہایت واضح اور روشن ہیں، اور مسلمان اپنے رب کی طرف سے بصیرت پر ہیں، ان کو دلجمعی کے ساتھ اسلام پر پوری طرح جم کر دینی زندگی بسر کرنی چاہیے، تا کہ منافقین اور کافروں کی ہفوات کا خود پردہ چاک ہوجائے، اور وہ ایمان وعمل کی محرومی سے خود فریب خوردہ بن جائیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِيْنُهُمْ ؕ وَ مَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۴۹

اور جس وقت کہ منافق لوگ اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے، کہتے ہیں کہ

ان سب کو ان کے دین نے دھوکہ میں ڈال رکھا ہے، اور جو شخص اللہ پر توکل کرتا ہے، تو اللہ عزیز اور حکیم ہے۔ (پ ۱۰ ع ۳ سورۂ انفال: ۴۹)

دین و مذہب کیا ہے؟ چند ایسی سچائیوں اور حقیقتوں کے مجموعہ کا نام ہے جن پر چلنے سے انسان صاف ستھری اور بے غبار زندگی سے ہمکنار ہوتا ہے، اور ان تمام رذائل و معائب سے دور ہو جاتا ہے جو انسانی زندگی کے لیے عار اور اس کی گراوٹ کا باعث ہیں، ان ہی چند اصولوں پر سختی سے عمل کرنے کے نتیجہ میں دینی زندگی کا ظہور ہوتا ہے، اور انسان دین و دیانت کا پابند ہوتا ہے۔

پس ان اچھائیوں کو اپنانا اور برائیوں سے دور بھاگنا بے وقوفی نہیں ہے، بل کہ عین عقل مندی اور دور اندیشی ہے، یہ وجہ ہے کہ جو لوگ عقل اور ہوش سے حصہ پاتے ہیں، استعداد و قابلیت سے بہرہ مند ہوتے ہیں، وہ ہمیشہ پاک اصولوں پر چلتے ہیں، اور اپنی زندگی کو بہتر سے بہتر بناتے ہیں، مگر ہوش مندوں اور دور اندیشوں کے علاوہ کچھ ایسے عقل کے پورے اور گانٹھ کے پکے بھی ہوتے ہیں جو ان معیاری انسان کو بے وقوف اور گرفتار بلا سمجھتے ہیں، اور اپنی بے مہار زندگی کی شرمناک گھڑیوں کو نہایت تابناک اور نہایت شاندار اور نہایت کام یاب سمجھتے ہیں، ایسے کم عقل اور چھوٹے دماغ کے لوگ عموماً شعور و خرد کی نعمت سے محروم ہوتے ہیں، اور ان کی اندھی استعداد و صلاحیت کی کوئی مقدار نہیں ہوتی ہے۔

ایسے لوگ منافق اور مریضانِ قلب ہوتے ہیں، مگر صحت مند زندگی رکھنے والوں کو مریض اور اپنے کو صحت مند سمجھ کر علاج نہیں کرتے، بل کہ ہمیشہ کم نصیبی اور محرومی کے مرض میں مبتلا رہتے ہیں، ایسے بیمارانِ قلب و شعور کی باتوں پر دھیان نہیں دینا چاہیے، بل کہ ان کے شور و غوغا سے لاپرواہ ہو کر اپنی ذمہ دارانہ زندگی پر قائم رہنا چاہیے، اور ایسے شریروں کے شر سے بچنے کے لیے ہمیشہ خدا پر نظر رکھنی چاہیے، اربابِ خیر جب توکل علی اللہ کی پناہ میں

آجاتے ہیں، تو اربابِ شران کا کچھ بگاڑنہیں سکتے، پہلے بھی نہیں بگاڑا ہے، اور آئندہ بھی نہیں بگاڑ سکتے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَ اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۳﴾

یہ اس لیے کہ اللہ نہیں ہے بدلنے والا کسی ایسی نعمت کو جسے اس نے کسی قوم کو دیا ہے، جب تک کہ وہ خود اپنے کو نہ بدل ڈالیں۔ (پ ۹ ع ۳ سورۂ انفال: ۵۳)

اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہے، وہ کریم و جواد ہے، اس کی ربوبیت و رحمت عام ہے، اس کے خزانے میں نہ رحم و کرم کمی کی ہے، نہ رحمت و رافت کی قلت ہے کہ کسی قوم یا فرد پر رحم و کرم کر کے پھر واپس کرلے، اور بندوں کو نواز کر بعد میں محروم کر دے۔

اللہ تعالیٰ کے بے پایاں خزانے میں کسی چیز کی کمی نہیں ہے، اس کے نظام میں کسی قسم کا بخل نہیں ہے، اور اس کی شانِ الوہیت میں ذرہ برابر تنگی نہیں ہے، اللہ تعالیٰ انسانوں کو بے پایاں رحمت دیتا ہے، بے حساب فارغ البالی دیتا ہے، اور بے انتہا خوش بختی و خوش قسمتی دیتا ہے۔

اور اس کی شان ربوبیت نہیں چاہتی کہ ہماری مخلوق سکون و اطمینان کی جنت سے روک دی جائے، اور تنگی و مجبوری کے شکنجے میں کس دی جائے، مگر جب خوش حال لوگوں کی چال ڈھال بدل جاتی ہے، اور اللہ تعالیٰ کی بخششوں اور اس کی نوازشوں میں پڑ کر ان کو عدوان و شرارت کو سوجھنے لگتی ہے تو پھر اللہ کی طرف سے آئی ہوئی خوشحالی و خوش بختی واپس ہو جاتی ہے اور نحوست و نکبت کی گھڑیاں اپنا کام شروع کرتی ہیں۔

یہ حال تم کو آج بھی نظر آسکتا ہے، ذرا نظر اٹھا کر اپنے دور کے لوگوں کو دیکھو کہ:

کھانے، پینے، رہنے اور زندگی کو بہتر سے بہتر گزارنے کے سامان کس قدر فراہم ہیں مگر انسان مجموعی حیثیت سے ان بے شمار نعمتوں پر صبر وشکر کر کے اللہ کا مطیع ہوتا ہے یا "ھل من مزید" کا نعرہ بلند کر کے رات دن کفرانِ نعمت اور عدوان وشرارت میں مبتلا رہتا ہے، پھر تم ہی بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اس دور کے انسانوں پر کیوں سایہ کیے رہیں، اور نظام قدرت میں ان کے لیے چھوٹ کیوں رکھی جائے؟

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ اِنۡ جَنَحُوۡا لِلسَّلۡمِ فَاجۡنَحۡ لَهَا وَ تَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ ﴿۶۱﴾ وَ اِنۡ يُّرِيۡدُوۡۤا اَنۡ يَّخۡدَعُوۡكَ فَاِنَّ حَسۡبَكَ اللّٰهُ ؕ هُوَ الَّذِىۡۤ اَيَّدَكَ بِنَصۡرِهٖ وَ بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۙ﴿۶۲﴾

اگر دشمن صلح کے لیے جھکیں تو اے رسول! آپ بھی اس کے لیے جھک جائیے، اللہ پر توکل کیجئے، وہی سمیع وعلیم ہے، اور اگر وہ (اس صلح سے) آپ کو دھوکہ دینا چاہیں گے تو آپ کے لیے اللہ کافی ہے، جس نے آپ کی تائید اپنی نصرت اور مومنین کے ذریعہ کی ہے۔

(پ ۱۰ ع ۴ سورۂ انفال: ۶۱، ۶۲)

مسلمان کا کام ہے نظام عالم کو برقرار رکھنا، اس کی برقراری کے لیے ہر امکانی کوشش کرنا اور ہر کوشش کو آخر تک نباہنے کے لیے عزت وذلت سے بالاتر ہو کر کام کرنا، امن وسلامتی کو آواز دینے کے لیے اگر دشمن امن طاقتوں سے مقابلہ کی باری آجائے، تو اس کا مقابلہ کرنا ہر مسلم ومومن کا فرض ہے، اور اس کی مقابلہ میں مخالف گروہ اگر صلح وامان کے نام پر میل ملاپ کے لیے جھکے، باہمی اعتماد وتعاون کے لیے بڑھے تو مسلمانوں کا فرض ہے کہ امن وصلح اور سلام وآشتی کے چہرے کو دیکھتے ہوئے اپنے دشمنوں سے صلح ومصالحت کا معاملہ کرلیں، کیوں کہ وہ مسلمان ہیں، اور ان کو ہر قیمت پر امن وسلام کی تلاش ہے مگر یہ صلح ومصالحت صرف اسلام

اور خدا پرستی کے نقطۂ نظر سے ہوگی، اپنی فوج، اپنی طاقت اور اپنے سامان حرب پر اعتماد کر کے یہ صلح نہیں ہوگی، بل کہ آپس میں اعتماد صرف ایک خدا پر ہی ہوگا۔ اسی ایک کے بھروسے پر جنگ و صلح کا سارا کام کرنا ہوگا، مسلمان کے نزدیک سب سے بڑی طاقت توکل علی اللہ ہے، اس مصالحت کے بعد جس میں توکل صرف اللہ پر ہو۔ اگر کفار و مشرکین مسلمانوں کو زیر کرنے کی تدبیر کریں اور صلح کو فریب کا آلہ بنانا چاہیں گے تو پھر خدا کی بلا آواز والی لاٹھی کام کرے گی۔ اور اس کی مدد سے مخالف اسلام گروہ اور اس کی ساری مکاری دھری کی دھری رہ جائے گی، کیوں کہ ایسے نازک موقعوں پر خدا نے ہمیشہ اپنی ان دیکھی طاقت سے، اور مسلمان فوج سے اسلام کی امداد فرما کر کفر و شرک کے پرخچے اڑا دئے ہیں۔

غور فرمایئے! جنگ ہو یا صلح، مسلمانوں کی سب سے بڑی دولت توکل علی اللہ ہے، اگر توکل ہے تو پھر جو چاہو کرو، دشمن سے جیسے چاہو پیش آؤ، خدا ساتھ ہے، اور اگر یہ چیز نہیں ہے تو پھر کوئی تدبیر نہ چل سکے گی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ اَلَّفَ بَیۡنَ قُلُوۡبِهِمۡ ؕ لَوۡ اَنۡفَقۡتَ مَا فِی الۡاَرۡضِ جَمِیۡعًا مَّاۤ اَلَّفۡتَ بَیۡنَ قُلُوۡبِهِمۡ وَ لٰکِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَیۡنَهُمۡ ؕ اِنَّهٗ عَزِیۡزٌ حَکِیۡمٌ ﴿۶۳﴾

اور اللہ نے الفت ڈال دی ان کے دلوں کے مابین اگر آپ خرچ کر دیتے جو کچھ زمین میں ہے سارا، تب بھی ان کے دلوں کے درمیان الفت نہیں ڈال سکتے تھے، مگر اللہ نے الفت ڈال دی ان میں، بے شک وہ زور آور حکمت والا ہے۔ (پ۱۰ ع ۴ سورۂ انفال: ۶۳)

دلوں میں یکسانیت اور ہم آہنگی پیدا کر کے ان میں رحمت و رافت اور محبت و الفت کا بیج ڈال دینا صرف اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی حکمت کاملہ کا نمونہ ہے اور یہ کام مصلحوں کی اصلاح، مبلغوں کی تبلیغ اور مفکروں کی قوت فکر و نظر کے بس میں نہیں ہے، حتیٰ کہ حضرات انبیاء

علیہم السلام بھی دنیا کو امن ومحبت اور مساوات والفت کی تعلیم دیتے رہے اور دنیا والے آپس میں لڑتے رہتے، یہ صرف خدائی عطیہ اور اسی کا کرم ہے کہ وہ دلوں میں محبت ڈال دے اور وہ آدمی بڑا خوش نصیب ہے، جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اتنا بڑا عظیم الشان کام لے لے۔

ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس لحاظ سے بھی دنیا کے سب سے بڑے انسان ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سب سے بڑے رسول ہیں کہ آپ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ان گنت دلوں کو ایک کردیا ہے، اور انسانی برادری میں باہمی اعتماد ومحبت، امن وسلام اور الفت ورافت کی دنیا برپا کردی ہے جس کی وجہ سے انسانیت جاگ اٹھی، اور اللہ کی زمین امن ومحبت کا گہوارہ بن گئی۔

مسلمان قوم اپنے رسول کی اس نعمت وکرامت پر کتنا فخر کرے کم ہے، اور وہ اس دنیا میں اس رشتہ سے الفت ومحبت کی سب سے بڑی مبلغ وداعی ہے اور خود محبت والفت کی شاہراہ پر چل کر دنیا کو اس کی طرف بلانے والی ہے۔

مگر دیکھو کہ یہ قوم آج کسی طرح آپس میں بغض ونفاق وحسد وکینہ اور غم وغصہ میں مبتلا ہے، اور اس کے گھرانوں اور خاندانوں سے لے کر قریوں اور شہروں تک میں کیسی قیامت برپا ہے۔ یہ صورت حال بہت ہی حیرت ناک اور سبق آموز ہے، کاش ذمہ داروں کی آنکھ کھلے اور وہ اپنی قیمت محسوس کریں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَیْنَهُمْ ؕ اِنَّهٗ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۶۳﴾

اگر آپ جو کچھ زمین میں ہے، سب خرچ کر دیتے، تب بھی ان کے دلوں میں الفت نہیں ڈال سکتے تھے، لیکن اللہ نے ان میں الفت ڈال دی ہے۔

(پ ۱۰ ع ۴ سورۂ انفال: ۶۳)

دنیا میں انسانوں کے مابین الفت ومحبت کا ہونا اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے اور یہ اس کا خاص فضل ہے کہ انسانی آبادی میں باہمی صلح ومحبت اور امن والفت ہو، اور تمام انسان ایک دوسرے کے دکھ درد کو سمجھیں اور ایک دوسرے کے کام آئیں، یہ کام کس قدر عظیم الشان ہے کہ انسانی طاقت اس کے پورا کرنے سے عاجز ہے اور جب تک اللہ کے قانون کی توجہ نہ ہو یہ کام نہیں ہوسکتا۔ یہ کام اس طرح نہیں ہوتا کہ آپس میں بدامنی اور فساد کی تخم ریزی کی جائے، ملکوں میں منافرت پھیلائی جائے، انسانی تباہی کے لیے سامان تیار کیا جائے اور اپنے کو داعیٔ امن، پیامبرِ صلح وسلامتی ثابت کرنے کے لیے کسی وقت اچھی خاصی لفاظی کر دی جائے، یہ اسی وقت ہوسکتا ہے جب کہ اللہ کے بتائے ہوئے نظام امن پر چلا جائے اور اس کی توفیق کو اپنی طرف متوجہ کیا جائے۔

یہی وجہ ہے کہ آج شرارت وفساد کے دیوتا امن والفت کی کوشش میں سخت ناکام ہیں اور وہ جس قدر امن پرور تقریر کرتے ہیں، اسی قدر انسان کی بدکاری سے دنیا میں باہمی دشمنی، عداوت اور نفرت بڑھتی جارہی ہے، اسے امن کے طلب گارو! اللہ کے نظامِ امن و الفت پر عمل کر کے خدا سے امن کی التجا کرو، اور دنیا میں انسان کو پھلنے پھولنے دو۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۴﴾

اے نبی! اللہ تیرے لیے کافی ہے، اور وہ مومن جنہوں نے تیری اطاعت کی۔

(پ ۱۰ ع ۴ سورۂ انفال: ۶۴)

یہ دنیا عالم اسباب ہے، یہاں ظاہری حالات کے لیے ظاہری اسباب ووجوہ درکار ہیں، تکوینی معاملات کا سلسلہ ایک دوسرے سے جڑا ہوا ہے اور جب تک اس بات کی فراہمی نہیں ہوتی، کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوتا، جہاں تک باطنی سبب کا تعلق ہے، خدائے وحدہ لاشریک

کی ذات مسبب الاسباب ہے، دنیائے ظاہر میں جو کچھ نمودار ہوتا ہے، اس کی طرف سے ہوتا ہے۔ ایک پتہ بھی اس کی مرضی اور علم کے بغیر نہیں ہل سکتا، دنیا میں سبب و مسبب کی تمام تر ہنگامہ آرائی اسی ذات باری تعالیٰ کا کرشمہ ہے، توانائی وقوت اور ضعف و کمزوری کے مظاہر اسی کی قدرت کے چشم و ابرو کے کرشمے ہیں۔

اگر غور کرو تو معلوم ہوگا کہ اس دنیا میں کامیاب و کامران زندہ رہنے کے لیے ظاہری اسباب اور باطنی قوت دونوں سے تعلق ضروری ہے یعنی اس خدا کی قدرت و طاقت پر ایمان و اعتماد رکھنا جس نے ظاہری اسباب وعلل پیدا کیے اور پھر اس کے بعد ان اَسباب وعلل سے تعلق رکھنا جو دنیا میں نمودار ہوتے رہتے ہیں، ان دونوں چیزوں سے تعلق رکھنا اصل زندگی ہے اور ان دونوں میں اصل خدا کی ذات ہے، یہاں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کو خطاب کر کے مسلمانوں کو بتایا جارہا ہے کہ ان دونوں اسباب سے لگے رہو، جب تک عقیدہ و عزیمت کا تعلق ہے صرف ایک خدا پر نظر رکھو، اس کی فعالیت کا اقرار کرو، اور موثر حقیقی اسی کو سمجھو، پھر اس کے بعد ان اسباب پر بھروسہ کرو جو تمہارے اردگرد ہیں، ان پر اعتماد کرو جو تمہاری راہ پر چلتے ہیں اور تمہاری دعوت پر لبیک کہہ کر تمہارے نظامِ زندگی کے ماتحت زندگی گزارتے ہیں۔

اپنوں پر اعتماد کرنا، اپنوں کی تنظیم کرنا اور اپنوں کو کامیابی کا سبب گردانناعالم اسباب میں اہم ترین چیز ہے، جس طرح باطنی اسباب میں خدا پر اعتماد اصل الاصول ہے، اسی طرح ظاہری اسباب میں اپنی جماعت کے مخلصین پر اعتماد کرنا اصل الاصول ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ؕ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۶۵﴾

اے نبی! مومنوں کولڑائی کا شوق دلائیے، اگر تم میں سے بیس آدمی صابر ہوں تو غالب ہوں دوسو پر، اور اگر تم میں سے ایک سو ہوں تو غالب ہوں ہزار کافروں پر اس لیے کہ وہ لوگ سمجھتے نہیں ہیں۔ (پ۱۰ ع۵ سورۂ انفال:۶۵)

حق وصداقت کی اشاعت اور دین وایمان کی تبلیغ کے لیے مصائب وآلام کا مردانہ وار مقابلہ کرنا ہراس انسان کے لیے ضروری ہے جو اپنے کو حق پرست اور حق شناس کہتا ہے، اور دنیا میں حقانیت کا سر سربلند کرنا چاہتا ہے، اس کام کو اللہ تعالیٰ نے آخر دور میں مسلم قوم کے سپرد کیا اور کہا کہ اس امانت کی ادائیگی اور اس چیز کی حفاظت کے لیے وہ اپنی زندگی کی آخری متاع تک قربان کردینے میں دریغ نہ کریں۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا جارہا ہے کہ اے نبی! مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ شوق دلائیے کہ وہ حق کی حمایت میں اپنی زندگی کی آخری متاع پیش کرنے میں دریغ نہ کریں، اگر اس یقین وعقیدہ کے ساتھ دین ودیانت کی اشاعت وتبلیغ کے لیے اٹھ کھڑے ہوں گے تو ان کے عزم وثبات کی قوت دنیا کی ہر باطل طاقت پر بھاری ہوگی، اور اس کی بڑی سے بڑی حمایتی جماعت حق پرستوں کے مقابلہ میں ذلیل وخوار ہوگی۔

اس سلسلہ میں ایک موٹی بات مسلمانوں کو سمجھ لینا چاہیے کہ اگر یہ لوگ جم کر اللہ پر یقین اور اعتماد کرکے اسلام کی راہ میں کام کریں تو کفار ومشرکین کے قدم ہر جگہ اور ہر محاذ سے اکھڑ سکتے ہیں اور ایک مسلمان کم از کم دس کافر پر بھاری ہوسکتا ہے، اور مسلمانوں کے مقابلہ میں کفار ومشرکین کی شکست کی وجہ مادی طاقت وقوت نہیں ہے، بل کہ توحید وخدا پرستی کا وہ شعور ہے جو مسلمانوں کو حاصل ہے اور جن کی طاقت کے سامنے دنیا کی ہر طاقت سپر انداز ہے، اور کفار ومشرکین اس چیز سے سراسر محروم ہیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اَلْئٰنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ؕ

اس وقت اللہ نے تم سے بوجھ ہلکا کرایا اور جان لیا کہ تمہارے اندر سستی اور کمزوری ہے۔(پ ۱۰ ع ۵ سورۂ انفال:۶۶)

یہاں پر جہاد فی سبیل اللہ کا بیان چل رہا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اللہ تعالیٰ فرمار ہا ہے کہ آپ مومنوں کو جہاد فی سبیل اللہ پر ابھاریے اور ان کو اللہ کی راہ میں جان دینے کے لیے تیار کیجئے، ہم ان کی ہر طرح مدد کریں گے۔

کفار کے مقابلہ میں مسلمانوں کی قلیل جماعت اللہ کی مدد ونصرت سے مظفر ومنصور ہوگی اور کفار مغلوب ومقہور ہوں گے، اس طرح اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی بے سروسامانی اور نہتے کو اپنی رحمت سے نوازے گا، اور اپنی طرف سے غیبی مدد دے کر ان کا بوجھ ہلکا فرمائے گا، کیوں کہ اللہ تعالے کو مومنوں کی بے سروسامانی کا حال معلوم ہے، وہ خوب سمجھتا ہے کہ ان کے پاس ایمان، اخلاص، اطاعت، حبِ خدا ورسول اور دین کے لیے جان دینے کی نیک آرزو ضرور ہے، مگر دنیا میں دشمنوں سے مقابلہ کرنے کے لیے جو سامان واسباب ہوتے ہیں ان سے مسلمان خالی ہیں، اور ظاہر فتح وظفر کے لیے جن ظاہری اسباب کی ضرورت ہے وہ مسلمانوں میں نہیں ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی غیبی مدد فرمائے گا۔ اور ان کو اس بے ساز وسامانی کے باوجود کفار دمشرکین پر غلبہ دے گا۔

اگر مسلمان قوم توحید درسالت کو پورے طور پر اپنائے ہوئے دین کے لیے ہر وقت اپنے آپ کو پیش کیے ہوئے ہے تو وہ اللہ کی نصرت ومدد کی مستحق ہے اور اس کی بے سروسامانی اس استحقاق کو اور زیادہ مضبوط کر دیتی ہے مگر شرط یہی ہے کہ اپنے پاس ایمان کی دولت ہو اور اس میں کسی قسم کی کمی یا نقصان نہ ہو۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ اِنۡ یُّرِیۡدُوۡا خِیَانَتَکَ فَقَدۡ خَانُوا اللّٰہَ مِنۡ قَبۡلُ فَاَمۡکَنَ مِنۡھُمۡ ؕ وَ اللّٰہُ عَلِیۡمٌ حَکِیۡمٌ ﴿۷۱﴾

اگر (یہ کفار ومشرکین) تمہارے ساتھ خیانت کا ارادہ کرتے ہیں تو انہوں نے تو اس سے پہلے اللہ سے خیانت کی ہے، پس اللہ نے ان کو اپنے قابو میں کرلیا ہے، اور اللہ علیم و حکیم ہے۔ (پ۱۰ ع۶ سورۂ انفال:۷۱)

مسلمان دنیا میں اگر واقعی مسلمان بن کے رہتا ہے تو دنیا کے لیے ایک مقدس امانت ہے، جس کی نگہداشت دنیا کے ذمہ فرض ہے، غور کرو اگر کوئی جماعت بستی میں امن عامہ کی ذمہ دار ہو، اور نیکی کے پھیلانے اور برائی کے ختم کرنے کی ذمہ دار ہو، اور اپنے وجود سے دنیا کو سراسر بھلائی پہونچانے کی ذمہ دار ہو تو کیا دنیا کے لیے یہ امانت نہیں ہے؟ کیا اس مقدس جماعت کی حفاظت دنیا کے ذمہ فرض نہیں ہے؟ اور کیا دنیا اس کے ساتھ بدسلوکی کا برتاؤ کر کے انسانیت کی عدالت میں خائن نہ گردانی جائے گی؟ یقیناً ایسا ماحول جو اپنے امن و امان اور صلح وسلامتی کے مشن کو نقصان پہونچائے، وہ دنیا اور قانون قدرت کی نظر میں خائن اور اور مجرم ہے۔

اگر آج مسلمان اسی مرکز پر جم کر کام کر رہے ہیں جسے اسلام نے ان کے لیے مقرر کیا ہے اور پھر دنیا کی ناپاک طاقتیں ان کی بربادی کے درپے ہیں تو یہ ان کا جرم ہے جسے قرآن خیانت سے تعبیر فرماتا ہے، اور مسلمانوں کو تسلی دیتا ہے کہ تم آزردہ خاطر نہ ہو، شریر قوتوں نے خدا کی مقدس ذات کے ساتھ خیانت کا معاملہ کیا ہے، اگر تمہارے ساتھ ان کا یہ رویہ ہے تو کیا بڑی بات ہے، اطمینان رکھو کہ ان خائنوں کو خدا نے ہمیشہ اپنے قبضۂ قدرت میں رکھ کر پوری سزا دی ہے۔

اگر تم لوگ واقعی اسلام کے تقاضوں کو پورا کر کے مقدس امانت کا مقام رکھتے ہو،

اور پھر کفار ومشرکین تمھارے پیچھے پڑے ہیں تو خدا حکیم ہے، علیم ہے، اس کے علم وحکمت سے یہ بچ کر نہیں بھاگ سکتے۔

آج مسلمان اپنے کو دیکھیں کہ وہ دنیا کے لیے مقدس امانت ہیں یا اپنی بدعملی سے یہ مقام کھو چکے ہیں، اگر ہیں تو ان کے خلاف طاقتیں قدرت کی زد سے نہیں بچ سکتیں، اور ایسا نہیں ہے تو پھر یہ کفر وشرک کی چوطرفہ یلغار ان کی بداعمالی کی سزا ہے جو قانون مجازات کی وجہ سے برحق ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ؕ

جو لوگ بعد میں ایمان لائے، اور انھوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی، اور تم لوگوں کی معیت میں جہاد کیا، تو یہ لوگ تم لوگوں میں سے ہیں۔ (پ ۱۰ ع ۱۶ سورۂ انفال: ۷۵)

اللہ کی دعوت پر لبیک کہنا اور اس پر خود عمل کر کے اس کی طرف لانے کے لیے جدو جہد کرنا اور اپنے جان ومال گھر بار سے اس پر قربان ہو کر اپنا سب کچھ لٹا دینا اتنا عظیم الشان کردار ہے کہ اس کے تقدیم وتاخیر اور آگے پیچھے کا جھگڑا ختم ہو جاتا ہے، اور اس عظیم الشان کردار کا یہ حامل صف اول کے ان حقانیت پسندوں اور حق وصداقت کے علم برداروں میں ہو جاتے ہیں، جن کے لیے خداوندی رضوان وبرکات عام ہیں، جو دونوں جہان میں اللہ کے پیارے ہوتے ہیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا وَّ لَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝

مگر مشرکوں میں سے جو تم لوگوں سے معاہدہ کر لیں، پھر جب تک وہ تمھارے

ساتھ کوئی بھی کمی نہ کریں اور تم میں سے کسی پر حملہ نہ کریں تو ان کے ساتھ پوری مدت تک معاہدہ پورا کرو، بے شک اللہ متقیوں کو پسند کرتا ہے۔(پ ۱۰، ع ۷ سورۂ توبہ: ۴)

اسلام امن وصلح کا داعی ہے، وہ خدا کی زمین پر خدا کے بندوں میں یکسانیت، یک جہتی اور مساوات پیدا کر کے خیالات و اعمال، کردار و یقین، اور قول و فعل میں سب کو ہمرنگ بنانا چاہتا ہے۔

اس لیے وہ ہر ممکن کوشش کرتا ہے کہ دنیا میں کسی طرح پر بدامنی وفساد نہ ہو، نظریات وخیالات متضاد نہ ہوں، ذہن وفکر مختلف نہ ہوں اور فعل وکردار جدا جدا نہ ہوں، بل کہ دنیا میں لوگ زیادہ سے زیادہ اچھے خیالات اور اچھے اعمال کے حامل ہوں، سب کا ذہن صاف ہو، سب کا عمل صاف ستھرا ہو، اور سب دل ودماغ کے اعتبار سے پاکیزہ ہوں۔

اسلام اپنے اس مقصد کے لیے زیادہ سے زیادہ کام کرتا ہے، غیروں کو دعوت دیتا ہے، اپنوں سے عمل کا مطالبہ کرتا ہے، اور جو طاقتیں اس کی اس عالمگیر سچائی اور افادیت کی راہ میں حائل ہوتی ہیں وہ ان سے ٹکر لیتا ہے اور نبرد آزمائی کے لیے تیار رہتا ہے۔ مگر اس حال میں بھی وہ اپنے بنیادی اصولوں سے ذرہ برابر نہیں ہٹتا اور نیکی کو عالمگیر بنانے کے لیے کسی برائی کو ہاتھ نہیں لگاتا، اوپر کی آیتوں میں اسی بات کو بیان کیا جا رہا ہے اور ایک عام بات کو خاص انداز میں سمجھایا جا رہا ہے۔

عین جنگ کے موقعہ پر جب کہ کفر و اسلام کا میدانِ جنگ برپا ہو، اس عہد و پیمان کا پورا پورا خیال رکھنا چاہئے، اور اپنی جانب سے ذرہ برابر بدعہدی نہ کرنی چاہیے، اور کافر سے اگر کسی بات پر معاہدہ ہو جائے تو جب تک وہ اسے نباہیں اور شرارت نہ کریں، مسلمان اپنے عہد و پیمان کے احترام میں مقید ہیں، ان کو حق نہیں کہ کسی شرط کی خلاف ورزی کریں اور معاہدہ کو ختم کر دیں، پہلے سے جو معاملہ چاہیں طے کر لیں، مگر معاہدہ ہو گیا تو پھر جب تک

اغیار کی طرف سے خلاف ورزی نہ ہو مسلمان اسے پورے احترام کے ساتھ پورا کریں۔

غور کرو! جب جنگ کی حالت میں حربی کافروں سے عہد کر کے اس کے برقرار رکھنے کی تاکید ہے تو پھر امن کی حالت میں اپنوں سے عہد و پیمان کی برقراری کس قدر ضروری ہوگی، پھر دیکھو کہ مسلمان آج کل وعدہ خلافی، بدعہدی اور جھوٹ بولنے میں کس قدر آگے ہیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَ تَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ

وہ تم کو راضی کرتے ہیں اپنے منہ سے اور ان کے دل انکار کرتے ہیں۔

(پ ۱۰ ع ۸ سورۂ توبہ: ۸)

یہاں پر کفار و مشرکین کی ان خصلتوں اور عادتوں کو بیان کیا جا رہا ہے جو مسلمانوں کے مقابلہ میں ان کی کافرانہ زندگی کا جز بن چکی ہیں، اور جن کو وہ ہمیشہ ظاہر کرتے رہتے ہیں، فرمایا جا رہا ہے کہ اگر کافروں اور مشرکوں کو مسلمانوں پر غلبہ حاصل ہو جائے اور ان کی غالبیت عام ہو جائے تو وہ مسلمانوں کے بارے میں کسی قسم کے قول و قرار کا لحاظ نہیں رکھیں گے، اور تمام معاہدوں اور درمیانی باتوں کو بالائے طاق رکھ کر مسلمانوں کے ساتھ نہایت بری طرح پیش آئیں گے۔

مسلمانوں سے فرمایا جا رہا ہے کہ کفار و مشرکین کفر و شرک کے دائرہ میں رہ کر کبھی مسلمانوں کی خیر خواہی نہیں کر سکتے اور ان کو راضی اور خوش کرنے کے لیے کبھی سچے دل سے کوئی بات نہیں کہہ سکتے، بل کہ ضرورت اور وقت کے تقاضے پر زبانی باتیں خوب کریں گے اور مسلمانوں کو خوش کرنے کے لیے خوش کن رویہ اختیار کریں گے مگر ان کے دل کبھی ان کی زبان کا ساتھ نہ دیں گے، چہ جائیکہ وہ مسلمانوں کا ساتھ دے سکیں، ان کی دوہری پالیس سے مسلمان ہوشیار رہیں اور مومن کی سادگی کہیں کافر کے فریب کا شکار نہ ہو جائے۔

لہٰذا مسلمانوں کو ہر وقت چوکنا رہنا چاہیے، اور کافروں کی چکنی چپڑی باتوں میں نہیں آنا چاہیے، بل کہ فراستِ مومن سے کام لیتے ہوئے اس قسم کی چالوں اور سبز باغوں سے خبردار رہ کر زندگی بسر کرنی چاہیے، نیکوں کے ساتھ نیک بننا تو اچھا اور بہت اچھا ہے مگر بروں کے ساتھ نیک بننا اپنی بے وقوفی کا مظاہرہ کرنا ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

فَاِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ؕ وَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۱۱﴾

پس اگر وہ لوگ توبہ کرلیں اور نماز کو قائم کریں اور زکوۃ ادا کریں تو وہ دین میں تمہارے بھائی ہیں۔ (پ۱۰ ع۸ سورۂ توبہ:۱۱)

اوپر ان کفار ومشرکین کا ذکر ہو رہا تھا جو مسلمانوں کے خون کے پیاسے رہا کرتے تھے اور کسی قیمت پر اپنی اسلام دشمنی سے باز آنے کے لیے تیار نہ تھے، قرآن کہتا ہے:

وہ لاکھ ظالم سہی، ان کی جفا کاریوں کی فہرست لمبی چوڑی سہی، ان کے عقائد واعمال کی گندگی کی زیادتی سہی، لیکن اگر وہ ان حرکتوں سے توبہ کر کے صحیح طور سے مسلمان ہو جائیں اور اسلام کے ظاہری احکام پر پورے طور سے کاربند ہو جائیں تو پھر ان سے مسلمانوں کو کچھ تعرض نہیں کرنا چاہیے اور ان کو اپنا دینی بھائی سمجھ کر ان کے ساتھ وہی معاملہ اور برتاؤ کرنا چاہئے جو ایک دینی بھائی کے لیے مناسب ہے اور شریعت نے جس کا حکم دیا ہے۔

قرآن کا کہنا ہے کہ اسلام میں داخل ہونے سے انسان اللہ کی ان حدود میں داخل ہو جاتا ہے جہاں اسے ہر طرح کا امن ملتا ہے اور اس کی جان ومال اور عزت وآبرو محفوظ ہوتی ہے۔

اس قرآنی تعلیم کی روشنی میں دیکھیے کہ اسلام نے امن وسلامتی کی بحالی کے لیے کیا

رویہ اختیار کیا ہے اور انسانی بستی میں بغض و دشمنی اور قتل و خون کو کس طرح سے روکا ہے؟ کیا دنیا میں کسی دوسری قوم کا یہ جگر ہے کہ وہ اپنے جانی دشمنوں اور خون کے پیاسوں کے ساتھ خلق و محبت کا یہ برتاؤ اس لیے کرے کہ وہ اپنی گذشتہ زندگی سے ہٹ کر صحیح راہ پر آ گئے ہیں؟

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳﴾

کیا تم لوگ ان سے ڈرتے ہو؟ پس اللہ کا ڈر تم کو زیادہ چاہیے اگر تم مومن ہو۔

(پ ۱۰ ع ۸ سورۂ توبہ: ۱۳)

جو لوگ ایک خدا پر ایمان رکھتے ہیں اور اسی کو سب کچھ جانتے ہیں، ان کا ایمان ہے کہ نفع و نقصان کا وہی مالک ہے اور اس کی مرضی کے بغیر کوئی شخص نہ نقصان پہونچا سکتا ہے، نہ فائدہ کر سکتا ہے۔

یہ لوگ دنیا میں کسی بھی دوسری طاقت سے ہرگز نہیں ڈر سکتے۔ نہ ان کو کفار کی جمعیت ڈرا سکتی ہے، نہ حکومت کی طاقت زیر کر سکتی ہے۔ نہ اثر و رسوخ کی زیر باری مجبور کر سکتی ہے، نہ دھمکی اور گھڑکی سے وہ مرعوب ہو سکتے ہیں، کیوں کہ انھوں نے ایک خدا پر ایمان لا کر دنیا بھر کے خداؤں کو اپنے دل سے اتار دیا ہے اور کسی کی ان کے دل میں قدر و قیمت نہیں رہ گئی ہے۔

البتہ جن کے دل بیمار ہیں اور ان میں خدا کی یاد کے ساتھ ساتھ دوسروں کی یاد بھی ہوتی ہے، وہ ہر وقت ہراساں رہتے ہیں اور ہر چھوٹی سے چھوٹی طاقت کے سامنے جھک جاتے ہیں، اور مرعوبیت کا وہ مظاہرہ پیش کرتے ہیں کہ بت پرست اپنے بتوں کے سامنے کیا اس مرعوبیت کے ساتھ ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہوگا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ انسانوں سے کیا ڈرنا ہے؟ ڈرنا ہے تو صرف خدا سے اگر دل

میں ایمان ہے اور عمل سے اسلام کا ثبوت مل رہا ہے، اور اگر ایمان و اسلام کا امتیاز حاصل نہیں ہے تو پھر تم جس جس سے ڈرنا چاہو، ڈرو۔ اور جس چیز کی پوجا کرنا چاہو، کرو۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ دنیا میں با امن اور معزز زندگی بسر کرنے کے ساتھ ساتھ صرف اللہ تعالیٰ کا خوف دل میں رکھیں اور دل میں کسی کا خوف ہرگز نہ لائیں، وہی ڈرنے کے قابل ہے اور کسی دوسرے میں اتنی صلاحیت نہیں ہے کہ ہم اس سے ڈریں اور وہ ہمارے دل ودماغ پر رات دن مسلط رہیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۚۖ وَفِى النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۷﴾

مشرکوں کا کام نہیں ہے کہ وہ آباد کریں اللہ کی مسجدوں کو اور ساتھ ہی اپنے اوپر کی گواہی دیتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں، جن کے اعمال بے فائدہ ہیں۔ (پ ۱۰ ع ۹ سورۂ توبہ: ۱۷)

مسجدیں صرف اللہ کو یاد کرنے کی جگہ ہیں، یہاں اللہ کے سوا کسی شخصیت اور کس چیز کی برتری کا تصور نہیں کیا جاسکتا ہے، اور نہ اس میں دنیاوی اغراض ومقاصد کی تکمیل کی جاسکتی ہے، پس مسجدوں میں وہ لوگ نہیں آسکتے، جو اپنے کو کفر وشرک میں ملوث رکھتے ہیں، جن کے دل میں بے شمار خداؤں کا گھر ہے، جن کی نگاہوں میں بہت سے قدرتی مناظر خدا کے مظاہر ہیں، اور جن کے خیالات میں توحید پرستی کی یکسوئی اور وحدانیت کا سکون مفقود ہے۔

لہٰذا ان سے یہ امید رکھنا کہ وہ مسجدوں کو اپنی عبادت سے آباد کریں گے، ان میں اگر خدا کو یاد کریں گے، اور ان کی رونق وزینت میں اضافہ کریں گے، سراسر فضول ہے۔

یہ عام کفار ومشرکین کے بارے میں ہے، ویسے بھی مسلمانوں میں جو لوگ توحید

پرستی میں کمزور ہوتے ہیں، اوران کے دلوں میں سوائے اللہ کا گزر ہوتا ہے، وہ بھی مسجدوں میں آکر اسے آباد نہیں کرتے ہیں، بل کہ اگر وہ کبھی مسجدوں میں نظر آتے ہیں تو اپنے دنیاوی مقصد اور ہنگامی غرض کے لیے آتے ہیں، اور جب کام نکل جاتا ہے یا نا امیدی ہوجاتی ہے تو پھر منہ نہیں دکھاتے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَى الزَّكٰوةَ وَ لَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰۤى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ۝۱۸

اللہ کی مسجدوں کو وہ شخص آباد کرتا ہے، جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے، اور نماز قائم کرتا ہے، اور زکوۃ دیتا ہے، اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا، ایسے لوگ ہدایت یاب ہوں گے۔ (پ ۱۰ ع ۹ سورۂ توبہ:۱۸)

اپنے رب کی عبدیت وبندگی انسانوں کا فریضہ ہے، اور ہر انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے پیدا کرنے والے اور روزی دینے والے مالک ومولیٰ کی بندگی اور عبادت کرے، مگر اس کے لیے انسان کو چاہیے کہ اپنی بہیمی اور حیوانی طاقتوں کو دبا کر انسانی اور ملکوتی طاقتوں کو ابھارے۔

توحیدِ الٰہی پر ایمان رکھے، اور صرف ایک خدا کو اپنا سب کچھ مان کر اس کی عبادت کرے، یوم آخرت پر ایمان لاکر بُرائی سے بچنے اور نیکی کے کرنے کی کوشش کرے، اور اپنی انسانی اور روحانی زندگی کے لیے نماز کو محور ومرکز بنائے، اور اسی کے ساتھ انسانیت کی خبر گیری اور فلاح و بہبود کے لیے اپنی کمائی سے اللہ کے نام پر خرچ کرے۔

غرض کہ صرف اللہ کو ایک مان کر دنیا بھر سے نڈر اور بے خوف ہوجائے، جب انسان میں یقین وعمل کی یہ روشنی پیدا ہوگی تو وہ رشد وہدایت کی راہ پر ہوگا، اور اللہ کی عبادت

کرے گا، اسی کی پرستش کرے گا، اور مسجدوں کو اپنی نمازوں سے آباد کرے گا، جس کے اندر ایمان ویقین اور عمل وکردار کی روح بیدار نہیں ہوگی، وہ نہ اللہ کے گھروں کی تعمیر میں کوئی حصہ لے سکتا ہے، اگر دباؤ یا اثر سے چندہ بھی دیتا ہے تو اس سے خانۂ خدا کی آبادی نہیں ہوتی، پس مسلمانوں کو اپنے عقیدہ وعمل کو درست کر کے مسجدوں کو اپنا مرکز بنانا چاہیے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰہِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ اَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَ اٰتَی الزَّکٰوۃَ وَ لَمْ یَخْشَ اِلَّا اللّٰہَ.

اللہ کی مسجدوں کی تعمیر وہ شخص کرتا ہے، جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لایا، اور نماز قائم کیا، اور زکوٰۃ کو ادا کیا، اور صرف اللہ سے ڈرا۔ (پ۱۰ع۹ سورۂ توبہ:۱۸)

مسجدیں اللہ کا گھر ہیں، یعنی ان میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی شان بے نیازی کا ظہور ہوتا ہے، اور بندے اپنے نیازمندانہ سجدوں کو ان کی جناب میں پیش کرتے ہیں، مسجدوں میں آبادی وہی لوگ کرتے ہیں، جن میں ایمان ویقین کی قدریں موجود ہوتی ہیں اور عبدیت وبندگی سے ان کی زندگی معمور ہوتی ہے۔

مساجد کی تعمیر کا کام ہو، یا اسے اپنی عبادت سے آباد رکھنے کی بات ہو، ان دونوں میں وہی لوگ کام آتے ہیں جو خدا پرست ہیں، اور یوم قیامت پر ایمان رکھتے ہیں، اور اپنے عقیدہ کا عملی ثبوت پیش کر کے نماز وزکوٰۃ کو قائم ودائم رکھتے ہیں، اور ان کی زندگی کا محور ومرکز صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہوتی ہے۔

وہ اسی سے ڈرتے ہیں، اسی سے امید کرتے ہیں، اور اسی کو سب کچھ گردانتے ہیں، بخلاف اس کے جو لوگ خدا پرستی کی نعمت سے محروم ہیں، اور ان میں خدا پرستانہ جذبہ موجود نہیں ہے، وہ مسجدوں کی تعمیر میں اینٹ پتھر سے ہو، یا رکوع وسجدہ سے ہو، دلچسپی نہیں لیتے،

اوران کواس سعادت وفلاح سے کوئی حصہ نہیں ملتا۔

خوب سمجھ لو کہ جن کا تعلق مسجدوں سے قائم ہے، وہ ایمان ویقین کی زندگی والے ہیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ ہَاجَرُوۡا وَ جٰہَدُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ بِاَمۡوَالِہِمۡ وَ اَنۡفُسِہِمۡ ۙ اَعۡظَمُ دَرَجَۃً عِنۡدَ اللّٰہِ ؕ وَ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡفَآئِزُوۡنَ ﴿۲۰﴾ یُبَشِّرُہُمۡ رَبُّہُمۡ بِرَحۡمَۃٍ مِّنۡہُ وَ رِضۡوَانٍ وَّ جَنّٰتٍ لَّہُمۡ فِیۡہَا نَعِیۡمٌ مُّقِیۡمٌ ﴿ۙ۲۱﴾

اور جولوگ ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت کی، اوراللہ کی راہ میں جہاد کیا اپنے مال اوراپنی جان سے، یہ لوگ اللہ کے نزدیک مرتبہ میں بڑے ہیں، یہی لوگ کام یاب ہیں، بشارت دیتا ہے، ان کا رب ان کو اپنی رحمت ورضوان اور جنتوں کی، ان میں ان کے لیے دائمی نعمت ہوگی۔ (پ۱۰ ع۹ سورۂ توبہ: ۲۰،۲۱)

اللہ کی راہ میں گھر بار چھوڑنا ایمان قبول کر کے اپنے کو تج دینا اور پھر اس کے بعد جان ومال سے دین کے محاذ پر جم کر غیر دینی ماحول کو دینی بنانے کی کوشش کرنا اللہ تعالیٰ کے یہاں بڑا مرتبہ رکھتا ہے، جولوگ اس طرح کی بلند وبالا زندگی بسر کرتے ہیں وہ ہر حال میں کام یاب ہوتے ہیں اور حالات کی ناگواری ان کے لیے مضر ثابت نہیں ہوتی ہے، بل کہ وہ دنیا وآخرت میں اپنے رب کی نعمتوں سے بہر ور ہوتے ہیں، رحمت ورضوان کی بارش ان کے لیے ہوتی ہے، اور وہ آخرت میں جنات وانہار کے وارث ہوں گے، اور لافانی لذتوں اوراَبدی راحتوں کی دنیا ان کے لیے ہوگی، ہم مسلمانوں کو اگر دنیا میں عزت وسکون اور آخرت میں کام یابی وکام رانی کی زندگی حاصل کرنی ہے تو اس معیار پر زندگی بسر کرنی پڑے گی، اور یہ نہیں ہوگا کہ اسلام، خدا اور رسول کا نام لیا جائے اور ساتھ ہی غیر دینی زندگی پر قناعت کی جائے، اسلام کی

باتوں کو پس پشت ڈال کر صرف دنیا پر جان دی جائے، ایسے مسلمان خدا کے نزدیک ان انعامات کے حق دار نہیں ہیں، جن کا وعدہ اللہ نے سچے پکے مسلمانوں کے لیے فرمایا ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۲۰﴾ یُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَ رِضْوَانٍ وَّ جَنّٰتٍ لَّهُمْ فِیْهَا نَعِیْمٌ مُّقِیْمٌ ﴿۲۱﴾

جنھوں نے ایمان قبول کیا، اور ہجرت کی، اور اپنے جان و مال سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا، وہ اللہ کے یہاں مرتبہ میں بڑے ہیں، اور وہ لوگ کام یاب ہیں، ان کا رب ان کو اپنی رحمت و رضا مندی کی، اور جنت کی بشارت دیتا ہے۔ (پ۱۰ ع۹ سورۂ توبہ: ۲۰، ۲۱)

صحابۂ کرام امت مسلمہ میں سب سے زیادہ بزرگ ہیں، اور ان کے مرتبہ کو کوئی دوسرا مسلمان نہیں پہونچ سکتا، چاہے کتنی ہی عبادت کرے، کیوں کہ صحابۂ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صحبت و معیت پائی ہے، یہ چیز کسی دوسرے انسان کو کسی طرح سے نہیں مل سکتی ہے، کوئی مسلمان کتنا بڑا ولی، قطب، غوث اور کچھ ہو جائے، مگر ایک صحابی کے درجہ کو نہیں پہونچ سکتا۔

البتہ صحابہ میں آپس میں مختلف درجے و مرتبے ہیں، اور ان کے اندر کچھ لوگوں کو کچھ لوگوں پر فضیلت و فوقیت ہے۔

چنان چہ یہاں پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جن صحابہؓ نے ابتدائے اسلام میں ایمان و اسلام قبول کر کے طرح طرح کی مصیبتیں برداشت کی ہیں، اور انھوں نے اللہ کی راہ میں جان و مال کی قربانی دی، ان کا مرتبہ ان سے بلند ہے، جو بعد میں اسلام لائے، اور ان کو حالات سے سابقہ نہیں پڑا، جو صحابہ دور اول میں اسلام لا کر ثابت قدم رہے، اور کفار و

مشرکین کی اذیتوں پر صبر کرتے رہے، وہ صحابۂ کرام کی جماعت میں سب سے زیادہ بزرگ وافضل ہیں، ان کے مرتبہ کو بعد کے صحابہ کرامؓ نہیں پہونچ سکتے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۝۲۰

جن لوگوں نے ایمان قبول کیا، اور گھر بار چھوڑا نہیں۔ مالوں اور جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا وہ اللہ کے نزدیک بہت بڑے مرتبہ کے مالک ہیں اور وہ لوگ کامیاب ہیں۔

(پ۱۰ ع۹ سورۂ توبہ: ۲۰)

ایک بندے کی کامیابی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی زندگی کی قدروں کو قبول فرمالے اور اسے قبولیت کی سند دے دے۔ اس کامیاب زندگی کی نشان دہی اللہ تعالیٰ نے فرمادی اور بندوں کو بتادیا ہے کہ کون سی زندگی اور زندگی کی کون سی قدر اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب و پسندیدہ ہے۔

چنان چہ یہاں یہ فرمایا جارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں بلند مرتبہ رکھنے والے اور کام یاب ہونے والے لوگوں کی زندگی کے کردار یہ ہیں:

(۱) پہلے وہ ایمان کی دولت سے مالا مال ہوں کہ اس کے بغیر سب کچھ بے کار اور لاحاصل ہے۔

(۲) اللہ کی راہ میں گھر بار، بال بچے اور مال و دولت بوقت ضرورت تج دیں اور کسی کو اللہ کی مرضی پر مقدم نہ سمجھیں۔

(۳) پھر اس کے بعد اللہ کی راہ میں جان و مال کی آخری بازی لگانی پڑ جائے اور جان عزیز تک کو قربان کرنے کے لیے آگے بڑھنا پڑے تو ذرا بھی پس و پیش نہ ہو۔

ظاہر ہے کہ جن بندوں کی زندگیاں اس قدر معیاری ہوں گی اور ان کا نظام اتنا بلند ہوگا کہ وہ دیانت و امانت، اخلاق و روحانیت اور کردار و اعمال پر کسی قدر ہوں گے اور ان سے انسانیت کو کس قدر فائدہ پہونچے گا۔

پس لوگ دنیا میں یہ زندگی بسر کریں گے، وہ دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کے مقبول و محبوب بندے ہوں گے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَ اِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾

اے ایمان والو! تم اپنے باپ دادا اور بھائیوں کو اپنا دوست مت بناؤ، اگر وہ لوگ کفر کو ایمان کے مقابلہ میں ترجیح دیں، اگر جو لوگ (اسی حالت میں) ان سے دوستی کریں گے تو وہ ظالم ہوں گے۔ (پ ۱۰ ع ۹ سورۂ توبہ: ۲۳)

دادا اور بھائیوں کے حقوق اسلام نے محفوظ رکھے ہیں، حفظ مراتب تو اسلام کے معاشرہ میں بنیادی چیز ہے، مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ماں باپ اور دیگر متعلقین اگر ایمان و اسلام کے خلاف کام کرنے لگیں اور سراسر کفر و فسق کی تائید پر اتر آئیں، تو ان سے وہی تعلقات برقرار رکھے جائیں۔

اسلامی قانون ایک مکمل قانون ہے، اگر اس کے مقابلہ میں رشتہ داروں کی پیچ رکھی جائے گی تو نظام درہم برہم ہو جائے گا، اسلام کیا ہوگا ایک کھلونا ہوگا، جس سے انسانی شہوات کھیلیں گی۔

آج دیکھ لو! دنیا میں مسلمان قوم ستر کروڑ بستی ہے مگر سب کا اسلام کہیں وطنیت میں بند ہے، کہیں قومیت کے جال میں ہے، کہیں خاندانوں کی پوجا ہے کہیں رسموں، رواجوں کی

پرستش ہے، کہیں باپ دادا کا طریقہ جاری ہے، کہیں بھائی بند اور محلہ کی حکمرانی ہے، صحیح اسلام اور اصل دین ہر جگہ اور ہر برادری میں مفقود ہے، حالاں کہ اسلامی قوانین کو تسلیم کر لینے کے بعد ان دوسری رسموں کو ماننا سراسر ظلم ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَتَّخِذُوٓا۟ ءَابَآءَكُمْ وَإِخْوَٰنَكُمْ أَوْلِيَآءَ إِنِ ٱسْتَحَبُّوا۟ ٱلْكُفْرَ عَلَى ٱلْإِيمَٰنِ ۚ وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلظَّٰلِمُونَ ﴿٢٣﴾

اے ایمان والو! اپنے باپ اور بھائیوں کو دوست نہ بناؤ، اگر وہ لوگ ایمان کے مقابلہ میں کفر کو دوست سمجھیں، اور تم لوگوں سے جو لوگ بھی اس حال میں دوستی کریں گے تو ظالم ہوں گے۔ (پ ۱۰ ع ۹ سورۂ توبہ: ۲۳)

وہ اصول اور قانون کی پیروی میں اگر رو، رعایت کی گئی تو اس کو اصول نوازی نہیں کہہ سکتے، اور قانون کی روح ایسی صورت میں باقی نہیں رہ سکتی، جن اصولوں کو ہم بنائیں ان کے مقابلہ میں ہر قسم کی قربانی کرنی لازمی ہوتی ہے، ورنہ اصول اور نظام کی دھجیاں اڑ جائیں، اسلام چند ایسے اصول کا نام ہے، جن پر چل کر دنیا و آخرت میں انسانیت کو کامیاب ہونا ہے، اس لیے اس اہم نظام کے مقابلہ میں کسی قسم کی کہ بے اصولی اور بے ضابطگی گوارا نہیں کی جاسکتی، اسی لیے قرآن حکیم کا مسلمانوں سے صاف صاف مطالبہ ہے کہ اسلامی اصول کے معاملہ میں ذرا بھی سستی اور کمزوری نہ ہونے پائے، ماں، باپ، بھائی بند تک قربان کر دیے جائیں، اگر وہ اس نظام کی راہ میں رکاوٹ کے کے باعث بنیں، کیوں کہ اسلام میں خدا اور بتوں کی ہم آہنگی نہیں ہے، اسلام اس طرز زندگی کو منافقت سے تعبیر کرتا ہے۔

مسلمان غور کریں کہ ایک طرف تو قرآن حکیم کا یہ مطالبہ ہے، دوسری طرف مسلمانوں کا رویہ کیا ہے کہ ہر معاملہ میں خدا اور رسول کے مقابلہ میں رسم و رواج، عورت، بچے

اورگاؤں محلہ کی بات اونچی کرتے ہیں، یہ اسلامی زندگی نہیں، بل کہ ظلم کی زندگی ہے، کفروشرک سے قریب تر زندگی ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَ اِخْوَانَكُمْ اَوْلِیَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِیْمَانِ ؕ وَ مَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾

اے ایمان والو! اپنے باپ اور بھائیوں کو دوست نہ بناؤ، اگر وہ لوگ ایمان کے مقابلہ میں کفر کو پسند کریں، اورتم میں سے جوان سے دوستی کریں گے،تو ظالم ہوں گے۔

(پ۱۰ع۹ سورۂ توبہ:۲۳)

کفر اور ایمان میں کسی قسم کا کوئی ایجابی تعلق نہیں بل کہ دونوں کی راہیں ایک دوسرے سے بالکل جداگانہ اورمختلف ہیں، یہ اختلاف صرف نظریاتی اورخیالاتی حدودتک ہی نہیں ہے، بل کہ اس سے پوری زندگی متعلق ہے، کافر کی زندگی کو مومن کی زندگی سے کوئی نسبت ہی نہیں ہے،اس لیے ان دونوں میں دوستی اور شگفتہ حالی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

بل کہ دونوں ایک دوسرے سے جدا ہیں چاہے خون کے اعتبار سے کافر و مومن میں باپ، بیٹے یا بھائی بھائی کا رشتہ ہومگر دینی اور مذہبی اعتبار سے دونوں میں کوئی نسبت اور تعلق نہیں ہے،البتہ جہاں تک خونی اورانسانی رشتے کا تعلق ہے، وہ تو بہر حال موجود ہی ہے، اس سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور یہ نسبت باقی رہے گی مثلاً باپ کافر ہواور بیٹا مسلمان تو بیٹے پر باپ کی دیکھ بھال اور ذمہ دارانہ حقوق ضروری ہیں۔

البتہ اس سے آگے دین کے معاملے میں باپ کا کوئی احترام نہیں ہوگا، دنیاوی رشتے کو بیٹا نباہ دے گا مگر اپنے دین میں لچک نہیں آنے دے گا، اگر کوئی بیٹا اپنے کافر باپ سے دینی اعتبار سے وہی شگفتگی کا تعلق رکھے گا تو سچا مومن نہیں ہوگا، یہ کوئی تنگ نظری نہیں

بل کہ اصولی بات ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَ اِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝

اے مومنو! تم لوگ اپنے باپ دادا، اور بھائیوں کو دوست مت بناؤ اگر وہ لوگ ایمان کے بجائے کفر کو پسند کریں، اور تم میں سے جو ان کو دوست بنائے گا وہ لوگ ظالم ہوں گے۔(پ۱۰ع۹ سورۂ توبہ:۲۳)

دین کی دوستی کے مقابلے میں کسی دوستی کا احترام نہیں کیا جا سکتا، اور اللہ و رسول کے احکام و اوامر کی مخالفت کر کے کسی بھی انسان کا حکم نہیں مانا جا سکتا، بل کہ اپنے دینی اصولوں، روحانی قوتوں، اور اخلاقی ضابطوں پر جس تعلق اور جس دوستی سے فرق آتا ہو، اس کو دور ہی سے سلام کرنا چاہیے۔

اسلام نے سخت تاکید کی ہے کہ ماں باپ کے ساتھ بہتر سلوک کیا جائے، بھائیوں کے حقوق کا احترام کیا جائے، انسانی برادری کا بھلا چاہا جائے، اپنے معاشرہ میں اپنے کو بہتر سے بہتر رنگ میں پیش کیا جائے اور انسانیت کے نام پر ہر انسان کے ساتھ خواہ وہ کسی مسلک و مذہب کا ہو، شریفانہ سلوک کرنا چاہیے۔

لیکن یہ تمام باتیں اسی وقت ہوسکتی ہیں، جب کہ اپنے دین کی روح ان سے تازہ ہو، شریفانہ وقت ہوسکتی ہیں، اورس پر کسی قسم کی کوئی پژمردگی نہ آئے، اور اگر خدانخواستہ کسی کام سے اسلام پر کسی طرح کی زد پڑے تو پھر اس کو دور سے سلام کر دینا چاہیے۔ جو لوگ اسلام کے مقابلہ میں غلط باتوں کا لحاظ کریں گے، وہ سراسر ناکام و ظالم ہیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَ اِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾

اے ایمان والو! اگر تمہارے باپ، دادا اور بھائی بند ایمان کے مقابلہ میں کفر کو پسند کریں، تو تم ان کو اپنے لیے دوست نہ بناؤ، جو لوگ ان سے دوستی کریں گے، وہ ظالم ہوں گے۔ (پ ۱۰ ع ۹ سورۂ توبہ: ۲۳)

دین وایمان کے برابر کوئی دولت نہیں، ایک آدمی کے لیے سب سے بڑا سرمایہ زندگی یہی ہے کہ وہ اپنے پاس دین ودیانت اور اخلاق وروحانیت کی پونجی رکھتا ہو، اور اس کے عقائد واعمال کے خزانے ایمان واسلام کے جواہر سے معمور ہوں، اس دولت کی نگرانی اس قدر ضروری ہے کہ اس قدر کسی اور دولت کی نگرانی ضروری نہیں ہے، اسے صرف اجانب اور اغیار ہی سے نہیں بچانا پڑتا، بل کہ غیروں سے زیادہ اپنوں کی یلغار اور چوری سے محفوظ رکھنا پڑتا ہے، کیوں کہ دین وایمان کی دولت کے بارے میں ایسا ہی ہوتا ہے کہ غیروں سے زیادہ اپنے لوگ اس پر ڈاکہ ڈالتے ہیں، اور اس میں خرد برد کرتے ہیں۔

ایک مسلمان کے لیے اپنے باپ دادا، بھائی بند سے اخلاق ومحبت سے پیش آنا ضروری ہے، ان کے حقوق کی ادائیگی ضروری ہے، لیکن یہ اسی وقت ضروری ہے، جب کہ ان سے دین وایمان پر یلغار کا اندیشہ نہ ہو، اور وہ اپنے یقین وعمل میں اس مسلمان کے بالکل ہم آہنگ ہوں۔

اگر وہ لوگ اس قماش کے ہوں کہ ان کی دینی حالت سقیم ہو، ان میں کافرانہ ومشرکانہ روح کام کرتی ہو، ان کے ذہنوں پر غیر اسلامی خیالات وافکار کا قبضہ ہو، ان کے اعمال وکردار میں غیر اسلامی زندگی کی لچک ہو، تو پھر ایسے وقت میں وہ دین ودیانت کے دشمن قرار دیئے جائیں گے، اور خدا ورسول کے باغی قرار پائیں گے اور ایمان واسلام کے

مدمقابل قرار دیئے جائیں گے۔

ایسی حالت میں ان سے کوئی صلح ومصالحت کی گفتگونہیں ہوگی،اوران سے اسلامی تعلقات کے مطابق برتاؤ کرنے کا کوئی سوال نہیں ہوتا،بل کہ ان سے اس حیثیت سے راہ ورسم کا کا برتاؤ ہوگا کہ وہ بھی انسان ہیں،اورآدم وحوا کی نسل سے ان کا بھی تعلق ہے، اوراتفاق سے ہمارے باپ دادایا بھائی بندہیں۔

پس جولوگ مسلمان بن کرایسے مریضانِ یقین وعمل سے دینی ملاپ رکھیں گے،وہ بھی ان ہی میں شمارہوں گے،اورظالموں کے ساتھ وہ بھی ظالم ٹھہرائے جائیں گے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِیْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ اِقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَاۤ اَحَبَّ اِلَیْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِیْ سَبِیْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ﴿۲۴﴾

آپ کہہ دیں کہ تمہارے باپ دادا،اورتمہارے بچے،اورتمہاری عورتیں، اور تمہارے خاندان اوروہ اَموال جن کوتم نے کمایاہے،اوروہ تجارت جس کے نقصان سے تم ڈرتے ہو،اوروہ گھرجن کوتم پسند کرتے ہو،یہ سب چیزیں اگرتم کواللہ اوراس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ پسندیدہ ہیں،توتیارہوجاؤ،یہاں تک اللہ اپناامرلائے، اور اللہ فاسق قوم کی ہدایت نہیں کرتا۔(پ۱۰ع۹ سورۂ توبہ:۲۴)

دین وایمان کی دنیااتنی دل کش،اتنی پُررونق اوراتنی کام یاب ہوتی ہے کہ اس لافانی دنیاپرفانی دنیاکے تمام نعائم ولذت قربان ہیں اوران میں سے کسی کے اندروہ دل کشی، وہ رونق اوروہ کام یابی نہیں ہے،جودین کے اندرپائی جاتی ہے۔

انسان اپنے دین وایمان پر اسی وقت سچے طور سے جم سکتا ہے، جب کہ اس فانی دنیا کی فانی چیزیں اس پر قربان ہوں، اور باپ بیٹے، گھر، خاندان، مالِ تجارت، غرض کہ دنیا کی ہر وہ شی کہ جسے انسان اپنی زندگی میں اہمیت دیتا ہے، جب تک دین وایمان اور اللہ ورسول کے مقابلہ میں غیر اہم اور بے حیثیت نہیں ہوگی، اس وقت تک انسان اس مقامِ بلند کو نہیں پاسکتا، جو خدا پرستی اور خدا ترسی کے لیے ضروری ہے۔

اگر کوئی مسلمان بن کر علائقِ دنیا کو اپنے دین پر مقدم سمجھتا ہے، تو وہ ہرگز سچا مومن نہیں ہوسکتا، بل کہ اسے اللہ ورسول اور جہاد فی سبیل اللہ میں سب سے دست بردار ہونا چاہیے، اور جب دین کا معاملہ آجائے تو سب سے مقدم دین کو رکھنا چاہیے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ
تحقیق کہ اللہ نے تم لوگوں کی مدد بہت سے مقامات میں کی ہے۔

(پ۱۰ ع۱۰ سورۂ توبہ: ۲۵)

جو لوگ اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرتے ہیں، اس کی مرضیات پر چلتے ہیں، اور اپنی زندگی کو اس کے نظام کے ماتحت بسر کرتے ہیں، ان میں استعداد و صلاحیت کی وہ روح پیدا ہوتی ہے، جو براہ راست اللہ کے فیضان سے فیض یاب ہوتی ہے، اور جب وہ اللہ کی طرف متوجہ ہوتی ہے تو اپنے مطالبات کے لیے رحمتِ خداوندی سے پروانۂ قبولیت حاصل کر لیتی ہے۔

پھر یہ کوئی نظریاتی فلسفہ اور ذہنی بات نہیں ہے، بل کہ اس کا مشاہدہ و مظاہرہ اقوام وملل کی دنیا میں ہوتا رہتا ہے، اور افراد واشخاص بھی اپنے حق میں اس مظاہرۂ حق کا تماشا دیکھتے رہتے ہیں۔

پس اگر تم یا تمہاری جماعت مصائب کا شکار ہے، اور نصرتِ خداوندی کی شدید ضرورت محسوس ہونے کے باوجود تم بے بسی پاتے ہو تو غور کرو کہ تمہارے اندر اس کی استعداد وقابلیت کے جوہر ہیں یا نہیں؟ اور تمہاری انفرادی اور جماعتی زندگی اللہ کے احکام وقوانین پر چلتی ہے یا نہیں؟

اگر تم قوانین قدرت پر چلتے ہو، اور راہ میں کہیں رکاوٹ پیدا ہوگئی ہے، تو یقین کرو کہ اللہ کی مدد آئے گی، اور تمہاری نجات کے ساحل پر پہونچائے گی، کیوں کہ دنیا میں بسا اوقات ایسا ہوا ہے کہ تمہاری راہ کی دست گیری ہوئی ہے، اور اللہ نے تمہیں اپنے فضل وکرم سے نوازا ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّ يَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّ ضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۚ﴿۲۵﴾ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَ اَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَ عَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَ ذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۶﴾

خدا نے تم لوگوں کی مدد بہت سے مقامات پر کی ہے، اور جنگ حنین کے موقع پر (بھی مدد کی) جب کہ تمہاری کثرت نے تمہیں تعجب میں ڈال دیا تھا، اس کثرت نے تمہیں کوئی نفع نہیں دیا تھا، اور زمین کشادہ ہونے کے باوجود تم پر تنگ ہوگئی، اس کے بعد تم نے پیچھے کی راہ اختیار کی، پھر اللہ نے اپنے رسول اور مومنوں پر سکون اتارا، اور ایسا لشکر نازل کیا، جسے تم نہ دیکھ سکے، اور کافروں کو عذاب دیا، اور کفار کی یہی جزا ہے۔ (پ ۱۰ ع ۱۰ سورۂ توبہ: ۲۵، ۲۶)

یاس و ناامیدی اسلام کے خلاف اور کفر کی چیز ہے، ایک مومن جو پکے عقیدہ کا ہے، اس کے نتیجہ میں اس کی عملی قوت بھی نمایاں ہے، وہ ایک منٹ کے لیے بھی اپنے خدا سے

ناامید نہیں ہوسکتا، اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ ابتدا سے انتہا تک گواہ ہے کہ ہر موقع پر خدا کی مدد نے دست گیری فرمائی ہے، اور سچے مسلمانوں کو دنیا کی ہر مخالف طاقت سے محفوظ رکھا ہے، اگر آج مسلمان واقعی مسلمان بن جائیں، اسلام کی صحیح تعلیم پر عمل کریں، اور اللہ ورسول سے محبت کریں، تو ان کی پریشانی سکون سے بدل سکتی ہے، ان کے حالات میں طمانیت وسکینت کی فضا پیدا ہوسکتی ہے۔

اسلام کی تعلیم پر عمل کیے بغیر غیروں کے پنجہ سے نجات مشکل ہے، قرآن حکیم جنگ حنین کے واقعہ کی طرف اشارہ کر کے امت مسلمہ کو یہی حقیقت سمجھا رہا ہے، سمجھنا نہ سمجھنا امت مسلمہ کا کام ہے، اگر سمجھے تو نصرتِ الٰہی کے دامن میں سکھ، چین کی نیند سوئے، اور اگر سمجھ میں نہ آئے تو خوف وہراس کی دنیا میں بھیڑ بکری کی زندگی بسر کرے، اور گاجر مولی کی طرح کٹتی رہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ٍۨ ابْنُ اللّٰهِ وَ قَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ

یہودیوں نے کہا کہ عزیر خدا کے بیٹے ہیں، اور نصاریٰ نے کہا کہ مسیح اللہ کے بیٹے ہیں، یہ ان کے منہ کی بات ہے، جو حقیقت نہیں رکھتی، یہ لوگ ان لوگوں کے قول کی نقل کرتے ہیں، جنھوں نے ان سے پہلے کفر کیا، اللہ ان کا ستیاناس کرے۔ (پ ۱۰ ع ۱۱ سورۂ توبہ: ۳۰)

انسان احساس کمتری کا شکار ہمیشہ رہا کیا ہے، اور اس بیماری نے اس سے بہت گری گری حرکتیں کرائی ہیں، اسی احساس کمتری نے انسان کو سمجھایا کہ بھلا انسان خدا کا فرستادہ ہوسکتا ہے، اور کیا ممکن ہے کہ ہمارے معاشرہ کا ایک فرد نبی ورسول بن سکتا ہے؟

اسی ذہنی افلاس اور کم عقلی نے یہود ونصاریٰ کو اپنے دین توحید میں مشرکانہ ترمیم

کرنے پر مجبور کیا، اور انھوں نے انسان کے اندر سلسلۂ رسالت و نبوت کے قائل ہونے کے ساتھ ساتھ وہی کیا، جو نبوت و رسالت کے قائل نہ ہونے والے کفار و مشرکین نے کیا، اور جس طرح دوسرے مذاہب نے انبیاء و رسل کو خدا کا رشتہ دار، ظل، مظہر بنا کر انسانیت کو اس عظیم الشان چیز کے قابل نہ سمجھا، اسی طرح یہود و نصاریٰ نبوت و رسالت کے ظاہری قائل بن کر اس حقیقت کا زبانی اور عملی انکار کیا۔

یہودیوں نے حضرت عزیرؑ کو خدا کا بیٹا گردانا، عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا گردانا اور اس طرح انھوں نے شرک و توحید کے دو الگ الگ حقائق میں آمیزش پیدا کی، منہ سے تو توحید پرستی کے دعوے دار رہے، اور انسان کے اندر نبوت و رسالت کے قائل رہے، مگر عمل و اقرار سے وہ نظریہ اجاگر کرتے رہے، جو مشرکین کا ہے، اور جس میں خدا کے فرستادہ اس کے رشتہ دار، ظل اور مظہر قرار دیئے گئے، یہود و نصاریٰ نے یہ دورویہ پالیسی اختیار کر کے چاہا کہ ہم دونوں نظریوں کے حامل بنے رہیں، اور دونوں کے حاملوں سے میل جول رکھیں۔

ان نیم موحد و نیم مشرک فرقوں نے دنیا پرستی کی بنیاد رکھی، چنان چہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے، کیوں کہ انھوں نے اولیاء و صلحاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنایا، اسی دورخی نظریہ نے دنیا کے اعلیٰ موحدوں اور مسلمانوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا، اور مسلمانوں میں سے بہت سے جاہل اور غلط کاران حرکات میں لگ گئے، جن کے یہود و نصاریٰ سب سے پہلے مرتکب ہوئے، اور دنیا میں شخصیت پرستی کی بنیاد ڈالی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ قَالَتِ الْیَهُوْدُ عُزَیْرُ ﰳابْنُ اللّٰهِ وَ قَالَتِ النَّصٰرَی الْمَسِیْحُ ابْنُ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ یُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰی

يُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۰﴾

یہود نے کہا کہ عزیر خدا کے بیٹے ہیں، اور نصاریٰ نے کہا کہ مسیح اللہ کے بیٹے ہیں، یہ ان کے منہ کی بات ہے، یہ لوگ مشابہت کرتے ہیں، ان لوگوں کی جنھوں نے پہلے کفر کیا، اللہ ان کا ناس کرے، کہاں سے پھیرے جاتے ہیں۔ (پ ۱۰ ع ۱۱ سورۂ توبہ: ۳۰)

اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے دعوے داروں نے دنیا میں کفر و شرک کی جس طرح بنیاد رکھی ہے، اور توحید کے نام پر اغیار پرستی کا جو شیوہ اپنایا ہے، اللہ تعالیٰ اسے یہاں بیان فرما رہا ہے، اور مسلمانوں کو دکھا رہا ہے کہ کہیں تم بھی اسی طرح توحید کا نام لے کر کفر و شرک میں مبتلا نہ ہونا اور مسلمان بن کر عیسائیت اور یہودیت کی روش اختیار نہ کرنا، یہودیوں نے خدا پرستی کا نام لے کر اللہ کے نبی حضرت عزیر علیہ السلام کو اس کا بیٹا بتایا، عیسائیوں نے اللہ کے نام پر اللہ کے رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس کا بیٹا بتایا۔

اس طرح دنیا کے اور مذاہب کے پیرووں نے مظاہر کو عین خدا سمجھا، اور ان کو صفاتی صفات کا حامل بتایا۔

اے مسلمانو! کہیں تم بھی اسی طرح آگے چل کر اللہ کی وحدانیت کا نام لے کر دنیا میں کفر و شرک اختیار نہ کرنا اور دوسری قوموں کے میل جول سے اپنا امتیازی عقیدہ نہ کھو دینا، مسلمان غور کریں کہ انھوں نے توحید پرستی میں کہاں تک اغیار پرستی کی آمیزش کی ہے۔

اگر اس پر غور کریں گے تو قبر پرستی اور شخصیت پرستی نے مسلمانوں کو بڑی حد تک ان کے مقامِ توحید سے ہٹا دیا ہے، اور ایک اچھا خاصا طبقہ توحید کی روح سے محروم ہو کر انھیں راہوں پر چل رہا ہے، جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ﹰابْنُ اللّٰهِ وَ قَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ

قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝

اور یہودیوں نے کہا کہ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں اور نصاریٰ نے کہا کہ مسیح اللہ کے بیٹے ہیں، یہ ان کی منہ کی باتیں ہیں یہ لوگ ان کافروں کی بات کی مشابہت کرتے ہیں، جو پہلے تھے، اللہ ان کا ستیاناس کرے، کیسے گمراہ ہیں۔ (پ۱۰ع۱۱سورۂ توبہ:۳۰)

اللہ کی توحید کا دعویٰ ہر قوم کر رہی ہے، اور لطف کی بات یہ ہے کہ بلا واسطہ ہر ایک قوم نے اللہ کے بیٹے کو مانا ہے، اور اپنے رہنما کی تعظیم وتکریم میں اس نسبت سے کم پر رضامندی ظاہر نہیں کی۔

یہودیوں نے حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا بنایا اور عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا بنایا، اور کفار ومشرکین نے فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں بتایا، نیز بہت سے کفار ومشرکین نے بتوں اور مٹی کے ڈھانچوں کو خدا سے متعلق مانا، اور دونوں میں رشتہ بنانے کی کوشش کی۔

اصل یہ ہے کہ کفر وشرک ایک جڑ ہے، جس کی شاخیں مختلف ناموں سے دنیا میں موجود ہیں، اور خدا کے بارے میں ان سب کی باتیں ایک دوسرے سے ملتی ہیں، اور اسلام کی بولی خدا کے بارے میں سب سے الگ تھلگ ہے، وہ اللہ کے بارے میں توحید کا عقیدہ قائم کرکے مسلمانوں کو دنیا کے کفار ومشرکین سے چاہے وہ کسی نام اور لقب سے مشہور ہوں، جدا کر دیتی ہے، اور مسلمان اس عقیدہ میں تمام قوموں سے جداگانہ عقیدہ رکھتے ہیں، اور اس عقیدہ کی وجہ سے ان کی پوری زندگی اور اس کی ہر بات دنیا بھر سے جداگانہ ہوتی ہے، جسے کفار ومشرکین ناپسند کرتے ہیں، اور خار کھاتے ہیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ۨابْنُ اللّٰهِ وَ قَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝۳۰

اور یہود نے کہا کہ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں اور نصاریٰ نے کہا کہ مسیح اللہ کے بیٹے ہیں۔ یہ صرف ان کے منھ کی بات ہے یہ لوگ اپنے پیش رو کافروں کی بات جیسی بات کرتے ہیں، خدا ان کا ناس کرے، کس طرح افترا بازی کرتے ہیں۔ (پ ۱۰ ع ۱۱ سورۂ توبہ: ۳۰)

دنیا کی روحانی اور مذہبی قوموں میں دو قومیں یہود و نصاریٰ بہت اہم مانی جاتی ہیں، ان دونوں کے ذریعہ دنیا میں توحید پرستی کے رواج دینے اور شرک و کفر کے فنا کرنے کا منصوبہ بنایا گیا، مگر نتیجہ کے طور پر دنیا کی تمام غیر ذمہ دار قوموں کی طرح یہود و نصاریٰ نے کفر و شرک کا کاروبا شروع کر دیا، بل کہ دوسری قوموں سے چار قدم آگے بڑھ کر انھوں نے خدا کے لیے بیٹوں کا انتخاب کیا، دیگر اقوام کی بت پرستی، مشابہت، مماثلت اور تناسخ اور مظاہر کے نظریہ خام کے بل بوتے پر تھی، مگر ان دونوں ذمہ داروں نے یہ غضب کیا کہ انسانوں کی رشتہ داری خدا سے جوڑ دینے کی کوشش کی، ان کی یہ مشرکانہ کاوش ان کے پیش رو کفار و مشرکین کی کاوشوں کی طرح صنم پرستی بن گئی، یہ بھی مشرکین کی صف میں آگئے، ان کے عقائد و اقوال، اعمال و خیال اور دل و دماغ میں شرک کی آمیزش ہو گئی، اور ان کی زندگیاں بھی کفر میں پلنے لگیں، ان دونوں گروہوں نے اپنی ذمہ داری کے خلاف یہ حرکت اپنے مذہبی پیشواؤں کی فریب کاری میں پھنس کر شروع کی، اور یہ ان کی گمراہی سے گمراہ ہوئے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَ مَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۱﴾

یہود ونصاریٰ نے اپنے راہبوں اور مذہبی پیشواؤں کو خدا کے علاوہ خدا بنا رہے ہیں، اور مسیح بن مریم کو بھی خدا گردانتے ہیں، حالاں کہ ان کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ صرف ایک خدا کی عبادت کریں، اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے، وہ مشرکوں کے شرک سے پاک ہیں۔

(پ ۱۰ ع ۱۱ سورۂ توبہ: ۳۱)

یہود ونصاریٰ دنیا میں توحید پرستی کے لیے ذمہ دار قرار دیئے گئے تھے، مگر ان کے علماء اور صوفیاء نے وہ رنگ پیدا کیا کہ بجائے اس کے کہ وہ دنیا کو توحید کی دعوت دیتے، خود ہی خدا بن بیٹھے، اور کرامات کے نام پر کرتب دکھا کر خدائی تصرفات کا دعویٰ کرنے لگے، زندہ رہ کر اپنے کرشموں اور کرتبوں سے مسحور کرتے رہے، اور جب وہ مرے تو ان کے کھانے پینے والے شاگردوں اور مریدوں نے ان کے مزاروں کی مجاوری کرنی شروع کردی، قبر پر چراغ جلائے، چڑھاوے چڑھائے اور معتقدوں اور مریدوں کو روزی اور بچے تقسیم کرنے لگے۔

یہود ونصاریٰ اس معاملہ میں ایک ہیں، "لوتھرا" کی اصلاح سے پہلے سارا یورپ ان ہی خرافات میں مبتلا تھا، حتیٰ کہ پادری لوگ مریم عذریٰ کا دودھ بوتلوں میں بھر کر لوگوں کو رقمیں لے کر پلاتے تھے، حضرت مسیح کی کٹی انگلی کی زیارت کراتے تھے، اور ان فرضی اور جھوٹی چیزوں کے ذریعہ عوام کے خدا بنے ہوئے تھے، اور آسمانی بادشاہت کا نام لے کر یہ زمینی خدا حقیقی خدا کے باغی ہو چکے تھے۔

مسلمان قوم کو اپنے پیش روغلط کاروں سے سبق لینا چاہیے، اور موحد بن کر کفر و شرک سے بچنا چاہیے۔

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰـهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۱﴾

ان یہود و نصاریٰ نے اللہ کے علاوہ اپنے مذہبی عالموں، اور مریدوں اور مسیح بن مریم کو رب بنایا، حالاں کہ ان کو حکم دیا گیا تھا کہ تم صرف خدائے واحد کی عبادت کرو۔

(پ ۱۰ ع ۱۱ سورۂ توبہ: ۳۱)

خدا کی توحید کا دعویٰ ہر قوم، ہر مذہب نے کیا ہے، دنیا میں جو اصولِ زندگی بنایا گیا ہے، اس میں سب سے پہلے روحانی ضروریات کو مدنظر رکھا گیا، اور اس کی ابتداء خدا کے بارے میں ذاتی اور صفاتی تصورات سے کی گئی، خدا کے تصور میں اس کی عظمت، وحدت و فعالیت کو تمام مذاہب نے تسلیم کیا ہے، اور تعلیم دی کہ خدا کی ذات اور صفات میں کسی انسان کی ذات کو اور اس کی صفات کو شریک و سہیم نہ کیا جائے۔

ہر مذہب کے ابتدائی پیروکاروں نے بڑی حد تک اپنی مذہبی تعلیم کی روح کو باقی رکھتے ہوئے خدا کے بارے میں تصورات کو محفوظ رکھا، مگر جوں جوں زمانہ گزر گیا، حقیقت مٹتی گئی، اور غلط تصورات آتے گئے، اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہود و نصاریٰ کی تعلیم وہی تھی، جو خدا کے بارے میں اسلام کے اندر ہے۔

توحید و نبوت کے بارے میں یہ ایک اسکول کی حیثیت رکھتے تھے، مگر یہود و نصاریٰ پر جوں جوں زمانہ گزرتا گیا، توں توں غلط افکار و خیالات چھانے لگے، اور دوسرے بنیادی عقائد و مسلمات کی طرح توحید کے بارے میں بھی وہ گمراہ ہو گئے، اور ایک خدا کی ذات میں انھوں نے پیغمبروں، مذہبی پیشواؤں، دینی عالموں، پیروں اور ولیوں کو شریک و سہیم ٹھہرا کر بے شمار رب بنا لیے، ہر روحانی آدمی ان کا حاجت روا ٹھہرا، ہر پیر خدائی صفات کا

حامل ثابت کیا گیا، ہر عالم حلال وحرام کا مالک مانا گیا۔

حالاں کہ تورات وانجیل میں خدا کی ذات وصفات کے بارے میں صاف صاف موجود ہے کہ خدا کی ذات وصفات میں کوئی بڑا سے بڑا انسان بھی ذرہ برابر شریک نہیں ہوسکتا، یہود ونصاریٰ کی اس شخصیت پرستی نے زور پکڑا، اور یہی چیز دنیا میں بے شمار خرابیوں کی جڑ بنی، حتیٰ کہ اس کی لپیٹ میں مسلمان قوم بھی آ گئی اور اس نے بھی اپنے اللہ کے مقابلہ میں اپنے اپنے چھوٹے چھوٹے رب بنا ڈالے، اور اگر اسے سمجھایا جائے کہ تو الٹے منہ نوچنے پر اتر آتی ہے، مسلمانوں کے چند نادانوں کی حرکت سے ملت بیضاء کے گورے چٹے چہرہ پر دھبہ لگ رہا ہے، اے کاش! ایسا نہ ہو۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۗ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿٣١﴾

وہ لوگ اللہ کے علاوہ اپنے عالموں، اور درویشوں کو رب ٹھہراتے ہیں اور مسیح بن مریم کو بھی، حالاں کہ ان کو حکم نہیں دیا گیا تھا مگر یہ کہ وہ ایک اللہ کی عبادت کریں۔

(پ ۱۰ ع ۱۱ سورۂ توبہ: ۳۱)

دنیا میں خدا کے علاوہ اغیار پرستی، خدا سے دشمنی اور عداوت کی بنا پر نہیں آئی، اور کسی نے خدا کا مقابلہ کر کے اس کے مقابلہ میں دوسرے معبود نہیں بنائے، بل کہ دوسروں کی محبت نے خدا کے حق میں کمی کر دی، اور محبت وعقیدت کی راہ سے شرک وبدعت کی وبا مذاہب میں آئی۔

صورت یہ ہوئی کہ یہود ونصاریٰ اور دوسرے مذاہب کے لوگوں نے اپنے علماء و

فضلاء، اولیاء اور بزرگوں سے اس قدر عقیدت ومحبت کی کہ ان کے وصال کے بعد ان کی یادگار بہت ہی شاندار قائم کی، ان کے مزارات کو مقدس زیارت گاہ بنایا، ان پر خود مجاور بن کر بیٹھ گئے، اور عقیدت مندوں کی اظہار عقیدت ومحبت میں رہنمائی کرنے لگے۔

ابتدا میں ان کا مقصد اپنے بزرگوں کا ادب واحترام اور اجلال و تعظیم تھا، مگر بعد میں آہستہ آہستہ یہ مقصد جانے لگا اور اس کی جگہ پرستش کا جذبہ پیدا ہوتا گیا۔

چنان چہ بنی اسرائیل میں اغیار پرستی کی تاریخ بزرگوں اور صالحوں کے متبرک مزارات سے اسی طریقہ پر مرتب ہوئی، جیسا کہ احادیث میں تصریح موجود ہے۔

یہ انقلاب وتغیر اس وقت پیدا ہوتا ہے، جب کسی مذہب میں اس کی روح کے سمجھنے والے مفقود ہو جاتے ہیں، اور ناسمجھ لوگ مذہب کے نام پر اپنا بدلا ہوا نظریہ پیش کرتے ہیں، اور عوام ان سے عقیدت کر کے اس غلط نظریہ کو قبول کر لیتے ہیں۔

آج بھی یہی صورت حال برپا ہے، تم آج اس سلسلے میں جو کچھ دیکھتے ہو، اسی حقیقت کا نتیجہ ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

یُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یُّطۡفِـُٔوۡا نُوۡرَ اللّٰهِ بِاَفۡوَاهِهِمۡ وَ یَاۡبَی اللّٰهُ اِلَّاۤ اَنۡ یُّتِمَّ نُوۡرَهٗ وَ لَوۡ کَرِهَ الۡکٰفِرُوۡنَ ﴿۳۲﴾

وہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے بجھا دیں، حالاں کہ اللہ بغیر اس کے کہ اپنے نور کو پور کرے، مانے گا نہیں گو کافر لوگ ناخوش ہوں۔ (پ۱۰ ع۱۱ سورۂ توبہ: ۳۲)

قدرت سے ٹکر لینے کا نتیجہ ہمیشہ خطرناک صورت میں ظاہر ہوتا ہے، اور وہی ہو کر رہتا ہے، جسے قدرت چاہتی ہے، تم عالم کون وفساد کی تاریخ کے ایک ایک ورق کو الٹ جاؤ،

اس کی ایک ایک سطر کو پڑھ جاؤ، اور ایک ایک کہانی کو کھنگال جاؤ، اگر اس میں کوئی حقیقت عامہ ملے گی، تو یہی کہ دنیا کی تمام قوتوں پر کوئی قوت اگر غالب ہے تو وہ قدرت کی قوت ہے، اور ساری طاقتیں اس کے سامنے ہیچ ہیں۔

مگر اس کے باوجود یہ حسرتناک حقیقت بھی ہمیشہ اجاگر ہوتی رہتی ہے کہ انسان نے قدرت کے منشا اور مقصد کے علی الرغم اپنی ذاتی طاقت و پس ماندہ قوت کو قدرت کے کرشمہ سے لڑایا ہے، اور اس کے نتیجہ میں اسے پاش پاش ہونا پڑا، حق و باطل کی ساری آویزشیں، نور وظلمت کی تمام دست وگریبانیاں اور کفر واسلام کی کل کشاکشیں اسی حقیقت کا مظہر ہیں کہ قدرت کے مقصد ومنشا سے ٹکرانا اپنے آپ کو پاش پاش کرنا ہے۔

اس سلسلہ کی تمام تاریخی داستانیں اور عبرت ناک کہانیاں تمہارے سامنے موجود ہیں، ان کے واقعات تم کتابوں اور دفتروں میں پڑھتے ہو، ان کے افسانے تم کھنڈروں اور ویرانوں میں سنتے ہو، اور ان کے مناظر تم عصری انکشاف وجدید تحقیقات میں پاتے ہو، پھر بھی انسانیت کی سیدھی راہ پر نہیں چلتے ہو، اور حق کے مقابلہ میں وہی حربے سامنے لے کر آتے ہو، جن کو استعمال کر کے تمہارے پیشواؤں نے اپنا سب کچھ تہہ وبالا کیا، اور وہ قدرت کا بال بیکا نہ کر سکے۔

یہاں پر قرآن حکیم اسی حقیقت کو اجاگر فرما کر ہمیں تمہیں بتا رہا ہے کہ اے لوگو! گزشتہ دور کی اصلاحی تحریکوں اور دینی سرگرمیوں کے خلاف باطل پرستوں نے جو روش اختیار کی تھی اسی روش پر اسلامی تحریک اور حنیفی سرگرمی کے مقابلہ میں کفار مکہ نے بھی راہ اختیار کی، اور ان کا انجام بھی وہی ہوا، جو ان کے تاریخی سرداروں کا ہوا، اور اللہ کی سنت جاریہ کے مطابق کو حق کو غلبہ ہوا، باطل کی کمر ٹوٹ گئی، اور قدرت کے ہاتھ نے ان جبڑوں کو چیر ڈالا

جن سے شمع حق کو بجھانے کے لیے پھونک نکلے تھے۔

پس اے لوگو! اللہ کا نور آج بھی روشن ہے، قدرت کے زریں اصول آج بھی محفل انسانیت کی روشنی کے لیے موجود ہیں، اسلام کی کتاب مبین آج بھی تمہارے اندر موجود ہے، اور ملت حنیفیہ کے قوانین آج بھی لافانی ہیں، اگر تم اپنے عمل و حرکت سے ان کے خلاف صف آرائی کر کے بغاوت کا طوفان اٹھاؤ گے تو تم خود ہی اس میں بہہ جاؤ گے، اور تمہیں تنکے کا سہارا بھی نہ ملے گا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَ يَاْبَى اللّٰهُ اِلَّاۤ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَ لَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۳۲﴾

وہ ارادہ کرتے ہیں کہ بجھادیں اللہ کے نور کو اپنے منہ سے اور اللہ صرف یہ چاہتا ہے کہ اپنے نور کو پورا کرے، اگرچہ کافر ناپسند کریں۔ (پ۱۰ ع ۱۱ سورۂ توبہ: ۳۲)

مسلمان شکوہ کرتے ہیں کہ کفار و مشرکین ان کے درپے ہیں، رات دن مسلمانوں اور اسلامی آثار و روایات کے مٹانے کی فکر کرتے ہیں، اور ان کی سازشوں کا سلسلہ برابر جاری رہتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ یہ باتیں کیا صرف اس لیے ہیں کہ مسلمان رات دن ان کا شکوہ کرتے رہیں، اور ہاتھ پر ہاتھ دھرے کبھی تقدیر کو روئیں، کبھی انقلاب و آزادی کو کوسیں، اور کبھی اپنے مخالفین کو بُرا بھلا کہہ دیا کریں؟ نہیں اسلام اور مسلمانوں کے مقابلہ میں یہ صورت حال اس لیے نہیں ہے کہ مسلمان احساس کمتری میں مبتلا ہو کر اپنے کو اور اسلام کو فنا کرنے کی تدبیر کریں۔

بل کہ یہ جو کچھ ہورہا ہے، قرآن حکیم کے ارشاد کے مطابق ہے، مخالفین اسلام کب اسلام اور مسلمان کو گلے لگائیں گے، اوران کو کب پھلتا پھولتا پسند کریں گے، وہ تو رات دن یہی کوشش کریں گے کہ اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھادیں، ہر زمانہ میں وہ اسلام اور مسلمانوں کے پیچھے پڑے رہیں گے۔

البتہ زمانہ کے حالات وواقعات کے مطابق ان کی مخالفت کا طریقہ جداگانہ ہوگا، اوران کی چالیں مختلف ہوں گی، مگران کی باتیں چل نہ سکیں گی، کیوں کہ اللہ ان کے علی الرغم مخالفین کو شکست دے گا، اوراسلام اور مسلمانوں کو عزت دے گا۔

اب یہ مسلمانوں کا کام ہے کہ وہ حالات کا مطالعہ کر کے ان کا کاٹ کریں، اوراللہ کے نزدیک اپنی اہلیت ثابت کر کے اپنے ہاتھوں اسے انجام دیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ ۙ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾

وہی اللہ کی ذات نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ اسے تمام دینوں پر غلبہ دے، اگر چہ مشرکین اسے ناپسند کریں۔ (پ۱۰ع ۱۱ سورۂ توبہ: ۳۳)

اسلام دین فطرت ہے، اس کے اصول وقوانین فطری ہیں، اوراس کی ہر تعلیم میں انسانی جبلت کی رعایت رکھی گئی ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کی دعوت کسی خاص ملک اور کسی خاص قوم کے لیے نہیں ہے، بل کہ وہ احوال وظروف اور مکان وزمان کے تمام تغیرات اوراختلافات سے بالاتر ہے، جو قوموں اور ملتوں پر طاری ہوتے ہیں اور جن کی وجہ سے ایک جگہ کا انسان دوسری جگہ کے انسان سے علیحدہ ہوجاتا ہے۔

اسلام کی دعوت اس خدائے رب السمٰوٰت والارض کی طرف سے ہے، جس نے کائنات اور اس کی تمام صلاحیتوں اور استعدادوں کو پیدا کیا۔

وہ خوب سمجھتا ہے کہ اسلام انسانیت کی قدر مشترک دولت ہے، جسے ہر انسان اپنا سکتا ہے، اسلام ہدایت اور دین حق ہے، اور ہدایت وحقانیت کسی خاص قوم یا خاص ملک کا حصہ اور ورثہ نہیں ہے، بل کہ انسان کی فطری صلاحیت کی دولت مشترک ہے۔

پس کفار ومشرکین جن کی فطرت پر پردہ پڑ چکا ہے، اور صالح عنصر کو شرک وکفر کی وجہ سے کھو بیٹھے ہیں، ان کا اباء وانکار، جمود وغرور، انسانیت پر اثر انداز نہیں ہوسکتا، کیوں کہ ان کے امراض زمان و مکان کی پیداوار ہیں، اور رسم ورواج میں مقید ہیں، یہ امراض انسانیت کو بیمار کر کے اس کی ہدایت یاب طبیعت اور حق شناس فطرت کو شل نہیں کر سکتے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَ الرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ

اے ایمان والو! بہت سے احبار اور رہبان باطل طریقہ سے لوگوں کے مال کو کھاتے ہیں، اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔ (پ۱۰ ع۱۱ سورۂ توبہ: ۳۴)

مسلمانوں کو قرآن حکیم آگاہ کر رہا ہے، اور یہود ونصاریٰ کے مذہبی پیشواؤں کی بعض بُری حرکتوں کو بیان کر کے ان کی قلعی کھول رہا ہے، اور ساتھ ہی مسلمانوں کو مطلع کر رہا ہے کہ تم لوگ اس غلط رویہ میں مبتلا نہ ہونا، ورنہ تمہارا حال بھی لادینیت اور الحاد وبددینی میں ان کے ہی مانند ہوجائے گا۔

یہود ونصاریٰ کے مذہبی پیشواؤں اور دینی ملاؤں کا حال یہ تھا کہ وہ اپنے عوام کو

مذہب کے نام پر پھانستے تھے، اوران سے رقمیں اینٹھتے تھے، گرجاؤں اورقبروں پر منتیں چڑھواتے تھے، اورنذرونیاز کے نام پر ہر گرجااورمزار پرقدم قدم پر پیسے وصول کرتے تھے، اس طرح وہ ایک طرف دنیا کماتے تھے، اوردوسری طرف عوام کوصحیح دین اورخدائی راہ سے پھیر کرکفروشرک میں مبتلا کرتے تھے۔

اس صورت حال کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہودی احباراورنصرانی رہبان نے اپنی پیٹ کی جہنم پاٹنے کی خاطرعوام کے دلوں کوایمان کی روشنی سے خالی کردیا اوران میں کفروشرک کی ظلمت بھردی، اوردونوں طبقہ کےلوگ گمراہ ہوگئے۔

اس لیے مسلمان قوم کواس صورت حال سے بچنا چاہیے، اورمذہبی مولویوں میں ایسی روش پیدانہیں ہونی چاہیے، اگرکہیں ایسی صورت برپا ہوتواسے شدت سے روکنا چاہیے۔

پس سخت ضرورت ہے کہ یہ دنیادار ملا، حریص واعظ اورمفاد پرست پیر جونذروں، نیازوں اورچراغوں کے نام پرعوام سے پیسے وصول کرتے ہیں اوران کےعقیدۂ توحید و رسالت میں رخنہ پیدا کرکےان کوظاہر پرست، قبر پرست اورشخصیت پرست بناتے ہیں اور ان کی مجلس کواکھاڑ دیا جائے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَ الرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ

اے ایمان والو! اہل کتاب کے بہت سے عالم اوردرویش لوگوں کے مال ناحق طور پرکھاتے ہیں، اوراللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔ (پ۱۰ ع۱۱ سورۂ توبہ: ۳۴)

قرآن حکیم نے لوگوں کے ذاتی مال ودولت کو بے جا طریقہ پر استعمال اورلوٹ

گھسوٹ کرنے سے اپنے پیروؤں کو بڑی شدت سے منع کیا ہے، اور وہ کسی کے لیے یہ حق ایک سکنڈ کے لیے تسلیم نہیں کرتا کہ کسی دوسرے کی کمائی سے کسی طرح ایک پیسہ بھی اڑا لے، اور پرائی دولت خود استعمال کرے، اسی لیے اسلام نے چوری، جوا، سود اور اسی قسم کی بہت سی لغو باتوں کو حرام قرار دے دیا، اور جن ذریعوں سے لوگوں کا مال بلامحنت اور بلاکسب کے غیروں کے پیٹ میں جائے، ان کو یکسر ختم کر دیا۔ اسی سلسلے میں مذہبی لوگوں کے بارے میں فرمایا جا رہا ہے کہ ایک مذہبی طبقہ ان لوگوں کا ہے جو تقویٰ، طہارت، بندگی، پیری، مریدی، اور دعا تعویذ کے نام پر عوام سے ان کی دولت اینٹھتے ہیں۔ اور طرح طرح کے حیلوں بہانوں سے عبادت اور قربت کے نام پر کھاتے کماتے ہیں۔

ایسے لوگ بھی دوسروں کے مال کے کھانے والے ہیں اور ان سے بھی دور رہنا چاہیے، چوں کہ یہ پیشہ یہود و نصاریٰ کے علماء اور درویش اختیار کئے ہوئے تھے اور ان کی مثال مسلمانوں کے سامنے تھی کہ وہ دعا کرنے کے لیے، گناہ بخشوانے کے لیے، قبروں پر نیاز و نذر چڑھانے کے لیے اور بزرگوں اور ولیوں سے مرادیں پوری کرانے کے لیے جاہل عوام اور اعتقاد رکھنے والے لوگوں سے اچھی اچھی رقمیں وصول کرتے تھے۔ اس لیے ان کی مثال پیش کی گئی۔ اب اگر مسلمانوں میں اسی قسم کے کچھ لوگ یہ دھندا کرنے لگیں تو ان پر بھی یہی حکم لگے گا اور مسلمان ہونے کی وجہ سے یہ حرکت اُن کے لئے جائزہ نہیں ہوگی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ الَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ وَ لَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۙ﴿۳۴﴾

اور جو لوگ خزانہ بناتے ہیں سونے اور چاندی کو اور ان کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں

کرتے تو آپ ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری دید یجیے۔(پ ۱۰ ع ۱۱ سورۂ توبہ: ۳۴)

قرآن حکیم کھانے پینے کو نہیں روکتا بلکہ وہ ترغیب دیتا ہے کہ خدا کی بخشی ہوئی روزی میں سے پاک دطیب چیزوں کو کھاؤ، اور اچھی غذا حاصل کرو، کھانے پینے کے لیے روپیہ پیسہ جمع کرنا اور اپنی دنیاوی زندگی کو آرام سے گزارنے کے لیے نظم وضبط قائم رکھنا بہت ضروری ہے، بلکہ دوسروں کو فارغ البال زندگی گزارنے میں مدد دینی چاہئے۔ اس لیے اسلام نے دولت وثروت کو اچھا بھی کہا ہے، اور برا بھی کہا ہے، اچھا تو اس لیے کہ زندگی سکون سے گزرے تا کہ حرام کاری اور حرام خوری کی نوبت نہ آئے اور برا اس لیے کہ مال کو جمع کر کے نہ خود کھانا اور نہ ہی دوسروں کو کھانے کا موقع دینا کمینہ پن کی انتہا ہے، پس ان آیتوں میں ان ہی لوگوں کے لیے عذاب ہے جو سونے چاندی کو جمع کرتے ہیں اور پھر ان پر سانپ بن کر بیٹھ جاتے ہیں، نہ فقراء و مساکین کا حق ادا کرتے ہیں نہ اسلام اور مسلمانوں کے کاموں میں صرف کرتے ہیں، ایسے ہی کم ہمت، پست ذہن اور کمینہ فطرت لوگوں کے لیے دردناک عذاب موجو ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَ الرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ

اے ایمان والو! بے شک بہت سے احبار ا ور رہبان کھاتے ہیں انسانوں کے اموال کو باطل طریقہ سے اور اُن کو روکتے ہیں اللہ کے راستے سے۔(پ ۱۰ ع ۱۱ سورۂ توبہ: ۳۴)

یہود ونصاریٰ کے علماء کی بے راہ روی اور دنیا پرستی کے ذریعہ خدا فروشی کی عبرت ناک صورت حال کو سامنے رکھ کر مسلم قوم کو بتایا جارہا ہے کہ تم بھی اپنی ذمہ دارانہ زندگی کو کہیں یہود ونصاریٰ کی طرح باطل پرست نہ بنالینا۔ یہود ونصاری کے مذہبی پیشواؤں اور ان کے

صوفیہ کا حال یہ تھا کہ وہ دنیا سے دور بھاگ کر جنگلوں، بیابانوں، پہاڑوں اور کہساروں میں پناہ گزین ہوئے اور خدا کے نام پر دنیاوی لذتوں سے دست برداری کا اظہار کیا۔ مگر بعد میں وہ دنیا پرستی میں اس طرح پھنسے کہ اچھے اچھے دنیا داروں کے کان کاٹنے لگے۔ نذرو نیاز اور دعا و تعویذ کے نام پر عوام سے رقمیں اینٹھنے لگے۔ قبروں کی مجاوری کر کے مزاروں کی چادریں اور اُن کی سلوں کو بیچ کھانے لگے غرضیکہ یہاں تک کیا کہ اپنے عوام کو ان ہی باتوں میں پھنسا کر اپنا پیٹ پالا، اور اُن کی دولت کھینچی اور اس کے نتیجہ میں اُن کو دین کی اصلی روح سے برگشتہ کر کے رسم و رواج کی بندشوں میں پھنسا دیا۔ اور یہودیت و عیسائیت اپنے اصلی مفہوم سے نکل کر اپنے راہبوں اور پادریوں کے کرداری سانچے میں ڈھل گئی۔ مسلمانوں کو بتایا جارہا ہے کہ تم لوگ ان سے سبق لو۔ اور ایسا نہ کرو کہ تم اور تمہارے علماء یہود و نصاریٰ کے راستہ پر چل کر دونوں جہاں میں ناکام ہوں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَ الرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ

اے مومنو! یقیناً بہت سے احبار اور رہبان کھاتے ہیں لوگوں کے اموال باطل طریقہ سے اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔ (پ ۱۰ ع ۱۱ سورۂ توبہ: ۳۴)

مومنوں اور مسلموں کو خبر دی جارہی ہے کہ یہودی اور نصرانی عالموں اور پیروں نے اپنے عوام کو لوٹ کھسوٹ کر خوب خوب کھایا ہے اور اللہ کے دین سے عوام کو خوب خوب روکا ہے۔

جس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہودی دنیا اور مسیحی دنیا بری طرح بے ایمانی، بداخلاقی اور بدچلنی میں مبتلا ہے، اس بات کو مسلمانوں کو بتانے کا مطلب یہ ہے کہ اے عام مسلمانو! کہیں

تمہارے مولوی اور ملا بھی ایسا ہی نہ کرنے لگیں اور مسلم عوام کو اسلام کے اَحکام واَوامر سے روک کران سے خوب خوب دنیا نہ حاصل کریں؟

قرآن حکیم نے یہ تجدید مسلمانوں کے حق میں فرمائی ہے اوران کو تنبیہ کی ہے کہ یہ فتنہ مولویت سے بچتے رہیں۔

افسوس کہ آج علمائے سُو نے یہودی اور عیسائی علماءِ سُو کی روش اختیار کررکھی ہے۔ یہ لوگ چند ٹکوں کے لیے عوام سے سچائی چھپاتے ہیں۔

سچ بات کہنے کی جرأت نہیں کرتے اور دنیا پرستی میں پڑکر دین کے تقاضوں پر عمل نہیں کرتے، بل کہ عوام سے پیسہ کمانے، دعوتیں کھانے اور عزت واحترام کی قیمت وصول کرنے کے لیے ان جاہل پیروں، دنیادار ملاؤں، بے روح فقیروں اور ظلمت فگن لوگوں نے آنکھ بند کر کے یہود ونصاریٰ کے احبار ورہبان کی پیروی کی ہے۔ عامۃ المسلمین کو ایسے خطر ناک لوگوں سے بہت بچنا چاہیے اور اپنی دنیا اور اپنے دین دونوں کو ان سے بچانا چاہیے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَ جُنُوْبُهُمْ وَ ظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ﴿۳۵﴾

جس دن آگ دہکائی جائے گی اس پر دوزخ کی، پھر داغی جائیں گی اس سے ان کی پیشانیاں، اوران کے پہلو اوران کی پشتیں، یہ ہے کہ جو تم نے اپنے لئے خزانہ بنا رکھا تھا، پس چکھو اپنے خزانہ کا مزا۔ (پ۱۰ع۱۱ سورۂ توبہ:۳۵)

جولوگ اس دنیا میں اپنی دولت کو خزانہ بنا کر اس پر سانپ کی طرح دھرنا مارے پڑے رہتے ہیں نہ خود کھاتے پہنتے ہیں نہ غریبوں، محتاجوں اور حاجت مندوں کا کام چلاتے

ہیں، ان کا حال آخرت میں بڑا ہی خراب ہوگا۔

قرآن حکیم نے ایسے لوگوں کی ناکامی کا جو نقشہ کھینچا ہے، وہ ہر مسلمان کے لیے دل دہلانے والا ہے، یہی سونے چاندی کی سِلیں جو دنیا میں بچا کر رکھی گئی تھیں، جہنم کی آگ میں تپا کر سرخ کی جائیں گی، پھر دولت کے پجاریوں اور اس کا حق نہ ادا کرنے والوں کے چہرے، پہلو اور پیٹھ میں داغی جائیں گی، اور ساتھ ہی کہا جائے گا لو مزا چکھو اپنے خزانے کا جسے تم نے اٹھا کر سمیٹ دیا تھا اور سمجھتے تھے یہ دولت سب کچھ ہے، اور آئندہ کام آنے والی ہے، اس دن معلوم ہوگا کہ یہ دولت جو اللہ کی نعمت تھی، ہم نے اس میں برائی کر کے کس طرح اپنے حق میں زحمت بنا لیا ہے، مگر اس دن پچھتانا نہ کام آئے گا، نہ چلانا کام آئے گا اگر اس صورت حال سے بچنا ہے، تو آج دنیا میں دولت کما کر خلق اللہ کی خدمت کرنی چاہئے، خود کھانا پہننا چاہئے اور ضرورت مندوں کو بھی ان کا حصہ جسے شریعت نے مقرر کیا ہے، دینا چاہیے، آج ہی کا دینا کل کام آئے گا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۙ﴿۳۴﴾ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ﴿۳۵﴾

جو لوگ سونے چاندی کو جمع کر کے رکھتے ہیں، اسے خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ہیں، تو انھیں ایک بڑے عذاب سے خبردار کر دو، جس روز جہنم میں ان کے چہروں، پہلوؤں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ وہ سونا چاندی ہے، جسے تم نے دبا کر رکھتے تھے، پس آج تم اس کا مزا چکھو۔ (پ ۱۰ ع ۱۱ سورۂ توبہ: ۳۴، ۳۵)

یہاں بتایا گیا ہے کہ سونا چاندی جمع کرنے ،سرمایہ دار بننے کے لیے نہیں ہے، بل کہ اس لیے کہ وہ خدا کی راہ میں مخلوق کی خدمت کے لیے صرف کیا جائے، اور اسے دوسروں میں تقسیم کیا جائے، تا کہ سرمایہ کی گردش ہوتی رہے، اور وہ بیکار نہ پڑا رہے، جو لوگ سونا چاندی کو دبا کر اور چھپا کر رکھتے ہیں، اور خود مالک بنتے ہیں، ان کو وہ وقت یاد کرنا چاہیے، جب ان ہی سونے چاندی کے سکوں سے ان کے چہروں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ وہی سونا چاندی ہے، جسے تم چھپا کر رکھتے تھے، اور خدا کی مخلوق پیسے پیسے کو ترستی تھی، آج اس سرمایہ پرستی کا مزا چکھو، اور دیکھو کہ یہاں کون تمہارے کام آتا ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

زُيِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۷﴾

ان کے لیے ان کے اعمال کی بُرائی مزین کردی گئی ہے، اور اللہ کافر قوم کو ہدایت نہیں کرتا۔ (پ ۱۰ ع ۱۱ سورۂ توبہ: ۳۷)

آپ نے جس دن کسی کو پہلی مرتبہ دیکھ کر یا کسی کے کہنے سے سگریٹ پیا تھا، یاد تو ہوگا آپ کی حالت کیا سے کیا ہو گئی تھی، وہ کتنا تلخ، اور کس قدر بدمزہ معلوم ہوتا تھا، اسی طرح پہلے دن پان کے تمباکو کا مزہ یاد ہوگا، مگر اب بتائیے کہ وہ تکلیف، وہ سختی اور وہ بدمزگی کبھی محسوس ہوتی ہے، اور پان اور سگریٹ کی مخالفت پر ذرا بھی طبیعت تیار ہوتی ہے۔

اگر آپ ان چیزوں کے عادی بن چکے ہیں، تو سب کچھ یاد رہنے کے باوجود ان سے ذرا بھی نفرت نہیں ہوتی ہوگی، اور ان کے استعمال سے فرحت معلوم ہوتی ہوگی، تو کیا اس انقلاب ذہنی سے ان چیزوں کی ماہیت بدل گئی؟

اور کیا اب ان میں وہ بدمزگی، وہ سختی، اور وہ خرابی باقی نہیں رہی؟ اور کیا ہماری

عادت نے ہمارے دل ودماغ کو بدل دینے کے باوجود ان کی خاصیتوں کو بھی بدل دیا ہے؟

آپ یقیناً کہیں گے کہ چیزیں وہی ہیں، اوران کے اثرات بھی وہی ہیں، مگر ہماری عادت اور ہمارے ذہنی انقلاب نے ان کو ہمارے لیے خوش مزااور ذائقہ دار بنادیا ہے، اور ان کی سُمّیت اور تیزی باعث تسکین دل ہوگئی ہے۔

بقیہ یہی حالت دوسرے بُرے اعمال کا ہے، اگر انسان بُرے کام بار بار کرتا ہے تو وہ قابل نفرت معلوم نہیں ہوتے ، اوران کی بُرائی ہلکی معلوم ہونے لگتی ہے، ان میں آرٹ اور حسن نظر آتا ہے، اوردل ان سے باز رہنے کے لیے تیار نہیں ہوتا، مگران حسین وجمیل معلوم ہونے والے بُرے اعمال کے اثرات اپنی جگہ قائم ہیں، اوراپنا کام کررہے ہیں، اورآخر میں انسان اس طرح ان کی زد میں آجاتا ہے، جس طرح ایک پُرانا شرابی آخر میں لقوہ اورفالج میں مبتلا ہوجاتا ہے، یااس کے قلب کی حرکت یک بیک بند ہوجاتی ہے، اے لوگو! بُرائی کو اپنے لیے حسین وجمیل نہ بناؤ، ورنہ اس کی قباحت تباہ کردے گی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

زُيِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۷﴾

خوب صورت اورمزین بنادیئے گئے ان کے لیے ان کے بُرے اعمال اوراللہ کافر قوم کو ہدایت نہیں کرتا ہے۔ (پ۱۰ ع۱۱ سورۂ توبہ: ۳۷)

جب آدمی کی آنکھ پر چربی چھاجاتی ہے تو موٹی سے موٹی بات بھی اس کی سمجھ میں نہیں آتی ہے، ہر سیدھی بات کو الٹی بنا کر کہتا ہے، اور صحیح راہ کو چھوڑ کر غلط راہ پر چلتا ہے، پھر اس سے کسی قسم کی اچھی توقع ختم ہوجاتی ہے، اوراس کے لیے کسی سچائی کا تسلیم کرلینا، کسی حق بات کو مان لینا، کسی صحیح چیز کو صحیح کہہ دینا تقریباً ناممکن ہوجاتا ہے۔

جب کسی دنیادار، گمراہ اور گنہ گار کی یہ حالت ہوجاتی ہے،تو پھر اسے اپنی ہر بُرائی بھلی معلوم ہوتی ہے، ہر بدعملی نیکی معلوم ہوتی ہے،اور ہر گمراہی ہدایت معلوم ہوتی ہے، وہ سمجھتا ہے کہ میرے منہ سے جو بات نکلتی ہے، وہی حق ہے،اوراس کے خلاف جو بھی بات ہے، سراسر غلط ہے، ایسے بیہودوں نے اپنے مفلوج دماغ کو گویا ہر چیز کے معلوم کرنے کا معیار بنالیا ہے،اور ان کے بھیجے دنیا بھر کی اچھائی اور بُرائی میں اپنی رائے پیش کرتے ہیں۔

پس اس قسم کے گمراہ جن سے امتیاز وفرقان کی قوت سلب ہوجاتی ہوچکی ہوتی ہے، اور جو ہر بُرائی کو اچھائی سمجھتے ہیں، ان کے لیے ہدایت کا کوئی سوال نہیں ہے۔

اے لوگو! ضلالت وگمراہی کے اس آخری درجہ سے پناہ مانگو۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ؕ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿۳۸﴾

اے ایمان والو! تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں نکل پڑو تو زمین سے سمٹ جاتے ہو، کیا تم آخرت کے بجائے حیات دنیا سے راضی ہوگئے ہو؟ پس نہیں ہے حیات دنیا کی پونجی مگر تھوڑی۔ (پ۱۰ ع ۱۲ سورۂ توبہ: ۳۸)

ایک انسان جب ایمان واسلام کی راہ میں داخل ہوجاتا ہے، تو وہ اس بات کے لیے اپنے آپ کو تیار کرلیتا ہے کہ میری زندگی اور زندگی کی تمام قدریں اس راہ میں وقف ہیں، اور میں اپنی زندگی کو اسی وقت تک اپنی سمجھوں گا، جب تک وہ میرے ساتھ ہے، اور جس وقت وہ دین کے کام آجائے گی، میں ذرا بھی پس وپیش نہ کروں گا، اور بے دریغ اسے پیش

کروں گا۔

بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ سرفروش لوگوں اور سچوں کی راہ میں کچھ مفاد پرست، غلط کار اور بزدل آجاتے ہیں، جس کی وجہ سے انتظام میں ایک گونہ خلل واقع ہوجاتا ہے، اور پوری کی پوری کی جماعت ابتری کی نذر ہونے لگتی ہے۔

چنان چہ عہدِ رسالت میں منافقوں اور اسلام کے جھوٹے دعویداروں کی وجہ سے مسلمانوں کی ایک جماعت میں خلل واقع ہونے لگا تھا، اور اسلام کے دشمن بظاہر کام یاب نظر آرہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے بروقت تنبیہ فرمائی، اور صاف صاف کہا کہ اے مسلمانو! تم نے بھی تو اسلام کے لیے اپنی زندگی وقف کی ہے، پھر تمہیں یہ کیا ہوگیا کہ خارجی اثرات سے متاثر ہوکر تم ڈاواں ڈول ہورہے ہو، اور دشمنانِ اسلام کے پھندے میں پھنس رہے ہو، کیا تم بھی آخرت کی ابدی زندگی پر دنیا کی وقتی زندگی کو ترجیح دینے لگے ہو؟ اگر ایسا کروگے تو سخت نقصان میں رہوگے، اور تمہیں دشمنانِ اسلام گمراہ کردیں گے۔

اس تنبیہ کے بعد مسلمانوں کی راہ بدل گئی، اور منافقوں سے کٹ کر وہ اسلام کی راہ میں پوری ہمت سے ڈٹ گئے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ؕ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿۳۸﴾

اے ایمان والو! تمہیں کیا ہوگیا ہے؟ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ خدا کی راہ میں نکل پڑو، تو تم دنیا سے لپٹ کر بھاری بوجھ بن جاتے ہو، کیا تم آخرت کے بدلے میں حیات

دنیا سے خوش ہو گئے ہو، تو خوب سمجھ لو کہ حیات دنیا کی پونجی آخرت میں بہت کم ہے۔

(پ۱۰ ع ۱۲ سورۂ توبہ: ۳۸)

حالت جنگ اور ہنگامہ جہاد کے موقع پر صورت حال نازک ہوجاتی ہے، اور ضرورت پڑ جائے تو تمام مسلمانوں کو اللہ کی راہ میں اپنے گھروں سے نکل پڑنے کا حکم ہے، ایسے وقت میں عوام اور فوج کا امتیاز اٹھ جاتا ہے، اور تمام مسلمان اسلام کی طرف سے دفاع کے محاذ پر جمع ہوجاتے ہیں، ہنگامی صورت حال جب برپا ہوجائے تو کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ کسی قسم کا عذر اور بہانہ کر کے دین کے مقابلہ میں اپنی ذات کا پاس کرے، اور اسلامی زندگی کی اجتماعی حالت کو تباہ و برباد ہوتا دیکھ کر اپنے گوشۂ عافیت میں جان چرائے بیٹھا رہے۔

لیکن ایسے بزدل، مطلب پرست اور خودغرض ہر دور میں رہے ہیں، جو اسلام پر نازک وقت آجانے پر چپ سادھے بیٹھے رہتے ہیں، اور خدا کی راہ میں دم دبا کر اپنی زندگی کو خدا کی زمین کے لیے باعث شرم و عار بناتے رہتے ہیں۔

ایسے حریفانِ دنیا عہدِ رسالت میں بھی تھے، جن کو "منافق" کے خطاب سے یاد کیا جاتا ہے، یہ لوگ موقع بہ موقع باتیں خوب بناتے تھے، اور اسلام کے لیے اپنا گھر بار، جان و مال، آل و اولاد تک قربان کر دینے کی غلط یاد دہانی کیا کرتے تھے، مگر جب وقت آجاتا تھا تو وہ چوروں کی طرح بغلیں جھانکنے لگتے تھے، اور اس طرح گھروں میں گھس جاتے تھے کہ باہر نکلنے کا نام ہی نہیں لیتے تھے۔

آج بھی ایسا ہوتا ہے کہ اسلام اور مسلمانوں پر جب ہنگامی صورت حال طاری ہوجاتی ہے، اور ملی زندگی پر نازک وقت پڑ جاتا ہے تو اس موقع پر تم دیکھتے ہو کہ اسلام کے

نام پر عزت حاصل کرنے والے خود غرض لیڈر، زر پرست، سرمایہ دار، بزدل مذہبی پیشوا، اپنی خیر منانے کے لیے کس طرح قلابازیاں کھاتے ہیں، اور اپنے اقتدار و اثر کی گدی نہیں چھوڑتے، اپنی دولت پر سانپ کی طرح بیٹھ جاتے ہیں اور تمام تقدس و روحانیت کا غبارہ سکڑا لیتے ہیں۔

خوب یاد رکھو! جو لوگ کام کے ہونے کے باوجود اسلام اور مسلمانوں کے کام نہیں کرتے، وہ دونوں جہان میں ذلیل و خوار ہوں گے، اور ان کے لیے بڑی دردناکی ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ؕ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿۳۸﴾

اے مومنو! تمہیں یہ کیا ہو گیا کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ نکل بھاگو خدا کی راہ میں تو تم زمین میں سمٹ جاتے ہو، کیا تم آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی زندگی پر راضی ہو گئے ہو، پس (سمجھ لو) کہ آخرت میں حیاتِ دنیا کی متاع قلیل ہی ہے۔ (پ ۱۰ ع ۱۲ سورۂ توبہ: ۳۸)

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت عامہ پر ایمان لانے والے اور اسلام کے کلمہ جامعہ کے پڑھنے والے اگر ایسا کریں کہ دین کے کاموں میں، خدا کی راہ میں جان و مال خرچ کرنے کے موقع پرست پڑ جائیں، تو وہ اسلام و ایمان کی روح سے غافل ہو کر حیات دنیا کے بندے ہیں۔

مسلمانوں کے کسی کام میں شرکت کرتے وقت شکم میں درد ہونے لگے، اسلامی کام کے لیے آنے جانے میں بیماری کا بہانہ پیدا ہو جائے، دینی اُمور میں چندہ دینے کے نام

پر سانپ سونگھ جائے، تبلیغی خدمت اور سفر کے موقع پر کام بڑھ جائیں، تو ایسی حالت میں اسلام کی تسلیم ورضا کی روح سے دل خالی ہے، اللہ ورسول کی محبت نہیں، حیات دنیا اور متاعِ دنیا سے محبت ہے، اگر خدا کی راہ میں کام کرنے کے لیے نفر یعنی نکل پڑنے کا موقع ہو، اور کوئی شخص روپئے پیسے دے کر چھڑا جائے، تو یہ بھی زمین میں سمٹنے کے برابر ہے، بل کہ ایسے موقع پر ہر مسلمان ذاتی طور سے اسلام کی خدمت کا ماخوذ ومسئول ہے۔

غور کرو! آج دین کے لیے، اس کے فنا کے لیے، بقاء کے لیے، حفاظت کے لیے، ہر ہر مسلمان پر کیا ذمہ داری ہے، اور پھر ہر مسلمان اس راہ میں کیا کر رہا ہے۔

خدانخواستہ ایسی بات تو نہیں ہے کہ مسلمان آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی محبت میں پھنس کر دین کے تقاضوں کو پورا نہیں کر رہے ہیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اِلَّا تَنۡفِرُوۡا يُعَذِّبۡكُمۡ عَذَابًا اَلِيۡمًا ۙ وَّ يَسۡتَبۡدِلۡ قَوۡمًا غَيۡرَكُمۡ وَ لَا تَضُرُّوۡهُ شَيۡـًٔـا ‌ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ۝۳۹

اگر تم لوگ خدا کی راہ میں نہ اٹھ کھڑے ہوگے تو خدا تم کو دردناک عذاب دے گا، اور تم کو بدل کر دوسری قوم کو لائے گا، اور تم خدا کو کوئی نقصان نہیں پہونچا سکوگے، اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (پ ۱۰ ع ۱۲ سورۂ توبہ: ۳۹)

خدا کی راہ میں کام آنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم سے اللہ کھانا چاہتا ہے، اسے کپڑے کی ضرورت ہے، اور تم سے کوئی رقم طلب کرتا ہے، بل کہ خدا کی راہ میں کام آنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان اس کے برپا کیے ہوئے نظام کو برقرار رکھے، اور اس کے جاری رکھنے کی کوشش کرے۔

اس سلسلہ میں سب سے سچا اور کام یاب نظام وہ ہے، جسے ”اسلام“ کہا جاتا ہے، اور جسے قرآن حکیم انسانوں کے سامنے پیش کرتا ہے۔

یہی راہ خدا کی راہ ہے، اسی پر چلنے سے خدا ملتا ہے، اور اس کی مرضی کا حصول ہوتا ہے، دنیا بھی ملتی ہے، آخرت بھی ملتی ہے، اس راہ کو آباد کرنے کے لیے ان لوگوں کو اٹھنا پڑے گا، جو اسے اپنا چکے ہیں۔

اگر وہ اسے اپنے اوپر جاری کرنے میں یا دوسروں تک پہونچانے میں غفلت کریں گے، تو وہ صرف اس کی نسبت کی وجہ سے کام یاب نہیں ہوں گے، بل کہ ان کو ذلت و رسوائی نصیب ہوگی، اور ہوسکتا ہے کہ اس دین کے نہ ماننے والے تکوینی حالات اور اَسباب و وسائل کی فراہمی کے باعث وقتی غلبہ، ہنگامی عزت اور خوش حالی پائیں، مگر جو لوگ اس دین کے حامی بن کر اس سے غفلت کریں گے، وہ ذلیل و خوار ہوں گے، اور بلا عمل کے ان کو عزت و آبرو نہیں ملے گی۔

خدا کی راہ میں جہاد فی سبیل اللہ ہو، یا دین کے دوسرے کام ہوں، سب میں کوشش کرنا انفرادی اور اجتماعی زندگی کی فلاح و نجاح کا باعث ہے۔

آج ملت اسلامیہ کی جس قسم کی ضروریات ہیں، ان کو پورا کرنا بھی خدا کی راہ میں اٹھنا ہے، اور جو لوگ اس سے جی چرائیں گے، وہ ذلیل و خوار زندگی کے سزاوار ٹھہریں گے، اور ان کی نا اہلیت ختم کردی جائے گی، اگر نا اہلیت کم درجہ کی ہے، تو آسانی سے ختم ہوجائے گی، ورنہ خود ایسے نا اہل لوگوں کو ختم کر کے اس کا خاتمہ کیا جائے گا۔

تم دیکھو! آج ملت اسلامیہ کو جس قسم کی خدمت کی ضرورت ہے، اسے پورا کرنے والے مسلمان موجود ہیں یا نہیں؟ اگر وہ ایسے نہیں ہیں تو ان کو ذلت و رسوائی کے ساتھ ختم

کر دیا جائے گا، اور ایسے لوگ لائے جائیں گے، جو یہ کام کر سکیں، تا کہ خدا کا یہ ابدی نظام جاری رہے، اور اس میں کسی قسم کا فتور نہ آنے پائے۔

سوچو! آج ملت اسلامیہ کی کتنی ضرورتیں ہیں، جن کو آج کے مسلمان پورا کرتے ہیں، اور دنیا میں باعزت زندگی رہنے کا انتظام کرتے ہیں، اگر یہ بات نہیں ہے، تو مسلمان اور زیادہ حرماں نصیبی میں مبتلا ہوں گے، اور ان کو اور بھی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے گا، لہٰذا کام کرو، تا کہ یہ دن نہ دیکھنا پڑے، اور اسلامی نظام اپنی جگہ پوری طرح بحال رہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّ يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَ لَا تَضُرُّوْهُ شَيْـًٔا ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳۹﴾

اگر تم لوگ (خدا کی راہ میں) نہ اٹھ کھڑے ہو گے تو اللہ تمہیں دردناک عذاب دے گا، اور تمہارے بدلہ میں دوسری قوم کو لائے گا، اور اسے کوئی ضرر نہیں پہونچا سکو گے۔

(پ ۱۰ ع ۱۲ سورۂ توبہ: ۳۹)

کسی قوم کو دنیا میں عزت، سربلندی، اقتدار کی دولت اور آخرت میں دائمی راحت اور ابدی آرام اور دوامی سرور کی نعمت اس لیے نہیں ملتی ہے کہ وہ بہت گوری چمڑی کی ہوتی ہے، یا اس سے خدا کی رشتہ داری ہوتی ہے، بل کہ دونوں جہان کی سرخ روئی ان قوموں اور ان کے ان افراد کو ملتی ہے، جو خدا کی راہ میں کام آتے ہیں، خدا کی راہ کیا ہے؟ ایمان و اسلام کی راہ، امن و سلامتی کی راہ، عدل و انصاف کی راہ، عمل و کردار کی راہ، صلاح و تقویٰ کی راہ اور ہر قسم کی نیکی کی راہ، ان ہی خدائی راہوں میں جو لوگ اپنے مال اور جان سے کام آتے ہیں، ان کو خدا کے خزانۂ مجازات سے اور ذخیرۂ رحمت سے انعام و اکرام کا تحفہ ملتا ہے۔

پس لوگ یادرکھیں کہ اگران کے پاس دنیا کی دولت جمع ہے،اوروہ دولت میں وقت کے قارون ہیں،قصورمحلات میں شداد ہیں،اورعزت واقتدارمیں فرعون ہیں،توخداان کو دردناک عذاب دے گا،جیسا کہ قارون،شداداورفرعون کو دیا،اورپھراس عبرت ناک سزا کا آخری نتیجہ یہ ہوگا کہ ان کی تمام زبانی جمع خرچی دھری کی دھری رہ جائے گی،اورقانونِ قدرت ان کوختم کرکے دوسری قوم کوجوخدا کی راہ میں کام آنے والی ہوگی،دنیامیں لائے گا، کیوں کہ ہرحال میں یہ نظام عدل وانصاف قائم رہے گا،ضابطۂ امن وسلامتی برقراررہے گا، اورمیزانِ عمل وکرداربحال ہی رہے گی۔

البتہ جولوگ اس راہ میں روڑے بنیں گے،ان کوختم کردیاجائے گا،اوران کی جگہ کسی دوسری قوم کودی جائے گی،پھرنہ کوئی تدبیرچلے گی،نہ کوئی مکرکام کرسکے گا،اورنہ ہی کوئی بس چلے گا کہ اس قوم کے معاملات میں دخل دیاجاسکے۔

مسلمانو!غورکرو،سوچو،اورڈرکراپنی زندگی کی راہ بدل دو۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اِلَّا تَنْفِرُوْا یُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ۙ وَّ یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ وَ لَا تَضُرُّوْهُ شَیْـًٔا ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۳۹﴾

اگرتم لوگ خدا کی راہ میں نہ نکل پڑوگے تواللہ تم کودردناک عذاب دے گا،اور تمہارے بدلے دوسری قوم کولائے گا،اورتم اس کوکسی قسم کا ضررنہ دے سکوگے اوراللہ ہر چیزپرقادرہے۔ (پ۱۰ع ۱۳ سورۂ توبہ: ۳۹)

مسلمان نہ سمجھیں کہ چاہے وہ دینی اعتبارسے اپاہج ہوجائیں،لنگڑے لولے ہوجائیں،اورقویٰ ایمانی کوشل کرڈالیں،مگرخداان کو پیارکرتارہے گا،اوران کی نازبرداری

کرتا رہے گا۔

قانونِ قدرت یہ ہے کہ جس قوم پر کوئی ذمہ داری ڈالی جاتی ہے اوراس کے پورا کرنے کی شرط پراس کی ترقی منحصر ہوتی ہے، جب ایسی قوم اپنی ذمہ داری سے غفلت کرتی ہے،تو قانونِ الٰہی کی نظر میں دردناک عذاب کی سزاوارٹھہرتی ہے، دنیامیں تباہی وبربادی اورذلت سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔

پس آج مسلمان سمجھ لیں کہ اگروہ خدا کی راہ میں کچھ کرنے کے لیے تیارنہیں تو دنیامیں دردناک قومی عذاب میں مبتلا ہوں گے،اورخدا ان کی جگہ کسی باعمل قوم کو مسلمان کے نام سے لائے گا، جسے آج کے مسلمان لاکھ بُرا بھلا کہیں، لاکھ اس کے پیچھے پڑیں،مگراس کا ایک بال بھی بیکا نہ کرسکیں گے۔

اسلام کسی قوم کی میراث نہیں ہے، جو خاندانی ترکہ کی طرح چلتی رہے،بل کہ ایک حقیقت ہے،جس کو زندہ قوم سمجھتی ہے،اوراس پر عمل کرتی ہے،اوراگر کوئی قوم اس کی طرف سے ذرا بھی غفلت کرے تو خدا دوسرے لوگوں کو اس کے لیے چن لیتا ہے۔

اسلام کا نعرہ بلند کرنا، زبانی دعویٰ کرنا،اوراپنے مسلمان ہونے کے لیے ثبوت پیش کرنا کوئی معنیٰ نہیں رکھتا،بل کہ اصل چیز ایمان وعمل ہے، یہ جس قوم میں پائی جائے گی، وہ مسلمان کہلائے گی،اورخداوندی برکات کی مستحق ٹھہرے گی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّ يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَ لَا تَضُرُّوْهُ شَيْـًٔا ؕ

اگرتم نہ نکل پڑوگے تو اللہ تم کو دردناک عذاب دے گا،اورتمہارے علاوہ دوسری

قوم کو بدل کر لائے گا، اور تم اللہ کو کوئی نقصان نہ پہونچا سکو گے۔ (پ ۱۰ ع ۱۲ سورۂ توبہ: ۳۹)

سچائی اور حقانیت کو نہ ماننا اور اسے قبول نہ کرنا بہت ہی بُری بات ہے، اور اس کا وبال بہت ہی سخت صورت میں ظاہر ہوتا ہے، مگر اس سے بڑی بات اور اس سے سخت وبال اس میں ہے کہ حق کو تسلیم کر لینے کے بعد اس کے تقاضوں پر عمل نہ کیا جائے، اور سچائی کی راہ میں بزدلی اور پست حوصلگی دکھائی جائے۔

حقانیت ایک طاقت ہے جس کے مل جانے کے بعد انسانیت مین بے پناہ قوتِ اقدام آجاتی ہے، اور اس سے ایک صالح زندگی ابھر جاتی ہے۔

اگر یہ بات کسی فرد یا جماعت میں پیدا نہ ہو تو خود نہ اسے حقانیت کو تسلیم کرنے سے کوئی فائدہ ہوگا، اور نہ ہی حق کو اس سے کوئی مدد مل سکے گی۔

لہٰذا ایسے اپاہج افراد اور ایسی شل قوم سے دنیا کو کوئی فائدہ نہ پہونچ سکے گا، اور ان کا خاتمہ ہی بہتر ہے، تاکہ ان کی جگہ دوسرے افراد اور دوسری قومیں آ کر اس کام کو سنبھالیں، اور حق کو لے کر اس کی ناز برداری کریں، جو لوگ اپنی پست حوصلگی و بزدلی کی پاداش میں صفحۂ ہستی سے مٹا دیئے جاتے ہیں، وہ نظام قدرت کو کوئی نقصان نہیں پہونچا سکتے ہیں، اور نہ اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ میں کوئی تبدیلی کر سکتے ہیں۔

بل کہ اپنی بزدلی اور کم حوصلگی کی وجہ سے خود سراسر نقصان میں ہو جاتے ہیں، اور دوسرے تازہ دم، جوان ہمت، بلند حوصلہ لوگ اس نظام کو سنبھال لیتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی سنت ہمیشہ سے یوں جاری رہی ہے، اور اس میں تبدیلی نہیں ہو سکتی ہے۔ لوگ بدلتے رہتے ہیں، لیکن اللہ کا طریقہ نہیں بدلتا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَ اَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَ جَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ؕ وَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ؕ وَ اللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۴۰

اگر تم اس کی مدد نہ کرو گے، تو اللہ نے اس کی اس وقت مدد کی ہے، جب کہ کافروں نے اسے نکال باہر کیا تھا، دو میں کا دوسرا، جس وقت کہ وہ دونوں غار میں تھے، جب کہ وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا کہ غم نہ کرو، یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے، تو اللہ نے اس پر اپنا سکینہ نازل کیا، اور ایسی فوج سے اس کی مدد کی، جسے تم نہ دیکھ سکے، اور کفار کے کلمہ کو پست کیا، اور اللہ کے کلمہ ہی کو بلند کیا اور اللہ عزیز و حکیم ہے۔ (پ ۱۰ ع ۱۲ سورۂ توبہ: ۴۰)

دینی حقائق کسی خاص انسان یا جماعت یا نسل کی ملکیت نہیں ہوتے، اور ان کی ذمہ داری کسی خاص فرد یا کسی خاص جماعت کے سر نہیں ہوتی، بل کہ وہ اللہ کے اصول ہوتے ہیں، اللہ ہی ان کو پروان چڑھاتا ہے۔

البتہ اَفراد اور جماعتوں کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ ان اصولوں اور حقائق کی تبلیغ و اشاعت کریں، اور اللہ کے دین کو دوسروں تک پہونچا دیں، جو جماعتیں اور شخصیتیں دین کو لے کر اُٹھتی ہیں، اور اس کی تبلیغ واشاعت پر کمر باندھتی ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی مدد فرماتا ہے، ان کے لیے مشکلات میں راہ پیدا کرتا ہے، اور ہر طرح ان کو محفوظ رکھتا ہے۔

اس حقیقت کی بہترین مثال ہجرت کے اس نازک ترین وقت کی ہے، جب کہ اللہ کے دین کے خلاف کفار و مشرکین نے اجتماعی قدم اٹھالیا، اور قول و عمل کی ساری طاقتوں کو سمیٹ کر اللہ کے داعی ہی کو دنیا سے ختم کر دینے کا قصد کیا، تو اللہ نے اپنے رسول اور اس کے

مونس ورفیق کی ہر طرح مدد کی۔

یہ مثال ان تمام اربابِ عزائم کے لیے ہے، جو اس دنیا میں سچائی کو لے کر نکلتے ہیں، اور راہ کی مشکلات میں صبر و استقلال سے کام لیتے ہیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا وَّ سَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوْكَ وَ لٰكِنْۢ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ؕ وَ سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ۚ يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۚ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۠﴿۴۲﴾

اگر مسافت کم ہوتی، اور سفر درمیانی ہوتا، تو وہ یقیناً آپ کے پیچھے چلتے، لیکن ان پر مشقت طویل ہے، اور وہ عنقریب اللہ کی قسم کھائیں گے کہ اگر ہم کو استطاعت ہوتی، تو ہم ضرور لوگوں کے جہاد کے لیے نکلتے، وہ اپنی جانوں کو ہلاک کر رہے ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے کہ وہ یقیناً جھوٹے ہیں۔ (پ۱۰ ع ۱۲ سورۂ توبہ: ۴۲)

بے عمل لوگوں، اور بزدل انسانوں کے لیے قدم قدم پر دشواری اور مجبوری درپیش آتی ہے، اور وہ زندگی اور عمل کے کسی موڑ پر اپنے اندر ہمت اور حوصلہ نہیں پاتے، کیوں کہ ان کے دل میں کھوٹ ہے، ان کے دل میں چور ہے، اور ان کے دل میں دغدغہ ہے، ان کو یقین وعقیدہ کی عزیمت حاصل نہیں ہے، وہ ہر کام میں پس و پیش کرتے ہیں، مگر ایسے بزدل اور بے عمل اپنے کو دوسروں کے سامنے نہایت چالاک اور بلند حوصلہ ظاہر کرتے ہیں، اور جہاں تک زبانی جمع خرچ کا تعلق ہے، بہت ہی چرب زبان واقع ہوتے ہیں۔

عہدِ رسالت میں منافقوں کا یہی حال تھا کہ وہ جہاد وغزوات کا نام سن کر مرنے لگتے تھے، اور ان کا دم نکلنے لگتا تھا، اور گھر میں بیٹھے ہوئے راستہ کی دوری اور راستہ کی

مشکلات کوسوچ سوچ کر گھلتے جاتے تھے، مگر مسلمانوں کوقسم کھا کھا کر باور کرانا چاہیے تھے کہ ہم غریب ومحتاج لوگ ہم مریض ہیں، اور ہمارے گھر میں ہمارے سوا کوئی مرد نہیں ہے، اس لیے جانے سے مجبوری ہے۔

اس قسم کے بزدل جماعت کو سخت نقصان پہونچاتے ہیں، اوران کی بزدلی سے اجتماعی زندگی میں خلل پیدا ہوتا ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۴﴾

جولوگ اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے تھے، وہ اس بات کو آپ سے نہیں پوچھیں گے کہ اپنے جان ومال سے جہاد کریں، اوراللہ متقی لوگوں کو خوب جانتا ہے۔

(پ۱۰ع ۱۳ سورۂ توبہ: ۴۴)

اللہ کے دین پر عمل کرنا، لوگوں کو اس پر عمل کرانے کے لیے ترغیب دینا اوراس راہ میں اپنے مال اوراپنی جان کولے کراتر پڑنا، ان ہی لوگوں کا کام ہے، جواللہ کے دین کے شیدائی ہیں، جورسول کے اَحکام واَوامر پر فریفتہ ہیں، اور جواللہ ورسول کی محبت میں حساب وکتاب نہیں کرتے۔

بل کہ اس عقیدہ ویقین کے ساتھ میدان میں بے دھڑک کود پڑتے ہیں کہ اللہ ورسول کے کام آنا زندگی کی عین کام یابی ہے، اور یہ زندگی اسی لیے ملی ہے، زمانۂ رسالت میں ایسے ہی فدا کاروں نے اپنا سب کچھ قربان کردیا، اوردین اسلام کو دنیا میں عام کیا، اوراس کی برکتوں سے دنیا بھر کی قوموں کو بہرہ ور ہونے کا موقع دیا۔

ایسے فدا کارانِ اسلام نے اپنے رسول سے کبھی نہیں پوچھا کہ اللہ کی راہ میں کہاں جانا ہے، کیا کرنا ہے، اور کیا صورت حال پیش آنے والی ہے، ان ہی گروہ میں کچھ ایسے لوگ بھی تھے، جو مول بھاؤ کی ذہنیت رکھتے ہیں، اور اسلام کی راہ میں نکلنے سے پہلے سوچتے تھے کہ ہمیں کیا ملے گا، ایسے لوگوں کی نگاہ دنیا کے ظاہری اسباب پر تھی، وہ دنیاوی نفع کے پھیر میں تھے، اور اسی ارادہ سے نکلتے تھے۔

بہر حال جو طبقہ جیسی ذہنیت رکھتا تھا، اسے ویسا ہی پھل ملا، ایک طبقہ نے خدا پرستی کی جزا پائی، اور دوسرے طبقہ نے دنیا پرستی کی سزا پائی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ ارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ﴿۴۵﴾

جہاد کے بارے میں وہی لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ جو اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، اور ان کے دل شک وشبہ کرتے ہیں، پس وہ لوگ اپنے شک میں چکر کاٹا کرتے ہیں۔ (پ ۱۰ ع ۱۳ سورۂ توبہ: ۴۵)

کسی آدمی کو کسی بات کا حکم دے دیا، پھر وہ بار بار اس کے بارے میں سوال کرے، گھما پھرا کر اسی چیز کو پوچھتا رہے، اور رہ رہ کر اس میں کنہ نکالتا رہے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس کام کو کرنا تو نہیں چاہتا، مگر ساتھ ہی یہ بھی ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ وہ ہمہ تن تیار ہے، اور اسے اس چیز سے اس قدر دل چسپی ہے کہ وہ بار بار اسی کا تذکرہ کرتا ہے، اور اسی کی باتیں کرتا ہے۔

عہدِ رسالت میں منافقوں کا یہی حال تھا، وہ بظاہر مسلمان اور باطن میں کافر تھے،

مگر مسلمانوں میں اپنے کو سب سے آگے ثابت کرنے کے لیے ایک ایک بات سینکڑوں مرتبہ گھما پھرا کر پوچھا کرتے تھے۔

اسی سوال وجواب میں کوئی ایسی بات بھی نکال دیا کرتے تھے، جس سے یہ اشارہ نکل سکے کہ فلاں صورت میں فلاں کام کی گنجائش ہے، اس طرح اپنی تیاری ظاہر کرنے کے ساتھ بھاگنے کی صورت نکالا کرتے تھے، خصوصیت سے جہاد وغزوہ کے موقع پر ان کی جان نکلنے لگتی تھی، اور وہ طرح طرح کے حیلے بہانے بنانے سے اپنے لیے فرار کی راہ تلاش کرتے تھے۔

یہ بات صرف اس لیے تھی کہ ان کے دل میں اسلام کی طرف سے شک تھا، وہ دین کی باتوں پر یقین نہیں رکھتے تھے، جس سے بے پناہ عملی طاقت ابھر جاتی ہے۔

قرآن حکیم کا کہنا ہے کہ ایسے لوگ ہمیشہ ڈاواں ڈول ہی رہا کریں گے، اور ان کو یقین وثبات کا چین کبھی نصیب نہ ہوگا، ان کی یہ بے چینی مرتے دم تک نہیں جائے گی، اور کسی حال میں سکھ چین کی زندگی بسر نہیں کرسکیں گے۔

پس اے مسلمانو! شک وشبہ کے تزلزل سے ہٹ کر اعتقاد ویقین کی چٹان پر آؤ، اور دنیا کے کسی معاملہ میں ذرہ برابر شک وشبہ نہ رکھو۔

خوب یاد رکھو! شک وشبہ کی زندگی کبھی کامیاب وبامراد نہیں ہونے پاتی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿۴۶﴾

اور اگر وہ لوگ اللہ کی راہ میں نکلنے کا ارادہ کرتے تو اس کے لیے سامان بہم پہونچاتے، مگر بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ابھار کو ناپسند کیا، اس لیے ان کو دبا دیا،

اور کہہ دیا گیا کہ بیٹھنے والوں کے ساتھ تم لوگ بھی بیٹھ جاؤ۔ (پ۱۰ ع ۱۳ سورۂ توبہ: ۴۶)

جن کے دلوں میں کوئی چیز گھستی نہیں، اور وہ خارجی اثرات سے متاثر ہو کر کسی کام میں ہاتھ ڈالتے ہیں، تو ان کی وجہ سے بنتی ہوئی بات بھی بگڑ جاتی ہے، اور سینکڑوں کے یقین وعزائم پر چند بزدلوں اور شک کرنے والوں کی حالت اثر انداز ہوتی ہے۔

اس لیے بڑے کاموں میں بزدلوں، کم حوصلہ لوگوں، اور ڈرنے والوں کو الگ ہی رکھنا بہتر ہے، ایسے بزدل لوگوں کا پتہ چلانا کچھ مشکل نہیں ہے، ایسے کم حوصلہ افراد ہمیشہ اِدھر اُدھر دیکھتے ہیں، اور اصل بات کی طرف دھیان نہیں دیتے، اور جب موقع پاتے ہیں، کہہ دیتے ہیں کہ ہم تو تیار ہیں، مگر کیا کریں، ہمارے حالات سازگار نہیں ہیں۔

ایسے لوگ اپنی بزدلی اور کم حوصلگی کی وجہ سے اس قسم کی حرکت کرتے ہیں، ورنہ حالات کی سازگاری ان کے لیے اسی طرح ہوتی ہے، جس طرح دوسرے حوصلہ مندوں اور جرأت پسندوں کے لیے ہوا کرتی ہے۔

اللہ تعالیٰ اس قسم کے پست ذہن، پست حوصلہ لوگوں کے کسی بڑی مہم میں شریک ہونے کو اس لیے پسند نہیں فرماتا کہ ان چند لوگوں کی وجہ سے اس مہم پر اثر پڑتا ہے، اور بہت سی مرتبہ بنتے کام بگڑنے لگتے ہیں۔

ان کے لیے پسندیدہ بات یہ ہے کہ وہ پہلے یقین وعقیدہ کو مضبوط کرلیں اور اپنے دل ودماغ میں اسلامی اَحکام واُمور کو پوری طرح بسالیں، اس کے بعد جو بھی وقت آئے، جم کر مردانہ وار اس میں کام کریں، بزدلی کر کے مردانگی ثابت کرنا اسلامی زندگی کے منافی ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَ قَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ وَ ظَهَرَ اَمْرُ

اللّٰہِ وَھُمۡ کٰرِھُوۡنَ ﴿۴۸﴾

تحقیق کہ انھوں نے اس سے پہلے فتنہ برپا کرنا چاہا، اور آپ کے لیے معاملات کو الٹنا چاہا، یہاں تک حق آ گیا، اور اللہ کا امر ظاہر ہو گیا، اس حال میں کہ وہ اس صورتِ حال کو ناپسند کرتے تھے۔ (پ ۱۰ ع ۱۳ سورۂ توبہ: ۴۸)

مسلمانوں کو سب سے بڑا نقصان منافقوں کی وجہ سے پہونچا، جو بظاہر مسلمان اور بباطن کافر ہوا کرتے تھے، وہ اپنی منفعت اور آسانی کے لیے ایک طرف مسلمانوں سے میل و موافقت رکھتے تھے، اور دوسری طرف کفار و مشرکین سے گٹھ جوڑ رکھتے تھے۔

اسلامی غزوات اور غلبۂ اسلام سے پہلے انھوں نے بڑی بڑی کارروائیاں کیں، مسلمانوں کو ختم کرنے کی کوشش کی، اور کافروں اور مسلمانوں کو بھڑا دینے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خلاف طرح طرح کی سازشیں کیں، اور توحید و رسالت کی تحریک کو جڑ ہی سے اکھاڑ دینے کے لیے پورا زور لگا دیا، مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی تمام چالوں کو ناکام کر دیا، اور دین اسلام کو غلبہ دیا، غزوات میں کھلی ہوئی فتح دی، اور کفار و مشرکین کو شکست فاش دی، ان کی تمام حرکتیں ان ہی کے لیے وبال بن گئیں، اور چال چلنے والے ایک دوسرے کا منہ دیکھتے رہے، اور کچھ نہ کر سکے۔

اصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی اور مشیت کا مقابلہ کبھی نفع بخش نہیں ہوا ہے، اور آسمان پر تھوکنے والوں کے منہ پر ہمیشہ تھوک گرا ہے، تم بھی دین کے کاموں میں رکاوٹ پیدا نہ کرو، ورنہ اس راستہ سے ہٹائے جاؤ گے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

لَقَدِ ابۡتَغَوُا الۡفِتۡنَةَ مِنۡ قَبۡلُ وَ قَلَّبُوۡا لَكَ الۡاُمُوۡرَ حَتّٰى جَآءَ الۡحَقُّ وَ ظَهَرَ اَمۡرُ اللّٰهِ وَهُمۡ كٰرِهُوۡنَ ﴿۴۸﴾

تحقیق کہ انھوں نے اس سے پہلے فتنہ برپا کرنا چاہا تھا، اور آپ کے لیے معاملات کو الٹ پلٹ دیا تھا، یہاں تک سچائی آ گئی، اور اللہ کا امر ظاہر ہو گیا، اور وہ اسے ناپسند کرنے والے تھے۔ (پ ۱۰ ع ۱۳ سورۂ توبہ: ۴۸)

یہاں ان کمزور دل ودماغ رکھنے والوں کی قلعی کھولی جارہی ہے، جو عہدِ رسالت میں اس قدر کھوئے کھوئے رہتے تھے کہ اپنے وجود کو خوف وذلت کی نذر کر چکے تھے، بظاہر مسلمانوں سے میل، ملاپ رکھتے تھے، اور اندرونی طور پر کفار ومشرکین سے سازباز رکھتے تھے، ان کی زندگی دورخی تھی، اور مسلمانوں کے لیے بہت ہی فتنہ کا باعث تھی۔

کفار ومشرکین تو کھل کر مسلمانوں کے خلاف تھے، اور مسلمان ان کی گہری سازش کا بہت کم شکار ہوتے تھے، مگر منافقوں کی وجہ سے مسلمانوں کو قدم قدم پر فتنوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا، ان کی زندگی ہمیشہ سازشوں اور فتنوں میں گزرتی تھی، کبھی کوئی فتنہ اٹھاتے، کبھی کوئی بات پیدا کرتے، مگر اللہ کا فضل ہوا کہ اسلام اور مسلمان مفسدوں کے جال سے چھوٹ کر آگے بڑھتے رہے، اور وہ اپنی موت مر گئے۔

آج بہت سے منافق صفت لوگ ہیں، جن کی زندگیاں فسق وفجور کی نذر رہیں، اور جو دین ودیانت کی ابجد تک سے واقفیت نہیں رکھتے۔

مگر جب اسلامی تقریب کا موقع آتا ہے، تو اسلام اور مسلمانوں کے رہنما بن کر یکبارگی سامنے آجاتے ہیں، اور اس اسلامی تقریب کو بالکل بے روح بلکہ غلط رنگ میں پیش کرتے اور کراتے ہیں، خود بھی غلط کاری کرتے ہیں، اور دوسروں کو بھی اس پر آمادہ کرتے ہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اسلامی حقائق سے گھبراتے ہیں، اور اپنی گنہ گار زندگی کو اس سے دور رکھنا چاہتے ہیں، مگر خوب سمجھ لو! اسلامی معاملات میں غلط کاروں کی یہ بھیڑ کام یابی حاصل نہ کر سکے گی، اور اسلامی حقائق ومسائل اجاگر ہو کر رہیں گے، اور اجاگر ہوتے رہتے ہیں، یہ لوگ اس صورت حال سے گھبراتے یا موت محسوس کرتے ہیں، مسلمانوں کے لیے ایسے لوگ فتنہ ہیں، اور اللہ ان کی چالوں سے ہمیں بچائے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ يَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَآ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُوْنَ ۝

اگر تمہیں کوئی اچھائی ملتی ہے تو انھیں بُری معلوم ہوتی ہے، اور اگر تمہیں کوئی مصیبت لاحق ہوتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم پہلے ہی اپنا کام کر چکے ہیں، اور وہ خوش خوش پشت پھیر لیتے ہیں۔ (پ ۱۰ ع ۱۳ سورۂ توبہ: ۵۰)

اسلام ایک اجتماعی زندگی اور ایسا عوامی معاشرہ برپا کرنا چاہتا ہے، جس میں ایک کا دکھ درد سب کا دکھ درد ہو، اور ایک کی خوشی سے سب خوش وخرم رہیں، اسلام اتنی روح ایسے جسم میں پیدا کرتا ہے کہ جس کی آنکھ کے دکھنے سے دل بے چین ہو جائے، سر کے درد سے ہاتھ پیر دردمند ہو جائیں، اور کوئی حصہ جسم خوش وخرم ہو تو تمام اعضاء ہشاش وبشاش نظر آجائیں۔

پس وہ لوگ اسلام کے جسم پر پھوڑے ہیں، اور اس کی اجتماعی زندگی کے لیے ناسور ہیں، جو عام مسلمانوں کی تکلیف سے خوش ہوں، اور کہیں کہ چلو اچھا ہوا، ہم نے اپنا انتظام پہلے سے کر لیا تھا، اور اپنے بچاؤ کے لیے عام مسلمانوں سے الگ ہو کر چہار دیواری قائم کر لی تھی، یا مسلمانوں کی اجتماعی مسرت سے چہار دیواری قائم کر لی تھی، یا مسلمانوں کی اجتماعی مسرت

سے انھیں دلی رنج ہو، اور عوام کو بے فکر، آسودہ حال، پُر امن دیکھ کر ان کی آنکھ پھوٹنے لگے، وہ رات دن جلتے رہیں، اور ان کی اجتماعی زندگی کی خوش حالی کے خلاف سازش کرتے ہیں۔

ایسے ناکام ونامراد لوگ اسلامی معاشرہ میں بظاہر اپنے کو شامل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اور مسلمانوں کو باور کراتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں، مگر درحقیقت وہ لوگ صرف اپنا بھلا چاہتے ہیں، اور اپنی ذات کے فائدہ کے لیے تمام مسلمانوں کا بُرا چاہتے ہیں، عوامی فلاح وبہبود دیکھ کر منہ بسورتے ہیں، اور جب کبھی کسی وجہ سے مسلمانوں پر کوئی وقت پڑ جاتا ہے، تو یہ لوگ جان چرا کر بھاگتے ہیں، اور اغیار کے دامن میں پناہ لے کر اسلامی زندگی کے انتشار پر خوش ہوتے ہیں۔

خوب یاد رکھو! جو لوگ بھی مسلمانوں کی عوامی زندگی کے خلاف حرکت کرتے ہیں، اور اجتماعی زندگی سے الگ ہو کر اپنی ذاتی زندگی کے نفع میں لگے رہتے ہیں، وہ اسلامی زندگی کے اجزا نہیں ہیں، بل کہ ان میں منافقانہ خُو بُو ہے، عوام اور انسانیت کی خوشی سے خوش ہونا، اور اس کی مصیبت پر دردمند ہونا مسلمان کی زندگی کا سب سے بڑا امتیاز ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

قُلْ لَّنْ یُّصِیْبَنَآ اِلَّا مَا کَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰنَا ۚ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۱﴾

آپ کہہ دیں کہ ہم کو ہرگز نہیں پہونچے گی، مگر وہی چیز جسے اللہ نے ہمارے لیے لکھ دی ہے، اور مومنوں کو چاہیے کہ اللہ ہی پر توکل کریں۔ (پ ۱۰ ع ۱۵ سورۂ توبہ: ۵۱)

ایک مسلمان کا پختہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ چاہا کیا، اور جو چاہے گا، کرے گا، خدا کے معاملات میں کسی مخلوق کو ذرہ برابر دخل نہیں ہے، اور کسی میں اتنی طاقت

نہیں ہے کہ اللہ کی مشیت اور ارادہ میں حائل ہوکر اپنی مرضی کو چلا سکے، اور خدا کی مرضی پر اپنی مرضی کو غالب کر سکے۔ اس عقیدہ کی بحالی کے بعد مسلمان اپنے نفع کے حاصل کرنے اور نقصان سے بچنے کی ہر تدبیر کرے۔

اسلام جلبِ منفعت اور دفعِ مضرت کے فطری حق کو سلب نہیں کرتا، البتہ اس حق کے استعمال سے پہلے یہ ذہن ضرور پیدا کرتا ہے کہ نفع حاصل کرنے اور نقصان سے بچنے کی تدبیر اَسباب وعلل کے درجہ میں ہے، مالک ومختار صرف وہی ایک ہے، جس نے نفع ونقصان کے اَسباب وعلل کو بھی پیدا فرمایا ہے، اور ان کے استعمال کا ہم کو حکم دیا ہے، اسلام نے انسانوں میں یہ عقیدہ پیدا کر کے ان کو ہر وقت پُرنشاط اور مسرور رکھا ہے۔

اس عقیدہ کی وجہ سے کبھی مایوس، ناامیدی اور قنوطیت نہیں آتی ہے، بل کہ معاملہ میں مسلمان پہلے ہی سوچتا ہے کہ نفع ونقصان کا حقیقی مالک خدا ہے، اور یہ اَسباب وذرائع اس کے تابع ہیں، اسی عقیدہ نے مسلمانوں کو اَقوام عالم میں بلندی دی، اور ان کو بلند حوصلہ، اُولوالعزم، پُرنشاط اور ہنس مکھ رکھا ہے، اور وہ کسی مرحلہ پر مایوس نہیں ہوتے ہیں، دوسری قوموں کے پاس یہ دولت نہیں ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰىنَا ۚ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۱﴾

آپ کہہ دیجئے کہ ہمیں وہی چیز لگ سکتی ہے، جن کو اللہ نے ہمارے لیے لکھ دیا ہے، وہی ہمارا آقا ہے، اور مومنوں کو چاہیے کہ اللہ ہی پر توکل کریں۔ (پ۱۰ ع۱۳ سورۂ توبہ:۵۱)

مسلمان عقیدۂ توحید پر ایمان لاکر ہر قسم کی ذہنی اور خیالی الجھنوں سے نجات

پا جاتا ہے، اوراس کے اندر ہر موقع پر نشاط اور خوشی کا سماں بندھا رہتا ہے، وہ کسی موقع پر ناامیداور خوف زدہ نہیں ہوتا۔

مسلمان بنیادی طور پراس عزم وارادہ کا مالک ہوتا ہے کہ میرے اللہ کی مرضی کے بغیر ایک پتہ بھی ہل نہیں سکتا، اور جو کچھ ہوتا ہے، اس کی قدرت سے ہوتا ہے، وہ جو چاہے، اس کے خلاف نہیں کرسکتا ہے، اس کے ارادے پر کسی کا بس نہیں چلتا ہے، اورسب کے ارادوں پراس کاارادہ غالب ہے۔

تکلیف ہو یا آرام، رنج ہو یا راحت، غم ہو یا خوشی، کوئی بھی واقعہ اور حادثہ، اس کے حدودِ قدرت سے باہر نہیں ہے، اگر خدا نے بیماری مقدر کی ہے تو کوئی صحت نہیں دے سکتا، اگر خدا نے تکلیف لکھ دی تو کوئی آرام نہیں دے سکتا، اوراگر خدا نے مسرت وخوشی مقدر کی ہے تو پھر کسی میں طاقت نہیں ہے کہ رنج وغم کا ماحول پیدا کر سکے۔

مسلمان اس عقیدہ کی چٹان پراس طرح جم جاتا ہے کہ حوادث کا کوئی دھکا اسے جنبش نہیں دیتا، آندھی کا کوئی جھونکا اسے ہلا نہیں سکتا، اور ذہنی پریشانی اور انتشار کا کوئی لمحہ اسے متزلزل نہیں کرسکتا۔

کفار ومشرکین اور خدا کی ذات پرایمان نہ لانے والے افراد مسلمانوں کو ڈرایا، دھمکایا کرتے تھے، اور مستقبل کے طرح طرح کے خطرات سے ان کے اندر ہراس پیدا کرنے کی کوشش کیا کرتے تھے۔

ان کے جواب میں مسلمان ایک ہی جواب دیتے تھے، جوان کی تمام بکواسوں کے لیے کافی ہوتا تھا، وہ ان کے جواب میں کہا کرتے تھے کہ ہمیں نہ مستقبل کے حوادث کا خطرہ ہے، اور نہ ماضی کی تکالیف پر افسوس ہے، کیوں کہ ہم اس یقین وعقیدہ کی روح سے معمور ہیں

کہ جو کچھ خدا نے ہمارے لیے مقدر کر دیا ہے، وہ خود آجائے گا۔

البتہ ہم اپنے خدا سے دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے اللہ! ہمیں ابتلاء و آزمائش کے نتیجہ میں یاس و قنوط اور ناامیدی و کفران کا شکار نہ بنادے، ہم حادثوں اور فتنوں سے نہیں گھبراتے، بل کہ ان کے نتائج سے گھبراتے ہیں، جو اپنے ساتھ بزدلی اور مشرکانہ خیالات لاتے ہیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰىنَا ۚ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۱﴾

آپ کہہ دیجئے کہ جو کچھ خدا نے ہمارے لیے لکھ دیا ہے، اس کے علاوہ ہمیں کوئی بھی چیز تکلیف نہیں پہونچا سکتی ہے، وہی ہمارا مولیٰ ہے، اور مومنوں کو چاہیے کہ اللہ ہی پر بھروسہ رکھیں۔ (پ ۱۰ ع ۱۳ سورۂ توبہ: ۵۱)

مسلمان دنیا میں کبھی رنجیدہ خاطر اور ملول ہو کر یاس و ناامیدی کے دامن میں منہ نہیں چھپا سکتا، کیوں کہ اس کا بنیادی عقیدہ ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت اگر خدا چاہے تو مجھے تکلیف نہیں پہونچا سکتی، اگر خدا نہ چاہے تو کوئی چیز آرام نہیں پہونچا سکتی، اصل معاملہ خدا کی مشیت کا ہے، کسی دوسرے امر کو اس میں ذرہ برابر دخل نہیں ہے۔

مسلمان کا عقیدہ ہے کہ مقدرات کی کتاب خدا کے قبضۂ قدرت میں ہے، وہاں تک کسی انسانی طاقت کا گزر نہیں ہے، پس ایک مسلمان کسی بھی عالم میں ناامید ہو کر ہمت نہیں ہار سکتا، آسمانی آفات کا نزول ہو، زمینی بلاؤں کا عروج ہو، تکوینی مصائب کا زور ہو، اور مخلوقات کی آویزش کا طوفان ہو، مگر مسلمان کا نعرہ یہی رہے گا کہ ان تمام حالات کی لگام قدرت کے ہاتھ میں ہے، اگر قدرت چاہے گی، تو مجھ تک ان کا اثر پہونچے گا، ورنہ دنیا کی

کوئی طاقت ایسا نہیں کرسکتی ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اِنۡ تُصِبۡكَ حَسَنَةٌ تَسُؤۡهُمۡ ۚ وَاِنۡ تُصِبۡكَ مُصِيۡبَةٌ يَّقُوۡلُوۡا قَدۡ اَخَذۡنَاۤ اَمۡرَنَا مِنۡ قَبۡلُ وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمۡ فَرِحُوۡنَ ﴿۵۰﴾ قُلۡ لَّنۡ يُّصِيۡبَنَاۤ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوۡلٰٮنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلۡيَتَوَكَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۵۱﴾ قُلۡ هَلۡ تَرَبَّصُوۡنَ بِنَاۤ اِلَّاۤ اِحۡدَى الۡحُسۡنَيَيۡنِ ؕ وَنَحۡنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمۡ اَنۡ يُّصِيۡبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنۡ عِنۡدِهٖۤ اَوۡ بِاَيۡدِيۡنَا ۖ فَتَرَبَّصُوۡۤا اِنَّا مَعَكُمۡ مُّتَرَبِّصُوۡنَ ﴿۵۲﴾

اگرتمہارا کام اچھا ہوجائے تو وہ بُرا لگتا ہے منافقوں کو، اور اگر تم کو کوئی مصیبت آجائے تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنا معاملہ ٹھیک کرلیا تھا، پہلے ہی سے اور اس پر جھوم جائیں خوشی کے مارے، اے پیغمبر! ان سے کہہ دو ہم پر کوئی مصیبت نہیں آسکے گی، مگر وہی جو اللہ نے ہمارے لیے لکھ دی ہے، اور مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اللہ ہی پر بھروسہ کریں۔

(پ ۱۰ ع ۱۳ سورۂ توبہ: ۵۰، ۵۱، ۵۲)

یہ آیتیں ان ہی لوگوں کے متعلق ہیں کہ جن کے دل دشمنوں کے ساتھ تھے، اور زبانیں مسلمانوں کے ساتھ، وہ سچے معنیٰ میں منافق تھے، اور ان کا معاملہ نفاق سے بھرا ہوا تھا، یہ لوگ مدینہ میں جاسوسی کا معاملہ کرتے تھے اور مسلمانوں کی خبریں کفارِ مکہ کو پہونچاتے تھے، اس کے علاوہ مدینہ کے یہودیوں کے ساتھ سازش کرکے مسلمانوں کی طاقت کو پارہ پارہ کرنے کی کوشش کرتے تھے، جب ان کو جہاد کے لیے بلایا جاتا تھا تو بہانہ کردیتے تھے۔

یہ لوگ جنگ اُحد میں راستہ کاٹ کر مسلمانوں سے الگ ہوگئے، ایک بڑے منافق جد بن قیس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے یہ عذر کیا کہ حضور! روم کی عورتیں بڑی حسین ہوتی

ہیں، ان کو دیکھ کر دل کو قابو میں نہ رکھ سکوں گا، جوانی کے فتنہ میں مبتلا ہو جاؤں گا۔

یہ لوگ ہمیشہ اس قسم کے بہانے کرتے، زبان سے اسلام کے حامی بنتے، اور دل سے دشمنوں کا ساتھ دیتے، اگر مسلمانوں کو فتح حاصل ہوتی تو ان کے دل بیٹھ جاتے، اگر مسلمانوں پر مصیبت آتی، تو طعنہ دیتے کہ ہم نے پہلے ہی اپنا معاملہ الگ کر لیا تھا، پھر خوشی کے مارے جھوم جاتے۔

اللہ ایسے لوگوں کے متعلق فرماتا ہے کہ ان سے کہہ دیا جائے کہ ہم خدا کو کارساز مطلق اور اپنی زندگی کا حکمراں مانتے ہیں، جو مسلمان ہیں، ان کا بھروسہ اپنے یکتا اور یگانہ خدا پر ہے، اور مسلمان وہی ہے، جو خدا پر اعتماد کرے اور مصیبتوں سے نجات پر یقین رکھے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ؕ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ۝٥٣

آپ کہہ دیں کہ تم لوگ خرچ کرو، خوشی سے یا ناخوشی سے، تم سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا، تم لوگ فاسق ہو گئے ہو۔ (پ ۱۰ ع ۱۳ سورۂ توبہ: ۵۳)

اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا اجر وثواب بہت زیادہ ہے، اور جو لوگ اللہ کی توفیق سے اس قابل ہیں کہ اللہ کی راہ میں خرچ کریں، اور وہ پھر خرچ کرتے ہیں، تو یہ ان کے لیے بڑی خوش نصیبی کی بات ہے، مگر سب سے بڑی خوش نصیبی اور کامیابی یہ ہے کہ کوئی اللہ کی راہ میں خرچ کرے، اور اللہ تعالیٰ قبول بھی فرمالیں۔

دنیا میں ایسے بدنصیب وسیاہ بخت لوگ بھی ہیں، جو اپنے اَعمال وعقائد کی رو سے اس قدر بُرے ہوتے ہیں کہ وہ نیک کام کرتے بھی ہیں تو ضائع ہو جاتا ہے، اور اس پر ان کو کوئی اَجر وثواب نہیں ملتا۔

انھیں لوگوں میں منافقوں کا گروہ ہے، جو بظاہر اسلام کا دم بھرتا ہے، مگر درحقیقت وہ کفر سے قریب ہوتا ہے، اور اس کا مزاج بالکل غیر اسلامی ہوتا ہے، منافقوں کے بارے میں حکم ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں خوشی اور رضا و رغبت سے خرچ کرتے ہیں، یا گرانی اور ناخوشی سے خرچ کرتے ہیں، ان کی یہ پیش کش اللہ کے یہاں مقبول نہیں ہے، اور اس کی وجہ ہے کہ یہ لوگ فسق و فجور میں لگے رہتے ہیں، اور ان میں خشیتِ الٰہی اور تقویٰ کی روح نہیں ہے۔

جو لوگ خدا پرستی اور تقویٰ سے ہٹ کر ریا و سمعت کے طور پر نیک کام کرتے ہیں، ان کے اعمال کے لیے قبولیت نہیں ہے، اس لیے ضروری ہے کہ انفاق فی سبیل اللہ ہو، یا اور کوئی نیکی ہو، اس میں اخلاص وللّٰہیت برتی جائے، اور ریا کاری اور مکاری سے دور رہا جائے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ؕ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۵۳﴾

آپ کہہ دیں کہ تم لوگ خرچ کرو، خوشی سے یا ناخوشی سے، تم سے ہرگز قبول نہ ہوگا، بے شک تم لوگ نافرمان ہو۔ (پ ۱۰ ع ۱۳ سورۂ توبہ: ۵۳)

کفار و مشرکین اور منافقین چوں کہ اصل اصول سے محروم ہیں، اس لیے ان کے لیے قدم قدم پر محرومی اور بدنصیبی ہے، عہدِ رسالت کے مریضانِ قلب ایمان سے دور رہ کر مسلمانوں کو خوش کرنے کے لیے مالی امداد کرنے کے خیال میں رہا کرتے تھے، اور اندر سے جبر و اکراہ اور باہر سے رضا و رغبت کے انداز میں کچھ خرچ کرنے کی ہمت کرتے تھے، تا کہ مسلمانوں میں رہ کر اپنا مقصد پورا کریں، اور ساتھ ہی ان کو ثواب ملے، ایسے لوگوں کو بہر حال محرومی ہی ہوگی، اور یہی حال ان لوگوں کا ہے، جو حرام کمائی کر کے چندہ دیتے ہیں، خیرات کرتے ہیں، اور سخاوت دکھاتے ہیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

فَلَا تُعۡجِبۡكَ اَمۡوَالُهُمۡ وَ لَاۤ اَوۡلَادُهُمۡ ؕ اِنَّمَا يُرِيۡدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمۡ بِهَا فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَ تَزۡهَقَ اَنۡفُسُهُمۡ وَهُمۡ كٰفِرُوۡنَ ۝۵۵

نہ تعجب میں ڈال دے تم کو ان کے مال اور اولاد، ان چیزوں کی وجہ سے اللہ ان کو عذاب دیتا ہے دنیا کی زندگی میں، اور ان کی جان نکلے گی، اور وہ کافر ہوں گے۔

(پ ۱۰ ع ۱۳ سورۂ توبہ: ۵۵)

انسانی ترقی اور سربلندی کا معیار مال ودولت اور آل واولاد کی کثرت نہیں ہے، اور اس سے کوئی طبقہ اور معاشرہ ترقی یافتہ، خوش حال، اور قابل ستائش قرار نہیں دیا جا سکتا ہے، کیوں کہ اس سے نہ جسم وروح میں صحت بخش توانائی پیدا ہوتی ہے، نہ اخلاق وانسانیت میں جلا پیدا ہوتی ہے، اور نہ سکون واطمینان کی فضا بحال ہوتی ہے۔

بلکہ طرح طرح کی الجھنوں اور پریشانیوں کا باعث ہے، تم دیکھ لو کہ آج جن ملکوں اور قوموں میں دنیا ہی دنیا ہے، ان کا کیا حال ہے؟ ان کو نہ مرتے بنتا ہے، نہ جیتے بنتا ہے، اور موت وحیات کی کش مکش میں دن پورے کر رہے ہیں، ایسی زندگی ایمان ویقین کی اطمینان بخش قدروں سے آخر دم تک محروم رہتی ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

فَلَا تُعۡجِبۡكَ اَمۡوَالُهُمۡ وَ لَاۤ اَوۡلَادُهُمۡ ؕ اِنَّمَا يُرِيۡدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمۡ بِهَا فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَ تَزۡهَقَ اَنۡفُسُهُمۡ وَهُمۡ كٰفِرُوۡنَ ۝۵۵

اور تم کو ان کے اموال واولاد تعجب میں نہ ڈال دیں، اللہ تو چاہتا ہے کہ ان کو ان کی وجہ سے دنیا میں عذاب دے، اور ان کا دم اس حال میں نکلے کہ وہ کافر ہوں۔

(پ ۱۰ ع ۱۳ سورۂ توبہ: ۵۵)

مسلمان قوم دنیا میں دنیا کا نظام چلانے کے لیے ہے، اور اسے اپنی ذمہ داری محسوس کر کے اس دنیا سے اپنا وہی حصہ لیتا ہے، جو اس کے لیے کافی ہو سکے، بل کہ دنیا پر خدا کے بندوں کا حق ہے، اس پر ہمارا پورا حق نہیں ہے، چوں کہ مسلمانوں کو اس کی تعلیم دی ہے، اور ان کا خراج رزق و معیشت کے معاملہ میں اسی طرح کا ہے، اس لیے اگر مسلمانوں میں رزق و معیشت کے بارے میں فی نفسہ کمی نہ ہو، تو شکایت نہیں کرنی چاہیے۔

البتہ جائز اخراجات پورے نہ ہوں تو اللہ کی زمین سے اپنا رزق حاصل کرنے کی پوری کوشش کرنی چاہیے، اس کا حق ہر مسلمان اور ہر انسان کو قدرت اور فطرت نے دیا ہے۔

باقی رہی یہ بات کہ کچھ لوگ کچھ دنیا میں صرف اس لیے جیتے ہیں کہ کھائیں، پئیں، اور عیش و عشرت کر کے مر جائیں، تو چوں کہ ان کا تصور زندگی میں دوسرا ہے، اور وہ اسی دنیا کو اپنی دوزخ و جنت سمجھتے ہیں، اس لیے وہ اس پر ایمان رکھتے ہیں، اور جو لوگ بھی یہ عقیدہ رکھ کر کام کریں گے تو ان کو ان کی کوشش کا بدلہ دیا جائے گا اور قدرت کا قانونِ مجازات میں کمی نہیں کرے گا۔

ایسے لوگوں کے پاس اموال و اولاد کی کثرت ہوگی، عیش و عشرت کی فراوانی ہوگی، وہ ہمارے مقابلہ میں اپنی جنت ارضی میں ہوں گے، یہ ان کا دنیا سے حصہ ہے، جو پورے طور سے مل رہا ہے، وہ یہیں سب کچھ کر لیتے ہیں، اور آخرت کے عقیدہ سے خالی ہو کر دنیا ہی میں ان کا حساب و کتاب ہو جاتا ہے۔

فَلَا تُعۡجِبۡكَ اَمۡوَالُهُمۡ وَ لَاۤ اَوۡلَادُهُمۡ ؕ اِنَّمَا يُرِيۡدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمۡ بِهَا فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَ تَزۡهَقَ اَنۡفُسُهُمۡ وَهُمۡ كٰفِرُوۡنَ ﴿۵۵﴾

پس ان کے اموال اور ان کی اولاد آپ کو تعجب میں نہ ڈال دے، اللہ چاہتا ہے کہ ان کو حیات دنیا میں ان کے ذریعہ عذاب و تکلیف میں ڈالے، اور ان کا دم اس حال میں نکلے کہ وہ کافر ہوں۔ (پ ۱۰ ع ۱۳ سورۂ توبہ:۵۵)

جو لوگ اللہ کی نافرمانی کی زندگی بسر کر کے مال و دولت جمع کرتے ہیں، اور دنیا میں بے پناہ آرام و آسائش سے رہتے ہیں، ان کی اس حالت پر اہل ایمان کو تعجب نہیں کرنا چاہیے، اللہ اپنے منکروں پر اگر دنیا عام کرتا ہے تو یہ ان کا حق نہیں ہوتا، بل کہ ان کے حق میں ابتلاء اور آزمائش ہوتی ہے۔

ایسے شخص کو ایک دانہ نہیں ملنا چاہیے، مگر اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اپنے ماننے والوں کی طرح اپنے منکروں کو بھی پالتی ہے، اور جن منکروں پر دنیا مسلط کرتی ہے وہ خوش حال اور خوش مآل نہیں ہوتے، بل کہ ان کا انجام نہایت بُرا ہوتا ہے۔

ایسے لوگوں کے لیے مال و دولت عذابِ الٰہی کی ایک شکل ہوتی ہے، اور اس میں وہ رات دن پھنس کر دین و ایمان، اَخلاق و انسانیت، اور رشد و ہدایت سے ہمیشہ کے لیے محروم رہتے ہیں، اس لیے ان کی دولت پر کسی طرح رشک نہیں کرنا چاہیے، بل کہ ان کو دیکھ کر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اس نے ہم کو اس دنیا میں مال و دولت اور آل و اولاد کے عذاب میں مبتلا نہیں کیا ہے، بل کہ بقدرِ ضرورت مال و دولت اور آل و اولاد دے کر دین و ایمان کی زندگی دی ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٦١﴾

جو لوگ اللہ کے رسول کو ستاتے ہیں، ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

(پ ۱۰ ع ۱۴ سورۂ توبہ:۶۱)

اپنے رسول کو ستانا اگر کسی قوم کے لیے عذاب کا باعث نہ ہوگا، تو پھر دنیا میں کیا چیز عذاب کا سبب بن سکے گی، ایذارسانی اسی کو نہیں کہتے کہ کسی کو مارا جائے، اس کے بدن کو تکلیف دی جائے، ایذا یہ بھی ہے، مگر سب سے بڑی ایذا وہ روحانی تکلیف ہے جس سے دل کو صدمہ پہونچے، ضمیر کو رنج ہو۔

پس یہ آیت دورِ رسالت کے کفار ہی کے لیے نہیں ہے، بل کہ اس کے ماتحت دَورِ حاضر کے وہ مسلمان بھی آجاتے ہیں، جن کے قول وفعل اور زندگی سے روحی اور قلبی فداہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اذیت پہونچتی ہے، آج کون مسلمان ہے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بتائے ہوئے طریقوں سے دور رہ کر آپ کے اصول واقوال اور اسوۂ حسنہ سے منحرف نہیں ہے؟ کیا اس سے آپ کی روح مبارک خوش ہوتی ہوگی؟ کیا آپ آج کے حالات سن کر ناخوش نہ ہوتے ہوں گے؟ یقیناً آپ کو اس سے تکلیف ہوتی ہوگی۔

پس مسلمان سوچیں کہ انھیں کیا کرنا چاہیے، آج ہماری دنیا کی زندگی دردناک عذاب میں مبتلا نہیں تو اور کیا ہے؟ کل کے لیے خدا حافظ۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَالَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿٦١﴾

جولوگ رسول اللہ کو اذیت دیتے ہیں، ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

(پ۱۰ ع۱۴ سورۂ توبہ:٦١)

کوئی کارواں اپنے میر کارواں کا دل دکھا کر منزل مقصود تک نہیں پہونچ سکتا، کوئی گلہ اپنے چرواہے کو سینگوں سے مار مار کر شام کو آسودہ شکم کھونٹے پر نہیں جا سکتا، اور کوئی خاندان اپنے بڑے کو ستا کر بستی میں عزت وآسودگی سے نہیں رہ سکتا، اسی طرح کوئی امت

اپنے پیشوا کا دل دکھا کر دنیا اور آخرت میں کبھی فرح وسرور کی دولت سے دامن نہیں بھر سکتی، اور کبھی ایسا نہیں ہوسکتا کہ کسی مذہب والے اپنے بزرگ اور روحانی مربی کی نافرمانی کر کے نتائج وعواقب کی فلاح و بہبود کو پہونچ سکیں۔

یہاں پر قرآن حکیم بتارہا ہے کہ جو لوگ اللہ کے رسول ﷺ کو اذیت دیں گے، ان کا ٹھکانا جہنم میں ہوگا، انھیں کسی کروٹ چین نہ ہوگا، اصل بات یہ ہے کہ کسی مصلح کو دکھ دینا، کسی خیر خواہ کو ستانا، اور کسی معلم اخلاق وروحانیت کو تکلیف دینا بڑی ہی ناکامی اور خسران کی دلیل ہے، پھر معلمِ انسانیت، مربی عالم رحمت دنیا اور مصلح کائنات ﷺ کی عالم گیر ذات مقدس کو دکھ دینا نہایت ہی دورس خسران کا باعث ہے۔

رسول کو یہ اذیت دہی چاہے جسمانی حیثیت سے ہو، چاہے روحانی حیثیت سے ہو، بہرحال سخت مضر ہے، جسمانی اذیت تو کفار ومشرکین دیا کرتے تھے، وہ اپنے انجام بد کو پہونچ گئے، اور تم دیکھتے ہو کہ اس دنیا میں ابو جہل اور ابولہب کا نام لینے والا نہیں رہا۔

روحانی اذیت کا جہاں تک تعلق ہے، ہمارے رسول کی نافرمانی، اس کا سبب ہے، جب کوئی مسلمان آں حضرت ﷺ کی مرضی اور تعلیم کے خلاف کام کرتا ہے، تو آپ کو روحانی اذیت ہوتی ہے۔

پس جو لوگ آپ کو اپنے عمل سے اذیت پہونچاتے ہیں، وہ بھی اس وعید کی زد میں آتے ہیں، مسلمانوں کو رسول کی نافرمانی سے پرہیز کرنا چاہیے، ورنہ اس کا انجام ان کو بھگتنا پڑے گا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۚ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ

كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿٦٢﴾

وہ تمہارے واسطے خدا کی قسم کھاتے ہیں، تاکہ تمہیں راضی کریں، حالاں کہ اللہ اوراس کے رسول راضی کرنے کے زیادہ مستحق ہیں، اگر وہ لوگ مومن ہیں۔

(پ ۱۰ ع ۱۴ سورۂ توبہ: ۶۲)

یہاں پر منافقوں کی چال ذکر کی جاری ہے کہ وہ ہر وقت ہنگامی فائدوں اور وقتی مصلحتوں کے چکر میں رہتے ہیں، اوران کے سامنے اللہ، رسول اور دین وایمان نہیں ہوتے، بل کہ وہ دنیاوی فائدہ، ذاتی منفعت، اور وقتی نفع دیکھتے ہیں۔

یوں تو بڑے چالاک اور عقل مند بنتے ہیں، مگران کی حماقت اور بزدلی کا حال یہ ہے کہ وہ مسلمانوں سے رات دن ڈرتے رہتے ہیں، ان کے چشم ابرو کی ناز برداری میں اپنی زندگی سمجھتے ہیں، مسلمانوں کو اپنی طرف سے خوش کرنے کے لیے بات بات پر اللہ پاک کی قسم کھاتے ہیں، اور مسلمانوں کی چاپلوسی کرتے ہیں، اوراپنے کو زیادہ سے زیادہ معتمد ثابت کرتے ہیں۔

وجہ یہ ہے کہ ان کے پاس نہ دین ودیانت ہے، نہ ایمان وصداقت ہے، نہ وہ عقیدہ وعزیمت ہے، بل کہ یہ پھسپھسے لوگ رات دن سطحی باتوں میں لگے رہتے ہیں، اگر ان کی نظر بلند ہوتی، اگر ان کے اندر عقل کا مادہ ہوتا، اوراگر ان میں بات سمجھنے کی صلاحیت ہوتی، تو سمجھتے کہ اللہ ورسول کی ناز برداری اصل چیز ہے، اگر ہم نے اللہ ورسول کو راضی کرلیا تو دنیا ہمارے قدموں پر جھک جائے گی، اورعزت وسربلندی کا ہمیں مقام بلند مل جائے گا، منافقوں کی یہ عادت آج کل کے بعض چاپلوسی کرنے والوں میں سرایت کرگئی ہے، کچھ لوگ ہیں، جو اپنی عزت ومنفعت کے لیے اپنے بڑوں کے ساتھ بھیگی بلی بنے رہتے ہیں، ان کی

تعریف وتوصیف میں ان کی زبان خشک ہوتی رہتی ہے۔

حالاں کہ اگر ایسے لوگ اپنے مقام کو سمجھیں، اور اپنے اندر خودی کی طاقت محسوس کریں تو اس کی ضرورت نہ پڑے، اور ان کا کام نہایت عزت واحترام کے ساتھ چلتا رہے، بعض ملا قسم کے لوگ بھی اسے سوچیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۚ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿٦٢﴾

وہ لوگ تمہارے لیے اللہ کی قسم کھاتے ہیں، تا کہ تمہیں راضی کریں، حالاں کہ (تمہارے مقابلہ میں) اللہ اور اس کے رسول ان کے راضی کرنے کے زیادہ حق دار ہیں، اگر وہ ایمان لانے والے ہیں۔ (پ ۱۰ ع ۱۴ سورۂ توبہ: ۶۲)

جو لوگ عمل وکردار کے چور ہوتے ہیں، اور ان کے دلوں میں کھوٹ ہوتی ہے، وہ اپنے ماحول میں لوگوں کی نظر میں اچھا بننے کے لیے بڑی مضحکہ خیز باتیں کرتے ہیں، ان کی زندگی چاپلوسی کرنے، اور خوشامدی کرنے میں گزرتی ہے۔

وہ لوگوں کو راضی کرنے کے لیے سراسر جھوٹ بولتے ہیں، اور اس پر قسمیں کھاتے ہیں، ان کی ساری گراوٹ اس لیے ہوتی ہے کہ ان میں یقین وعمل کا فقدان ہوتا ہے، اور وہ منہ چور بن کر عوام میں آتے ہوئے شرماتے ہیں، اس لیے اس قسم کی حرکتیں کرتے ہیں، حالاں کہ اگر یہ بے وقوف اللہ اور اللہ کے رسول کی پیروی کریں تو ساری دنیا کی خوشامد کرنے، اور عوام میں اپنے کو اچھا ثابت کرنے کے لیے ان کو پاپڑ نہ بیلنے پڑیں۔

یہ حال عام طور سے عہدِ رسالت میں منافقوں کا ہوا کرتا تھا، جو اندرونی طور سے

اسلام کے دشمن ہوتے تھے ،مگر ظاہر میں اپنے کو مسلمان ثابت کرنے کوشش کرتے تھے، منافقوں کا یہ گروہ اگرچہ دنیا میں نہیں رہا،مگر ان کی چالوں پر چلنے والے یقین وعمل سے بے بہرہ لوگ آج بھی موجود ہیں،اور دین ودیانت سے دور رہ کر مسلمانوں میں کسی مصلحت کے وقت اپنے کو سب سے بڑا مسلمان ثابت کرتے ہیں،اور اپنے کو اچھا بننے کے لیے طرح طرح کی حرکتیں کرتے ہیں۔

حالاں کہ یہ لوگ بھی اگر صحیح معنوں میں اللہ ورسول کی راہ چلیں،تو سب سے آنکھیں ملا کر بات کر سکتے ہیں،اور کسی موقع پر اپنے اندر احساس کمتری کی بیماری نہیں پا سکتے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۚ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿٦٢﴾

وہ اللہ کی قسم کھاتے ہیں،تا کہ تم لوگوں کو راضی کریں،حالاں کہ اللہ اور اس کے رسول زیادہ حق دار ہیں کہ وہ ان کو راضی کریں،اگر وہ مومن ہیں۔(پ ۱۰ ع ۱۴ سورۂ توبہ:۶۲)

منافقوں کی چال میں یہ چال بہت عام تھی کہ وہ مسلمانوں کے اندر اندر مخالف رہ کر جب مفاد دیکھتے اور ان کو اپنا مفاد خطرے میں نظر آنے لگتا،تو مسلمانوں کے پاس آ کر اللہ کا نام لیتے ،اور اس کے نام کی موٹی موٹی قسمیں کھاتے ،اس طرح مسلمانوں کو باور کراتے کہ وہ اللہ کو مانتے ہیں،اور مسلمانوں کے ہمنوا ہیں،اور ان کا سارا زور اسی مقصد کے لیے ہوا کرتا تھا کہ اپنا اُلو سیدھا ہوتا رہے، اور ہم مسلمانوں کو بے وقوف بنایا کریں ،مسلمان ان کی چالوں کو سمجھنے کے باوجود ان کے رنگ کو دیکھا کرتے تھے اور ان کی چالوں سے بچتے رہتے تھے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر یہ واقعی مومن ہیں،تو پھر مسلمان کی رضامندی اور

ناراضگی کی فکر کیوں کرتے ہیں، اور کیوں نہیں اللہ تعالیٰ اوراس کے رسول کی رضامندی کی فکر کرتے، اگران میں ایمان کی ذرا بھی مقدار ہوتی تو انسانوں کے خوش کرنے کے سوائے اللہ ورسول کو خوش کرتے۔

یہی حال آج کل بعض منافقت کی چال چلنے والوں کا ہے، وہ اللہ ورسول کو ایک لخت فراموش کیے ہوئے ہیں، اور جن لوگوں سے کچھ بھی امید ہوتی ہے، ان کی چاپلوسی اور خوشامد میں کتوں کی طرح لپٹے رہتے ہیں، ایسے ناعاقبت اندیش لوگ بہت ہی احمق اور ناکام ہوتے ہیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۚ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿٦٢﴾

وہ اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ تم کو راضی کریں، حالاں کہ اللہ ورسول کا حق زیادہ ہے کہ وہ ان کو راضی کریں، اگر وہ مومن ہیں۔ (پ ۱۰ ع ۱۴ سورۂ توبہ: ٦٢)

منافق بہت چالاک بنتے ہیں، حالاں کہ بہت بےوقوف ہوتے ہیں، منافقوں کے سردار عہدِ رسالت میں حماقت کا خوب خوب مظاہرہ کرتے تھے، اور مسلمانوں کے ساتھ چال چلنے کے پھیر میں اپنی بےوقوفی کا پورا پورا مظاہرہ کرتے تھے۔

ان کی چالوں میں یہ چال بہت اہم تھی کہ وہ ہر قیمت پر مسلمانوں کو راضی رکھیں، اور بظاہر سب سے اچھے مسلمان بنے رہیں، وہ چاپلوسی کرتے تھے، روغن قاز ملتے تھے، اور مسلمانوں کے سامنے آکر قسمیں کھاتے تھے، جب کوئی ایسی حرکت کرتے جس سے معلوم ہوجاتا کہ اسلام اور ایمان سے ان کو تعلق نہیں ہے، تو وہ آخری سہارا قسم کو بناتے، تاکہ مسلمانوں کی خفگی سے بچیں، اور کفار سے تعلق کے ساتھ ساتھ مسلمانوں سے بھی تعلق رکھیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ منافقین اگر مسلمانوں کو راضی کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کو راضی کرتے تو مسلمان خود بخود ان سے راضی رہا کرتے۔

مسلمانوں کا مزاج یہ ہے کہ وہ اپنی خوشی اللہ ورسول کی خوشی کے تابع کرتے ہیں، جو لوگ اللہ ورسول کو راضی کرتے ہیں، مسلمان ان سے راضی وخوش رہتا ہے، چاہے اس سے ذاتی طور پر مسلمان کو شکایت ہو۔

اسی طرح مسلمان ایسے لوگوں سے ناخوش رہتا ہے، جو اللہ اور رسول کو ناراض رکھتے ہیں، چاہے وہ مسلمان کو راضی کرنے کی لاکھ کوشش کریں۔

اس قسم کی چالیں آج بھی بعض لوگ چلتے ہیں، اور دین وایمان کے اُمور و معاملات سے دور رہ کر مسلمانوں میں مقبول بننے کے لیے روزہ نماز کا نام لیتے رہتے ہیں، دین وایمان سے تعلق ظاہر کرتے ہیں، اور اس راہ میں ایسی ایسی حرکتیں کرتے ہیں کہ بے اختیار ہنسی آتی ہے، یہ عقیدہ کی منافقت ہو، یا نہ ہو، عمل کی منافقت ضرور ہے، اور ایسے لوگ عملی منافق ہیں، نفاق کے ان کاموں سے مسلمانوں کو دور رہنا چاہیے، اور اللہ ورسول کو راضی کر کے ساری دنیا کو خوش رکھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

یَحۡلِفُوۡنَ بِاللّٰہِ لَکُمۡ لِیُرۡضُوۡکُمۡ ۚ وَاللّٰہُ وَرَسُوۡلُہٗۤ اَحَقُّ اَنۡ یُّرۡضُوۡہُ اِنۡ کَانُوۡا مُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۶۲﴾

وہ لوگ تمہارے سامنے اللہ کی قسم کھاتے ہیں، تاکہ وہ تم کو راضی کرلیں، حالاں کہ اللہ اور رسول کو راضی کرنا زیادہ ضروری ہے، اگر وہ مومن ہیں۔ (پ ۱۰ ع ۱۴ سورۂ توبہ: ۶۲)

منافقوں کی پارٹی رات دن خود پریشان رہا کرتی تھی، اور مسلمانوں کو بھی پریشان

رکھا کرتی تھی، منافقوں میں ذہنی، فکری، اور قلبی الجھنیں اس قدر زیادہ رہا کرتی تھیں کہ وہ ان کا غبار مسلمانوں پر قسم قسم سے چھوڑا کرتے تھے، اس سلسلے میں اپنی بیماری کو چھپانے کے لیے مسلمانوں کی چاپلوسی اور خوشامد کیا کرتے تھے، اور سمجھتے تھے کہ اگر مسلمان ہماری حرکتوں کی وجہ سے روٹھ گئے تو پھر "نیمے دروں نیمے بروں" کی پالیسی ختم ہو جائے گی، اور ہمارا بھرم کھل جائے گا۔

ان میں عمل کا جذبہ مطلق نہ تھا، ہر وقت ان کے دل میں خوف وہراس اور دغدغہ رہا کرتا تھا کہ کب کیا صورت ہو؟ اور ہم پر کوئی مصیبت آجائے، اس لیے مسلمانوں کو ہموار رکھنے کے لیے ان کے پاس آکر خوب خوب قسمیں کھاتے تھے، اور ثابت کرتے تھے کہ ہم سچے پکے مسلمان ہیں، اور ہمارے ایمان واسلام میں کسی قسم کا کوئی نقص نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

یہ بزدل مسلمانوں سے ڈر کران کو راضی کرنے کے لیے اتنا جتن کرتے ہیں، حالاں کہ ان کو اللہ تعالیٰ کو اور اس کے رسول کو راضی کرنے کی فکر کرنی چاہیے، اس سے مسلمان بھی راضی ہو جائیں گے، کیوں کہ مسلمان کی رضامندی اللہ ورسول کی رضامندی پر موقوف ہے، اگر ان منافقوں میں ایمان ہوتا تو وہ اس حقیقت کو سمجھتے، اور مسلمانوں کو خوشامد کرنے کے بجائے اللہ ورسول کو راضی کرتے، اس زمانہ میں بھی بعض لوگ انسانوں کی خوشامد کرتے ہیں، ان کو روغن قاز ملتے ہیں، اور چاپلوسی کی انتہا کر دیتے ہیں، حالاں کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں متوجہ ہو کر اس طرح نیازمندی کا اظہار کریں، تو ان کے تمام کام بن جائیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۚ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ

كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۲﴾

وہ لوگ تمہارے سامنے اللہ کی قسم کھاتے ہیں، تاکہ وہ تم لوگوں کو راضی کریں، حالاں کہ اللہ اوراس کے رسول زیادہ حق دار ہیں کہ ان کو یہ لوگ راضی کریں، اگر یہ لوگ ایمان والے ہیں۔ (پ ۱۰ ع ۱۴ سورۂ توبہ: ۶۲)

دنیا پرست، جاہ پسند، مکار اور عیار لوگوں کی عادت ہے کہ اپنی حرام کار زندگی سے تو باز نہیں آتے، اور اللہ و رسول کی باتوں پر عمل نہیں کرتے، مگر اپنی حرام کاری و حرام خوری کو چھپانے کے لیے اور عوام میں سے زیادہ سے زیادہ عزت مند بننے کے لیے خوب خوب مکاری کرتے ہیں، مسلمانوں کی ہاں میں ہاں ملاتے ہیں، ان کے درد و غم میں بظاہر گھلے جاتے ہیں، اور جب موقع دیکھتے کہ اب ہاتھ مارنے کا وقت آ گیا تو اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں۔

بات بات میں اسلام، اللہ اور رسول کا نام لیتے ہیں، اور ہر موقع پر واللہ باللہ کر کے مسلمانوں کو یقین دلانا چاہتے ہیں کہ ہم خدا پرست اور مذہبی لوگ ہیں، خدا کا خیال ہمیں ہر وقت رہا کرتا ہے، اور جو بات بھی کرتے ہیں، خدا کو حاضر و ناظر جان کر کرتے ہیں۔

قرآن حکیم کہتا ہے:

ایسے دنیا دار منافقوں کا یہ رویہ دین داری اور خدا پرستی کی بنا پر نہیں ہوتا، بل کہ وہ خدا کی قسم اور اس کے نام کو مسلمانوں کو پھنسانے کے لیے جال بناتے ہیں، اور دین دار عوام کو اپنی طرف مائل کرنے کے لیے دین و دیانت کی باتیں کرتے ہیں، اس طرح ان کا جادو چل جاتا ہے، اور سیدھے سادے لوگ ان کے بھرّے میں آ جاتے ہیں۔

ایسے لوگ اپنے کو بہت چالاک اور عقل مند سمجھتے ہیں، حالاں کہ وہ سخت جاہل اور نہایت بے وقوف ہیں، یہ لوگ عوام کے سامنے اپنی نیکی ثابت کرنے کے بجائے اگر اپنے

اللہ ورسول کی جناب میں نیک بننے کی کوشش کرتے ،تو دین بھی ملتا اور دنیا بھی ملتی ،اور عزت وآبرو بلند سے بلند تر ہوتی ، چاپلوسی کرنی ہے تو گئے گزرے عوام کی کیوں کی جائے ،اور کیوں نہ براہ راست اللہ ورسول کی جناب میں اپنی عاجزی اور نیازمندی کا اظہار کیا جائے ، اگر آدمی دنیاوالوں کے سامنے ناک رگڑنے کے بجائے اللہ کے سامنے عجز وانکساری کرے تو پوری طرح کام یاب بھی ہوسکتا ہے،اور عزت وشرف کا وارث بھی ٹھہر سکتا ہے۔

پس یہ لوگ بے غیرت، بے شرم،اور بے حیا ہیں،اور مسلمانوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

يَحۡلِفُوۡنَ بِاللّٰهِ لَكُمۡ لِيُرۡضُوۡكُمۡ ۚ وَاللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗۤ اَحَقُّ اَنۡ يُّرۡضُوۡهُ اِنۡ كَانُوۡا مُؤۡمِنِيۡنَ ﴿٦٢﴾

وہ لوگ اللہ کی قسم کھاتے ہیں،تا کہ تم لوگوں کو راضی کریں، حالاں کہ اللہ اور اللہ کے رسول زیادہ حق دار ہیں کہ انھیں راضی کریں اگر وہ مومن ہیں۔(پ۱۰ ع ۱۴ سورۂ توبہ:٦٢)

جن کے اندر ایمان وعمل کی روشنی نہیں ہوتی، وہ زبان درازی میں بہت آگے ہوتے ہیں،اور بات بات پر اپنی صفائی دیتے ہیں،ایڑی سے چوٹی تک کا زور خرچ کرتے ہیں،ان کے نزدیک جھوٹی قسم کھانا کوئی معیوب نہیں ،وہ بلا جھجک بات بات پر جھوٹی قسم کھاتے ہیں،اور اپنے مخاطب کو باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ ان کے دل میں ایمان کی روشنی ہے۔وہ پکے مومن ہیں، حالاں کہ ان کے دل میں نفاق کا اندھیرا ہوتا ہے،جس میں ایمان کی روشنی کا نام ونشان تک نہیں ہوتا،اس لیے تو حدیث شریف میں منافقوں کی علامت جھوٹی قسم کا کھانا بھی بتلایا گیا ہے،یعنی جو مسلمان جھوٹی قسم کھاتا ہے،اس کے اندر نفاق کی ایک علامت ہے۔

عہدِ رسالت کے منافقین مسلمانوں کوراضی کرکے اپنا مطلب نکالنے کے لیے جھوٹی قسمیں کھاتے تھے،اوراللہ ورسول کے احکام اور اوامرومرضیات کی پرواہ کیے بغیر مسلمانوں کوراضی کرنے کے پھیر میں رہا کرتے تھے۔

حالاں کہ اگر یہ مطلب پرست اللہ ورسول کوراضی کرتے، اپنے ایمان وعمل میں اخلاص پیدا کرتے، اور سچے مسلمان بن جاتے،تو مسلمانوں کی رضا تو الگ رہی،خود اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم راضی ہوجاتے،اوراس کے بعد کسی مسلمان کی ناگواری وناراضگی کا شک وشبہ کافور ہوجاتا۔

آج بھی کچھ لوگ منافقت کے اس ڈھپ پر چلتے ہیں،اورعام مسلمانوں میں اپنے کواچھا ظاہر کرنے کے لیے بڑی بڑی باتیں کرتے ہیں،حالاں کہ ان کے دین وایمان اورقول وفعل میں خدا ورورسول کی خوشنودی کا کوئی شہ نہیں ہوتا،ایسے لوگ اگراللہ ورسول کو راضی کرلیں،تو دنیا ہی ان سے راضی ہوجائے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۚ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿٦٢﴾

منافقین تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں،تا کہ تم کوراضی کریں،حالاں کہ اللہ اوراس کے رسول زیادہ حق رکھتے ہیں کہ اگر یہ لوگ مسلمان ہیں توان کوراضی کریں۔

(پ١٠ ع١٤ سورۂ توبہ: ٦٢)

جولوگ اللہ تعالیٰ کی ذات واحد سے ہٹ کر دنیا کے لوگوں سے ڈرتے ہیں، اور خدا کی طرف سے بے نیاز ہوکر دوسروں کی نیازمندی کا دم بھرتے ہیں، وہ ہمیشہ ڈر اور خوف

کی زندگی بسر کرتے ہیں، اور کبھی ان کو اطمینان وسکون کا منہ دیکھنا نصیب نہیں ہوتا۔

ایسے دنیادار لوگ معمولی انسانوں کو خوش کرنے کے لیے جتن کیا کرتے ہیں، لوگوں کی منت وسماجت کرتے ہیں، اور معمولی معمولی باتوں پر بڑی بڑی قسمیں کھاتے ہیں۔

ایسے لوگوں کی زبان جس طرح بالکل غیر معتبر ہوتی ہے، اسی طرح ان کی قسم کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا، اور وہ اس قسم کی باتیں صرف اپنے مفاد اور ذاتی نفع کے لیے کرتے ہیں، اور صرف ایک اللہ تعالیٰ سے ہٹ کر تمام لوگوں کو راضی خوش کرنے کے لیے رات دن چکر کاٹتے رہتے ہیں، بخلاف اس کے جو لوگ اللہ ورسول کی رضا جوئی اپنا مقصدِ حیات بنا لیتے ہیں، اور صرف ان کی پرواہ کرتے ہیں، وہ ہر چھوٹی بڑی مخلوق سے بے نیاز ہوجاتے ہیں، اور اللہ ورسول کی رضامندی کے بعد ان کو سب سے لاپرواہی حاصل ہوجاتی ہے۔

منافقوں کا حال یہ تھا کہ وہ اللہ ورسول کو چھوڑ کر اپنے گردوپیش کے لوگوں کو راضی کرنے کے لیے قسمیں تک کھاتے ہیں، اور اپنی بات اور اپنی ذات کو خود بے وزن سمجھ کر اس میں وزن پیدا کرنے کے لیے اللہ ورسول کی دہائی دیتے تھے، تاکہ اپنے کو مسلمانوں کی نظر میں قابل اعتماد اور مسلمان ثابت کرسکیں، حالاں کہ ایک سچے پکے مسلمان کو صرف اللہ ورسول کی پرواہ ہونی چاہیے اور ان ہی کی رضا جوئی میں مرنا جینا چاہیے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۚ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۲﴾

وہ تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں، تاکہ تم کو خوش کریں، حالاں کہ اللہ اور اس کے رسول کو راضی کرنا بہت ضروری ہے، اگر وہ مومن ہیں۔ (پ ۱۰ ع ۱۴ سورۂ توبہ: ۶۲)

آدمی اس لیے قسم کھاتا ہے کہ مخاطب اس کی باتوں کو برحق تسلیم کرلے، اور اس میں کسی قسم کا شبہ نہ کرے، جو لوگ نیک اور سچے ہوتے ہیں، وہ بات بات پر قسم نہیں کھاتے، اور مخاطب پر زور ڈالنے کی کوشش نہیں کرتے، بل کہ ان کی سچائی اور ذمہ داری کافی ہوتی ہے۔

بسا اَوقات جھوٹے اور غلط قسم کے لوگ ناجائز فائدہ حاصل کرنے کے لیے جھوٹی جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں، چند لوگوں کی رضامندی یا چند ٹکوں کے حصول کے لیے بے تحاشا قسمیں کھاتے ہیں، حلف اٹھاتے ہیں، اور دین و ایمان کی بھاری سے بھاری مقدار اپنی زبان سے ظاہر کردیتے ہیں۔

ایسے لوگ عام طور سے موقع پرست ہوتے ہیں، اور وقتی کام نکالنے کے لیے وہ قسم کو استعمال کرتے ہیں، کچھ دنیا حاصل کرتے ہیں، کچھ دنیا والوں سے حاصل کرتے ہیں اور کچھ اپنی مصلحت کے لیے لوگوں کو ہموار کرتے ہیں۔

چنان چہ منافقوں کا گروہ مسلمانوں کو راضی کرنے کے لیے بات بات پر قسم کھاتا تھا، اور اپنی کام یابی اسی میں سمجھتا تھا کہ وہ مسلمانوں کو راضی خوش رکھ کر اپنا مطلب پورا کرے، حالاں کہ ان احمقوں کو اگر اسلام و ایمان کی ہوا لگی ہوتی تو ان کو اللہ و رسول کی رضا جوئی کرنی چاہیے تھی، مسلمان کو راضی کرنا کوئی کام نہیں دے گا، بل کہ اللہ اور رسول کو راضی کرنا کارآمد ثابت ہوگا۔

پس اے لوگو! ہماشا سے ہٹ کر اللہ اور اس کے رسول کی رضا جوئی کی عادت پیدا کرو، اور دنیا کے لوگوں کی پرواہ نہ کرو، جب تک یہ روح بیدار نہ ہوگی، مسلمان کے جسم میں وہ توانائی بیدار نہ ہوگی، جسے اسلام چاہتا ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اَلَمۡ یَعۡلَمُوۡۤا اَنَّهٗ مَنۡ یُّحَادِدِ اللّٰهَ وَ رَسُوۡلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِیۡهَا ؕ ذٰلِكَ الۡخِزۡیُ الۡعَظِیۡمُ ﴿۶۳﴾

کیا ان لوگوں کو معلوم نہیں ہے کہ جو اللہ اور اس کے رسول سے دشمنی کرے گا، تو اس کے لیے جہنم کی آگ ہے، جس میں ہمیشہ رہے گا، یہ بہت بڑی رسوائی ہے۔

(پ ۱۰ ع ۱۴ ا سورۂ توبہ: ۶۳)

وہ منافقین جو بظاہر بڑے متقی اور پرہیزگار بنتے ہیں، اور بات بات میں اللہ و رسول کا نام لیتے ہیں، اور موقع بہ موقع مسلمانوں کی دوستی اور خیرخواہی کا دم بھرتے رہتے ہیں، یہ نہ سمجھیں کہ ہم بہت کام یاب اور بامراد ہیں کہ ایک دین داری کا لیبل بھی رکھتے ہیں، اور دوسرا ہمارا ذہنی، فکری، اور عملی رشتۂ کفر و شرک اور غیر ذمہ دار زندگی سے بھی ہے۔

ہم نہ اِدھر سے مارے جاتے ہیں، نہ اُدھر سے مارے جاتے ہیں، نہ ہمارا کوئی نقصان ہے، ایک طرف باغبان بھی خوش، اور دوسری طرف فسادی بھی راضی، اس سے بڑھ کر عزت و آبرو اور کیا ہوگی کہ ہم جس طرف چاہتے ہیں، اپنا کام چلاتے ہیں۔

اگر یہ دورنگی چال چلنے والے لوگ اس قسم کی خوش فہمی میں مبتلا ہیں، تو انھیں معلوم ہونا چاہیے کہ اپنے متعلق سوچ لینے سے کچھ نہیں ہوتا ہے، حقیقت وہی ہوتی ہے جو اصل ہے، اور اسی اصلی حقیقت پر نتیجہ مرتب ہوتا ہے۔

یہ لوگ جو بظاہر اسلام کی دوستی کا دم بھرتے ہیں، درحقیقت اللہ و رسول کے اور ان کے مشن کے دشمن ہیں، اور اس دشمنی کی وجہ سے ہمیشہ ہمیشہ بے چین رہا کرتے ہیں، ان کی زندگی کا اونٹ کبھی کروٹ نہیں بیٹھتا، ان کی سیاست کی چول بہت ڈھیلی رہتی ہے، اور ان کے فکر و ذہن اور کردار و عمل میں کبھی ہم آہنگی اور یکسانیت نہیں پیدا ہوتی ہے، وہ کسی محفل میں

دلیری، اور سینہ زوری سے بول نہیں سکتے۔

ان کے پاس حقیقت کی روشنی نہیں ہوتی ہے، اور وہ اپنے اثر واقتدار کے نشہ میں یہ سمجھتے ہیں کہ ہم بہت کام یاب لوگ ہیں۔

خوب یاد رکھو! اللہ ورسول کے دشمن کے لیے جہنم ہے، اسے نہ دنیا میں چین ہے، نہ آخرت میں سکون ہوگا، دشمن چاہے کھلم کھلا دشمنی کریں، یا ڈھکے چھپے یہ حرکت کریں، دشمن بہرحال دشمن ہے، بل کہ دوستی کے نام پر دشمنی کرنے والے بہت ہی خطرناک انجام کے سزاوار ہوں گے۔

تم بھی اپنی حرکات وخیالات پر نظر دوڑاؤ، اور دیکھو کہ دین کے نام پر کوئی ایسی حرکت تو نہیں کرتے، جو اس سے دشمنی کا پتہ دیتی ہو، بعض مرتبہ آدمی بظاہر نیک معلوم ہوتا ہے، اور اندرونی طور پر اس کی بعض حرکات بہت ہی خطرناک ہوتی ہیں، اسی لیے حدیث شریف میں آیا ہے کہ اپنا احتساب کرو، اور اپنے افکار واعمال کا جائزہ لیا کرو۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ قُلِ اسْتَهْزِءُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ﴿۶۴﴾

ڈرتے ہیں اس سے کہ نازل ہو مسلمانوں پر ایسی سورہ کہ خبر دے دے ان کو اس کی جو ان کے دل میں ہے۔ (پ ۱۰ ع ۱۴ سورۂ توبہ: ۶۴)

جو لوگ ایمان ویقین کے مقام پر نہیں ہیں، اور ان کے عقائد واعمال کا کوئی رخ نہیں ہے، وہ ہر وقت احساس کمتری، عیب پوشی اور خوف دہشت کی زندگی میں گرفتار رہتے ہیں، رات دن ان کو یہ فکر کھائے جاتی ہے کہ ان کا راز فاش نہ ہو، ان کی چاک کھل نہ جائے،

اور عوام وخواص میں ان کی بے ایمانی عام نہ ہوجائے ،ان کا مریض دل خلجان و ہیجان کا گھونسلہ ہوتا ہے،جس میں خوف وخطر کی پیدائش و پرورش ہوتی ہے۔

یہ بات اس لیے ہے کہ وہ کوئی ٹھوس عقیدہ اور عمل نہیں رکھتے ہیں،اوران کو اپنے بارے میں خود اطمینان حاصل نہیں ہے،اللہ تعالیٰ ہر انسان کو اس طرح کی پریشانی سے نجات دے کر اطمینان وسکون کی حیات وموت دے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ قُلِ اسْتَهْزِءُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ۝

ڈرتے ہیں منافقین اس بات سے کہ ان کے معاملہ میں کوئی سورہ نازل کردی جائے ،جوان کے دلوں کی باتوں کی مخبری کرے،آپ کہہ دیں کہ تم لوگ استہزاء کرو، یقیناً اللہ اسے ظاہر کرنے والا ہے،جس سے تم ڈرتے ہو۔(پ ١٠ ع ١٤ سورۂ توبہ: ٦٤)

جن کے دل میں کمزوری ہوتی ہے،اور وہ بظاہر کچھ اور، بباطن کچھ ہوتے ہیں،وہ ہروقت ڈرتے رہتے ہیں کہ کہیں ان کا بھرم نہ کھل جائے ،اوران کی اندرونی بیماریوں کا پتہ نہ چل جائے۔

عہدِ رسالت میں منافقین اسی خوف وبیم کے عالم میں رہا کرتے تھے،اوران کو کسی وقت بے خوفی اور اطمینان نصیب نہیں ہوتا تھا،اور وہ ہروقت ڈرتے تھے کہ کہیں ان کے بارے میں قرآن حکیم کی کوئی سورہ نازل ہوکر ان کا راز فاش نہ کردے،اوران کو مسلمانوں کی بھری محفل میں رسوانہ کردے۔

ایک طرف ان کی بزدلی اورلرزہ براندامی کا یہ حال تھا،دوسری طرف وہ بڑے

جری اور بہادر بھی بنتے تھے، اور عام طور پر دینی باتوں کا مذاق اور مسلمانوں کا استہزاء کرتے تھے، ان پر آواز کستے تھے، اور رات دن بیٹھے تنقید کیا کرتے تھے، بے عمل لوگوں کی تنقید درحقیقت عیب جوئی اور مذاق ہوتی ہے۔

ان بزدل بہادروں کو ذرا یا دھمکایا جارہا ہے، اور بتایا جارہا ہے کہ اچھا دین کا استہزاء کرو، جلد ہی اس کی سزا تمہیں ذلت ورسوائی کی شکل میں ملنے والی ہے، اور قرآن کی کوئی سورۃ اور آیت تمہارا سارا پول کھولنے والی ہے، اس وقت ذہنی عیاشی کا پتہ چلے گا، اور بیٹھ کر بات بنانے اور تمسخر کرنے کا مزا معلوم ہوگا۔

اس قسم کے بے کار لوگوں کی فضیحتی یقینی ہوتی ہے، اور ان کو موقع بہ موقع سوسائٹی میں ذلیل ہونا پڑتا ہے، پھر بھی وہ اپنی چال سے باز نہیں آتے، اور اپنی لت نہیں چھوڑتے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ قُلِ اسْتَهْزِءُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ﴿۶۴﴾

منافقین ڈرتے ہیں کہ ان کے حال پر ایسی سورہ نازل ہوجائے کہ جو ان کے دلوں کی بات کی خبر دے دے، آپ کہہ دیں کہ تم استہزاء کرو، یقیناً جس سے تم ڈرتے ہو، اسے نکالنے والا ہے۔ (پ ۱۰ ع ۱۴ سورۂ توبہ: ۶۴)

جن کے دل میں چور ہوتا ہے، اور جن کا ظاہر اور باطن ایک نہیں ہوتا ہے، وہ انتہائی درجہ کے بزدل اور ڈرپوک ہوتے ہیں، ان کو قدم قدم پر خطرہ لگا رہتا ہے، کہیں ان کا بھرم نہ کھل جائے، اور ان کا راز فاش نہ ہوجائے، کیوں کہ وہ خوب سمجھتے ہیں کہ اپنی بدعقیدگی اور بدعملی پر انھوں نے جو ڈھول ڈال رکھی ہے، وہ ایک جھونکے میں اڑ جائے گی، اور نفاق کی لاش

بے گور وکفن ہوکر سامنے آجائے گی۔

عہدِ رسالت کے منافقوں کی جان ہر وقت پتہ پر رہا کرتی تھی، اور وہ ہر دم ڈرا کرتے تھے کہ کہیں کوئی ایسی آیت ہمارے بارے میں نازل نہ ہو جائے، جو ہماری دوغلی پالیسی اور دورنگی کو کھول کر رکھ دے، اور ہماری چال کا تارتار بکھر جائے، اس بزدلی کے باوجود ان کی شرارت کم نہ ہوتی تھی، اور اللہ ورسول کی باتوں اور اسلام کے زریں اصولوں کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کمینہ قسم کے لوگوں میں اندرونی شرارت کا مادہ زیادہ ہوتا ہے، وہ کھل کر مقابلہ پر نہیں آتے، مگر اپنی مجلسوں میں غیبت، شکوہ، شکایت، استہزا اور تمسخر کرتے رہتے ہیں، اور خاص خاص کمزوروں اور سیدھے سادے لوگوں کا ذہن بگاڑتے رہتے ہیں۔

حالاں کہ ان کی ایک ایک قلعی کھلتی رہتی ہے، اور اللہ کے بندے اللہ کے فضل وکرم سے ان کی ایک ایک چال سے واقف ہوتے رہتے ہیں، مگر یہ احمق، بزدل شریر سمجھتے ہیں کہ ہماری چالوں سے دنیا ناواقف ہے، اور اللہ ورسول کو ان کی خبر نہیں ہے، خودفریبی کا شکار بری طرح مار کھائیں گے، اور اپنے کھودے ہوئے گڑھے میں گریں گے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ قُلِ اسْتَهْزِءُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ﴿۶۴﴾

ڈرا کرتے ہیں منافق کہ ان کے بارے میں کوئی سورہ نازل ہو جائے، جو ان کے دلوں کی باتوں کی خبر دے دے، آپ کہہ دیں کہ ٹھٹھا کرتے ہو، اللہ کھولنے والا ہے جس چیز

کا تم کو ڈر ہے۔ (پ ۱۰ ع ۱۴ سورۂ توبہ: ۶۴)

جن کے دلوں میں چور ہوتا ہے، اور ایمان و عمل میں کمزوری کی وجہ سے جرأت پیدا نہیں ہوتی ہے، وہ ہمیشہ قلبی اور ذہنی بیماری میں مبتلا رہتے ہیں، اور ایک دن کے لیے ان کو سکون و اطمینان نہیں ہوتا، کیوں ان میں نہ یقین و اعتقاد کی ٹھوس حقیقت موجود ہوتی ہے، اور نہ اَعمال و کردار کا وزن ہوتا ہے، بل کہ ہر قت بزدلی، تردد، مصلحت بینی، اور ہیر پھیر کی وجہ سے ان کے دل کا چور پریشان رہتا ہے۔

نزولِ قرآن کے زمانہ میں منافقوں کا حال بہت بُرا رہتا تھا، اور وہ ہر وقت ڈرتے تھے کہ ہماری خفیہ چالوں اور اندرونی سازشوں کا بھانڈا نہ پھوٹ جائے، اور قرآن کی کوئی سورت نازل ہو کر مسلمان کو ہماری چالوں سے آگاہ کر دے۔

حالاں کہ ان کو سوچنا چاہیے تھا کہ اگر مسلمانوں سے اپنی کسی بات کو چھپا سکتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ تو سب کچھ دیکھتا اور سنتا ہے، آخر اس سے چھپ کر ہم کہاں جائیں گے، ہمیں اس سے ڈرنا چاہیے، اور اس کی فکر کرنی چاہیے۔

واقعہ یہ ہے کہ ایمان اور عمل کی عزیمت و پختہ کاری کے بعد آدمی میں جرأت، مردانگی، اور ہمت پیدا ہو جاتی ہے، اور وہ ہر وقت میدان میں بڑھتا ہوا نظر آتا ہے، نہ اس کے یہاں مصلحت بینی ہوتی ہے، نہ کسی قسم کا خوف ہوتا ہے، بل کہ وہ جو کچھ کرتا ہے علی الاعلان کرتا ہے، لوگوں کی رضامندی اور راضگی کی اسے پرواہ نہیں ہوتی۔

وَ لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَ نَلْعَبُ ؕ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَ اٰيٰتِهٖ وَ رَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۶۵﴾ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ؕ

اور اگر آپ ان منافقوں سے پوچھیں تو یقیناً یہی کہیں گے کہ ہم تو صرف غور و فکر اور کھیل کر رہے ہیں، آپ کہہ دیں کہ کیا تم اللہ اور اس کے رسول کی آیات اور اس کے رسول کے ساتھ استہزا کرتے تھے؟ تم عذر بیان نہ کرو، تم نے اپنے ایمان لانے کے بعد کفر کیا ہے۔ (پ ۱۰ ع ۱۴ا سورۂ توبہ: ۶۵، ۶۶)

عہدِ رسالت کے منافقوں کا حال یہ تھا کہ جب آپ کی مجلس میں ہوتے، تو مکر و فریب سے اس طرح بنے رہتے، جیسے ایمان و ایقان کی مذہبی قدریں ان ہی کے قلب و جگر اور دل و دماغ پر اتر رہی ہیں، اور وہ ایمان و یقین میں سراسر غرق ہو چکے ہیں۔

مگر جب وہاں سے اٹھ کر اپنے گھر جاتے، یا اپنی مجلس میں جمع ہوتے، تو پھر اللہ و رسول کی باتوں کو اپنی مجلسی دلچسپی کے لیے موضوع بنا کر ان کا مذاق اڑاتے، استہزا کرتے، اور ان پر اپنی منافقانہ انداز میں غور کر کے غلط غلط معانی و مطالب نکالتے، اور جب ان کی لغویات کا مسلمانوں کو علم ہوتا، اور وہ ان سے باز پرس کرتے تو نہایت بے حیائی سے کہہ دیا کرتے تھے کہ ہم تو صرف اوپر سے اس کی طرح کی باتیں کرتے تھے، ہمارے دل میں اسلام و ایمان کی باتیں تھیں، کچھ تفریحی باتیں ہو رہی تھیں، اور ضمناً یہ بات بھی آگئی، ورنہ ہم تو سچے مسلمان ہیں۔

منافقوں کی اس چال پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے صاف صاف فرما دیا کرتے تھے کہ تم لوگ باتیں نہ بناؤ، تم نے ایمان و اسلام کے مقابلہ میں کفر کو اختیار کیا ہے، اور تمہارے دل و دماغ سے کافرانہ خُو بُو نہیں گئی ہے، ہمارے زمانہ میں جو لوگ اس طرح کی حرکتیں کرتے ہیں کہ دین و ایمان کی مجلس میں بیٹھ کر لوگوں پر یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ان پر بڑا اثر طاری ہے، اور وہ مجسم دین بن کر بیٹھے ہیں، مگر بعد میں دینی باتوں مذاق اڑاتے

ہیں، وہ لوگ بھی منافقوں کے رنگ کی باتیں کرتے ہیں، ان کو اس سے باز آجانا چاہیے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ یَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَ یَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَ یَقْبِضُوْنَ اَیْدِیَهُمْ ؕ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِیَهُمْ ؕ

منافق مرد اور منافق عورتیں سب کی ایک چال ہے، وہ بُرائی کا حکم کرتے ہیں، اور نیکی سے روکتے ہیں، اور اپنی مٹھی بند رکھتے ہیں، انھوں نے اللہ کو بھلا دیا، تو اللہ نے ان کو بھلا دیا۔ (پ۱۰ ع۱۵ سورۂ توبہ:۶۷)

جن گھرانوں میں لوگ بُرے ہوتے ہیں، ان کے چھوٹے بڑے مرد عورتیں اسی رنگ میں ڈوبے ہوتے ہیں، جو اس گھرانے پر چڑھا ہوتا ہے، چناں چہ جن گھروں میں دین داری کا دور دورہ ہوگا، اس کے رہنے والے دین دار ہوں گے، مرد بھی دین دار ہوں گے، عورتیں خدا پرست ہوں گی، اور ان کے لڑکے، بچے بھی ان ہی کے نقش قدم پر چلتے ہوں گے۔

اسی طرح جن گھرانوں میں کفر و نفاق کی بُرائی ہوگی، اس کے مرد و عورتیں منافقت میں استاذی کا درجہ رکھتی ہوں گی، اور ان کے بال بچے بھی اپنے والدین کے نقش قدم پر چل کر منافقت ہی کے کام کریں گے، کیوں کہ منافقوں میں یہ شعور و احساس نہیں ہوتا کہ اپنی اولاد کو اچھی تعلیم و تربیت دیں اور ان میں اَخلاق و انسانیت کی زندگی اجاگر کریں، وہ لوگوں کو بُرائی کی طرف بلاتے ہیں، اور نیکی سے روکتے ہیں۔

پس جو لوگ مسلمان ہونے کا دعویٰ کر کے ایسی حرکت کریں گے، وہ درحقیقت خدا کا اقرار کرنے کے بعد اس کو بھلا دیں گے، اور خدا فراموشی کے نتیجہ میں ان کا ایسا ستیاناس ہوگا کہ ان کو نہ اپنی خبر رہے گی، اور نہ خدا ہی ان کی خبر فرمائے گا، اور وہ کسی طرف کے نہ ہوں گے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَ يَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ؕ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ؕ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۶۷﴾

منافق مرد اور عورتیں بعض سے بعض ہیں، وہ بُرائی کا حکم کرتے ہیں، اور نیکی سے بعض باز رکھتے ہیں، اور وہ اپنے ہاتھوں کو بند کرتے ہیں، وہ اللہ کو بھول گئے، تو اللہ نے ان کو گویا بھلا دیا، بے شک منافق لوگ بدکار اور فاسق ہیں۔ (پ ۱۰ ع ۱۵ سورۂ توبہ: ۶۷)

منافقت اور دورنگی وہ بیماری ہے کہ جس مرد یا عورت کو لگ جاتی ہے، اس کا اچھا ہونا مشکل ہوتا ہے، عہدِ رسالت کے منافقوں میں دونوں صنف شامل تھیں، منافق مردوں کی طرح ان کی عورتیں بھی نفاق میں بہت آگے تھیں، مرد اپنے طور پر مردوں میں کام کر کے لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے تھے، اور ان کی عورتیں اپنے رنگ میں مسلمان عورتوں میں اسلام و ایمان کے خلاف زہر بھرنے کی کوشش میں لگی رہتی تھیں۔

نیکی سے روکنا، رکنا، بُرائی کرنا، کرانا، اور بخل و کنجوسی کرنا منافقوں کی خاص علامت تھی، جس میں ان کے مرد اور ان کی عورتیں بھی شامل تھیں، وہ اللہ تعالیٰ سے الگ ہو کر اور اس کی قدرت وطاقت کے عقیدے کو بالائے طاق رکھ کر اندھا دھند دنیا میں شرارت کرتے تھے، اور ان کو ذرہ برابر خدا کے عذاب اور انتقام کا خیال نہیں آتا تھا۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے بھی ان سے اپنی نظر پھیر لی، اور اس کے رحم و کرم نے ان پر کوئی توجہ نہیں کی، بل کہ ان کا ٹھکانہ جہنم کا انتہائی دردناک طبقہ قرار پایا۔

منافقوں میں عقیدے کے بیماری، عمل کی بیماری اور دوسری طرح طرح کی بیماری تھی، جس نے ان کو کہیں کا نہیں چھوڑا، اور وہ تباہ و برباد ہو گئے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے

ہمیں صحیح عقیدہ اور صحیح عمل پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَ يَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ؕ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ؕ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝۶۷

منافق مرد اور منافق عورتیں بعض کا تعلق بعض سے ہے، یہ بُرائی کا حکم کرتے ہیں، اور نیکی سے روکتے ہیں، اور اپنے ہاتھوں کو بند کرتے ہیں، انھوں نے اللہ کو بھلا دیا، تو اللہ نے بھی انھیں بھلا دیا، بے شک منافق لوگ فاسق ہیں۔ (پ ۱۰ ع ۱۵ سورۂ توبہ: ۶۷)

جب کوئی معاشرہ خراب ہوتا ہے، تو اس میں کوئی فرد بھی کام کا نہیں ہوتا، اور ہر ایک سے صلاحیت سلب کر لی جاتی ہے، مردوں کی گمراہی سے عورتیں گمراہ ہو جاتی ہیں، عورتوں کی گمراہی سے مرد گمراہ ہو جاتے ہیں، اور ضلالت و گمراہی کا ایک ایسا سلسلہ قائم ہو جاتا ہے جس میں سوسائٹی کے تمام مرد اور عورتیں جکڑی ہوئی نظر آتی ہیں۔

اس صورتِ حال کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اولاد اور بچے بھی ضلالت و گمراہی کی نذر ہو کر ہر قسم کی صلاحیتوں سے محروم ہو جاتے ہیں، باطل معاشرہ کی عورتیں بھی مردوں کی طرح بڑی خطرناک ہوتی ہیں، بدی کے رواج میں وہ بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی ہیں، ان کے مرد بھی رات دن بُرائی کرتے رہتے ہیں، جب کسی قوم کی زندگی کسی گڈھے میں گر جاتی ہے، تو عموماً تین برائیاں آجاتی ہیں:

(۱) حرام کاری کا رواج ہو جاتا ہے، لوگ اسے بطورِ فیشن کے اختیار کر لیتے ہیں، بے حیائی اور بے غیرتی کا تصور تک ختم ہو جاتا ہے، بُرائی کا رواج دینے میں فخر محسوس ہونے

لگتا ہے، کھلے بندوں بُرائی کا حکم ہوتا ہے، اور بُرائی کی جاتی ہے۔

(۲) بھلے مانسوں سے معاشرہ دور بھاگتا ہے، نیکی کے کاموں کو بے وقوفی سمجھا جاتا ہے، ہر اچھے کام کا مذاق اڑایا جاتا ہے، لوگ اپنے قول وفعل سے اچھائی کو روکتے ہیں، اچھوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں، اور نیکی کے جتنے سوراخ ہوتے ہیں، اپنی بدعملی سے بند کردیتے ہیں۔

(۳) ناپاک معاشرے میں داد دہش نہیں ہوتی ہے، ایک دوسرے کی ضروریات کا لحاظ نہیں کرتا، ہر آدمی خودغرض اور مطلب پرست ہوتا ہے، سب کی سب اپنی مٹھی باندھتے ہیں، اور قارون کی اولاد کے ہونے کا ثبوت یوں دیتے ہیں کہ خود تو خوب اڑاتے پڑاتے رہتے ہیں، مگر اپنے بھائی کا خیال نہیں کرتے، بُرائی کی اشاعت، نیکی کی رضاعت، اور مال ودولت کی خساست کی وجہ سے وہ خدا کے تصور سے بھی خالی ہوجاتے ہیں، ان کو ذرہ برابر خیال نہیں ہوتا کہ وہ کسی بالادست طاقت کے سامنے جواب دہ ہیں، اور ان کی زندگی خدا کی عدالت میں مسئول ہے۔

اس خدا فراموشی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خدا بھی ایسے منافقوں، بدکاروں، اور فاسقوں کو بھلادیتا ہے، یعنی اپنی نگاہِ کرم ان سے پھیر لیتا ہے، اور وہ دنیا وآخرت میں ذلیل سے ذلیل زندگی گزارتے ہیں، آج یہی دور چل رہا ہے، آج کے لوگ قانون قدرت کی نگاہ میں کس قدر ذلیل وخوار ہیں۔ اور ان کی کیا قیمت ہے؟

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتِ وَ الْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ هِيَ حَسْبُهُمْ ۚ وَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ۙ﴿۶۸﴾

اللہ نے منافق مردوں، عورتوں اور کافروں سے جہنم کی آگ کا وعدہ کیا ہے، یہ لوگ

ہمیشہ اس میں رہیں گے، اور یہ ان کے لیے بطور سزا کافی ہے، اور اللہ نے ان پر لعنت کی، اور ان کے لیے نہ ہٹنے والا عذاب ہے۔ (پ ۱۰ ع ۱۵ سورۂ توبہ: ۶۸)

اسلام کے قانونِ مجازات میں جرم وسزا کا معاملہ انسانیت کی ہر صنف کے ساتھ عام ہے، اور ہر ہر فرد اپنی اپنی جگہ مسئول وجواب دہ ہے۔

مرد وعورت کی تفریق اسلام میں کوئی چیز نہیں ہے، وہ جس طرح ایک مرد کو ذمہ قرار دیتا ہے، اسی طرح وہ ایک عورت پر بھی ذمہ داری ڈالتا ہے، اور جس طرح مرد نیکی اور بُرائی کے نتیجہ میں ماجور وماخوذ ہوتا ہے، اسی طرح عورت بھی ماجور وماخوذ ہوتی ہے، پس جس طرح مومن ومسلم مردوں اور عورتوں کو دنیا وآخرت میں عزت وانعام سے نوازتا ہے، اور ان دونوں صنفوں کی قدر ومنزلت کو مانا ہے، اسی طرح کافر ومنافق مردوں اور عورتوں کو اللہ نے دنیا میں اور آخرت میں ہر قسم کی ذلت ورسوائی وناکامی دی ہے۔

زمانۂ رسالت میں جو مرد یا عورت منافقت کرتے تھے، اسلامی عقائد واعمال کو تختۂ مشق بنا کر اپنا کام چلاتے تھے، اور دین ودیانت کی روح ان کے اندر کام نہیں کرتی تھی، وہ آخرت میں بھی ذلیل وخوار اور ناکام ہی رہیں گے۔

دنیا میں جب تک زندہ رہے، مسلمان کی خوش حالی سے جلتے بھنتے رہے، آخرت میں بھی ان کو جلنے بھننے سے واسطہ پڑے گا، ان کے لیے جہنم کی آگ ہوگی جس میں وہ ہمیشہ جلتے رہیں گے اور دنیا میں منافقت کرنے کا مزا چکھتے رہیں گے، یہ لوگ خدا کی جناب سے مردود وملعون قرار دیئے جا چکے ہیں، اس لیے ان کو کبھی چین وسکون نصیب نہ ہوگا۔

بدکار مردوں اور اور عورتوں کے ساتھ قدرت کے انتقام کا یہ معاملہ کچھ زمانۂ رسالت کے ساتھ خاص نہیں ہے، بل کہ جس زمانہ میں مرد یا عورت منافقت کریں گے، اور

بدی کی زندگی گزاریں گے، ان کو یہی عذاب ہوگا، عورتوں کے مردوں سے کسی معاملہ میں کم نہ ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ عورتیں دین و دیانت کے بارے میں بالکل آزاد ہیں، اور ان پر دین کی کوئی ذمہ داری موجود نہیں ہے، بل کہ مطلب یہ ہے کہ اگر وہ بھی اپنی ذمہ داری کو پورا نہ کریں، تو مردوں کی طرح سزا وعقاب کی مستحق ٹھہریں گی۔

افسوس کہ مسلمان عورتیں دین کے بارے میں بہت لاپرواہ ہیں، ان کو اپنی روش بدلنی چاہیے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝

اللہ تعالیٰ ایسا نہیں تھا کہ ان پر ظلم کرتا، لیکن وہ اپنے اوپر ظلم کرتے تھے۔

(۱۰ع ۱۵ سورۂ توبہ: ۷۰)

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں اس لیے پیدا نہیں کیا کہ وہ اپنے غضب اور جلال کے لیے اسے تختۂ مشق بنائے، اور یہاں کی ہر چیز کو اپنے جلال و جبروت کے حق میں تباہ و برباد کیا کرتے، بل کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر بہت زیادہ مہربان ہے، ایک عورت کی شفقت جس طرح اپنے بچے پر ہوتی ہے، اس سے کہیں زیادہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوقات پر شفقت کرتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اس نے انسان کی خیر خواہی کر کے انبیاء و رسل مبعوث فرمائے، رشد وہدایت کی راہیں بتائیں، اور نجات کے راستے دکھائے، مگر انسان نے فلاح ونجاح سے منہ موڑ کر خود ہی تباہی و بربادی مول لی، اور اپنا سب کچھ بگاڑ دیا۔

اگر غور کرو گے تو یہ بات نہایت صفائی سے سامنے آجائے گی کہ انسان اپنے حق میں بڑا ظالم وسفاک ہے، اور وہ اپنے ہاتھوں تباہی لاتا ہے، چنان چہ تاریخِ انسانی کے

ہر اندوہ ناک واقعہ میں یہ حقیقت کارفرما رہی ہے کہ قدرت کے رحم وکرم کے مقابلہ میں انسانوں نے اپنے اوپر ظلم وستم ایجاد کیا اور تباہی و بربادی کو دعوت دی۔

قوم عاد وثمود کی تباہی ہو، یا روم کی بربادی ہو، ہر المیہ میں اندوہ ناک حقیقت نظر آئے گی کہ انسانوں نے اپنے ہاتھوں اپنی موت بلائی، اور قدرت کے حلم وصبر اور رحم وکرم کو اپنے اوپر سے اٹھوا کر اس کے جلال وغضب کو آواز دی۔

آج بھی جو تباہی انسانوں کے سر پر ہے، سب کی ذمہ داری انسانوں کے سر ہے، اور نظامِ قدرت کو انھوں نے خود ہی اپنے حق میں ناہموار اور نقصان دہ بنایا ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ۘ یَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ یَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ یُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ یُطِیْعُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ سَیَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ۝۷۱

اور مومن مرد اور مومن عورتیں اور ایک دوسرے کے دوست ہیں، نیک بات سکھاتے ہیں، اور بُری بات سے منع کرتے ہیں، اور نماز قائم کرتے ہیں، اور زکوٰۃ دیتے ہیں، اور اللہ واس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں، ان پر اللہ رحم کرے گا، یقیناً اللہ زبردست ہے، اور حکمت والا ہے۔ (۱۰ ع ۱۵ سورۂ توبہ: ۷۱)

یہاں پر اللہ تعالیٰ مومنوں کے کچھ بنیادی اوصاف بیان فرما رہا ہے، جن سے ایمان واسلام کی زندگی میں امتیازی شان آتی ہے، اور مسلمان قوم دوسری قوموں سے ممتاز ہوتی ہے:

(۱) پہلی بات یہ ہے کہ مسلمان چاہے مرد ہوں یا عورت ہوں، ایک دوسرے کے ہمنوا اور ہمدرد ہوتے ہیں، سب کے دل کی آواز ایک ہوتی ہے، سب کا نقطۂ نظر ایک ہوتا ہے،

اور سب کی زندگی کا رخ ایک ہوتا ہے، ان میں باہمی تضاد واختلاف نہیں ہوتا۔

اسلام میں عورت اور مرد کی کوئی تفریق نہیں ہے، بل کہ دونوں میں کچھ خلقی باتیں ہیں، جو ایک کو دوسرے سے خود بخود جدا کرتی ہیں، اور وہ ان کی وجہ سے ایک دوسرے سے الگ ہوتے ہیں، مگر جہاں تک انسانی حقوق اور اسلامی عمل وعقیدہ کا تعلق ہے، مرد اور عورت دونوں ہی مساوی ہیں، اور دونوں میں ان باتوں میں ایک دوسرے کے معاون و مددگار ہیں۔

(۲) مسلمانوں کی زندگی کا ایک کھلا ہوا پہلو یہ ہے کہ وہ دنیا میں نیکی پھیلاتے ہیں، اپنوں میں اور غیروں میں اچھائی پھیلانا ان کی زندگی کا مشن ہوتا ہے، وہ نیک باتوں کی اشاعت کو اپنے کردار کا اولین کام سمجھتے ہیں۔

(۳) مسلمانوں کی زندگی کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ وہ بُرائی کو ختم کرتے ہیں، اپنے اندر سے بھی، اور دوسروں سے بھی، بُرائی جہاں بھی ہو، ان کے نزدیک بُرائی ہے، جس کا مٹانا مسلمان کے نزدیک ضروری ہے، اور اس معاملہ میں حکمت عملی سے کام لے کر اپنا کام کرنا ہے۔

(۴) ایمان و دیانت کی روح ہر حال میں بحال اور ہشاش وبشاش رکھنے کے لیے وہ نماز کو قائم کرتے ہیں، اور اس مرکز روحانیت سے قوت حاصل کر کے ہر قسم کے دینی کام کرتے ہیں، اگر نماز کا اہتمام نہ ہو تو، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی ختم ہو جائے گا، اور ذمہ داری کا احساس جاتا رہے گا، اس لیے وہ نماز کو ہر اعتبار سے کامل و مکمل طور پر قائم رکھتے ہیں۔

(۵) معاشی نظام کی درستگی مسلمان کے لیے ضروری ہے، رزق ومعیشت کی استواری بھی مسلمانوں کا بنیادی کام ہے، اور اپنوں اور دوسروں کا رزق حلال سے پیٹ بھرنا ان کے معاشرہ کی بنیادی بات ہے، اگر کچھ لوگوں کو احوال وظروف یا نیرنگی تقدیر کی وجہ سے اس معاملہ میں تنگی ہو تو ان کے لیے اپنے مال سے انتظام کرنا اور زکوٰۃ کے نظام کو قائم کرنا

ضروری ہے، اور مسلمان زکوٰۃ ادا کر کے اپنے حاجت مند بھائیوں کا کام چلاتے ہیں۔

(۶) ان ہی چند باتوں پر کیا موقوف ہے، مسلمان کی پوری زندگی اللہ ورسول کے اشارے میں رواں دواں ہوتی ہے، اور اس حد سے باہر اس کا قدم نہیں پڑتا۔

پس جو لوگ اس طرح کی زندگی بسر کرتے ہیں، اور دنیا میں نیکی پھیلانے، بُرائی ختم کرنے، روحانیت کو ابھارنے اور معاشی نظام کی بحالی کے لیے کام کرتے ہیں، ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے فضل وکرم کا انعام ہوتا ہے، اور ان کی مدد کی جاتی ہے۔

ایسی کام یاب اور مفید قوم کو اللہ تعالیٰ بہت نوازتا ہے، اور اسے کام کرنے کا موقع دیتا ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ يُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۷۱﴾

مومنین ومومنات ایک دوسرے کے دوست ہیں، وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہیں، اور نماز قائم کرتے ہیں، اور زکوٰۃ دیتے ہیں، اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں، یہ لوگ ہیں کہ اللہ ان پر عنقریب رحم کرے گا، اور اللہ عزیز وحکیم ہے۔

(پ ۱۰ ع ۱۵ سورۂ توبہ: ۷۱)

مومنوں کی زندگی کی شان کچھ جدا ہوتی ہے، ان کے اخلاق وکردار میں، بولی بات میں، اور طور وطریقہ میں دینی وایمانی رنگ ہوتا ہے۔

سب سے پہلے مسلمان مرد ہوں، یا عورت ان میں باہمی الفت ومحبت ہوتی ہے، اور دین وایمان کا رشتہ خون سے کہیں زیادہ پائیدار ہوتا ہے اور دوستی اور باہمی محبت پیدا کرتا

ہے، وہ آپس میں نیکی کا حکم اور بُرائی کی مناہی کرتے ہیں۔

ہر بُری بات سے روکنا رکنا، اور ہر اچھے کام کو کرنا کرانا ان کی زندگی کا نصب العین ہوتا ہے، اور اپنی دینی وایمانی اور اخلاقی زندگی کے لیے نماز کو مرکز ومحور بناتے ہیں، اور اسی مرکز پر رہ کر اپنی زندگی کو بہتر سے بہتر بناتے ہیں، وہ معاشرہ کی اصلاح اور اجتماعی فلاح کے لیے معاشی خوش حالی اور اقتصادی ہمواری پیدا کرتے ہیں، زکوٰۃ پورے طور پر ادا کرتے ہیں، اور اپنے غریبوں، مسکینوں، اور حاجت مندوں کا کام چلاتے ہیں۔

الغرض وہ اللہ ورسول کی اطاعت کو اپنی زندگی کا مقصد بناتے ہیں، اسی کے لیے جیتے مرتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ جن کی زندگیاں اتنی پاکیزہ، اس قدر بااخلاق اور خداپرستانہ گزریں گی، ان کے لیے دنیا وآخرت میں کام یابی ہی کام یابی ہے، اور کہیں بھی ان کو ناکامی نہیں ہے، اللہ تعالیٰ ان کا حامی وناصر ہے، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، اگر آج کے مسلمان اس طرح کی زندگی بسر کرنے لگیں گے، تو ان کے لیے بھی انعامِ خداوندی ہوگا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ يُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ؕ

اور مومن مرد اور مومن عورتیں بعض بعض کے دوست ہیں، آپس میں حکم کرتے ہیں معروف کا، اور روکتے ہیں منکر سے، اور قائم کرتے ہیں نماز کو اور ادا کرتے ہیں زکوٰۃ کو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں، ان لوگوں پر اللہ عنقریب رحم کرے گا۔

(پ۱۰ ع۱۵ سورۂ توبہ:۱۷)

اسلام جس پاک زندگی کی تشکیل کرتا ہے، وہ انسان کے لیے یکساں قابل فخر ہے، اور انسان کی ہر دو جنس مرد اور عورت کے لیے اس کی افادیت عام ہے، یہ پاکیزہ اور لطیف زندگی مردوں اور عورتوں کو حقیقی معنوں میں انسانی بناتی ہے، اور ان کو سوسائٹی میں بہت اونچا بنا دیتی ہے۔

اللہ تعالیٰ جس مقدس اصولِ حیات کو مسلمان مردوں اور عورتوں کے لیے بیان فرما رہا ہے، وہ اپنی جامعیت کے اعتبار سے ایک سے ایک اعلیٰ و بالا ہیں، مسلمانوں کی بستی میں پہلی بنیادی چیز یہ ہوتی ہے کہ مرد و عورت نیکی پھیلاتے ہیں، اور بُرائی ختم کرتے ہیں، اور اپنے معاشرہ کو ہر قسم کی اخلاقی، سماجی، معاشرتی، معاشی، ذہنی، جسمانی، اور روحانی بُرائی سے پاک کرتے ہیں اور اچھائی کو پھیلاتے ہیں، پھر اجتماعی روحانیت کو ابھارنے کے لیے نماز کے نظام کو قائم کرتے ہیں، اور ایمان و اسلام کی اس بنیاد کو بہت اہمیت دیتے ہیں، نیز اجتماعی زندگی کی ہر ضرورت کو پورا کرنے، مفلسوں، غریبوں اور حاجت مندوں کی نگرانی اور دیکھ بھال کے لیے زکوٰۃ کا نظام قائم کرتے ہیں، اور اپنے مالیاتی نظام کو ہمیشہ مضبوط رکھتے ہیں، پھر عام حالات میں وہ اللہ و رسول کی اطاعت کرتے ہیں، اور کوئی کام حدود اللہ اور حدود الرسول سے باہر ہو کر نہیں کرتے۔

جن مسلمان مردوں اور جن مسلمان عورتوں کی یہ زندگی ہوتی ہے، ان میں محبت اور ہمدردی ہوتی ہے، وہ ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہوتے ہیں، اسی زندگی کو اسلامی زندگی کہتے ہیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ

يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ يُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۷۱

مومن مرد اور مومن عورتیں بعض بعض کے دوست ہیں، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہیں، اور نماز قائم کرتے ہیں، اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، اور اللہ اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں، عنقریب اللہ ان پر رحم فرمائے گا، بے شک اللہ عزیز حکیم ہے۔

(پ۱۰ ع۱۵ سورۂ توبہ:۷۱)

یہاں مسلمان مردوں اور عورتوں کے اوصاف بیان فرمائے جارہے ہیں:

(۱) ان میں دینی دوستی ہے، ایک دوسرے کے غم خواہ اور بہی خواہ ہیں، آپس میں دشمن نہیں، ایک دوسرے کی شکایت نہیں کرتے۔

(۲) دنیا میں ایسی فضا پیدا کرنا چاہتے ہیں کہ بُرائی ختم ہو جائے، اور دینی ماحول کا دَور دَورہ ہو، خدا کی زمین اس کے اَوامر سے معمور ہو، اور منکرات سے پاک ہو۔

(۳) اسلام کے سب سے پہلے عملی تقاضا پورا کرنے میں اجتماعی قوت سے کام لیتے ہیں، روحانی نظام کے قیام میں مل کر کوشاں رہتے ہیں۔

(۴) معاشی نظام کو بہتر سے بہتر بنانے کے لیے اپنی مال کی ڈھائی فیصد رقم قوم کے مفلس و مسکین اور ضرورت منداَصحاب کے لیے نکالتے ہیں، تاکہ مسلمانوں کی بستی میں روٹی اور کپڑے کا سوال پیدا نہ ہو اور ہر شخص اپنی جگہ کم از کم روزی سے مطمئن ہو۔

(۵) پھر ان تمام اَعمال واَفعال میں اللہ اور اس کے رسول کی قائم کردہ حدود سے نہ باہر ہوتے ہیں، نہ اندر رہ کر کسی قسم کی سستی کرتے ہیں، بل کہ ہر معاملہ میں پہلے اسلام کے قوانین وآداب کی طرف نظر اٹھاتے ہیں۔

جب ان کے یہ اوصاف ہیں، تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ وہ اللہ کے رحم وکرم کے مستحق نہ ٹھہریں، اوران پر دنیااورآخرت میں انعام واِکرام نہ ہو۔

آج مسلمان اس آئینہ میں اپنی تصویر دیکھیں، اور خود فیصلہ کریں کہ وہ کہاں تک برکاتِ خداوندی کے سزاوار ہیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ۘ یَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ یَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ یُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ یُطِیْعُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ سَیَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۷۱﴾

مومن مرداورمومن عورتیں بعض بعض کے دوست اور مددگار ہیں، نیکی کا حکم کرتے ہیں، اور بُرائی سے روکتے ہیں اورنماز قائم کرتے ہیں، اورزکوۃ ادا کرتے ہیں، اوراللہ اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں، اللہ ان پر رحم فرمائے گا، بے شک اللہ زبردست ہے، حکمت والا ہے۔ (پ۱۰ ع۱۵ سورۂ توبہ:۷۱)

مسلمان کی زندگی اس کے اَفکاروخیالات کا مشن ہوتی ہے، اور ہر مسلمان چاہے وہ مرد ہو، چاہے عورت ہو، اپنی ذات سے اسلامی عقائدواَعمال کے لیے مشن ہے، اوراس کی پوری زندگی ان کی ترجمان ہے، اوراس سلسلہ میں مسلمان مرداور مسلمان عورتیں ایک دوسرے کے معاون ومددگار ہیں، خاص طور سے ان کاموں میں ان کا باہمی اشتراک کام کرتا ہے۔

(۱) معروف اوراچھائی کوعام کرناان کی زندگی کا اولین مقصد ہے۔

(۲) اس کے حصول کے لیے منکراور بُرائی ختم کرنا ضروری ہے۔

(۳) امر بالمعروف اورنہی عن المنکر کے بعدسب سے ضروری چیز نماز ہے، اس

سے اس کردار کا تحفظ اور بقا ہوگا، جو نیکی کرنے اور بُرائی چھوڑنے سے پیدا ہوتا ہے۔

(۴) نماز کے بعد زکوٰۃ دیتے ہیں، یعنی روحانیت کی تربیت کے بعد مادی تربیت کی فکر کرتے ہیں، اور اسلامی معاشرہ کی ریڑھ کی ہڈی کو مضبوط کرتے ہیں۔

(۵) پھر اس کے بعد زندگی کے ہر ہر مرحلہ میں اللہ و رسول کی اطاعت کرتے ہیں، اور کوئی کام ان کی مرضی کے بغیر نہیں کرتے۔

اگر ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کی جناب میں مقبول اور قابل رحم نہ ہوں گے تو کون ہوگا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ يُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ

مومن مرد اور مومن عورتیں بعض بعض کے دوست اور مددگار ہیں، نیکی کا حکم کرتے ہیں، اور بُرائی سے روکتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں، اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، اور اللہ اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔ (پ ۱۰ ع ۱۵ سورۂ توبہ: ۷۱)

دین و ایمان کسی طبقہ یا صنف کے لیے مخصوص نہیں ہے، بلکہ آدم کی تمام اولاد اس میں برابر ہے، مرد ہو یا عورت، دونوں ہی اسلامی عقائد و اعمال میں برابر کے ذمہ دار اور مسئول ہیں، اور دونوں ہی صنفیں ایک دوسرے کے حق میں مددگار اور معاون ہیں، اور دونوں ہی پر ذمہ داری عائد کی گئی ہے، اور دونوں ہی کے باہمی اشتراک و تعاون سے ذمہ داریوں کی ادائیگی میں بڑی آسانی اور خوبی پیدا ہوتی ہے، اور دنیا میں صالح اتحاد و اتفاق کی فضا پیدا ہوتی ہے، اور بُرائیاں ختم ہوتی ہیں، نیکیاں عام ہوتی ہیں، اور ایمان و یقین کی قدریں انسانی زندگی کو کہیں سے کہیں پہونچا دیتی ہیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ يُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ؕ

مومن مرداور مومن عورتیں ایک دوسرے کے مددگار اور دوست ہیں، نیک بات کا حکم کرتے ہیں، اور بُری بات سے روکتے ہیں، اور نماز کو قائم کرتے ہیں، اور زکوٰۃ کو ادا کرتے ہیں، اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں، عنقریب اللہ ان پر رحم کرے گا۔ (پ ۱۰ ع ۱۵ سورۂ توبہ: ۷۱)

اسلام نے انسانوں میں تفریق کر کے مردوں اور عورتوں کے درمیان خلیج پیدا نہیں کی، اور ان دونوں صنفوں کو الگ الگ کر کے ان کو دو آنکھ سے نہیں دیکھا، بل کہ اسلام نے ایک آدم کی اولاد میں دونوں کو شمار کیا ہے، اور ایک حوّا کے بچوں میں دونوں کو گردانا ہے۔

اس لیے اسلام نے دنیا کے سامنے جو نظامِ حیات پیش کیا ہے، اور نیکی پھیلانے اور بُرائی ختم کرنے کی جو تحریک چلائی ہے، اس میں مردوں کی طرح عورتوں کو بھی اپنا مخاطب بناتا ہے، اور ان دونوں کو ایک ہی طرح ذمہ دار قرار دیتا ہے۔

دونوں سے کہتا ہے کہ دنیا میں نیکی کا پھیلانا، اور بُرائی کا ختم کرنا تمہارا کام ہے، اور اسلام کے دوسرے اجتماعی اور انفرادی کاموں میں مدد کرنا اور ان میں حصہ لینا، دونوں پر فرض ہے، نماز، زکوٰۃ بل کہ اللہ و رسول کی مکمل تابعداری مردوں کی طرح عورتوں کو بھی ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ اس کردار پر ان دونوں اصناف کو اپنے رحم و کرم سے نوازے گا، اور کسی میں کسی قسم کی تفریق نہیں فرمائے گا۔

اس تصریح کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ اسلام نے مردوں کے مقابلہ میں عورتوں کو

کمزور گردانا ہے، اوران کے جینے کے بہت سے حقوق سلب کر لیے ہیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ يُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝

اورمومن مرداورمومن عورتیں بعض بعض کے دوست ہیں، امر بالمعروف کا حکم کرتے ہیں، اور نہی عن المنکر کرتے ہیں، اور نماز قائم کرتے ہیں، اور زکوۃ کو ادا کرتے ہیں، اور اللہ اوراس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں، جن پر اللہ ان پر رحم کرے گا، اور اللہ زبردست حکمت والا ہے۔ (پ ۱۰ ع ۱۵ سورۂ توبہ:۷۱)

اسلامی معاشرہ میں مردوعورت میں کوئی تفریق نہیں ہے، بل کہ دونوں صنفیں اسلامی کردار میں برابر کی شریک ہیں، اور دونوں پر ذمہ داریاں عائد ہیں، اور جس طرح مرد دین کے کام خود کرتے ہیں، اسی طرح عورتیں بھی دینی تقاضوں پر عمل کر کے دوسروں کو عمل کی تاکید وتلقین کرتی ہیں، اور دینی معاملات میں عورتیں مردوں کا ساتھ دیتی ہیں، اور مرد عورتوں کا ہاتھ بٹاتے ہیں۔

دین ودیانت اور ایمان واسلام کا یہ ملا جلا معاشرہ اس قدر پاکیزہ، بابرکت اور معزز ومحترم ہوتا ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کی خصوصی توجہ ہوتی ہے، اور اس کا ہر فرد رحمت خداوندی کا مستحق ہوتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی بالادستی اور اس کی حکمت ہر موقع پر ان کا ساتھ دیتی ہے، اور ان کو دنیا وآخرت کے کسی مرحلہ پر بے سہارا نہیں چھوڑتی۔

ایسے مقدس اور پاکیزہ معاشرہ کے خاص خاص اوصاف یہ ہیں کہ وہ آپس میں دینی

تعلقات رکھتے ہیں، اور ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں، اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ کو انجام دیتے ہیں، نماز کی باقاعدگی سے اپنا روحانی نظام استوار کرتے ہیں، اور زکوٰۃ کی ادائیگی سے اپنا مادی نظام برقرار رکھتے ہیں، پھر زندگی کی ہر حرکت اور سکون میں اللہ ورسول کی اطاعت کرتے ہیں، اور ان کی پوری زندگی اللہ ورسول کی راہ پر گزرتی ہے، ان کی زندگی ان کے کارناموں کے باعث اس قدر بلند ہوتی ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم کا خصوصی ظہور ہوتا ہے، اور اس کی کبریائی و جبروت ان کا ہر موقع پر ساتھ دیتی ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ يُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۷۱﴾ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَ مَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ وَ رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۷۲﴾

اور ہاں مسلمان مرد اور مسلم خواتین ایک دوسرے کے معاون اور مددگار ہیں، وہ اچھے اُمور کا حکم دیتے ہیں، اور بُرے کاموں سے منع کرتے ہیں، اور قائم رکھتے ہیں نماز اور ادا کرتے ہیں زکوٰۃ، اور حکم برداری کرتے ہیں اللہ کی، یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ رحم کرے گا، بے شک اللہ زبردست حکمت والا ہے، اللہ کا وعدہ ہے، مسلمان مردوں اور عورتوں سے باغوں کا، جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، اور رضامندی اللہ کی جانب سے بہت زیادہ یہی بڑی کام یابی ہے۔ (پ ۱۰ ع ۱۵ سورۂ توبہ: ۷۱، ۷۲)

وہ لوگ جو اسلام کے منکر ہیں، یا منافق ہیں، ان کے مقابلہ میں مسلمان مردوں اور

عورتوں کا کردار ہر اعتبار سے بلند اور قابل فخر ہے۔

منکروں کی شان یہ ہے کہ ان میں آپس میں اتفاق نہ ہو، مگر مسلمان کی شان یہ ہے کہ وہ ایک اللہ کے نام پر متحد ہوتے ہیں، آپس میں لڑنے سے پرہیز کرتے ہیں، لڑائی کے امکانات پیدا ہو جائیں تو صلح کر کے آپس میں مل بیٹھتے ہیں، ایک دوسرے کا ساتھ دیتے ہیں، ایک دوسرے کی امداد کے لیے آمادہ رہتے ہیں، اچھے کاموں کی طرف رہنمائی کرتے ہیں، اور بُرے کاموں سے روکتے ہیں، منکروں کی طرح بخیل نہیں ہوتے، بل کہ نماز کی طرح زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔

اور آخری بات یہ کہ اللہ کے ہر حکم پر جان دینے کے لیے تیار رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان اوصاف کی بنا پر مسلمانوں پر رحم و کرم کرتا ہے، ان کے لیے دین و دنیا میں باغ و بہار ہوتی ہے، خدا ان سے خوش رہتا ہے، اور ان کی زندگی عظیم کام یابی سے ہمکنار ہوتی ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ مَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَ اِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ۚ وَ مَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا نَصِيْرٍ ۝

اور وہ منافق لوگ انتقام نہیں لیتے ہیں، مگر اس لیے کہ اللہ نے اور اس کے رسول نے اپنے فضل سے ان کو غنی بنا دیا ہے، اور اگر وہ لوگ توبہ کریں، تو ان کے لیے بہتر ہے، اور اگر وہ پشت پھیر لیں گے تو اللہ ان کو دنیا اور آخرت میں عذاب دے گا، اور ان کے لیے زمین میں نہ کوئی دوست ہے، اور نہ کوئی مددگار ہے۔ (پ ۱۰ ع ۱۶ سورۂ توبہ: ۷۴)

اگر اللہ تعالیٰ ذرا تنگی ڈالتا ہے اور کھانے پینے کی تکلیف ہوتی ہے، تو بس کیا ہے،

آدمی زبان پر رات دن شکوہ اور گلہ رہتا ہے، اور غربت وافلاس کی وجہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انسان تمام چوکڑی بھول گیا، اور اب اس کا کس بل ختم ہو چکا ہے۔

اگر اللہ تعالیٰ روزی میں کچھ وسعت دیتا ہے، اور کھانے پینے کی آسانی کر دیتا ہے، تو پھر انسان کا دماغ آسمان پر پہونچ جاتا ہے، ور بہکی بہکی باتیں کرنے لگتا ہے، جہاں پیٹ ٹھکانے سے بھرنے لگا کہ آدمی خرمستی میں مبتلا ہوا، اور رات دن فتنہ وفساد، گالی گلوج، بے حیائی اور بے شرمی کی باتوں میں رہا کرتا ہے۔

یہی حال منافقوں کا تھا، اللہ نے ان کو کھانے پینے کی وسعت دیدی، تو بجائے صبر وشکر کے اور بیہودگی کرتے تھے، مگر یہ صورتِ حال کب تک چلے گی؟ خدا کے یہاں دیر تو ہے، مگر اندھیر نہیں ہے۔

اگر یہ لوگ اس بے راہ روی سے باز آئیں گے، تو خدا ان کا حال بہتر بنا دے گا، اور اگر وہ اس افراطی کے باوجود خدا اور رسول سے منہ پھیرے ہی رہے، تو ان کو اس دنیا میں بھی ذلت وخواری کا منہ دیکھنا پڑے گا، اور ہر طرف سے لعنت اور پھٹکار ہوگی، اور آخرت میں انھیں ناکامی وخسران کا منہ دیکھنا پڑے گا۔

پس اے لوگو! اگر اللہ نے کھانے پینے کی افراطی دی ہے، تو بے راہ مت ہو، عوام میں بیہودگی کا مظاہرہ مت کرو، ورنہ تباہ وبرباد کر دیئے جاؤ گے۔

يَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ؕ وَ لَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَ هَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۚ وَ مَا نَقَمُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَ اِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ فِي الدُّنْيَا وَ

الْاٰخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۷۴﴾

وہ لوگ قسمیں کھاتے ہیں کہ ہم نے فلاں بات نہیں کہی ہے، حالاں کہ یقیناً انھوں نے کفر کی بات کہی تھی، اور وہ اپنے اسلام کے بعد کافر ہو گئے تھے، اور ایسی بات کا ارادہ کیا تھا، جسے نہ پاسکے، اور یہ انھوں نے صرف اس بات کا بدلہ دیا ہے کہ ان کو اللہ اور اس کے رسول نے رزقِ خداوندی سے مالا مال کر دیا ہے۔ (پ۱۰ ع۱۶ سورۂ توبہ: ۷۴)

کھوٹے انسانوں نے دنیا میں ہمیشہ احسان کا بدلہ بُرائی سے دیا ہے، اور ان کا کھوٹا پن کچھ اپنے ہم جنسوں ہی میں کام نہیں کرتا ہے، بل کہ اللہ اور رسول کے معاملہ میں بھی یہ لوگ اپنی چال سے باز نہیں آتے۔

یہاں منافقوں چالوں کو بیان کیا جا رہا ہے کہ اللہ اور رسول نے ان کو راہ راست دکھائی، بُرائی سے بچا کر بھلائی کی شاہ راہ پر لگایا، اور رزق و معیشت کی مشکلات سے نجات دے کر فارغ البالی اور خوش حالی دی، تو انھوں نے اپنی بدظنی سے کام لیتے ہوئے کفر و شرک اور فسق و فجور کا رویہ اختیار کر لیا، اور اسلام کی دولت ہی سے منہ موڑ لیا۔

جب ان سے باز پرس کی جاتی ہے تو قسم پر قسم کھاتے ہیں کہ ہم نے یہ کفریہ کلمات نہیں کہے ہیں، اور یہ کافرانہ اعمال نہیں کیے ہیں، دراصل اس صورتِ حال سے وہ ایک چال چل رہے تھے، اور چاہتے تھے کہ ہم اس طرح خوش حالی اور خوش عیشی پر قابو حاصل کر لیں گے، اور مسلمانوں کو بے وقوف بنا کر ان میں مقبولیت حاصل کر لیں گے، ان ہی بے وقوف بنانے والے منافقوں کی چال کو قرآن حکیم کھول رہا ہے، اور ان کی ایک ایک حرام کاری کا پردہ چاک کر رہا ہے۔

دنیا میں جو لوگ اس طرح کی چال چلیں گے، ان کا پردہ یوں ہی چاک ہوگا، اور وہ

ہر طرف ذلیل وخوار ہوں گے، آج نہیں تو کل اور کل نہیں تو پرسوں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ مِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۷۵﴾

اوران میں سے بعض نے اللہ سے عہد کیا کہ وہ اگر ہمیں اپنا فضل دے تو ہم ضرور ضرور صدقات وخیرات کریں گے، اور ہم نیکوں میں سے ہوجائیں گے، پھر جب اللہ نے ان کو اپنے فضل سے دیا، تو وہ اس میں بخل کرنے لگے اور منہ پھیر کر مکر گئے۔ (پ۱۰ ع۱۶ سورۂ توبہ:۷۵)

انسان مصیبت کے زمانہ میں بہت ہی شریف، بہت ہی نیک اور بہت ہی بھلا مانس معلوم ہوتا ہے، مگر جب کام نکل جاتا ہے، تو اس کی ساری قلعی کھل جاتی ہے، اور اپنے رنگ میں سامنے آجاتا ہے، اللہ تعالیٰ یہاں پر غرض مند انسانوں کی خودغرضی اور مطلب پرستی کو بیان فرماتا ہے کہ بہت سے انسان ضرورت کے زمانہ میں اللہ تعالیٰ سے رو روکر دعا کرتے ہیں کہ یا اللہ! تو ہم پر اپنا فضل فرما، ہماری مشکلات حل کردے، اور ہماری مدد کر کہ ہم تجھ سے وعدہ کرتے ہیں کہ ہم تیرے غریب اور محتاج بندوں کو کبھی نہ بھولیں گے، اوران کی خبر گیری کرنا اپنی زندگی کا بہترین شغل بنائیں گے۔

صدقات وخیرات کریں گے، اچھے اچھے کام کریں گے، اور نیکوں کے نیک بن کر زندگی گزاریں گے، مگر جب اللہ تعالیٰ ان پر اپنا فضل وکرم فرمادیتا ہے، اوران کے بُرے دن اچھے دن سے بدل جاتے ہیں، تو وہ اس طرح اپنے وعدے کو بھول جاتے ہیں کہ جیسے کوئی بات ہی نہیں ہوئی تھی، اور بخل وکنجوسی میں اس قدر آگے ہوجاتے ہیں کہ پڑوس میں اس بارے میں ان کا جواب نہیں ہوتا اور سمجھنے لگتے ہیں کہ ہماری مشکلات ہماری ترکیبوں سے حل

ہوئی ہیں، اور ہم نے یہ مال و دولت اپنی کوشش و تدبیر سے حاصل کی ہے، اس میں خدا یا اس کے رسول کا بندوں کا کیا حق پہونچتا ہے کہ جو ہم اپنی کمائی سے دیں۔

غور! کرو، اس طرح کے لوگ کتنے ہیں، جو اپنے پروردگار کے ساتھ چال چلتے ہیں، اور اپنے کو عقل مند سمجھتے ہیں، ایسے لوگوں کا انجام ظاہر ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ مِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۷۵﴾

اور ان میں سے کچھ لوگ وہ ہیں، جنھوں نے اللہ سے عہد و پیمان کیا کہ اگر وہ ہمیں اپنے فضل سے دے دے، تو ہم ضرور ضرور تصدیق کریں گے، اور یقیناً ہم نیکوں سے بن جائیں گے۔ (پ ۱۰ ع ۱۶ سورۂ توبہ: ۷۵)

کفار و مشرکین اور ان کے بھائی منافقین عجیب ذہن و دماغ کے تھے، وہ عجیب عجیب قلابازیاں کھاتے تھے، اور قسم قسم کی بے وقوفی اور حماقت کی باتیں کرتے تھے۔

چنان چہ اس سلسلہ میں ایک بات انھوں نے یہ کہی کہ اگر اللہ ہمیں مال داری دے دے، اور ہم خوب فراغت سے کھانے پینے لگیں، اور اس طرف سے کوئی فکر نہ رہے، تو پھر ہم پکے مسلمان اور سچے مومن بن جائیں گے، اور پھر ہماری ساری چال ختم ہو جائے گی، اور ہم نیکوں کے نیک اور سچوں کے سچے بن جائیں گے۔

روپیہ پیسے کے بل بوتے پر دین و ایمان کی گاڑی چلانے والے کبھی منزل مقصود تک نہیں پہونچ سکتے، کرایہ کے ٹٹو چارہ گھاس ملنے تک اپنا کام کر سکتے ہیں، مگر یہ چلتے پھرتے جانور کفار و مشرکین اور منافقین ان سے بھی بدتر نکلے کہ فضلِ خداوندی اس واسطے طلب کرتے

ہیں کہ ہم کھا پی کر سچے پکے مسلمان بنیں گے، اور جب ان کو کھانے کو مل گیا، شرارت کرنے لگے، جیسا کہ اگلی آیت میں اس کا ذکر موجود ہے۔

بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی غلط خواہش کو پورا کر کے مسلمانوں کو بتا دیا کہ ایسے غرض مند لوگ کبھی دین و دیانت کے کام نہیں ہوتے، اور روپیہ پیسہ اور کھانے پینے پر کام کرنے والے کبھی سچے دل سے کام نہیں کر سکتے۔

آج بھی جو لوگ کسی کا کھا پی کر گن گاتے ہیں، درحقیقت بالکل بے معنیٰ اور بے روح ہوتا ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ مِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَ تَوَلَّوْا وَّ هُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۷۶﴾

اور ان میں سے بعض ایسے ہیں، جو خدا سے عہد کرتے ہیں کہ اگر اللہ ہم کو اپنے فضل و کرم عطا فرمائے گا، تو ہم خوب خوب خیرات کریں گے، اور ہم خوب خوب نیک کام کریں گے، پس جب اللہ نے ان کو اپنے فضل سے دے دیا، تو وہ اس میں بخل کرنے لگے، اور روگردانی کرنے لگے، اور وہ تو روگردانی کے عادی ہیں۔ (پ ۱۰ ع ۱۶ سورۂ توبہ: ۷۵، ۷۶)

اس آیت میں منافقوں کی کرتوتوں کا ذکر فرمایا جا رہا ہے، اور کافروں اور مسلمانوں کے درمیان کا طبقہ جو کہ منافقوں پر مشتمل ہے، اور جس کا کام صرف یہ ہے کہ بظاہر مسلمانوں سے میل موافقت رکھتا ہے، اور ان سے خوب چکنی چپڑی باتیں کرتا ہے، اور در پردہ کفار و مشرکین کی جماعت سے تعلق رکھتا ہے، یہ طبقہ قول و قرار اور عمل و کردار میں اس درجہ پست واقع ہوا ہے کہ اس کی کسی بات کا اعتبار نہیں، وہ رسول اور مسلمانوں سے وعدہ کر کے وفا

کرنا کیا جانے، جب کہ اللہ سے گریہ وزاری کے ساتھ وعدہ کر کے وفا نہیں کرسکتا ہے۔

خدا نے بھی ان منافقوں کے وعدوں پر ان کی مرادیں پوری کر کے ان کی وعدہ خلافی کو خوب آزما لیا ہے کہ جب کسی منافق کا کام چل گیا ہے، اس نے اللہ سے غداری ضرور کی ہے۔

غور فرمایئے! آج بھی منافقوں کی راہ پر چلنے والے کتنے لوگ ہیں، جو حالات کی ناسازگاری کے دوران خوب خوب نمازیں پڑھتے ہیں، تسبیح گنتے ہیں، مسجدوں میں بیٹھے رہتے ہیں، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کا سارا درد انھیں کے پیٹ میں سما گیا ہے، اور اب یہ ان سے نکل نہیں سکتا۔

مگر جوں ہی ان کا کام پورا ہوجاتا ہے، تجارت چل پڑتی ہے، ملازمت مل جاتی ہے، ڈگری اپنے حق میں ہوجاتی ہے، اسمبلی کی ممبری مل جاتی ہے، بیماری دور ہوجاتی ہے، اور دشمن کی چال فیل ہوجاتی ہے، سارا کا سارا درد ختم ہوجاتا ہے۔

پھر کہاں کی نماز اور کہاں کا روزہ؟ کیسی دعا اور کیسا خدا سے وعدہ؟ اللہ کے غدار، رسول کے غدار، اسلام کے غدار، امت کے غدار آج زیادہ ہیں یا کل منافقین کے زمانہ میں زیادہ تھے؟ اگر مسلمان منافقانہ صفات کو اپنے اندر اسی طرح ہمہ گیری کرتے رہے، تو اس کا مآل کیا ہوگا؟

وَ مِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّاۤ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَ تَوَلَّوْا وَّ هُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۷۶﴾ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِیْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى یَوْمِ یَلْقَوْنَهٗ.

اور ان میں سے کچھ لوگوں نے خدا سے عہد کیا کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے

ان کو حصہ دے گا، تو ہم ضرور بالضرور صدقہ دیں گے، اور ہم ضرور بالضرور نیک لوگوں میں سے ہو جائیں گے، پس جب اللہ نے ان پر فضل کیا تو وہ بخل کرنے لگے، اور منہ پھیر کر پیچھے ہٹنے لگے، تو اللہ سے ان کی وعدہ خلافی اور جھوٹ بولنے کی وجہ سے قیامت تک کے لیے ان کے دلوں میں نفاق ڈال دیا۔ (پ ۱۰ ع ۱۶ سورۂ توبہ: ۷۶، ۷۷)

یہاں پر منافقوں کی ایک چال بیان کر کے اس کے نتیجہ سے مسلمانوں کو آگاہ فرمایا جا رہا ہے، اور یہ حقیقت واضح کی جا رہی ہے کہ جس دور کے مسلمانوں میں یہ منافقانہ روش آ جائے گی، اس دور کے مسلمان اسی نتیجہ سے دوچار ہوں گے۔

اوپر کی آیتوں کو پڑھو، اور پھر فیصلہ کرو کہ آج مسلمانوں میں کتنے ایسے لوگ ہیں، جو فقر و محتاجی سے تنگ آ کر خدا سے دعا کرتے ہیں، اور معاہدہ کرتے ہیں کہ اے اللہ! ہم پر رزق کے دروازے کھول دے، اور ہمیں اطمینان سے زندہ رکھ، ہم فراخی اور کشادگی پا کر تجھے نہ بھولیں گے، ہم اپنی غربت کے دن یاد رکھیں گے، اور اپنے مال سے اپنے غریبوں کی مدد کریں گے، ان کے دکھ درد کا مداوا کریں گے نیک کاموں میں خرچ کرنے سے دریغ نہ کریں گے، اور ہم نیکی اور راستی میں حصہ لے کر نیک صالح زندگی خود بھی بسر کریں گے، اور دوسروں سے بھی یہی کام کرائیں گے۔

پھر جب اللہ تعالیٰ تنگی کا زمانہ ختم فرما کر وسعت کا دور لاتا ہے، تو کتنے لوگ ہیں، جو اللہ سے کیے ہوئے عہد و پیمان کو پورا کرتے ہیں، اور اپنے مال و دولت سے قوم کے مجبور اَفراد، ضرورت مند افراد اور حاجت مند لوگوں کی مدد کرتے ہیں، اور صدقہ و خیرات کر کے خدا سے کیے ہوئے وعدہ کو پورا کرتے ہیں، اور کتنے لوگ ہیں، جو دولت کے نشہ میں چور ہو کر ان تمام باتوں کو نہ صرف بھول جاتے ہیں، بل کہ ان کے عین مخالف کرتب کرتے

ہیں، اور دنیا میں ظالم وشریر کی جگہ حاصل کر کے عیاشی، بدعملی، بدچلنی، بدنیتی، حرام کاری، بیہودہ گوئی، بے راہ روی کی زندگی بسر کرتے ہیں۔

ان تمام باتوں پر غور کر کے بتاؤ کہ اگر آج ہم مسلمانوں کے دلوں میں اسلام سے نفاق اور مسلمانوں سے عداوت ہے، اپنوں سے بیر ہے، اللہ ورسول سے بیگانگی ہے، تو کیوں نہ ہو، جب کہ اللہ تعالیٰ صاف فرما رہا ہے کہ ایسا کرنے والوں کو قیامت تک منافقت کی دلدل میں پھنسائے رکھیں گے، اوران کے دلوں کی دنیا میں کبھی ایمان وایقان اور اطمینان وسکون کی روشنی نہ ہوگی۔

وَ مِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَىِٕنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّاۤ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَ تَوَلَّوْا وَّ هُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۷۶﴾

اور کفار میں سے بعض وہ ہیں، جنھوں نے خدا سے عہد کیا کہ اگر وہ ہمیں اپنا فضل اور مال دے گا، تو ضرور بالضرور صدقہ کریں گے، اور یقینا نیکوکاروں میں ہوجائیں گے، پس جب اللہ نے ان کو فضل سے دیا تو بخل کرنے لگے، اور منہ پھیر کر پیچھے بھاگنے لگے۔

(پ ۱۰ ع ۱۶ سورۂ توبہ: ۷۵، ۷۶)

اسلام دنیا کی زندگی میں بھی سراسر صلاح وفلاح چاہتا ہے، اگر کوئی قوم اس کی ذمہ داری قبول کرتی ہے، تو اسے زمین کی وراثت دیتا ہے، اور اگر کوئی جماعت، فرد اس بات کا وعدہ کرتا ہے کہ مجھے کشادگی ملی، تو صدقہ وخیرات سے انسانوں کی مدد کروں، تو اللہ تعالیٰ اس وعدے پر بھی اسی قسم کی آسانیاں فراہم فرما دیتا ہے۔

غرض کہ سلطنت کا اقتدار اور شخصی اثر اس بات کے وعدے پر ملتا ہے کہ ہم دنیا میں

نیک رہ کرلوگوں کو نیک بنائیں گے، بُرائی کو ختم کریں گے، نیکی پھیلائیں گے، اور ظلم وفساد کی جگہ عدل وامن کا بول بالا کریں گے، مگر افسوس کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انسان اپنی اہلیت جتا کر اور وعدہ کر کے جب خدا سے یہ چیز حاصل کرلیتا ہے اور خدا بھی اِتمامِ حجت کے لیے دے دیتا ہے، تو پھر وہ تمام باتوں کو یکسر بھلا دیتا ہے، اور خدا کی جناب سے منہ پھیر کر دوسری طرف بھاگتا ہے، اور بخل وناد ہندگی کی راہ اختیار کرتا ہے۔

آج کے دنیاوی معاملات میں تم جماعتوں اور قوموں کو دیکھ سکتے ہو کہ ایک پارٹی خوب خوب وعدہ کرتی ہے، نصب العین بنا کر اس کی وفاداری کا اعلان کرتی ہے، مگر جب اقتدار مل جاتا ہے، تو تمام باتیں بھول جاتی ہے، اور وہ وہ کام کرتی ہے کہ عقل وشعور انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں۔

پس جس طرح اللہ سے وعدہ خلافی کرنے والے تباہ وبرباد ہوتے ہیں، اسی طرح اچھی باتوں کا وعدہ کر کے اس کے خلاف کرنے والے بھی تباہ وبرباد ہوں گے۔

تم دیکھ رہے ہو کہ کل سبز باغ دکھانے والے آج کس طرح اپنے مقام سے دور ہیں اور کس طرح پریشان ہیں۔

وَ مِنۡهُمۡ مَّنۡ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنۡ اٰتٰىنَا مِنۡ فَضۡلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَ لَنَكُوۡنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيۡنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّاۤ اٰتٰىهُمۡ مِّنۡ فَضۡلِهٖ بَخِلُوۡا بِهٖ وَ تَوَلَّوۡا وَّ هُمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ ﴿۷۶﴾

ان میں سے بعض ایسے ہیں، جنھوں نے اللہ سے معاہدہ کیا کہ اگر اللہ ہمیں اپنے فضل سے دے گا، تو ہم ضرور بالضرور صدقہ کریں گے، اور یقیناً ہم صالح لوگوں میں سے بن جائیں گے، پس جس وقت کہ خدا نے ان کو اپنے فضل سے دیا تو بخل کرنے لگے، اور پشت

پھیر کر بھاگنے لگے۔(پ ۱۰ ع ۱۶ سورۂ توبہ: ۷۵، ۷۶)

عربی میں مشہور مثل ہے، الانسان عبد الاحسان یعنی انسان احسان کا بندہ ہے، جو اس کے ساتھ احسان کرے، وہ اس کی غلامی میں رہتا ہے، انسانی فطرت کچھ یوں ہی ہے کہ آدمی اپنے محسنوں کی قدر کرتا ہے، اور کرنی بھی چاہیے، تاکہ کفرانِ نعمت اور احسان فراموشی نہ ہو، مگر ساتھ ہی ساتھ یہ بات بھی مشہور ہے:

اتق شر من احسنت الیہ یعنی جس کے ساتھ تم نے احسان کیا ہے، اس کے شر سے بچتے رہو۔

کیوں کہ انسان اپنے محسنوں کے ساتھ زیادتی کرنے میں بھی بہت آگے ہوتا ہے، جب مطلب ہوتا ہے تو خوب ہاں میں ہاں ملاتا ہے، چاپلوسی کی باتیں کرتا ہے، خوش کرنے والی حرکتیں نمایاں کرتا ہے، مگر جب کام نکل جاتا ہے، تو پھر وہی آدمی مخالفت اور دشمنی پر اتر آتا ہے، اور احسان فراموشی ہی نہیں کرتا، بل کہ احسان کے بدلہ میں اِفساد پر اتر آتا ہے۔

یہ دونوں باتیں جو کہ اَضداد میں سے ہیں، اور ایک دوسرے کے خلاف ہیں، روزانہ مشاہدہ میں آتی رہتی ہیں، اس مشاہدہ اور تجربہ کے بعد جو فیصلہ کیا جاتا ہے، وہ یہی ہے کہ بہت کم لوگ احسان مانتے ہیں، اور اچھے سلوک کو آخر تک نباہنے کی کوشش کرتے ہیں، اور کام نکلنے کے بعد آنکھیں پھیرنے والے بہت ہوتے ہیں۔

جو لوگ اِحسان فراموش ہوتے ہیں، اور عام انسانوں کے ساتھ احسان فراموشی کا معاملہ تو کرتے ہی ہیں، خدا کے ساتھ بھی ان کا یہی رویہ ہوتا ہے۔

اسی لیے حدیث شریف میں آتا ہے:

من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ۔ یعنی جو انسانوں کا احسان نہیں مانتا ہے،

وہ خدا کا بھی احسان نہیں مانتا ہے۔

قرآن حکیم ایسے کفران کرنے والوں کی حالت کا تجزیہ فرما رہا ہے کہ بہت سے انسان ہیں، جو تنگ دستی اور افلاس و غربت کے وقت رو رو کر خدا سے معاہدہ کرتے ہیں کہ اے اللہ! اگر تو نے مجھے تنگ دستی سے نجات دی، تو میں اپنے جیسے فقیروں، مسکینوں، اور غریبوں کی خبر گیری کروں گا، اور ان کے درد کا درماں کروں گا۔

مگر جب اللہ تعالیٰ کشادگی دے دیتا ہے، تو یہ لوگ قارون بن جاتے ہیں، اور تمام معاہدوں اور اعلان سے منہ موڑ کر بخل اور کنجوسی پر اتر آتے ہیں، مال و دولت کے گھمنڈ میں وہ خرمستی اور بے راہ روی اختیار کرتے ہیں کہ بستیاں پناہ مانگنے لگتی ہیں، ایسے سرکشوں اور ناشکروں کو روزانہ دیکھتے ہیں کہ کل تک فاقہ مستی میں مبتلا تھے، اور غربت و افلاس کے زمانہ میں خدا کا نام بھی لیتے تھے، غریبوں کا دم بھرتے تھے، اور ان کی ترجمانی کرنے میں آگے آگے ہوتے تھے، مگر جب ان کا وقت بدلا، اور ہاتھ میں دولت آئی، تو وہ بھی ان فرعون اور قارون کی صف میں چلے گئے، جن سے جنگ کیا کرتے تھے، یہ بات اچھی نہیں ہے، اس سے دور بھاگو۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَ تَوَلَّوْا وَّ هُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۷۶﴾ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِیْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى یَوْمِ یَلْقَوْنَهٗ بِمَاۤ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَ بِمَا كَانُوْا یَكْذِبُوْنَ ﴿۷۷﴾

پس جب کہ اللہ نے ان کو اپنے فضل سے دے دیا، تو وہ اس میں بخیل بن گئے، اور منہ پھیر کر پیچھے بھاگے، پس خدا نے اس کی وجہ سے ان کے دلوں میں اس دن تک کے لیے نفاق ڈال دیا، جس دن وہ اپنی وعدہ خلافیوں اور اپنے جھوٹ کے ساتھ اللہ سے ملیں گے۔

(پ ۱۰ ع ۱۶ سورۂ توبہ: ۷۶، ۷۷)

جن مریضان قلب ونظر اور مریضانِ روح نے خواہش کی تھی کہ ہمیں اللہ تعالیٰ مال دار بنادے، اور کھانے پینے کی تکلیف ہم سے دور ہوجائے تو ہم سچے مسلمان بن کر نیکی کی راہ پر چلیں گے، ان کے بارے میں یہ حقیقت ظاہر کی جارہی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان پر فضل فرمایا، کھانے پینے کی ہر طرح کی آسانی دے دی، امن وعافیت کے دن دیئے، اور سکون واطمینان سے صبح وشام روٹی ملنے لگی تو انھوں نے پھر شرارت کی اور فضلِ خداوندی کو اپنے دادا کی وراثت سمجھ کر اس میں بخل کرنے لگے، غریبوں، مسکینوں اور حاجت مندوں سے لاپرواہی کر کے صرف اپنے پھیر میں رہنے لگے اور اس میں غرباء وفقراء اور مساکین کا حصہ ادا نہیں کیا۔

نیز دین وایمان کے سلسلہ میں بھی سستی کرنے لگے تو اللہ نے قیامت تک کے لیے ان کے دلوں میں نفاق اور دورنگی بھر دی، اور وہ ہمیشہ قلابازیاں کھاتے رہے۔ دنیا میں ان کا یہ حال تو باقی ہی رہے گا، کل کے دن قیامت میں وہ اسی حال میں اٹھیں گے، اور اپنے مالک وخالق کو اسی حالت میں منہ دکھائیں گے۔

خوب یاد رکھو! اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز اس لیے مانگنا کہ ہم اس کے عوض تیرا شکر ادا کریں گے، اور پھر ملنے پر ناشکری کرنا حد درجہ ہلاکت خیز حرکت ہے، اور اس سے بڑی تباہی آتی ہے۔

وَ مِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّاۤ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَ تَوَلَّوْا وَّ هُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۷۶﴾ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَاۤ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَ بِمَا كَانُوْا

يَكْذِبُوْنَ ﴿۷۷﴾

اوران میں سے کچھ لوگوں نے خدا سے عہد و پیمان کیا کہ اگر وہ اپنے فضل سے دے گا،تو ہم ضرور بالضرور صدقہ کریں گے ، اور ہم ضرور بالضرور نیک لوگوں میں سے ہوجائیں گے، پس جب اللہ نے اپنا فضل کیا تو وہ بخل کرنے لگے، اور منہ پھیر گئے، اس حال میں کہ وہ روگردانی کرنے والے تھے، پس اللہ نے ان کے پیچھے ان کے دلوں میں نفاق ڈال دیا، اس دن تک کہ وہ اللہ سے ملیں، یہ اس لیے ہوا کہ انھوں نے جو وعدہ کیا، اس کے خلاف کیا اور تکذیب کی۔ (پ ۱۰ ع ۱۶ سورۂ توبہ: ۷۶، ۷۷)

جن کے اندر انسانوں کی سی انسانیت نہیں ہوتی، ان کی زندگی بڑی غیر ذمہ دار ہوتی ہے، وہ دنیا میں ذلیل و خوار زندگی بسر کر کے آخرت میں بھی ذلیل و خوار ہوتے ہیں۔

ایسے لوگ قول و قرار میں صرف کچے ہی نہیں ہوتے ہیں، بل کہ انتہائی درجہ کمینہ ہوتے ہیں، انسانوں کے ساتھ ان کے معاملات بہت گرے ہوئے ہوتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے معاملات میں وہ نہایت بد طینتی، بد باطنی اور بد دیانتی کا ثبوت دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے وعدہ کرتے ہیں کہ اگر وہ اپنے فضل و انعام سے دولت و ثروت دے گا، تو اس کی رضا میں خرچ کریں گے، غرباء و فقراء کی خبر گیری کریں گے، اللہ کے دین کی اقامت میں حصہ لیں گے، غزوات میں مالی امداد کریں گے، اور دوسری دینی، ملی اور مذہبی ضروریات میں حصہ لیں گے، مگر جب فضل خداوندی سے ان کو حصہ ملتا ہے، تو ان کی نیت خام ہوتی ہے، اور اللہ تعالیٰ سے تمام وعدے ختم ہوجاتے ہیں۔

ان کی اس بدعہدی و قولی کا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں نفاق ڈال دیا، اور قیامت تک ان کے اندر محبت و الفت کی فضا بحال نہ ہو سکی۔

یہی حال ان تمام لوگوں کا ہوتا ہے، جو غربت وافلاس کے زمانہ میں مال و دولت کی خواہش میں اللہ سے وعدے، وعید کرتے ہیں، مگر جب فضلِ خداوندی ہو جاتا ہے تو تمام وعدے بھول جاتے ہیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿۷۷﴾

پس اللہ نے ان کی سزا میں ان کے دلوں میں نفاق ڈال دیا، جو خدا کے پاس جانے کے دن تک رہے گا، اس سبب سے کہ انھوں نے خدا سے اپنے وعدے میں خلاف کیا، اور اس سبب سے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔ (پ ۱۰ ع ۱۶ سورۂ توبہ: ۷۷)

دنیا میں جھوٹ بولنے اور وعدہ خلافی کرنے کا بیڑا اٹھالینا اس بات کی کھلی ہوئی گواہی ہے کہ جس خاندان یا جس قوم میں یہ لعنت ہوگی، اس میں قیامت تک باہمی نفاق اور آپس میں بددیانتی کا بچھو منیش زنی کرتا رہے گا، ایسے خاندان یا ایسی قوم کو اخلاص، دیانت، صحیح دین داری اور بے غبار ایمان ویقین کی روشنی نہیں مل سکتی، اور نہ ہی اسے باہمی اخلاص ومحبت اور آپس کی ہنس مکھ زندگی عطا کی جاسکتی ہے۔

دیکھ لو آج بھی جو لوگ خدا سے، دین سے اور مسلمانوں سے جھوٹ اور وعدہ خلافی کا معاملہ رکھتے ہیں، ان کی زندگی میں خالص خوش گواری نہیں ہے، وہ ہمیشہ کاٹ چھانٹ، کینہ کپٹ، لگائی بجھائی میں لگے رہتے ہیں، نہ خود اطمینان کی زندگی گزارتے ہیں، نہ اپنے متعلقین اور ہم سایوں کو چین سے رہنے دیتے ہیں۔

قرآن حکیم منافقوں کی بدعملی اور بدنیتی کی سزا کو بیان فرمارہا ہے، چوں کہ وہ وعدہ

خلاف اور کاذب ہوتے ہیں، اس لیے خدا نے قیامت تک کے لیے ان کے دلوں کو بغض ونفاق سے بھر دیا، اور ان کی اس سزا کی ظلمت میں امن وسکون کی کوئی روشنی باقی نہیں ہے، وہ ہمیشہ اس سزا میں ماخوذ رہا کریں گے اور کبھی انھیں چین نصیب نہ ہوگا۔

آج مسلمان بتائیں کہ جھوٹ اور وعدہ خلافی ان میں کہاں تک ہے، اور پھر ان کے اندر نفاق کہاں تک ہے، منافقین کوئی الگ مخلوق نہیں تھے کہ وہ یہ جرم کریں تو ان پر ان میں نفاق ڈالا جائے، اور مسلمان وہی چال تو ان کو بھی شکر پیش کیا جائے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿۷۷﴾

پس اللہ نے ان کے دلوں میں قیامت کے دن تک کے لیے نفاق ڈال دیا، اس سزا میں کہ انھوں نے اللہ سے معاہدہ کی خلاف ورزی کی اور وہ جھوٹ بولتے تھے۔

(پ۱۰ ع۱۶ سورۂ توبہ: ۷۷)

جو لوگ اپنے اور خدا کے درمیانی علاقوں کو بھی استوار نہیں رکھتے ہیں، اور خدا سے بھی چالیں چلتے رہتے ہیں، وہ دنیا میں دورنگی اور نفاق کی نذر ہوکر رہ جاتے ہیں، اور کسی ماحول اور کسی بات میں وہ کسی ٹھوس حقیقت پر جم کر کام نہیں کر سکتے، اور نہ ہی ان کے اندر عزیمت و مردانگی اور حوصلہ مندی اور اولوالعزمی کی روح کبھی بیدار ہو سکتی ہے۔

تم آج بھی اپنے ملک میں اپنی بستی اور اپنے معاشرہ میں ایسے قلابازوں کو دیکھتے ہو کہ جو زبان سے تو دین و دیانت اور خدا پرستی کا دعویٰ کر کے اپنے کو اللہ و رسول کے اوامر کا پابند باور کرانا چاہتے ہیں، اور اپنے عمل سے ان تمام زبانی معاہدوں کو توڑتے رہتے ہیں، جن

کو انھوں نے اسلام کا کلمہ جامعہ پڑھ کر اللہ کے ساتھ باندھا ہے۔ایسے لوگوں کی زندگی زیادہ دنوں تک ایک راہ پر نہیں چل سکتی،اور وہ ایک مرکز پر جم کر عقیدہ و عمل کے کرتب نہیں دکھا سکتے،عہد ماضی میں ایسے لوگوں کو منافق کے نام سے یاد کیا جاتا تھا،آج تم دوسرا نام تجویز کر کے ایسے لوگوں کو خوش کرنا چاہو تو خدا اور رسول کی نظر میں یہ کوشش بے سود اور غیر محمود ہوگی۔

خوب یاد رکھو کہ تم نے اور ہم نے اسلام کا کلمہ جامعہ پڑھنے کے بعد اللہ و رسول کے احکام پر چلنے کا معاہدہ کر لیا ہے،اگر اس معاہدہ کی خلاف ورزی کر کے اللہ و رسول اور اسلام کے ساتھ منافقت کریں تو اپنے معاشرے اور سوسائٹی کے لیے بھی ہم کبھی مفید نہیں بن سکتے، اور اس دنیا کا کوئی کام بھی دلجمعی،اولوالعزی اور حوصلہ مندی کے ساتھ انجام نہیں دے سکتے اور تم ہر کام میں دورنگی،ہچکچاہٹ اور گومگو کرتے رہو گے،منہ سے کچھ اور کہو گے،دل میں کچھ اور ہوگا،بے غیرتی،بے اعتمادی اور بے حیائی کی یہ زندگی اس لیے نصیب ہوگی کہ ہم نے اللہ و رسول کے ساتھ دغا کی اور ان سے وعدہ کر کے مکر گئے ہیں،اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو اس ذلیل زندگی سے نجات دے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِىْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَاۤ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ۝

پس اللہ نے ان کی سزا میں ان کے دلوں میں نفاق قائم کر دیا،جو خدا سے ملنے کے دن تک رہے گا،اس سبب سے کہ انھوں نے اللہ سے وعدہ خلافی کی اور اس سبب سے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔ (پ۱۰ع۱۶ سورۂ توبہ:۷۷)

دنیا میں سرکشی اور شرارت کا نتیجہ اچھا نہیں ہوتا اور دنیا میں بھی اس کی سزا مل کر رہتی

ہے، اور ایسی عبرت ناک سزا ملتی ہے کہ دیکھنے والے بھی رحم کھانے لگتے ہیں، آخرت میں جو کچھ ہوگا، اس کا معاملہ تو بعد میں ہوگا، دنیا میں بڑی بڑی سزائیں ملتی ہیں، اور پریشانیاں ہوتی ہیں، اور یہ سلسلہ موتی، جماعتی اور خاندانی طور پر اس طرح چل پڑتا ہے کہ نسلاً بعد نسل تباہی و بربادی چلتی رہتی ہے، اور قیامت تک نکبت و ہلاکت کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔

قرآن حکیم نے سرکشی اور نافرمانی کے دنیاوی نتیجہ کو نفاق کے جامع لفظ سے تعبیر فرمایا ہے، جس میں ہر قسم کے اعتقادی، عملی، اخلاقی، روحانی اور قومی، جماعتی، شخصی اور انفرادی کمزوری عام ہوتی ہے، اور ایمان و عزیمت، اخلاق و دیانت اور عزت و نجابت کا کہیں نشان نہیں رہتا۔

تم اس دنیا میں دیکھتے ہو کہ جن بستیوں میں خاص خاص قسم کی برائیاں جڑ پکڑ لیتی ہیں، اور چھوٹے بڑے بلاتر دد ان کو کرتے رہتے ہیں، ان بستیوں کا نظام بگڑ جاتا ہے، اور عزت و بلندی خاک میں مل جاتی ہے، اس ذلیل و خوار زندگی کی وجہ قرآن حکیم نے یہ بتائی ہے کہ شریروں میں اللہ سے وعدہ خلافی کی جرأت پیدا ہو جاتی ہے، اور وہ ہر معاملہ میں جھوٹ بولتے ہیں، اور خلف و کذب کی ملی جلی زندگی ان کی تباہی و بربادی کا باعث ہوتی ہے۔

غور کرو کہ ہم میں کتنے لوگ ہیں، جو اللہ سے کیے ہوئے وعدوں کو پورا کرتے ہیں، اور اسلام لا کر جو عہد و پیمان کیا ہے، ان کی تکمیل کرتے ہیں، اور پھر اس کا نتیجہ کیا ظاہر ہو رہا ہے؟

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَ نَجْوٰىهُمْ وَ اَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۷۸﴾

کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ جانتا ہے ان کے اَسرار کو اور ان کی سرگوشی کو اور یہ کہ اللہ علام الغیوب ہے۔ (پ۱۰ ع۱۶ سورۂ توبہ: ۷۸)

اللہ تعالیٰ کے سامنے یہ ساری کائنات اپنے آسمان وزمین اور فضا کے ساتھ اس طرح ہے کہ جیسے تمہارے سامنے کوئی معمولی سی چیز ہوتی ہے، اور یہ کائنات جس کی مخلوق ہے وہ خالق اس کے تمام حالات سے اچھی طرح واقف ہے، اس ساری کائنات میں ایک مخلوق انسان ہے، جو سمندر میں قطرے کی حیثیت کی ہے۔

اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے علم وقدرت کے احاطہ میں کس طرح سے اور خدا کے سامنے اس کا ظاہر، باطن حاضر، غائب کیا حیثیت رکھتا ہے۔

اس کے باوجود اللہ کے علم وقدرت کے مقابلہ میں انسان جتنا جری اور نڈر ہے، اس کی کوئی مخلوق اتنی جری اور نڈر نہیں ہے، یہ انسانیت کا نہایت کمزور پہلو ہے، جس سے دوسری بہت سی کمزوریاں پیدا ہوتی ہیں، اور انسان میں شرارت وسرکشی کا جذبہ بھی اسی سے پیدا ہوتا ہے، اور آدمی گناہ میں مبتلا ہوتا ہے۔

اگر اس کی زندگی اس عقیدہ پر گزرنے لگے کہ میری ہر حرکت اور میرا ہر سکون اللہ تعالیٰ کے علم وقدرت میں ہے، اور وہ میرے ہر ظاہر وباطن چیز کو دیکھتا ہے، اور جانتا ہے تو پھر اس سے شرارت وسرکشی کا خاتمہ ہوجائے، نہ بظاہر کچھ بُرا کام کرے، اور نہ بہ باطن برائی کرے، بلکہ اس کا ظاہری اور باطنی کام نہایت عمدہ اور اچھا ہو۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

کیا انھوں نے نہیں جانا کہ اللہ ان کے راز اور سرگوشی کو جانتا ہے، اور اللہ تو علام الغیوب ہے ہی۔ (پ۱۰ ع۱۶ سورۂ توبہ: ۷۸)

اللہ تعالیٰ کے اَحکام واَوامر کے بارے میں باتیں بنانے والے سمجھتے ہیں کہ وہ کسی

دنیاوی معاملہ میں اپنے ہم جنس سے باتیں بناتے ہیں، اور جس طرح ہر شخص کے ساتھ وقتی باتیں اور مصلحت آمیز گفتگوئیں کر کے نکل جاتے ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ سے بات بنا کر نجات پا جائیں گے۔

یہ بدبخت اتنے بھولے بھالے نہیں ہیں کہ اللہ اور عام لوگوں کے ساتھ ایک ہی قسم کی باتیں کریں، بل کہ یہ خوب جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہماری ایک ایک چال سے واقف ہے، اور ہم جو پینترا بدلتے ہیں اللہ تعالیٰ کو اس کی خوب خبر رہتی ہے، یہاں پر اللہ تعالیٰ ان کی آخری فہمائش کرتا ہے کہ تم اب بھی اپنی غلط روش سے باز آجاؤ، اور اعتقاد پیدا کرو کہ اللہ تعالیٰ تمہاری ایک ایک حرکت سے واقف ہے، اور تمہارے چھپے ہوئے رازوں کو اور آپس کی کانا پھوسیوں کو خوب جانتا ہے، اور وہ ہر غیب کو جانتا ہے۔

پس اس حقیقت پر ایمان لاؤ، اور اس کے مطابق عمل کرو، ویسے تو تم اس بات کو جانتے ہو، مگر اس پر دل اور جوارح سے ایمان نہیں رکھتے، اور بات صرف زبان تک رہتی ہے، اس لیے ضرورت ہے کہ دل اور عمل دونوں سے اس کا ثبوت دو۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰٓ اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِهٖ ط

اور ان میں سے کوئی مر جائے تو آپ اس پر نماز مت پڑھئے، اور نہ ہی آپ اس کی قبر پر کھڑے ہوں۔ (پ ۱۰ ع ۱۷ سورۂ توبہ: ۸۴)

اسلام ایک نظامِ فکر و عمل ہے، جو دنیا کے دیگر تمام اَدیان و مذاہب سے جدا ہے، اور اس کا کسی سے میل نہیں ہے، جو لوگ اس کو تسلیم کرتے ہیں، وہ دنیا بھر کے تمام اس قسم کے افکار و اعمال سے یکسو ہو جاتے ہیں، اور صرف اسلام ان کا مقصدِ حیات بن جاتا ہے، اور

جولوگ اسلام کو ہر حیثیت سے تسلیم کر کے دوسرے تمام اَدیان و مذاہب سے کٹ جاتے ہیں، وہ مسلمان ہیں، اور جو اسے تسلیم نہیں کرتے ،وہ کافر ہیں، خواہ وہ کسی دین و مذہب سے تعلق رکھتے ہوں، اور کافر و مسلمان میں مذہبی اعتبار سے کوئی جوڑ نہیں ہوتا۔

بنی آدم اور انسان ہونے کا تعلق باقی رہتا ہے، اور اس تعلق کی بنا پر ایک دوسرے سے قریب ہوتے ہیں، مگر اعتقاد و عمل میں مابہ الاشتراک حقیقت باقی نہیں رہتی، اور جس طرح ایک غیر مسلم اپنے معتقدات و اعمال ایک مسلمان پر نہیں تھوپ سکتا ہے، اور مسلمانوں کے عقیدہ و عمل کے خلاف اپنے مذہبی افکار و اعمال کا مظاہرہ اس کے ساتھ نہیں کر سکتا، اسی طرح ایک مسلمان بھی غیر مسلم کے ساتھ اپنے دینی و مذہبی خیالات و اعمال نہیں برت سکتا، کیوں کہ وہ ان کو تسلیم نہیں کر سکتا اور جس نظریہ کو کوئی شخص باطل اور غلط خیال کرتا ہے، اس کے حق میں بروئے کار لانا کسی طرح مفید اور مناسب نہیں ہے۔

بعض مرتبہ اس طرح کا برتاؤ گنجائش کی حد تک کیا جا سکتا ہے، لیکن اگر اس سے کوئی فائدہ نہ ہو تو پھر اس کی بھی ضرورت نہیں، ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسی کا حکم دیا جا رہا ہے کہ آپ کسی غیر مسلم کے مرنے پر اسلامی طریقہ پر اس کی نماز جنازہ نہ پڑھیں، اور نہ اس کی قبر پر دعا کے لیے کھڑے ہوں، کیوں کہ اس سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔

اس لیے مسلمان غیر مسلمانوں کے لیے اپنے وہ الفاظ استعمال نہیں کرتے ، جو ان کے دینی اور مذہبی خیالات و اعمال کی ترجمانی کرتے ہیں، اور خاص طور سے اسلامی فکر و ذہن سے تعلق رکھتے ہیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓی اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ

وَ رَسُوۡلِہٖ وَ مَاتُوۡا وَ ہُمۡ فٰسِقُوۡنَ ﴿۸۴﴾

اورآپ ان میں سے کسی مرنے والے کی نماز جنازہ نہ پڑھیں ،اورنہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں،ان لوگوں نے اللہ اوراس کے رسول کے ساتھ کفر کیا،اوروہ اس حال میں مرے کہ وہ بُرائی کرنے والے تھے۔ (پ۱۰ع ۱۷ سورۂ توبہ:۸۴)

جولوگ اسلام کے اصول وفروع کونہیں مانتے،اوران کے اعتقادات وخیالات بالکل اسلام کے خلاف اورکافرانہ ہیں،جس کی وجہ سے مسلمانوں کے عقیدہ اورعمل میں اوران کے عقیدہ وعمل میں میل نہیں ہوتا،بل کہ وہ مسلمانوں کے معتقدات واعمال کا مذاق اڑاتے ہیں،اوراپنے کافرانہ عقیدہ وعمل میں بالکل سخت اوراٹل ہوتے ہیں۔

پس ایسی صورت میں ان کواسلام کے کسی عقیدہ اورعمل کوتسلیم کرنا یااس سے فائدہ حاصل کرنا بالکل بے جوڑسی بات ہے،اورمسلمانوں کا ان کواپنے عقائد واعمال کے مطابق ثواب پہونچانااوربخشش کے لیے دعا کرنا بالکل فضول سی بات ہے۔

جوشخص عقیدۂ قیامت اورقانونِ مجازات کا قائل نہ ہو،اسے قیامت میں کام یابی اورجنت میں جانے کی دعا دینا خوداس کے نزدیک مضحکہ خیز بات ہوگی،اوروہ اسے سن کرغلط درغلط قراردے دے گا،اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کواللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ان کافروں کی نماز جنازہ اوران کے لیے مغفرت کی دعا بے معنی چیز ہے۔

آپ ان کے حق میں دعا نہ کریں،اورنہ ان کی نجات کی فکرکریں،جب وہ خوداس کے قائل نہیں ہیں،توآپ ان کے لیے کیوں خواہ مخواہ کی زحمت کریں۔

اسی لیے ہم مسلمان غیرمسلموں کواسلامی طریقہ پرسلام،دعاوغیرہ نہیں کرتے، کیوں کہ جب وہ اس سے بالکلیہ الگ ہیں،اوراسے سراسر غلط سمجھتے ہیں،توپھر ہم خواہ مخواہ

کیوں ان کو اپنے معتقدات سے خوش کرنے کی کوشش کریں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸۴﴾

آپ ان میں سے کسی مرے ہوئے کی نماز جنازہ نہ پڑھئے، اور نہ آپ اس کی قبر پر کھڑے ہوں، انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کا انکار کیا، اور فاسق وفاجر ہو کر مرے۔

(پ۱۰ ع۱۷ سورۂ توبہ: ۸۴)

جو شخص کسی دین اور اس کے معتقدات کو غلط سمجھتا ہے، اور زندگی بھر اس کے خلاف رہے، اور اسے سراسر غلط تسلیم کرے، اس شخص کو دین کے مسلمات وعقائد اور اعمال وافعال سے خطاب کرنا اور اس کے مرنے جینے میں اس دین کے اعمال سے اس کے ساتھ برتاؤ کرنا اصول وضابطہ کے بالکل خلاف ہے، اور ایسا کرنا نہ کسی طرح مناسب ہے، اور نہ ہی اس کے حق میں کسی طرح مفید ہے۔

ہاں جب تک امید ہو کہ مخاطب جو سراسر مخالف ہے، وہ کسی وقت عقل سے کام لے کر اس دین کے اصول وفروع اور معتقدات واعمال کو تسلیم کرلے گا، تو ایسے وقت میں تھوڑی رعایت کرتے ہوئے اس کے ساتھ ایسا برتاؤ کیا جاسکتا ہے جس کی اس دین نے اجازت دی ہے، اور جس کے ادا کرنے میں کوئی نقصان یا حرج نہیں ہے۔

لیکن جب یہ صراحت کے ساتھ معلوم ہو جائے کہ مخاطب سراسر منکر ہے، اور انکار پر ہی موت واقع ہوگئی ہے، پھر اس کے ساتھ اس دین کے اعمال وظائف کا برتنا کسی طرح مناسب نہیں ہے۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو آخر میں منع فرمادیا کہ کفار ومشرکین کے لیے دعا استغفار کرنا، اور ان کے نماز جنازہ اور میت میں شریک ہونا آپ کے لیے اب مناسب نہیں رہا۔

آپ نے دیکھ لیا کہ یہ اسلام کے مسلمات ومعتقدات کو سراسر غلط سمجھتے ہیں، پس جن باتوں کو یہ غلط سمجھتے ہیں، ان کا معاملہ ان منکروں کے ساتھ کیسے ہوسکتا ہے۔

یہی حال اور بہت سے اسلامی اور دینی معاملات میں ہے، جو کہ اسلام کے مسلمات معتقدات کے منکر ہیں، ان کے ساتھ برتاؤ نہیں کیا جائے گا، اور مسلمانوں کے ساتھ کیا جائے گا، جو اسے برحق تسلیم کرتے ہیں، اور اسی پر چلتے ہیں، اور اسی پر اس کی موت آتی ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ لَا تُصَلِّ عَلٰۤى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّ لَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ مَاتُوْا وَ هُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸۴﴾

اور آپ ان میں سے کسی مرنے والے پر نماز جنازہ نہ پڑھئے، اور نہ ہی اس کی قبر کھڑے ہوئیے، یقیناً انھوں نے اللہ ورسول کے ساتھ کفر کیا، اور وہ فاسق وفاجر ہوتے ہوئے مرے ہیں۔ (پ۱۰ع۱۷سورۂ توبہ: ۸۴)

جو لوگ اپنی استعداد وصلاحیت کھوچکے ہیں، ان کے بارے میں قابلیت کا کوئی بھی جز باقی نہیں رہ گیا ہے، ان کے بارے میں کسی امید کا رکھنا موہوم بل کہ عبث ہے، جب تک مردے کے اندر روح کی رمق بھی باقی رہتی ہے، علاج ومعالجہ کے لیے دوادوہش جاری رہتی ہے۔

کیونکہ اب بھی حیات کا جوہر باقی ہے، اور ہوسکتا ہے کہ اس جوہر سے پھر سارے جسم میں زندگی کی روح پھیل جائے، مگر جب آدمی ٹھنڈا ہو چکا ہو اور اس کے دم کے نکلنے پر

گھنٹے اور گھڑیاں گزر چکی ہوں، تو پھر علاج کی فکر کرنا حقیقت کو منہ چڑھانا ہے، اسی طرح جو لوگ ظلم و جہالت اور کفر و شرک کی حد تک پہونچ کر رشدہ ہدایت کی ہر اقدار سے محروم ہو چکے ہیں، ان کے اندر ایجاب و قبول کا کوئی مادہ باقی نہیں رہ گیا ہے، ان کے بارے میں رُشد و ہدایت کی کوشش کرنا بے کار اور بے سود ہے یہاں اسی حالت کی آخری گھڑی کا بیان ہو رہا ہے کہ جو زندگیاں خدا اور رسول کی نافرمانی میں ختم ہو گئیں، اور کفر و شرک سے ایک سکنڈ کے لیے باز نہیں آئیں، اے رسولؐ! وہ محرومی و نامرادی کی انتہا کو پہونچ چکی ہیں، آپ شدت رحم و کرم کے عالم میں اب بھی ان کے حق میں بھلائی چاہتے ہیں حالاں کہ جب وہ زندگی میں اس کے مستحق نہ بنے تو اب ان کے لاشے کیا استحقاق پیدا کر سکتے ہیں، اس لیے آپ نہ ان کی نماز جنازہ پڑھئے، اور نہ بعد میں ان کی قبر پر کھڑے ہو کر دعائے مغفرت کیجیے کیوں کہ وہ مغفرت اور رحم خداوندی کے استحقاق سے کوسوں دور ہو چکے ہیں، یہ باتیں تو ان لوگوں کے لیے کارآمد ہوتی ہیں جو استعداد و قابلیت کا کوئی حصہ اپنے اندر رکھتے ہیں۔

قرآن حکیم کی اس تصریح سے یہ مسئلہ بھی صاف ہو گیا کہ مرنے کے بعد زندوں کی دعا اور استغفار مردوں کے کام آتے ہیں، ورنہ رسول سے اللہ تعالیٰ کفار و مشرکین کے حق میں دعا کرنے اور ان کی قبر پر جانے سے منع نہ فرماتا۔

جن لوگوں کا کہنا ہے کہ مرنے کے بعد زندوں کے نیک اعمال اور استغفار مردوں کے کام نہیں آتے، اور مردوں کو ثواب پہونچانا بے کار کام ہے، ان لوگوں کے اس خیال کو قرآن حکیم کی آیت صاف طور سے غلط قرار دیتی ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ لَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَ اَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي

الدُّنۡيَا وَ تَزۡهَقَ اَنۡفُسُهُمۡ وَهُمۡ كٰفِرُوۡنَ ﴿۸۵﴾

ان کے مال اور اولاد آپ کو تعجب میں نہ ڈال دیں، اللہ چاہتا ہے کہ ان چیزوں کے ذریعہ انھیں دنیاوی زندگی میں عذاب دے اور ان کی روح اس حالت میں نکلے گی کہ وہ کافر ہیں۔ (پ۱۰ع۱۷سورۂ توبہ:۸۵)

اسلام یہ کبھی یہ تعلیم نہیں دیتا ہے کہ انسان ہاتھ پیر توڑ کر کس غار میں بیٹھ رہے، نہ کھانے کمانے کا جھگڑا رہے، نہ بال بچے کی فکر رہے، وہ اس راہبانہ زندگی کو انسان کی متمدن زندگی کے لیے زوال سمجھتا ہے، اور اسے قدرت کے بخشے ہوئے بلند مقام سے بہت نیچے دیکھتا ہے، وہ تو ایک ایسی زندگی ایجاد کرتا ہے، جس میں زن وشوئی کا تعلق ہو، زن وفرزند کا رشتہ ہو، اچھا کھانے پینے کا اہتمام ہو، اطمینان وآرام کی بہم رسانی ہو، اور اس میں ایسا توازن قائم رہے کہ دنیا کی سطحی زندگی، اور اس سے بالاتر زندگی کا معیار قائم رہے۔

چوں کہ اس معیار وتوازن کو بگاڑنے میں دنیاوی زندگی کی خراب سطح کو بڑا دخل ہے، اس لیے اسلام نے نہایت سختی سے حکم دیا کہ مال ودولت اور آل واولاد کی زندگی کو محفوظ سے محفوظ تر رکھا جائے، ورنہ تباہی لازم ہے، قرآن حکیم کفار کی غیر ذمہ دارانہ ٹھاٹھ باٹ والی زندگی کی اس ہولناکی کو اجاگر فرمارہا ہے، دنیا میں دولت وثروت کے دھارے میں بہنے والے طبقے، کنبہ واولاد پر ناز کرنے والے افراد متوازن زندگی کے معیار پر نہیں ہیں، ان کی حالت کو دیکھ کر حیرت میں نہیں پڑنا چاہیے، اور ان کے عیش وعشرت پر تعجب نہیں کرنا چاہیے، کیوں کہ ان چیزوں نے ان کی زندگی کو سراسر فریب خوردہ بنادیا ہے، اور وہ اس زندگی میں طرح طرح کی الجھنوں میں مبتلا ہوگئے، تجارت کی فکر، اولاد کا غم بے راہ روی کی لعنت ظلم وستم کی چیرہ دستی، لوٹ کھسوٹ کی بالادستی، اور قسم قسم کے علائق کے باعث دین ودیانت کی تمام

راہیں ان سے دور ہو چکی ہیں، اور اس زندگی میں گھر جانے کا نتیجہ ہے کہ جب وہ دنیا سے چلتے ہیں تو نیک کام اور اچھے عمل و کردار کی پونجی سے ان کا ہاتھ سراسر خالی ہوتا ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ لَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَ اَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ اَنْ یُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِی الدُّنْیَا وَ تَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾

اور ان کے اموال و اولاد تم کو اچنبھے میں نہ ڈال دیں، اللہ تو چاہتا ہے کہ ان کو دنیا ہی میں ان چیزوں سے عذاب دے، اور اس حال میں ان کی جانیں نکلیں کہ وہ کافر ہوں۔

(پ ۱۰ ع ۱۷ سورۂ توبہ:۸۵)

جو لوگ اللہ، یوم آخرت، اور قانونِ مجازات پر عقیدہ نہیں رکھتے ہیں، اور ان کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ وہ دنیا میں خوب خوب مزے اڑا لیں، اور ان کی کوئی آرزو باقی نہ رہ جائے، ایسے لوگوں کے لیے قدرت مواقع فراہم کرتی ہے کہ وہ آرزو پوری کرلیں، اور ان کے دل میں کوئی حسرت وارمان باقی نہ رہ جائے، اور ان کو مال ودولت کی فراوانی ہوتی ہے، آل واولاد کی کثرت ہوتی ہے، عیش وعشرت کی زیادتی ہوتی ہے۔

وہ اسی دنیا میں اپنی جنت میں رہ لیتے ہیں، تاکہ جس آخرت پر وہ ایمان نہیں رکھتے، اس میں ان کے لیے کوئی حصہ نہ ہو، یہ دنیا میں اموال واولاد کی زندگی ویسے بہت خوش وخرم معلوم ہوتی ہے، مگر درحقیقت وہ ہر عیش وعشرت میں رہ کر بھی ”ھل من مزید“ کی آگ میں جلا کرتے ہیں۔

لہٰذا ان کی بے مہار زندگی سے مسلمان اچنبھا محسوس نہ کریں، مسلمانوں کی زندگی مقید ہے، ان کی آمدنی اور خرچ دونوں میں حلال وطیب کی پابندی لگی ہوئی ہے، وہ ایک مقدس

نظامِ حیات کے ماتحت زندگی بسر کرتے ہیں، اوران کے ہر کام میں پابندی ہوتی ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ لَا تُعۡجِبۡكَ اَمۡوَالُهُمۡ وَ اَوۡلَادُهُمۡ ؕ اِنَّمَا يُرِيۡدُ اللّٰهُ اَنۡ يُّعَذِّبَهُمۡ بِهَا فِى الدُّنۡيَا وَ تَزۡهَقَ اَنۡفُسُهُمۡ وَهُمۡ كٰفِرُوۡنَ ﴿۸۵﴾

اوران کے اَموال واَولاد تم کو تعجب میں نہ ڈالیں ، اللہ تو چاہتا ہے کہ ان کو دنیا ہی میں ان چیزوں کے ذریعہ ان کو حیاتِ دنیا میں عذاب دے، اوران کی جان کفر کی حالت میں نکلے۔ (پ۱۰ع۱۷سورۂ توبہ:۸۵)

جن لوگوں کا مقصدِ زندگی صرف دنیا ہے، وہ سب کچھ صرف اسی کو سمجھتے ہیں، ان کے نزدیک اس کے بعد کی زندگی غیر یقینی ہے، اور وہ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ، ان کے لیے یہی دنیا سب کچھ ہے، اس لیے ان کے لیے طرح طرح کی آسائش اور آرائش ہے، مال ودولت کی بہتات ہے، اور آل واولاد کی کثرت ہے۔

غرض کہ ظاہری زندگی کے تمام سامان مہیا ہیں، اور وہ اس زندگی کو بظاہر نہایت شان سے بسر کررہے ہیں، مگر خوب یادرکھنا چاہیے کہ یہ عیش وعشرت کی فراوانی بھی ان کے لیے وبالِ جان ہے، اوران سب کی موجودگی میں بھی ان کو ایک دم کے لیے سکون واطمینان نہیں ہے، بل کہ ہر لمحہ الجھن، پریشانی اور اضطراب ہے، تم آج کے کھاتے پیتے لوگوں کو دیکھ لو، ان میں کون ہے جو بے فکری کی نیند سوتا ہے، اور بے غم ہو کر ہنستا ہے، بلکہ ان کے مقابلہ میں ان لوگوں کو ہر طرح کی راحت ہے، جو زندگی کی ضروریات سے بڑی حد تک محروم ہیں، اور سکون واطمینان سے رہتے ہیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ لَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَ اَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا وَ تَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾

نہ تعجب میں ڈال دے تم کو ان کے مال اور اولاد ان چیزوں کی وجہ سے اللہ ان کو عذاب دیتا ہے دنیا کی زندگی میں اور ان کی جان نکلے گی، اور وہ کافر ہوں گے۔

(پ ۱۰ ع ۱۷ سورۂ توبہ: ۸۵)

انسانی ترقی اور سربلندی کا معیار مال و دولت اور آل واَولاد کی کثرت نہیں ہے، اور اس سے کوئی طبقہ اور معاشرہ ترقی یافتہ، خوش حال اور قابلِ ستائش قرار نہیں دیا جاسکتا، کیوں کہ اس سے نہ جسم وروح میں صحت بخش توانائی پیدا ہوتی ہے، نہ اَخلاق وانسانیت میں جلا پیدا ہوتی ہے، اور نہ سکون واطمینان کی فضا بحال ہوتی ہے، بل کہ یہ تو طرح طرح کی الجھنوں اور پریشانیوں کا باعث ہے۔

تم دیکھ لو کہ آج جن ملکوں اور قوموں میں دنیا ہی دنیا ہے، ان کا کیا حال ہے؟ ان کو نہ مرتے بنتا ہے، نہ جیتے بنتا ہے، اور موت وحیات کی کش مکش میں دن پورے کررہے ہیں، ایسی زندگی ایمان ویقین کی اطمینان بخش قدروں سے آخری دم تک محروم رہتی ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ لَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَ اَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا وَ تَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾

اور ان کے اَموال واَولاد تم کو تعجب میں نہ ڈالیں، اللہ تو چاہتا ہے کہ ان کو دنیا ہی میں ان چیزوں کے ذریعہ ان کو حیاتِ دنیا میں عذاب دے، اور ان کی جان کفر کی حالت میں نکلے۔ (پ ۱۰ ع ۱۷ سورۂ توبہ: ۸۵)

مسلمان قوم دنیا میں دنیا کا نظام چلانے کے لیے ہے، اور اسے اپنی ذمہ داری محسوس کر کے اس دنیا سے اپنا وہی حصہ لیتا ہے، جو اس کے لیے کافی ہو سکے، بل کہ دنیا پر خدا کے اور بندوں کا حق ہے، اس پر ہمارا پورا حق نہیں ہے، چوں کہ مسلمانوں کو اسی کی تعلیم دی ہے، اور ان کا مزاج رزق و معیشت کے معاملہ میں اسی طرح کا ہے۔

اس لیے اگر مسلمانوں کو دنیا میں رزق و معیشت کے بارے میں فی نفسہ کمی نہ ہو، تو شکایت نہیں کرنی چاہیے، البتہ جائز ضرورت پوری نہ ہو تو اللہ کی زمین سے اپنا رزق حاصل کرنے کی پوری کوشش کرنی چاہیے، اس کا حق ہر مسلمان اور ہر انسان کو قدرت نے دیا ہے۔

باقی رہی بات کہ کچھ لوگ دنیا میں صرف اسی لیے جیتے ہیں کہ کھائیں پئیں، اور عیش و عشرت کر کے مر جائیں، تو چوں کہ ان کا تصور زندگی ہی دوسرا ہے، اور وہ اسی دنیا کو اپنی دوزخ و جنت سمجھتے ہیں، اس لیے اسی پر اپنے کو قربان کیے رہتے ہیں، اور جو لوگ بھی یہ عقیدہ رکھ کر کام کریں گے، ان کو ان کی کوشش کا بدلہ دیا جائے گا، اور قدرت کا قانونِ مجازات اس میں کمی نہیں کرے گا، ایسے لوگوں کے پاس اَموال و اولاد کی کثرت ہوگی، عیش و عشرت کی فراوانی ہوگی، اور وہ ہمارے مقابلہ اپنی جنت اَرضی میں ہوں گے، یہ ان کا دنیا سے حصہ ہے، جو پورے طور سے مل رہا ہے، وہ یہیں سب کچھ کر لیتے ہیں، اور آخرت کے عقیدہ سے خالی ہو کر دنیا ہی میں ان کا حساب و کتاب ہو جاتا ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ لَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَ اَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا وَ تَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾

اور آپ ان کے مال و اولاد سے تعجب نہ کریں، اللہ چاہتا ہے کہ ان کو ان چیزوں سے

دنیا میں عذاب دے، اور وہ جان نکلنے تک کافر ہی رہیں گے۔ (پ۱۰ع۱۷سورۂ توبہ: ۸۵)

اوپر سے بیان چل رہا ہے کہ اے رسول! آپ ان کفار و مشرکین کے ساتھ اسلامی عقائد و کردار کا برتاؤ نہ کیجئے، جو اسلام کے منکر ہیں، اور ان کی موت انکار ہی پر واقعہ ہوئی ہے، اور جو اسلامی کردار و عقائد کو اپنے لیے ہمیشہ عبث سمجھتے رہے۔

اب فرمایا جارہا ہے کہ کفار و مشرکین کی ظاہری شان و شوکت سے مسلمان کو ہرگز متعجب نہ ہونا چاہیے، اور ان کے پاس مال و دولت اولاد کی کثرت اور فراوانی دیکھ کر نہ مرعوب ہونا چاہیے، اور نہ ہی اپنے بارے میں احساس کمتری کا ذہن پیدا کرنا چاہیے، کیوں کہ یہ مال و زر، آل و اولاد کی کثرت ان کے لیے کچھ مفید نہیں ہے، بل کہ اس کی وجہ سے ان زندگی رات و دن طرح طرح کی الجھنوں میں مبتلا رہتی ہے، نہ کسی دن چین سے کھانے پینے کی نوبت آتی ہے اور نہ رات سکھ سے سونے کی باری آتی ہے۔

بل کہ رات دن طرح طرح کے الجھاؤ ان کا پیچھا کیے رہتے ہیں، اور اولاد اور مال جو دنیا میں سکون کا بہترین ذریعہ ہیں، ان کے حق میں الجھنوں کا باعث بنا رہتا ہے۔

نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ کی ان نعمتوں میں زندگی بھر رہنے کے بعد جب وہ دنیا سے جاتے ہیں، تو کفر و انکار کی موت مرتے ہیں، اور مرنے کے بعد بھی سکون کی آسرا ختم ہوتی ہے، بخلاف مومن کے کہ اس کے مال و دولت اور اولاد کی کثرت ہوتی ہے، تو وہ ان کی وجہ سے بڑا سکھ پاتا ہے، اور زندگی بھر قلبی سرور اور روحانی تسکین محسوس کرتا ہے، اور جب دنیا سے جاتا ہے، تو شکر و عبادت کی فضا میں اس کی موت آتی ہے، بشرطے کہ وہ مال اور اَولاد میں اسلامی تعلیمات و کردار کا مظاہرہ کرے، اور کافرانہ ذہنیت سے دور رہ کر خالص اسلامی ذہنیت سے مال و اَولاد میں تصرف کرے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ لَا تُعۡجِبۡكَ اَمۡوَالُهُمۡ وَ اَوۡلَادُهُمۡ ؕ اِنَّمَا يُرِيۡدُ اللّٰهُ اَنۡ يُّعَذِّبَهُمۡ بِهَا فِى الدُّنۡيَا وَ تَزۡهَقَ اَنۡفُسُهُمۡ وَ هُمۡ كٰفِرُوۡنَ ﴿۸۵﴾

پس ان کے اموال اوران کی اولاد آپ کو تعجب میں نہ ڈال دیں، اللہ چاہتا ہے کہ ان چیزوں کے ذریعہ انھیں حیاتِ دنیا میں عذاب وتکلیف دے اوراس حال میں ان کا دم نکلے کہ وہ کافر ہوں۔ (پ۱۰ع۱۷سورۂ توبہ:۸۵)

جولوگ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی زندگی بسر کر کے مال ودولت جمع کرتے ہیں، اور دنیا میں بے پناہ آرام وآسائش سے رہتے ہیں، ان کی اس حالت پر اہل ایمان کو تعجب نہیں کرنا چاہیے، اللہ تعالیٰ اپنے منکروں پر دنیا عام کرتا ہے،تو ان کا حق نہیں ہوتا بل کہ ان کے حق میں ابتلاء وآزمائش ہوتی ہے۔

ایسے شخص کو دانہ نہیں ملنا چاہیے، مگر اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اپنے ماننے والوں کی طرح اپنے منکروں کو بھی پالتی ہے، اور جن منکروں پر دنیا مسلط کرتی ہے، وہ خوش حال اور خوش مآل نہیں ہوتا، بل کہ ان کا انجام نہایت بُرا ہوتا ہے۔

ایسے لوگوں کے لیے مال ودولت عذابِ الٰہی کی شکل ہوتی ہے،اور وہ اس میں رات دن پھنس کر دین وایمان، اخلاق وانسانیت اور رشد وہدایت سے ہمیشہ کے لیے محروم رہتے ہیں، اس لیے ان کی دولت پر کسی طرح رشک نہیں کرنا چاہیے، بل کہ ان کو دیکھ کر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اس نے ہم کو اس دنیا میں مال ودولت اور آل واولاد کے عذاب میں مبتلا نہیں کیا ہے، بل کہ بقدرِ ضرورت مال ودولت اور آل واولاد دے کر دین وایمان کی زندگی دی ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ لَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَ اَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ اَنْ یُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِی الدُّنْیَا وَ تَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾

ان کے مال اور اولاد آپ کو تعجب میں نہ ڈال دیں، اللہ چاہتا ہے کہ ان چیزوں کے ذریعہ انھیں دنیاوی زندگی میں عذاب دے اور ان کی جانیں پریشان ہوں اور وہ کافر ہیں۔

(پ ۱۰ ع ۱۷ سورۂ توبہ: ۸۵)

دنیا میں دولت وثروت ایک اعتبار سے بڑی اچھی چیز ہے، اور دوسرے اعتبار سے بہت ہی بُری چیز ہے، اور عام طور سے اس کی بُرائی اس طور سے ظاہر ہوتی ہے کہ اچھائی کا پہلو دب جاتا ہے، اور اس سے فائدہ کے بجائے نقصان کا عام ظہور ہوتا ہے، اور انسان کے اندر مال و دولت کی ضرورت کا احساس بہت زیادہ ہوتا ہے۔

خاص طور سے کسی طرح کی بدحالی کے زمانے میں دوسروں کی دولت وثروت دیکھ کر اپنی محتاجی اور بھی تکلیف دہ بن جاتی ہے کہ اس قسم کا حال اللہ کے ان مقدس بندوں کا بھی تھا، جو ابتدائے اسلام میں سخت مصیبت کی زندگی گزار رہے تھے، اور اسلام کے نام پر مال دار کفار و مشرکین کے مظالم سہہ رہے تھے۔

ان حضرات کو ان دولت مندوں اور سرمایہ داروں سے بڑی اذیت پہونچتی تھی، اور بشری تقاضے کی بنا پر بعض اوقات مسلمانوں میں سے بعض کو خیال ہونے لگتا ہے کہ ہم اللہ کے نام لیوا ہیں، اسلام کو لے کر اٹھے ہیں، اور اللہ کے نام کو بلند کرنا ہمارا نصب العین ہے، اور ہمارے دشمنوں کے پاس مال داری و فراخی ہے، جس کی وجہ سے ہم پر ظلم و ستم کرتے ہیں۔

اگر ہمارے پاس یہ دولت ہوتی، تو ہم ان سے دین کا کام لیتے، اور اللہ کی دی ہوئی دولت کو دین کے لیے خرچ کرتے، اور اللہ کے نیک بندے بن کر امن وسکون کی

زندگی بسر کرتے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

غیروں کی دولت دراصل ان کے لیے بڑے ابتلاء کی چیز ہے، اور وہ اس کی وجہ سے بڑی بڑی پریشانیاں دیکھیں گے، دولت کا فتنہ انسان کو کہیں کا نہیں چھوڑتا، اور جب تک اسے تباہ و برباد نہ کرلے، ساتھ نہیں چھوڑتا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ لَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَ اَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا وَ تَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾

ان کے مال اور اولاد آپ کو تعجب میں نہ ڈال دیں، اللہ چاہتا ہے کہ ان چیزوں کے ذریعہ انھیں دنیاوی زندگی میں عذاب دے اور ان کی جانیں اس حال میں رخصت ہوں کہ وہ کافر ہوں۔ (پ ۱۰ ع ۱۷ سورۂ توبہ: ۸۵)

تم دیکھتے ہو کہ خدا کے منکروں، دین و دیانت کے دشمنوں اور اخلاق و روحانیت کے مخالفوں کی زندگیاں اس دنیا میں کس قدر ٹھاٹھ سے گزرتی ہیں، جو انسانیت و شرافت کی حدود سے جس قدر دور ہے، اسے عیش و عشرت کی ظاہری قدریں اسی قدر حاصل ہیں، بدکاروں، فاسقوں، فاجروں، کافروں، اوباشوں، لچوں کی زندگیاں شتر بے مہار کی طرح ہر قسم کے اصول و قوانین سے آزاد ہیں، نہ کسی مقام پر دین و ایمان کی رکاوٹ ہے، نہ کسی جگہ شرم و حیاء دامن گیر ہے، نہ کہیں اخلاق و کردار کی گرفت ہے، بل کہ ہر جگہ، ہر وقت، اور ہر معاملہ میں پوری آزادی ہے، وہ جیسے چاہیں رہیں، جو چاہیں کریں، اور ان کی شریر طبیعت ان سے جو چاہے کام لے۔

ایسی بے ضابطگی اور لاقانونیت کے شکاروں کو تم روزانہ دیکھتے ہو تو کیا سمجھتے ہو کہ ان کی دنیا ہے، ان کو جینے کا مزا ہے، اور انھیں کو حقیقی زندگی حاصل ہے؟

اگر ایسا خیال کر کے اپنی باضابطہ اور بااصول اور منظم زندگی پر نظر دوڑاتے ہو تو تم غلطی پر ہو، اگر تم ایسے اخلاق وانسانیت سے عاری اور دین وروحانیت سے بے بہرہ کھاتے، پیتے، ہنستے کھیلتے، لوگوں پر رشک کرتے ہو، تو اس سے بہتر ہے کہ تم جنگل کے شیروں اور چیتوں پر رشک کرنے لگو، بھیڑیوں اور تیندوؤں کی زندگی کو معیار سمجھ کر اس جیسی زندگی کی تمنا کرنے لگو، دیکھو کہ بھٹ کے شیر اور کچھار کے ببر کس طرح آزادی میں صبح وشام بسر کرتے ہیں۔

ان کی صبحیں کتنی دل کش وحسین ہوتی ہیں، ان کی شامیں کس قدر بہار زرنگار ہوتی ہیں، جب چاہا کھالیا، جب چاہا سو گئے، جب چاہا کسی شکار پر جھپٹ پڑے، دنیا ان کی ہے، اور دنیا کی ساری آزادیاں ان کے لیے ہیں۔

خوب یاد رکھو! بے مہار اور غیر ذمہ دار زندگی، بظاہر کام یاب معلوم ہوتی ہے، مگر درحقیقت اس کی ناکامی بہت ہی عبرت ناک اور پُرخطر ہوتی ہے، اور بااصول اور ذمہ دار زندگی کے چند دن کے پُرسکون کارنامے بے غیرت اور بے عزت اور غیر ذمہ دار زندگی کے صدہا سال باجاہ وحشمت مظاہرے سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہیں۔

وَ اِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ جَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَ قَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ ۝۸۶

اور جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے کہ اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول کے ساتھ مل کر جہاد کرو، تو ان میں مقدور والے آپ سے اجازت طلب کرتے ہیں، اور کہتے ہیں

کہ ہمیں چھوڑ دو، ہم بیٹھ رہنے والوں کے ساتھ رہیں گے۔ (پ ۱۰ ع ۱۷ سورۂ توبہ: ۸۶)

ایمان واخلاص اور للّٰہیت وایثار کی قدریں ان ہی لوگوں کی دنیا میں زیادہ ملی ہیں، جن کے پاس دنیا کی ظاہری دولت وثروت اور جاہ وحشمت کی مقدار کم رہی ہے، بخلاف اس کے جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ دین وایمان کے تقاضوں پر پوری طرح عمل کرنے کے لیے حالات سازگار کیے ہیں اوران کے پاس ہرطرح کا ظاہری آرام حاصل رہا ہے، انھوں نے ہمیشہ دینی تقاضوں کے پورا کرنے میں کوتاہی اور کمی کی ہے، اور جب بھی اللہ کی راہ میں قربانی دینے کا، کام کرنے کا اور جان ومال کو سچائی کی راہ میں پیش کرنے کا وقت آیا ہے تو ایسے لوگوں نے پیچھا دکھایا ہے، اور طرح طرح کے بہانوں اور حیلوں سے اپنی بزدلی اور دین سے بے تعلقی پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی ہے۔

یہی حال عہدِ رسالت میں تھا کہ جب موٹے موٹے منافقوں کو پتہ چلتا کہ دین کے لیے قربانی دینے کا وقت آ رہا ہے، تو انھوں نے عورتوں کی طرح گھر میں بیٹھ رہنے کی باتیں کیں ہیں، اور آج بھی اس قسم کے حالات ہیں، جب کوئی دینی کام آتا ہے تو مال دار عام طور سے بزدلی کی باتیں کرنے لگتے ہیں، اور جہاں کہیں دنیاوی عزت وآبرو کا سوال آتا ہے تو رات دن مارے مارے پھرتے ہیں، اور بے دریغ دولت اور محنت خرچ کرتے ہیں، اس کی بہترین مثال مال دار اور سیاسی مہروں کی ہے، تم ان کی زندگیوں کو دیکھ لو تو اس حقیقت کا اچھی طرح علم ہو جائے گا، حالاں کہ اگر یہ نیکی میں حصہ لیں تو اللہ ورسول اور عوام سب کے نزدیک اچھے ثابت ہوں، اور اجر پائیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَ اِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ جَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا

الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَ قَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿۸۶﴾

جب کوئی سورہ اس مطلب کی نازل ہوتی ہے کہ تم لوگ اللہ پر ایمان لاؤ، اور اللہ کے رسول کے ساتھ ہو کر جہاد کرو، تو ان میں استطاعت والے آپ سے اجازت چاہتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ہمیں چھوڑ دیجئے ہم بیٹھنے والوں کے ساتھ ہی رہیں گے۔

(پ۱۰ ع ۱۷ سورۂ توبہ: ۸۶)

یہ بات تقریباً تمام مسلمات میں سے ہے کہ جو جس قدر بزدل ہوتا ہے وہ اسی قدر باتیں بناتا ہے، درحقیقت بزدل کے لیے بات بنانا ایک ایسا پردہ ہے، جس میں وہ اکثر چھپ جایا کرتا ہے، اور سوسائٹی میں بزدل لوگ اپنی چرب زبانی سے کام بنالیا کرتے ہیں۔

زمانۂ رسالت میں ایسے بزدل چرب زبان لوگ بھی تھے جو ہر بات میں ڈینگیں مارا کرتے تھے، اور مسلمانوں میں زیادہ سے زیادہ اثر ورسوخ اور اعتماد پیدا کرنے کے لیے خوب خوب باتیں بناتے تھے۔

اپنی بہادری کی باتیں سناسنا کر مسلمانوں کو یقین دلاتے تھے کہ اگر اسلام کے دشمنوں سے مقابلہ ٹھن گیا، تو ہم ان کے چھکے چھڑا دیں گے، اور مار مار کر فرش کر دیں گے، حالاں کہ یہ بزدل اور کم ظرف لوگ اس قدر بدعقیدہ اور اور بدعمل تھے کہ بار بار کی فہمائش کے باوجود نہ کھل کر مسلمان ہوتے تھے، اور نہ نکل کر کفار کے ساتھ رہتے تھے، دراصل یہ بزدل اور ڈرپوک قسم کے لوگ تھے، جن کو دونوں سے خطرہ لگتا رہتا تھا، اور جو کسی طرف سے بگاڑ کر کے اپنے کو ایک طرف کرنا نہیں چاہتے تھے۔

کبھی کبھی بہادر بننے والے بزدلوں سے مطالبہ کیا جاتا تھا کہ اچھا اگر تم اس قدر اسلام کے فدائی اور کفر وشرک کے دشمن ہو تو پھر کھل کر اللہ پر ایمان لاؤ، اور رسول کے ساتھ

میدان جہاد میں نکلو، اور بہادری کی داد لو، تو پھر یہ لوگ بغلیں جھانکنے لگتے اور اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگتے، گھر میں ہر قسم کی بے فکری کے باوجود رسول اللہ سے اجازت مانگتے تھے کہ فلاں فلاں باتیں جہاد میں جانے سے روکتی ہیں، اب کی بار آپ ہمیں رہنے کی اجازت دے دیں، اگر آئندہ موقع ملا تو ہم آپ کے ساتھ جہاد کو ضرور چلیں گے۔

ایسے ہی موقعوں پر کفر و نفاق کی قلعی کھل جاتی تھی، اور دال آٹے کا بھاؤ معلوم ہو جاتا تھا، آج بہت سے مسلمان باتوں میں اسلام اور اللہ و رسول سے بڑی دلچسپی کا اظہار کرتے ہیں، مگر سب کچھ ہوتے ہوئے دین پر عمل کرنے سے کتراتے ہیں، اور طرح طرح کا بہانا بناتے ہیں، دولت مند مسلمان حج کے لیے ہر قسم کی آسانی کے باوجود خوب باتیں بناتے ہیں، بل کہ دوسروں سے کہتے ہیں کہ دعا کرو کہ میں بھی حج کی نعمت سے بہرہ یاب ہو سکوں، حالاں کہ ان کے لیے دعا کی ضرورت نہیں ہے، بل کہ اٹھ چلے جانے کی دیر ہے، یہ باتیں اسلام پسندی کی نہیں ہیں، اسلام میں ظاہر و باطن ایک ہونا چاہیے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

رَضُوْا بِاَنْ یَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ وَ طُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا یَفْقَهُوْنَ ﴿۸۷﴾

وہ اس بات پر رضامند ہو گئے کہ پیچھے رہ جانے والی عورتوں کے ساتھ رہیں، اور ان کے دلوں پر مہر کر دی گئی ہے، پس وہ کچھ نہیں سمجھتے ہیں۔ (پ ۱۰ ع ۱۷ سورۂ توبہ: ۸۷)

جن لوگوں کے اندر حوصلہ، ہمت اور اولوالعزمی نہیں ہوتی ہے، ویسے تو بڑے عزت مند بنتے ہیں، اور وہ ہر وقت چاہتے ہیں کہ جماعت میں ان کے احترام کو مدنظر رکھا جائے، اور ہر شخص ان کو ہاتھوں ہاتھ لیے رہے، مگر جب بڑھ کر عزت، آبرو کی دولت لوٹنے اور عوام میں مقبول بننے کا وقت آتا ہے، تو وہ دم دبا کر پیچھے بھاگ جاتے ہیں، اور بزدلی کا سماں پیش

کرتے ہیں کہ ان کی اس حرکت پر عوام کو بے اختیار ہنسی آتی ہے، اور ان کی نظروں سے ایسے کمینے لوگ گر جاتے ہیں۔

خوب سمجھ لو کہ جو لوگ وقت کی پکار پر لبیک کہہ کر آگے نہیں بڑھیں گے، ان کو عزت وحرمت کا کوئی تحفہ نہیں ملے گا، اور وہ زندگی بھر آبرو سے بہرہ یاب نہیں ہو سکتے، زنانہ پن کے کرتبوں سے مردانگی نہیں آتی، گھر میں گھسے رہنے سے باہر کی ہوا نہیں لگتی، مردانگی، اور بہادری دکھانے کے وقت زنانہ پن اور بزدلی کے مظاہرے سے شرافت کی قاش نہیں ملتی۔

پس آج جو لوگ دین ودیانت یا کسی بھی دنیاوی کام میں عزت وآبرو کے خواہاں ہیں، ان کو نکل کر حالات کا مقابلہ کرنا پڑے گا، ورنہ ان کو کوئی مقام نہیں مل سکتا، یہ باتیں ان لوگوں کے لیے کارآمد ہو سکتی ہیں، جن کے جوف میں جیتا جاگتا دل ہے، جن میں احساس وشعور کا مادہ باقی ہے، جو انسانیت کے جوہر دار ہیں، اور جو لوگ دل ونگاہ کی دولت سے محروم ہو چکے ہیں، جن کے دل حرص وہوس کی وجہ سے اپنی موت آپ مر چکے ہیں، اور جن پر غور وفکر کا کوئی حصہ باقی نہیں ہے، وہ ان باتوں کو نہیں سمجھ سکتے، وہ اپنے کو سب سے بڑا عقل مند سمجھ کر ساری دنیا کو بے وقوف سمجھتے ہیں، اس لیے ان کی بے وقوفی ختم نہیں ہو سکتی، اور ان کو کوئی طاقت سمجھا نہیں سکتی، جو لوگ بھی بے وقوفی کی اس حد کو پہونچ گئے ہیں، وہ جہل مرکب کا شکار ہو چکے ہیں، اور ان کو کوئی بات بتانا بے فائدہ ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ ؕ وَ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۫ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۸۸﴾

لیکن رسول اور وہ لوگ جو ان کے ساتھ ایمان لائے ہیں، اور انھوں نے اپنے

مالوں اور جانوں کے ذریعہ جہاد کیا ہے، اور ان ہی لوگوں کے لیے بھلائیاں ہیں، اور یہی لوگ کام یاب ہیں۔ (پ ۱۰ ع ۱۷ سورۂ توبہ: ۸۸)

زبان سے دین و ایمان کے دعوے دار تو بہت ہوتے ہیں، مگر صرف زبانی جمع خرچ سے کام نہیں چلتا، بل کہ کچھ کام کرنا پڑتا ہے، یوں تو زبانی اسلام کا دعویٰ بھرنے والے زمانۂ رسالت میں بہت تھے، اور بات بات پر اپنی اسلام دوستی کا پروپیگنڈہ کیا کرتے تھے، مگر جب کام کرنے کا وقت آتا تھا، تو ان میں سے کسی کا پتہ نہیں چلتا تھا، اور وہی لوگ کام آتے تھے، جو نہ زبانی بڑ مارتے تھے، اور نہ اپنی اسلام دوستی کا پروپیگنڈہ کرتے تھے، بل کہ ٹھوس طریقہ سے نہایت خاموشی کے ساتھ خود بھی دین و دیانت پر عمل کرتے تھے، اور دوسروں سے بھی عمل کرانے کی کوشش کرتے تھے۔

ان کی اسلام پسندی کا عالم یہ تھا کہ اس راہ میں اپنی جان اور اپنا مال تک بے دریغ خرچ کرتے تھے، اس کی خاص وجہ یہ تھی کہ وہ رسول کے ساتھ ایمان لائے تھے، یعنی ان کے ایمان و اسلام کا محور وقتی مصلحت نفع اندوزی، مصلحت بینی اور ذاتی مفاد نہیں تھا، بل کہ وہ اخلاص و ایثار کی بنیاد پر اللہ و رسول کی پیروی کرتے تھے، اور اپنے اندر وہی جذبہ اور وہی زندگی پیدا کرتے تھے، جو اللہ کے رسول کی محبت سے ملتی تھی، وہ مجلسِ رسول میں حاضر باش رہا کرتے تھے، اور وہ ہر کام رسول کی ذات کو سامنے رکھ کر کیا کرتے تھے۔

اس لیے ان کا ایمان نہایت بے لوث، بہت ہی بے غرض اور بالکل سچا ہوتا تھا، بخلاف منافقین کے کہ یہ لوگ رسول کی مجلس میں آتے تو صرف دکھانے کے لیے آتے تھے، اور ہر بات میں رسول کی ذات گرامی سے ہٹ کر ہر ذاتی مصلحت اور اپنا مخفی نفع دیکھتے تھے، اس لیے ان کے ایمان میں اخلاص و ایثار کی تابش نہ پیدا ہوسکی، اور وہ دنیا سے ناکام ہوگئے۔

آج بھی یہی صورتِ حال برپا ہے، جولوگ صرف زبان سے مسلمان بنتے ہیں، مگر اَربابِ صدق ووفا اوراہل علم وتقویٰ سے ان کا کوئی واسطہ نہیں رہتا، متدین حضرات کی صحبت میں نہیں بیٹھتے، وہ اسلام کی اصلی آیت سے بے بہرہ ہوتے ہیں، اوراس محرومی کے نتیجہ میں اسلام کی بخششوں سے محروم رہتے ہیں، تم نیکوں اور دین داروں کی صحبت اختیار کرو، اوران کی صحبت سے تمہارے ایمانی تقاضوں میں جلا پیدا ہوگی، اورایمان واسلام کی اصلی لذت سے تم آشنا ہوگے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَ لَا عَلَى الْمَرْضٰى وَ لَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ؕ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۱﴾

نہیں ہے کمزوروں پراورنہ مریضوں پراورنہ ان لوگوں پر جوخرچ کرنے کے لیے نہیں پاتے کوئی تنگی، جب کہ وہ اللہ اوراس کے رسول کی خیر خواہی کریں۔

(پ۱۰ع۱۸ سورۂ توبہ:۹۱)

حق وصداقت اوردین وایمان کی حفاظت واشاعت کے لیے جان ومال کی قربانی کا وقت آجائے، اور جہاد میں شریک ہونا پڑے، تو اس سے دریغ نہیں کرنا چاہیے، اورجان ومال دونوں سے یا صرف مال یا جان سے جیسی حیثیت ہو، شریک ہونا چاہیے۔

البتہ جولوگ مریض ہیں، کمزور ہیں، جان کی بازی نہیں لگا سکتے، یا جولوگ نادار اور غریب ہیں، ان کے پاس اتنا نہیں ہے کہ تمنا اورآرزو کے باوجود اللہ کی راہ میں خرچ کرسکیں، تو ایسے معذوروں اور مجبوروں کی جان ومال سے عدم شرکت کوئی جرم وگناہ نہیں ہے، بشرطے کہ وہ دل سے شریک ہوں، اوراللہ ورسول اوردین وایمان کے بارے میں

خیرخواہانہ جذبات رکھتے ہوں ،اوراسلام کی کام یابی اور فتح کے لیے دعائیں کرتے ہوں، ایسےلوگ گویا شریک جہاد ہیں۔

بیت المقدس کے مقدس جہاد میں جو لوگ اس طرح سے مجبور ہیں،اور حالات وماحول کی تنگی کی وجہ سے اس میں جانی ومالی شرکت کرنے سے معذور ہیں،ان کو چاہیے کہ صدق دل سے دعا کریں، اوراسلام کی سربلندی اورکفر کی شکست کے نیک جذبات پیدا کریں،ان کی شرکت یہی ہے۔